JAHANGIR'S
World Times
PUBLICATIONS

# سراج اسلامیات لازمی

برائے

# CSS

پروفیسر ارشد اقبال چدھڑ

# انتساب

- اُس ذرۂ ریگ کے نام جو والد (مرحوم خضر حیات چدھڑ) اور والدہ مرحومہ کی قبور پر نویدِ سحر بن کر چمک رہا ہے۔
- ڈاکٹر سرفراز نعیمی (شہید) اور حافظ غلام حسین (مرحوم) کے نام جن کی رہنمائی میں حرف وصوت سے آشنائی ممکن ہوئی۔
- ایک باوفا دوست حاجی محمد رفیق (ڈائریکٹر فنانس JDW) کے نام جو اخلاص ومُرَوَّت کی عملی تصویر ہیں۔
- ڈاکٹر راغب حسین نعیمی (پرنسپل جامعہ نعیمیہ لاہور) کے نام جو طالبانِ حق کی اُمیدوں کا مرکز ہیں۔
- مقابلے کا امتحان دینے والے اُن طلبا کے نام جو خونِ جگر سے اپنا مستقبل رقم کر رہے ہیں۔

# پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کی توفیق، بے پناہ کرم اور اس کے محبوب، ہمارے آقا جناب احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی خاکِ پا کے صدقے نئے سلیبس کے مطابق یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں جہاں نئے سلیبس کے سوالات کو حل کیا گیا ہے، وہاں کتاب ہذا میں CSS 2020ء کے سوالات کو بھی حل کر دیا گیا ہے۔ اس طرح "سراج اسلامیات" جدید و قدیم کے حسین امتزاج کا نمونہ ہے۔۔۔۔ جوابات میں اہم نکات کو طلبہ کی سہولت کے لیے شروع میں دیا گیا ہے۔ اگر طلبہ اس طریقہ کار کو تمام پیپرز کی جوابی کاپی (Answer Sheet) میں بھی اختیار کریں جیسا کہ English Essay کے شروع میں Out lines دی جاتی ہیں تو یقیناً ممتحن (Examiner) کے لیے سہولت کا باعث ہو گا اور اس سے بہترین Marks آنے کی کامل اُمید ہے۔ طلبہ عمومی طور پر چند اُمور کا خیال نہیں رکھتے، اگر وہ درج ذیل اُمور پر توجہ کریں تو اسلامیات کے پیپر میں بہترین نمبرز حاصل کر سکتے ہیں۔

- طلبہ تعارف پر خوب محنت کریں۔ تعارف کے اندر تین طرح کے Sentences ہوتے ہیں۔ Thesis Statement یہ کسی بھی شخص کا نقطۂ نظر کہلاتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کو سپورٹ کرنے کے لیے Argumental Sentences ہوتے ہیں اور آخر پر Concluding Sentences جو Suggesion Based ہوں۔
- آیات اور احادیث کو یاد کرنا، لکھ کر ان کی پریکٹس کرنا اور پھر پیپر میں درج کرنا، ترجمہ کبھی بھی آیات کا متبادل نہیں ہو سکتا۔ اگر آیت پوری یاد نہ بھی ہو تو آیت کا مختصر حصہ بھی لکھ دینا کافی ہے۔
- بلاوجہ مغرب پر یا حکمرانوں پر تنقید نہ کرنا بلکہ مسائل (Issues) سے درست آگاہی اور ان کا صحیح حل بتانا، تاکہ ممتحن (Examinar) آپ کے پیپر سے مطمئن ہو سکے۔
- اہم نکات کو شروع میں دینا، مثبت سوچ کے ساتھ پیپر کو حل کرنا۔
- فرقہ وارانہ نقطہ ہائے نظر سے اجتناب کرنا، متنازعہ شخصیات کے حوالہ جات درج نہ کرنا۔ یہ بات یاد رہے کہ کتاب میں حوالہ جات کے حوالے سے اگر کوئی شخصیت متنازعہ بھی ہے تو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ کتاب کا اپنا پیٹرن ہے جب کہ پیپر میں اس کو Affored نہیں کیا جا سکتا۔

کتاب کی پروف ریڈنگ میں زوجہ محترمہ "باصرہ ملحوظ" اور برادرِ اصغر حافظ دلاور خان (PMS, 6th batch) نے بہت کاوش کی، میں ان کا شکر گزار ہوں اور کتاب کے ناشر محترم عدیل نیاز صاحب (Project Head World Times Academy) کا بھی ممنون احسان ہوں جو ایک وضع دار، نرم خو اور مشفق دوست ہیں جنھوں نے کتاب میں خصوصی دلچسپی لیتے ہوئے اس کے جملہ مراحل میں بھرپور تعاون کیا اور ان کے عملے کے لوگ بھی شکریے کے مستحق ہیں۔ بالخصوص محمد شیراز، عثمان بٹ، محمد علی جواد، عمران معراج، اور محمد قاسم جن کی کاوشوں کے سوا کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں اسی شوق، لگن اور جذبے سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

میں شکریہ کے اس موقع پر اپنے ان طلبہ کو بھی نہیں بھلا سکتا جو مجھ سے CSS میں عربی اور اسلامیات کے Subjects میں راہنمائی لیتے رہے جن کے ساتھ استاد اور شاگرد کا رشتہ ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ ایسا قلبی و روحانی تعلق اُستوار ہوا جو اب تک ٹوٹنے نہیں پایا۔ کسی استاد کے لیے اس سے بڑی کوئی خوشی نہیں ہوتی کہ اس کے شاگرد اسی میدان میں کامیاب و کامران ہوں جس کا انہیں درس دیا گیا ہو۔ انھیں طلباء میں سے توصیف حیدر (SSP) میرے پہلے طالب علم ہیں جنھوں نے سی ایس ایس میں "عربی زبان و ادب" کا مضمون پڑھا اور 2004ء میں سی ایس ایس میں سیکنڈ پوزیشن حاصل کی۔ بعد ازاں درج ذیل طلباء بھی اہم ہیں جو سی ایس ایس اور پی ایم ایس میں کامیاب ہوئے۔

(پولیس سروس پاکستان) (۱) محمد بشیر (سندھ) (۲) اسد ملہی (گجرات) (۳) کاشف ذوالفقار (گجرات) (۴) بہرام خان (بلوچستان) (۵) عبدالرؤف قیصرانی (۶) عمران کھوکھر (چنیوٹ) (۷) فاروق بجرانی (سندھ) (۸) تصور عباس (۹) عثمان ٹیپو (لاہور) (۱۰) محمد قیس (گجرات) (۱۱) منزہ کرامت (لاہور)۔

(پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروس) (۱) محمد سکندر ذیشان (لاہور) (۲) زین العابدین (سندھ) (۳) سحر (لاہور) (۴) عثمان جپہ (چنیوٹ) (۵) وسیم حامد (گوجرانوالہ) (۶) محمد عثمان عاربی (چنیوٹ) (۷) صہیب بٹ (لاہور) (۸) حافظ کریم داد چغتائی (۹) امر شاکر (سیالکوٹ) (۱۰) آمنہ احسان (حافظ آباد) (۱۱) حافظ ذیشان شریف (ڈی۔جی۔خان)

(فارن سروس پاکستان) (۱) عاطف ڈار (گجرات) (۲) محمد اسد (لاہور) (۳) محمد رمضان (سرگودھا) (۴) مرزا عمران مختار (گوجرانوالہ)

(کسٹم سروس پاکستان) (۱) محمد شہزاد (۲) محمد ثاقب میکن (منڈی بہاؤالدین) (۳) صائمہ (لاہور) (۴) محمد ارشد (فاٹا) (۵) قرۃ العین رائے (وہاڑی)۔

(ان لینڈ ریونیو سروس) (۱) نیلم افضال (لاہور) (۲) محمد ظفر (خوشاب) (۳) عطاء (بلوچستان) (۴) ڈاکٹر اسد (سندھ) (۵) ماجد (سندھ) (۶) شاہ زیب (گجرات) (۷) احسن (لاہور) (۸) عاصم منج (لاہور) (۹) سید ناصر جمال شاہ (۱۰) رضوان (آزاد کشمیر) (۱۱) محمد سلیم (اوکاڑہ) (۱۲) رائے ذوالفقار (حافظ آباد) (۱۳) اکبر میو (قصور)

(آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس) (۱) آمنہ (لاہور) (۲) محمد افضال (نارووال) (۳) محسن (لاہور) (۴) حافظ احمد شیر (۵) شیراز (سندھ) (۶) کاشف (لاہور) (۷) عندلیب (لاہور) (۸) جواد (لاہور)۔

(انفارمیشن گروپ) (۱) انتصار احمد (نارووال) (۲) محمد جاوید (چنیوٹ)۔

(آفس مینجمنٹ گروپ) (۱) محمد اصغر (قصور) (۲) حافظ عبید (لاہور) (۳) سلمان یوسفی (لاہور) (۴) شہزاد مسعود (لاہور) (۵) علی رضا (چنیوٹ) (۶) اسداللہ (بلوچستان) (۷) ڈاکٹر علینہ (لاہور) (۸) اقصیٰ (لاہور)

(ملٹری لینڈ، کامرس اینڈ ٹریڈ) ضرغام عباس جبوآنہ (پوسٹل سروس) سید رئیس الحسن (کامرس اینڈ ٹریڈ، سرگودھا) فیصل وٹو (ملٹری لینڈ، اوکاڑہ)

CSS کے علاوہ PMS میں کچھ ایسے دوست اور طلبہ جن کا نام لیے بغیر چارہ نہیں ان میں (۱) عمران بشیر (گجرات) (۲) ظہیر جپہ (چنیوٹ) (۳) حیدر وٹو (اوکاڑہ) (۴) شاہد شاہ (شیخوپورہ) (۵) محمد عامر کنگ (گجرات) (۶) عبدالرزاق (پاکپتن) (۷) سمیرا امبرین (لاہور) (۸) ذوالفقار (گوجرانوالہ) (۹) خرم بھٹی (۱۰) محمد جعفر (نارووال) (۱۱) عابد کلیار (۱۲) غلام عباس (۱۳) محمد اقبال (ننکانہ) (۱۴) اسامہ شیروان نیازی (لاہور) (۱۵) عرفان ہنجرا (شیخوپورہ) (۱۶) احسن ممتاز (سرگودھا) (۱۷) رب نواز چدھڑ (چنیوٹ) (۱۸) محمد سلیم آسی (چنیوٹ) (۱۹) فاروق گوندل (منڈی بہاؤالدین)۔ یہ وہ طلبہ ہیں جن کے اسماء مجھے یاد تھے، دیگر بہت سارے ہیں جن کا نام نہیں لکھا جاسکا، اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

خاکِ راہ حجاز
**پروفیسر ارشد اقبال چدھڑ**
0333-4103614
*Facebook. Prof Arshad iqbal Rafai*
*yutube. Al Khizar Islamic Channel*

# اسلامیات سلیبس

## نصاب: مطالعہ اسلام/معارف اسلامی

### 1- اسلام کا تعارف

- اسلامی نظریہ حیات
- انسانی زندگی میں دین کی اہمیت
- دین اور مذہب میں فرق
- اسلام کی نمایاں خصوصیات
- عقیدۂ توحید کا انفرادی اور معاشرتی زندگی پر اثر
- عقیدۂ آخرت کا انفرادی اور معاشرتی زندگی پر اثر
- اسلامی عبادات کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات
  - نماز
  - روزہ
  - زکوٰۃ
  - حج

### 2- سیرتِ طیبہ ﷺ کا مطالعہ بحیثیت نمونہ عمل

- انفرادی زندگی کے لیے نمونہ عمل
- سفارت کار کے لیے نمونہ عمل
- معلم انسانیت کے لیے نمونہ عمل
- سپہ سالار اور جنگی منصوبہ ساز کے لیے نمونہ عمل
- پیغمبر امن ﷺ

### 3- انسانی حقوق اور اسلام میں خواتین کا مقام ومرتبہ

- انسانی حقوق اور اسلام میں خواتین کا مقام ومرتبہ
- اسلام میں عورت کا مقام

### 4- اسلامی تہذیب وثقافت

- معانی اور اہم اجزا
- سماج اور انسانی شخصیت کی تعمیر میں تہذیب کا کردار
- اسلامی تہذیب وتمدن، مفہوم، خصوصیات اور انسانی زندگی پر اثر

### 5- اسلام اور دُنیا

- اسلامی تہذیب کے یورپ پر اثرات
- اسلام اور عصر حاضر کے چیلنجز (جدیدیت اور مابعد جدیدیت)
- دہشت گردی اور انتہا پسندی
- فرقہ واریت

### 6- پبلک ایڈمنسٹریشن اور اسلامی طرز حکمرانی

- پبلک ایڈمنسٹریشن (انتظام ریاست) کا اسلامی تصور
- بہترین نظام حکمرانی کے لیے قرآنی رہنمائی
- اسلام میں نظام حکومت کا ڈھانچہ
- خلفائے راشدین کا طرز حکمرانی
- حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے حکومتی عہدے داروں کے نام خطوط
- سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں
- خلفائے راشدین کے دور میں احتساب کا نظام

### 7- اسلامی ضابطۂ حیات

- اسلام کا سیاسی نظام
- اسلام کا اقتصادی نظام
- اسلام کا اخلاقی نظام
- اجماع اور اجتہاد کے اصول وضوابط

# فہرست

باب نمبر 1

## اسلام کا تعارف

باب نمبر 2

## سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ بحیثیت نمونہ عمل



باب نمبر 3

## انسانی حقوق اور اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ



باب نمبر 4

## اسلامی تہذیب و تمدن

باب نمبر 5

# اسلام اور دُنیا



باب نمبر 6

# پبلک ایڈمنسٹریشن اور اسلامی طرز حکمرانی

باب نمبر 7

## اسلامی ضابطۂ حیات



## سی ایس ایس سابقہ پرچہ جات



........................................

باب نمبر 1

# اسلام کا تعارف

- تصورِ اسلام
- اسلام کے نمایاں پہلو
- اسلام میں انسانی وقار اور احترام آدمیت
- اسلامی نظریہ حیات
- انسانی زندگی میں دین کی اہمیت
- دین اور مذہب
- عقیدۂ توحید کا انفرادی اور معاشرتی زندگی پر اثر
- عقیدۂ آخرت کا انفرادی اور معاشرتی زندگی پر اثر
- نماز کے اخلاقی، روحانی اور سماجی اثرات
- روزہ کے روحانی اور سماجی اثرات
- زکوٰۃ کے روحانی اور سماجی اثرات
- حج کے روحانی اور سماجی اثرات
- تزکیہ نفس کی اہمیت اور اثرات

# تصورِ اسلام

## اہم نکات

1- تعارف
2- اسلام کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم
3- اسلام اور قرآن مجید
4- اسلام اور احادیث رسول ﷺ
5- اسلام کا آغاز
6- اسلام کا تصورِ اُلوہیت
7- اسلام کا تصورِ رسالت
8- اسلام کا تصورِ آخرت
9- اسلام کا تصورِ اطاعت
10- اسلام کا تصورِ عبادت
11- اسلام کا تصورِ دعوت
12- اسلام کا تصورِ انابت (توبہ)
13- اسلام کا تصورِ نجات
14- اسلام کا تصورِ حیات
15- اسلام کا تصورِ اجتہاد
16- اسلام کا تصورِ اخلاق
17- اسلام کا تصورِ جہاد
18- اسلام کا تصورِ تزکیہ
19- اسلام کا تصورِ معاشرت
20- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے انسان کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایک متوازن اور مکمل تصورِ حیات دیا ہے، جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، زمانے کے تقاضوں کا بخوبی جواب دے سکتا ہے۔ اسلام یہ بتاتا ہے کہ زندگی کس طرح بسر کی جائے؟ کیا عمل کیا جائے اور کس سے پرہیز کیا جائے؟ اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں ہے جس کا کل سرمایۂ حیات کچھ عبادات، چند اذکار اور رُسوم ہوں۔ اسلام اللہ تعالیٰ اور اُس کے آخری نبی ﷺ کی ہدایت کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر کرتا ہے اور زندگی کے ہر پہلو کو ہدایت الٰہی کے نور سے منور کرتا ہے۔ اسلام کی اصل دعوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کا قانون جاری وساری ہو اور دل کی دُنیا سے لے کر تہذیب وتمدن کے ہر گوشے تک خالق حقیقی کی مرضی پوری ہو۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ پیش نظر رہے ''دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے'' (آل عمران: 19) ضرورت اِس امر کی ہے کہ دُنیا کو اسلام کے درست تصور سے آشنا کروایا جائے تاکہ اسلام کے بارے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے اور دُنیا حقیقی امن کو حاصل کر سکے۔

## 2- اسلام کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

اسلام کے لغوی معنی اطاعت، جھکنے اور مکمل سپردگی کے ہیں۔ اس کے دوسرے لفظی معنی ''امن اور سلامتی'' کے ہیں۔ اصطلاحی اعتبار سے اسلام کا معنی ہے ''نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو خبریں اور احکام لے کر آئے اُن کی تصدیق کرنا اور اُن پر عمل کرنا۔ اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی امان میں آجاتا ہے۔

## 3- اسلام اور قرآن مجید

قرآن مجید میں کئی مقامات پر اسلام کا لفظ استعمال ہوا ہے، ذیل میں چند آیات ملاحظہ کیجیے:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:19)

ترجمہ: ''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (آل عمران:85)

ترجمہ: ''اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (لقمان:22)

ترجمہ: ''جو شخص اپنا اطاعت کا چہرہ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ (اپنے عمل اور حال میں) صاحب احسان بھی ہو تو اُس نے مضبوط حلقہ کو پختگی سے تھام لیا، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔''

## 4- اسلام اور احادیث رسول ﷺ

### (ا) احادیث میں بھی مختلف حوالوں سے اسلام کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، ذیل میں احادیث ملاحظہ کیجیے:

(i) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه قَالَ: اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: ''کون سا مسلمان افضل ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔'' (بخاری ومسلم)

(ii) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال پر محفوظ ہوں۔'' (ترمذی ونسائی)

(iii) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو اُس پر ظلم کرتا ہے نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے کام آتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے کام میں (مدد کرتا) رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی دُنیاوی مشکل حل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی اُخروی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔'' (بخاری ومسلم)

(iv) حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اُس سے خیانت کرتا ہے اور نہ اُس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اُسے ذلیل کرتا ہے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت، اُس کا مال اور اُس کا خون حرام ہے۔ (دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تقویٰ یہاں ہے، کسی مسلمان کے لیے اتنی بُرائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔'' (ترمذی)

## (۲) اسلام کے حقوق کے حوالے سے احادیث

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کیا حقوق ہیں، اس حوالے سے درج ذیل احادیث میں وضاحت کی گئی ہے:

(i) **''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔''**

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، اُس کے جنازہ کے ساتھ جانا، اُس کی دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔'' (بخاری)

(ii) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔'' عرض کیا گیا ''یا رسول اللہ! وہ کون سے حق ہیں؟'' فرمایا ''جب تو مسلمان کو ملے تو اُسے سلام کر اور جب وہ تیری دعوت کرے تو قبول کر، اور جب وہ تجھ سے مشورہ چاہے تو اچھا مشورہ دے، اور جب وہ چھینکے اور الحمدللہ کہے تو تو بھی جواب میں (یرحمک اللہ) کہہ اور جب بیمار ہو تو اُس کی تیمارداری کر، اور جب وہ فوت ہو جائے تو اُس کے جنازہ کے ساتھ شامل ہو۔'' (مسلم)

(iii) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' ایک شخص نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! اگر وہ مظلوم ہو تب میں اُس کی مدد کروں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ جب وہ ظالم ہو تو میں اُس کی مدد کیسے کروں؟'' فرمایا اُسے ظلم سے باز رکھو، یا فرمایا اُسے روکو، کیونکہ یہ بھی اُس کی مدد ہے۔'' (بخاری)

## 5- اسلام کا آغاز

اسلام کا آغاز کب سے ہوا؟ اسلام کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے جب کہ اس کی تکمیل نبی کریم ﷺ پر ہوتی ہے۔ اس حوالے سے علامہ محمد غزالی مصری رقمطراز ہیں:

''وہ غلطی کرے گا جو یہ گمان کرے کہ اسلام اُس دین کا نام ہے جو پندرہ سو سال پہلے حضرت محمد ﷺ لے کر آئے۔ اسلام تو اُن تمام رسالتوں کا

عنوان ہے جو ابتدائے تخلیق سے آج تک لوگوں کو ہدایت دیتی چلی آرہی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام کی حقیقت اپنے کمال اور آخری شکل تک حضرت محمد ﷺ کی رسالت میں پہنچی لیکن قرآن کریم نے بلا استثنا تمام انبیا کے پیغامات کو اسلام ہی کا نام دیا ہے۔''

**(اسلام کے بارے میں 100 سوال، علامہ محمد غزالی، ص 15-14)**

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جن کا لقب اسرائیل ہے نہ صرف اسلام کی دعوت دی اور وفات تک اسی پر جمے رہے بلکہ اپنی اولاد کو بھی یہی وصیت فرمائی:

ترجمہ: ''کیا تم (اس وقت) حاضر تھے جب یعقوب (علیہ السلام) کو موت آئی، جب اُنھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تم میرے (انتقال کے) بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے دادا ابراہیم و اسمٰعیل اور اسحاق (علیہم السلام) کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبودِ یکتا ہے، اور ہم (سب) اُسی کے فرماں بردار رہیں گے۔'' (البقرۃ:133)

## 6- اسلام کا تصورِ الوہیت

اسلام کا تصورِ الوہیت بہت واضح ہے۔ اسلام شرک اور کفر کی تمام اقسام کی نفی کرتا ہے، اسلام میں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت سب سے پہلے ضروری ہے۔ اس کے بعد اس کی اطاعت اور اس کے احکام کے نفاذ کا نمبر آتا ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کی پاکی، اُس کی تعریف، اُس کے اچھے ناموں اور بلند صفات کو جس بھرپور انداز میں اُجاگر کیا گیا ہے اُس کی کوئی مثال کسی قدیم کتاب میں نہیں ملتی۔ جب آپ قرآن پڑھیں گے تو ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا مطلق کنٹرول محسوس کریں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے اور ساری کائنات کا تھامنے والا ہے، نہ اُس کو اُونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند، اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔'' (البقرہ:255)

جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہو، ہر معاملہ کی تدبیر کر رہا ہو، سماعت و بصارت جس کے اختیار میں ہوں، رات اور دن کو ادلتا بدلتا ہو، ہوائیں چلاتا ہو، بھٹکے ہوؤں کو تاریکیوں سے روشنی میں لاتا ہو، انسان کیوں کر اپنے آپ کو اُس کے سپرد نہ کرے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بیٹا منسوب کرے یا اُسے اُس کے بندوں سے مشابہ قرار دے اُس پر قرآن کریم میں شدید غصہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''لوگوں نے کہہ دیا، اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے سبحان اللہ وہ تو بے نیاز ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اُسی کی ملک ہے۔'' (یونس:68)

## 7- اسلام کا تصورِ رسالت

اسلام کا تصورِ رسالت یہود و نصاریٰ کے تصور کی طرح نہیں ہے وہ کچھ انبیا پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں۔ مسلمان رحمت عالم ﷺ سے لے کر حضرت آدم (علیہ السلام) تک ہر اُس نبی کو مانتے ہیں جس کا قرآن وسنت میں ذکر ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''رسول ایمان لایا ہے اُس پر جو اُس کے رب کی طرف سے اُس پر اُترا ہے۔ اور مسلمان بھی اُس پر ایمان لائے ہیں۔ سب ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتاب پر اور اُس کے رسولوں پر۔ ہم اُس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔'' (البقرہ:285)

## 8- اسلام کا تصورِ آخرت

اسلام کے نظامِ زندگی میں آخرت کی اہمیت غیر معمولی ہے۔ تمام انبیا کی دعوت میں اِسے بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں نیکی اور بدی کا شعور رکھا ہے۔ انبیا علیہم السلام نے وحی کی روشنی میں اِس شعور کو اجاگر کیا ہے اور اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچایا ہے کہ

مرنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے۔ یہ پیغام نہ صرف قرآنِ مجید میں موجود ہے بلکہ قرآن مجید سے پہلے کی کتابوں اور صحیفوں کے اندر بھی بیان ہوا ہے۔

قرآن مجید عقیدۂ آخرت پر اِس قدر واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''پس زمین اور آسمان کے رب کی قسم! قیامت واقع ہو کر رہے گی، بالکل اُسی طرح جس طرح تم بول رہے ہو۔'' (الذاریات:23)

اسلام کے تصورِ آخرت میں اور دیگر مذاہب کے تصورِ آخرت میں بنیادی فرق یہ ہے اسلام کا تصورِ آخرت مکمل اور جامع ہے جب کہ دیگر مذاہب میں یہ تصور نامکمل اور ناقص ہے۔

## 9- اسلام کا تصورِ اطاعت

اسلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نام ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کریم ﷺ کی بات سننا اور ماننا مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے تابع بنائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور عملاً وہ نیک ہو اس نے حقیقتاً ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا۔'' (لقمان:22)

انسان جب اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکنے کا اعلان کرتا ہے اور اُس کی تعلیمات کا احترام اور پیروی کرتا ہے تو وہ پوری کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اب کیا لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں حالانکہ آسمان اور زمین کی ساری چیزیں چاہتے ہوئے یا نا چاہتے ہوئے اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں۔ اور اُسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔'' (آل عمران:83)

## 10- اسلام کا تصورِ عبادت

انسان کا جسم بہت سے اعضا، ہڈیوں اور اعصاب سے بنا ہے، لیکن کچھ اعضا کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جنھیں ''اعضائے رئیسہ'' کہا جاتا ہے جن سے خون کا دوران، سانس، ہاضمہ اور اعصاب وغیرہ کے نظام چلتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جسم میں اور دیگر اعضا نہیں ہوتے یا اُن کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جن پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد ہے وہ یہ ہیں: یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔'' یہ پانچ ارکان اسلام کے تصورِ عبادت میں سب سے اہم ہیں۔

## 11- اسلام کا تصورِ دعوت

اسلام دُنیا کا واحد دین ہے جس نے صاف صاف اعلان کیا کہ:

ترجمہ: ''دین میں کوئی زور زبردستی نہیں۔'' (البقرۃ:226)

ترجمہ: ''اور کہہ دو یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے نہ مانے۔'' (الکھف:29)

اور اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ:

- ''آپ ﷺ کرتے رہیں، آپ ﷺ صرف نصیحت کرنے والے ہیں، ان پر زبردستی کرنے والے نہیں۔'' (الغاشیہ:22-21)
- ''اے نبی! عفو و درگزر سے کام لو، بھلائی کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔'' (الاعراف:199)
- ''اپنے رب کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔'' (النحل:125)

- ''ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اب جو لوگ جہنم سے رشتہ جوڑ لیں اُن کی طرف سے آپ ﷺ جوابدہ نہیں ہوں گے۔'' (البقرۃ:119)

یہ اور اس طرح کی کئی آیات اسلامی دعوت کے اُسلوب کو واضح کر دیتی ہیں۔ اس حوالے سے علامہ محمد غزالی مصری رقمطراز ہیں:

''جو دین بار بار کائنات کے حقائق پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہو، جو قدم قدم پر عقل سے کام لینے کی اپیل کرتا ہو، جو اپنی دعوت کی بنیاد عقل سلیم اور ٹھوس منطق پر رکھتا ہوا سے دل ودماغ تک پہنچنے کے بجائے زور زبردستی کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے؟''

(اسلام کے بارے میں 100 سوال، علامہ محمد غزالی، ص 170-168)

## 12- اسلام کا تصور انابت (توبہ)

کیا مسلمان کوئی گناہ کر ہی نہیں سکتا؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ اگر مسلمان سے گناہ ہو جائے تو وہ فوراً ہی اس پر شرمندہ ہو کر اس سے پیچھا چھڑاتا ہے۔ کبھی عقل پر پردہ آجاتا ہے اور عزم وحوصلہ کی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے تب انسان اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انھیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر اُنھیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریقہ کار کیا ہے۔'' (الاعراف:2-1)

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شرابی پر لعنت بھیجنے سے منع فرمایا تھا جس کی لت نے اس کی قوت ارادی کو کمزور کر دیا تھا۔ ظاہر ہے اُس شرابی کے گناہ کی نوعیت وہ نہیں ہوسکتی جو کسی ایسے شخص یا معاشرے کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو کوئی اہمیت ہی نہ دے، شراب کو جائز سمجھے، اس کی تجارت کرے اور اپنے عمل کو جرم نہ سمجھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی اُمت تیار کی تھی جو پوری طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کیے ہوئے تھی۔ فجر سے لے کر عشا تک پابندی کے ساتھ اپنے پروردگار کی مرضی کے مطابق سرگرم عمل رہتی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''کہو میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔'' (الانعام:163-162)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

ترجمہ: ''اے محمد ﷺ تمھارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپ ﷺ فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ اُسے سر کی آنکھوں سے تسلیم کریں۔'' (النساء:56)

اپنے پروردگار کے آگے سر جھکانا سچائی بھی ہے اور باعث شرف بھی۔ اور یہی اسلام ہے۔

## 13- اسلام کا تصورِ نجات

اہل کتاب نے یہ گمان کر لیا تھا کہ دین صرف چند رسومات کا نام ہے اور یہود ونصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا، تو ان پر واضح کیا گیا کہ ایسا ہرگز نہیں۔ دین اللہ تعالیٰ سے تعلق اور بہترین عمل کا نام ہے۔ جس کسی نے اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص پیدا کر لیا اور اپنا عمل صالح بنا لیا تو وہ نامراد نہیں ہوسکتا۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک وہ یہودی یا عیسائی نہ ہو۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے ارشاد فرمایئے: اپنی دلیل پیش کریں اگر تم

اپنے دعوے میں سچے ہو۔ دراصل نہ تمھاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی۔ حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ذات کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور نیک روش پر چلے اس کے لیے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے۔ اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا کسی رنج کا کوئی موقع نہیں۔'' (البقرۃ: 112-111)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری طرف رُخ کرو، جو کام بھی تمھارے سپرد کیا جائے اُسے اچھے طریقے سے انجام دو تو تم سلامتی سے ہم کنار ہو جاؤ گے، غم سے نجات مل جائے گی اور دُنیا و آخرت دونوں میں کامیابی حاصل ہوگی۔

## 14- اسلام کا تصورِ حیات

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، ایسا ضابطہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اِس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔ (آل عمران: 19)

ترجمہ: ''بے شک اللہ کے نزدیک تو اصل دین 'اسلام' ہے۔''

اسلام وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی بنیاد پر ایک پورا ضابطہ زندگی پیش کرتا ہے، اور انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے قبول کرے اور اس کی پیروی کرے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے آگے جھکنے اور اُس کی اطاعت کرنے کا نام اسلام ہے۔ اس میں یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت کے نتیجے میں زندگی کا جو نقشہ اُبھرے گا وہ امن اور سلامتی کی نعمتوں سے مالا مال ہوگا، اس میں قلب کو اطمینان حاصل ہوگا اور انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حقیقی امن اور سکون قائم ہوگا نیز اس زندگی کے بعد بھی انسان کو اُس ابدی زندگی میں سلامتی حاصل ہوگی۔

## 15- اسلام کا تصورِ اجتہاد

جس اسلام کی تبلیغ حضرت محمد ﷺ نے کی وہ وحی کی آخری شکل ہے۔ اس طرح اس کی حیثیت عام ہے جو ساری قوموں اور قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کا احاطہ کرتی ہے۔ یعنی وحی کے زمانہ کا خاتمہ عقل کے زمانہ کا آغاز ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے عقیدہ، عبادت اور اخلاق و کردار کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔ ان ہدایات اور بنیادوں پر وقت گزرنے یا جگہ بدلنے کے ساتھ کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ ہاں! کچھ معاملات کو انسانی عقل کے سپرد کیا گیا ہے۔ علوم و فنون، زمینی سرگرمیوں اور تہذیبی ترقیوں میں دین نے عقل کو آزادی دی ہے۔ ان سارے میدانوں میں اُصولوں کی تعیین اور وسائل کی آزادی کے ساتھ عقل بغیر کسی رکاوٹ کے کام کر سکتی ہے۔ جو سزائیں دین میں واضح ہیں ان کے علاوہ دھوکا دہی، غصب، جعلسازی، سود، خیانت، غبن، یتیم کا مال کھانے اور میدان جنگ سے فرار وغیرہ بیشتر جرائم کی سزائیں عقلی اجتہاد پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ ایسے حالات بھی پیش آ سکتے ہیں جو انبیائے کرامؑ کے دور میں پیش نہیں آئے۔ جن میں حکومتوں کو اس طرح کے اقدامات کرنے پڑتے ہیں جن کی پہلے اسلامی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ ان معاملات میں ایمان اور پرہیزگاری کی رُوح کے ساتھ عقل سے کام لے کر ہی معاملات کو حل کیا جا سکتا ہے۔

## 16- اسلام کا تصورِ اخلاق

ایمان کے بعد دین کا اہم ترین مطالبہ اخلاق کو پاک کرنا ہے۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ انسان مخلوق اور خالق، دونوں سے متعلق اپنے عمل کو پاکیزہ بنائے۔ یہی وہ چیز ہے جسے عمل صالح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تمام شریعت اِسی کی فرع (Branch) ہے۔ تمدن (Civilization) کی تبدیلی کے ساتھ شریعت تو بے شک تبدیل بھی ہوئی ہے، لیکن ایمان اور عمل صالح اصل دین ہیں، ان میں کوئی ترمیم و تغیر کبھی نہیں ہوا۔ قرآن اِس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ جو شخص اِن دونوں کے ساتھ اللہ کے حضور میں آئے گا، اُس کے لیے جنت ہے اور وہ اُس میں ہمیشہ رہے گا۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓـئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰى ○ (طٰہٰ:75)

ترجمہ: ''اور جو اُس کے حضور مومن ہو کر آئیں گے، اِس طرح کہ اُنھوں نے نیک عمل کیے ہوں گے، وہی ہیں جن کے لیے اُونچے درجے ہیں۔''

''یہی عمل صالح ہے جسے فضائل اخلاق سے، اور اِس کے مقابل میں غیر صالح اعمال کو اُس کے رذائل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: 'انما بعثت لأتمم مکارم الاخلاق'۔ میں بلند اخلاق مکمل کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔ نیز فرمایا ہے کہ تم میں سے بہترین لوگ وہی ہیں جو اپنے اخلاق میں دوسروں سے اچھے ہیں۔ یہی لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب بھی ہیں۔ قیامت کے دن آدمی کی میزان میں سب سے زیادہ بھاری چیز اچھے اخلاق ہی ہوں گے۔ اور بندۂ مومن وہی درجہ حسن اخلاق سے حاصل کر لیتا ہے جو کسی شخص کو دن کے روزوں اور رات کی نمازوں سے حاصل ہوتا ہے۔'' (میزان: ص ۱۹۷)

## 17- اسلام کا تصورِ جہاد

حضور ﷺ کا سفیر خط لے کر ایران کے بادشاہ 'کسریٰ' کے دربار میں پہنچا تو 'کسریٰ' نے نہ صرف خط پھاڑ ڈالا اور سفیر کو بے عزت کیا بلکہ اپنے یمن کے گورنر کو حکم دیا کہ دو آدمی مدینہ بھیج کر (نعوذ باللہ) محمد ﷺ کو گرفتار کروا کے میرے پاس بھیج دو۔ کیا یہ اعلانِ جنگ نہیں تھا؟ مغربی سرحد کے علاقوں میں جب پندرہ افراد پر مشتمل ایک وفد اسلامی دعوت لے کر پہنچا تو ''ذات اطلح'' نامی مقام پر شام کے عیسائی قبائلیوں نے انھیں بے دردی سے قتل کر ڈالا۔ صرف وفد کے سربراہ کسی طرح بھاگ کر جان بچا سکے۔ بصریٰ شہر (شام) کی طرف جو سفیر دعوت لے کر گیا تھا اُسے ''غسان'' قبیلہ کے ایک بدو نے مار ڈالا۔ مشہور یہی تھا کہ ایسا ہرقل بادشاہ روم کی شہ پر ہوا۔ کیا اعلانِ جنگ کسی اور چیز کا نام ہے؟ مشرکین مکہ برسہا برس تک جو ظلم وستم ڈھاتے رہے، اسلام کے نام لیواؤں کو اُن کے گھروں سے نکالتے رہے، طرح طرح کے عذاب دے کر ان پر عرصہ حیات تنگ کرتے رہے اور ہر قسم کی عہد شکنی کرتے رہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں نے جس طرح دشمنوں سے ساز باز کرنے، ہر معاہدہ توڑنے، اسلام کا گلا گھونٹ دینے اور خود پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کا چراغ گل کر دینے کی بار بار کوشش کی، کون نہیں جانتا؟ یہ واقعات واضح کرتے ہیں کہ اسلام دُنیا سے ظلم کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے نہ کہ ظلم کو پیدا کرنے کے لیے۔ اسلام کا تصورِ جہاد بہت وسعت کا حامل ہے جس میں قلم، زبان اور نفس سے جہاد کرنا بھی ایسے ہی ہے جیسے تلوار سے جہاد کرنا بلکہ ایک حدیث میں نفس سے جہاد کرنے کو جہادِ اکبر قرار دیا گیا ہے۔

## 18- اسلام کا تصورِ تزکیہ

دین کا مقصد تزکیہ ہے۔ اِس کے کمال تک پہنچنے کا ذریعہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کا صحیح طریقے سے قائم ہو جانا ہے۔ یہ تعلق جتنا محکم ہوتا ہے، انسان اپنے علم وعمل کی پاکیزگی میں اتنا ہی ترقی کرتا ہے۔ محبت، خوف، اخلاص و وفا اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کے لیے اعتراف کے جذبات، یہ اِس تعلق کے باطنی مظاہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قد افلح من تزکیٰ''۔ وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔

## 19- اسلام کا تصورِ معاشرت

سیدنا آدم علیہ السلام جب پہلے انسان کی حیثیت سے اِس دُنیا میں تشریف لائے تو اُنھیں تنہا نہیں بھیجا گیا، بلکہ اُن کی رفاقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُنھی کی جنس سے اُن کا جوڑا بنایا۔ پھر اُس سے بہت سے مرد و عورت دُنیا میں پھیلا دیے، یہاں تک کہ خاندان، قبیلہ اور بالآخر ریاست کی سطح پر معاشرت وجود میں آئی جس میں انسان کو وہ سب کچھ میسر ہو گیا جو اُس کی مخفی صلاحیتوں کو روبہ عمل کرنے کے لیے ضروری تھا۔ قرآن نے یہ حقیقت اپنے خاص اسلوب میں اِس طرح بیان فرمائی ہے:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○ (النساء:1)

ترجمہ: ''لوگو، اپنے اُس پروردگار سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی کی جنس سے اُس کا جوڑا بنایا اور اُن دونوں سے بہت سے مرد و عورت (دُنیا میں) پھیلا دیے، اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مدد چاہتے ہو اور رشتوں کے بارے میں بھی خبردار رہو۔ بے شک، اللہ تم پر نگران ہے۔''

## 20- خلاصۂ بحث

درخت کا اصل مقصد پھل دینا ہے۔ مگر جب وہ بڑا ہوتا ہے تو وہ انسانوں کو سایہ بھی دیتا ہے۔ یہی معاملہ اسلام کا بھی ہے۔ اسلام کا اصل مقصد انسانوں کے اوپر ہدایت ربانی کا دروازہ کھولنا ہے تا کہ وہ اپنے رب کی ابدی قربت حاصل کر سکیں۔ مگر اسلام مکمل سچائی ہے، اور مکمل سچائی جب ظہور میں آتی ہے تو وہ ہر اعتبار سے انسانیت کے لیے برکت اور افادیت کا باعث ہوتی ہے۔ بلاواسطہ بھی اور بالواسطہ بھی۔ اسلام اپنے تمام تصورات میں کامل ہے۔ چاہے تصورِ الوہیت ہو یا تصورِ رسالت، تصورِ آخرت ہو یا تصورِ اخلاق۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ علمی، اخلاقی اور معاشرتی سطح پر اسلام کا درست تصور پیش کیا جائے۔ اس میں جہاں پر اہل علم کی ذمہ داری ہے وہاں عام مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ اسلام کے روشن اُصولوں پر عمل کر کے اسلام کے حقیقی کردار کو دُنیا کے سامنے نمایاں کریں۔

# اسلام کے نمایاں پہلو

## اہم نکات

1- تعارف
2- معرفتِ توحید کا حامل دین
3- آسان دین
4- شرک کی نفی پر مبنی دین
5- حقیقی رُوحانیت پر مشتمل دین
6- مکمل کتاب کا حامل دین
7- اخلاق حسنہ کا جامع دین
8- اشاعت علم کا حامل دین
9- عملی دین
10- عقل وفطرت پر مبنی دین
11- اخوت پر مبنی دین
12- انسانیت کو بلندی پر پہنچانے والا دین
13- تعصب سے پاک دین
14- محبت تقسیم کرنے والا دین
15- عالمگیر دین
16- مساوات کا حامل دین
17- قومیت سے بالاتر دین
18- احترامِ انسانیت پر مبنی دین
19- فساد کی ممانعت پر مبنی دین
20- لچک دار دستور کا حامل دین
21- سماجی انصاف کا حامل دین
22- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

اسلام اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا لینے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے انسان کو پیدا کیا، اپنی نعمت سے پروان چڑھایا اور اس کے لیے ایک سیدھا راستہ تیار کر کے اس پر چلنے کی ہدایت دی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے اور عملاً وہ نیک ہو اس نے حقیقتاً ایک بھروسے کے قابل سہارا تھام لیا۔'' (لقمان:22)

اسلام کی خصوصیات میں معرفت الٰہی، شرک کی نفی، اخلاق حسنہ، مساوات، عالمگیریت، جامعیت اور کاملیت نمایاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''آج کے دن میں نے تمھارا دین تمھارے لیے مکمل کر دیا۔'' (المائدہ)

اسلام کے علاوہ دیگر جتنے مذاہب ہیں عقائد، ارکان، اخلاق اور معاملات میں اس طرح مکمل تصورات کے حامل نہیں جیسے اسلام ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے نمایاں پہلوؤں کو نہ صرف اجاگر کیا جائے بلکہ اُنھیں انفرادی اور اجتماعی زندگی کا حصہ بنایا جائے۔

## 2- معرفت توحید کا حامل دین

آج دُنیا پر واضح ہو گیا ہے کہ ہر مذہب کی اہم ترین خصوصیت اور سچائی کی دلیل صرف معرفت الٰہی اور مسئلہ توحید ہے۔ اب تو مناظرہ کے وقت بت پرست بھی اپنے دیوتاؤں کو غلط کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں اور اہل تثلیث (عیسائی) بھی تثلیث میں توحید ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ اسلام واضح کرتا ہے کہ جملہ انبیاو رُسل نے توحید کی واضح تعلیم دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ (الانبیاء:25)

ترجمہ: ''آپ (ﷺ) سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اُسے یہی وحی کی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں لہٰذا تم سب میری عبادت کرو۔''

بقول اقبال:

؎ بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں ہو بت خانہ تو کیا کہیے

اور

؎ باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
میانِ حق و باطل نہ کر قبول

(باطل دونوں اطراف اپنا وزن ڈالنا چاہتا ہے جب کہ حق کا کوئی شریک نہیں یعنی حق صرف ایک طرف واضح نقطۂ نظر کا حامل ہوتا ہے۔ حق اور باطل کے درمیان کسی چیز کو قبول نہ کر، یعنی یا حق کو قبول کر یا باطل کو، درمیان میں کچھ نہیں)

## 3- آسان دین

اسلام کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ آسان دین ہے۔ اِس کی تعلیمات میں کوئی ابہام اور پیچیدگی نہیں۔ اِس کی بنیاد اِس اقرار پر ہے کہ اللہ واحد ہے۔ اسی نے اس کائنات کو پیدا کیا اور اپنے حکیمانہ قوانین کی بنیاد پر اس کا نظام چلا رہا ہے۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی جیسے صفات بیان کی ہیں، ان کا موازنہ عیسائیت اور یہودیت میں بیان کی گی صفات الٰہیہ سے کر لیں تو اندازہ ہو جائے گا زیادہ وضاحت اور جامعیت کہاں پر ہے۔

## 4- شرک کی نفی پر مبنی دین

اسلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی تمام صورتوں کو مسترد کرتا ہے۔ اسلام شرک کو عقل کی توہین اور انسانیت کا زوال قرار دیتا ہے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں فطرت کے مختلف عناصر کے درمیان انسان ایک آزاد آقا کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نہ کائنات کا غلام ہے نہ وجود کا خادم بلکہ وہ مستقل ارادہ اور دور رس اختیار کا مالک ہے۔ ساتھ ہی وہ نظام کائنات کا ایک حصہ بھی ہے۔ شرک کے حوالے سے ارشادِ الٰہی ہے:

ترجمہ: ''بلاشبہ شرک ظلم عظیم ہے۔'' (لقمان:13)

## 5- حقیقی روحانیت پر مشتمل دین

مذہب کا بحیثیت مذہب نمایاں وصف یہ ہے کہ اس میں روحانیت موجود ہو۔ اگر کسی مذہب میں روحانیت موجود نہیں تو اسے مذہب کہنا غلط ہے۔ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسان روح و جسم کے مجموعہ کا نام ہے۔ جسم کی ضروریات مادی اشیا میں پوری ہو جاتی ہیں۔ ان کے استعمال سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بھی مادیت کو لیے ہوئے ہوتی ہے۔ لہٰذا قابل غور امر یہ رہ جاتا ہے کہ روح کی شادمانی و مسرت کی اشیا کیا ہیں؟ اور کیسے حاصل کی جاسکتی ہیں؟ اس عنوان کے تحت ان لوگوں سے خطاب کی ضرورت نہیں، جو روح انسانی کے وجود کے منکر اور روحانیت سے قطعاً بے خبر ہیں۔ اسلام نے روحانیت کے اضافے کے لیے کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔ مثلاً زنا، چوری، ڈاکا زنی اور بدنظری وغیرہ۔ ان بڑے گناہوں سے پرہیز انسان کی روحانیت میں حائل رکاوٹوں کو ختم کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے اعمال انسان کی روحانی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔ اس کو مثال کے ذریعے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص گاڑی ڈرائیو (Drive) کر رہا ہے، پٹرول مکمل دستیاب ہے اور راستہ بھی کشادہ ہے لیکن اچانک راستہ بند ہو جاتا ہے۔ انسانی زندگی میں بُرے اعمال راستہ بند کر دیتے ہیں دوسری طرف ایک اور شخص ہے جو گناہوں سے بچتا ہے لیکن روحانی گاڑی کا سفر بہت آہستہ ہے تو نیک اعمال اس کی گاڑی کے سفر میں بہت تیزی کا باعث بنتے ہیں۔

## 6- مکمل کتاب کا حامل دین

اسلام مکمل کتاب کا حامل دین ہے۔ وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں۔ جس کا تعارف اللہ تعالیٰ نے یوں کروایا ہے:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ (فاتحہ:2)

ترجمہ: ''یہ وہ کتاب ہے جس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔''

اگر قرآن آج نازل ہوتا تب بھی ایک حرف کی تبدیلی کی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ ہر زمانے کے ساتھ مطابقت کی اس کی صلاحیت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' (الحجر:09)

## 7- اخلاق حسنہ کا جامع دین

اسلام کی خصوصیات میں سے اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْاَعْمَالِ۔

ترجمہ: ''میں بزرگ ترین اخلاق اور نیک ترین اعمال کی تکمیل کے لیے نبی بنایا گیا ہوں۔''

اسلام نے بتایا ہے کہ برے اخلاق چار چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

1۔ جہل 2۔ ظلم 3۔ شہوت 4۔ غضب

- جہل کی تاثیر یہ ہے کہ اچھی شے کو بری اور بری شے کو اچھی شکل میں نمایاں کرتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان جسے قرآن مجید میں نقل کیا گیا:

ترجمہ: ''اگر میں عورتوں کی باتوں میں پھنس گیا تو جاہل ہو جاؤں گا۔'' (یوسف: 33)

- تاثیرات ظلم میں سے ہے کہ کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔ نرمی کے مقام پر سختی، سختی کے مقام پر نرمی، مقام انکسار پر تکبر اور مقام وقار پر انکسار۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: 13)

ترجمہ: ''بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

- شہوت کی تاثیر (Effect) یہ ہے کہ حرص، بخل اور تنگ دلی کو ترقی ہوتی ہے اور پارسائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۗ وَسَآءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: 32)

ترجمہ: ''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ کھلی بے حیائی اور بہت برا راستہ ہے۔''

- غضب کے اثر سے تکبر، کینہ، حسد اور بغاوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے نبی ﷺ سے تین بار درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ہر دفعہ اسے یہی جواب دیا: غیظ و غضب سے دور رہو۔

اسلام نے بتایا کہ اچھے اخلاق بھی چار چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں:

1۔ صبر 2۔ عفت 3۔ شجاعت 4۔ عدل

- صبر کے نتائج میں سے برداشت، غصہ پی جانا اور گھبراہٹ کا نہ ہونا ہے۔ صبر کا ذکر قرآن پاک میں تقریباً نوے مقامات پر ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف ایمان کا نام شکر ہے۔
- عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیا کا اثر ہر خلق پر اچھا ہوتا ہے۔ عفت سے جھوٹ، بخل اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔
- شجاعت کے نتائج میں سے اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا، جان و مال سے دوسرے کی امداد کرنا، غضب سے دور رہنا اور اپنے نفس کی باگ عقل کے سپرد کر دینا ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (الحدیث)

ترجمہ: ''پہلوان وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دیتا ہے پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے۔''

عدل کے نتائج میں افراط و تفریط کو چھوڑ کر درمیانی راستہ کو اختیار کرنا ہے۔ عدل بتاتا ہے کہ جود و سخا اسے کہتے ہیں جو بخل اور اسراف کے درمیان ہو۔

## 8- اشاعت علم کا حامل دین

اسلام علم کو ایک روشن چراغ قرار دیتا ہے جو اس کی نشانیوں اور اس کے پیغام کی صداقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے یہ جہالت کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلام علم کے تقدس کو ظاہری عبادت کے تقدس سے زیادہ اہم سمجھتا ہے کیونکہ اس کی نگاہ میں علم بجائے خود عبادت ہے، جس سے حق واضح ہوتا ہے، جس کی بنیاد پر ایمان قائم ہوتا ہے اور جس کی فضا میں خرافات غائب ہو جاتی ہیں۔ موجودہ زمانہ میں علمی فضیلت کا بیان کوئی اہم بات

نہیں کیونکہ اِس زمانہ میں تمام عالم نے عملاً تسلیم کرلیا ہے کہ علم کے برابر کوئی چیز نہیں۔لیکن جس زمانہ میں اسلام کا آغاز ہوا اُس وقت تمام دُنیا علم کی فضیلت کے راز سے بالکل جاہل تھی۔عرب تو پڑھنے لکھنے سے بھی عاری تھے۔اُنھیں اپنی اس حالت پر ناز بھی تھا، پادری بھی صرف بائبل کے حروف سیکھ لینے تک محدود تھے۔ہندوستان میں بہت زیادہ ترقی کی حالت میں مہابھارت اور رامائن کے قصے علم کا کمال سمجھے جاتے تھے۔یہی حال چین اور ایران کا تھا۔یورپ جہالت کدہ تھا۔اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا۔قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ:11)

ترجمہ: ''اللہ درجات بلند فرماتا ہے ان کے جو تم میں سے ایمان والے ہیں اور ان کے جن کو علم ملا ہے۔''

یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے۔یہ قرآن مجید ہی ہے جس کے ابتدائی کلمات طیبات یہ ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:''اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھ جس نے پیدا کیا' انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا'' (العلق: 2-1)

## 9- عملی دین

اسلام ایک عملی دین ہے جو بیک وقت مادی اور روحانی دونوں طرح کی کامیابیوں کا ضامن ہے۔دعائے رسول ﷺ ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا مُّتَقَبَّلًا

ترجمہ: ''(اے اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والا علم اور مقبول عمل طلب کرتا ہوں)''

بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اسلام نے توکل کی تعلیم دی یہ سمجھ لیا ہے کہ اسلام عمل کے منافی ہے۔اس غلطی میں وہ بھی مبتلا ہوئے جو دُور دُور سے اسلام کو دیکھنے والے ہیں اور وہ بھی اس غلطی کا شکار ہوئے جو اسلام کے اندر ہیں۔اس غلطی کا اولین سبب یہ بھی ہوا کہ ''توکل'' کے معنی بھی نہیں سمجھے گئے۔ جب کہ سورۃ ''النجم'' میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ (النجم:40-39)

ترجمہ: ''انسان کے لیے وہی ہے جس کی اُس نے کوشش کی اور بے شک وہ اپنی کوشش ضرور دیکھ لے گا۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''جو ایمان کے ساتھ اچھے اعمال کرتا ہے اُس کی کوشش ضائع نہ ہوگی، ہم اُس کی کوشش کو لکھ رہے ہیں۔'' (الانبیاء:94)

سورۃ الانعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ہر ایک کے لیے ان کے عمل کے موافق درجے ہیں۔'' (الانعام:132)

ان آیات سے واضح ہے کہ اسلام نے اقوام عالم کو علم اور عمل دونوں کی طرف نہ صرف متوجہ کیا بلکہ عملاً ایسا کر کے بھی دکھایا۔

## 10- عقل وفطرت پر مبنی دین

اسلام کے اُصول عقل وفطرت پر مبنی ہیں۔اس لیے اس کا سینہ ان تمام نظاموں کے لیے کھلا ہوا ہے جو اس کے بلند اُصولوں کے ساتھ ہم آہنگی کریں اور انسانیت کی خوش بختی کی ضمانت دیں، چاہے وہ کہیں بھی ہوں۔اس طرح اسلام نے تمام قدیم بلند تہذیبوں کو فروغ دینے اور انھیں اپنے دامن میں لینے کی کوشش کی جس سے مسلمانوں کو بھی فائدہ ہوا اور عام انسانیت کو بھی۔

## 11- اخوت پر مبنی دین

اسلام کا ایک نمایاں پہلو اخوت (Brotherhood) ہے۔ نبی ﷺ کے فیضانِ صحبت سے اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اخوت قائم ہوئی، وہ ایسی برتر و اعلیٰ ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں تلاش کرنا ممکن نہیں۔ یہ اسلام کا احسان ہے کہ ریاست مدینہ کی بنیاد پڑی تو سب سے پہلے اخوت کے رشتے میں ریاست کے شہریوں کو باندھ دیا گیا، جس سے ان کی رہائش اور خوراک کا بندوبست بھی ہوا، ساتھ ساتھ محبت میں اضافہ بھی۔ بقول علامہ اقبال:

؎ اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

## 12- انسانیت کو بلندی پر پہنچانے والا دین

دُنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں بانیان مذاہب کی شخصیت کے متعلق جو اعتقادات اسلام سے پہلے موجود تھے اُن پر غور کیجیے:

یہودیوں کا اعتقاد، یعقوب، داؤد اور عزیز (علیہم السلام) کی نسبت کہ ان میں سے ہر ایک اللہ کا بیٹا تھا یا بڑا بیٹا تھا۔ عیسائیوں کا اعتقاد مسیح کی نسبت کہ وہ خدا کا بیٹا یا الوہیت کے تین ارکان میں سے ایک ہے۔ مہابھارت کا بیان، کرشن جی مہاراج کی نسبت کہ وہ خود خالق عالم تھا۔ یہ اسلام کا احسان ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو انسان بنا کر پھر ان کے مراتب رُوحانیت کو برتر ثابت کیا۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ اُلوہیت کی صفت کا رتبہ بلند رہے اور انسانیت کا درجہ بھی اپنے کمال تک پہنچ جائے، تب یہ تعلیم دی گئی کہ جملہ نیک لوگ بھی انسان ہی ہیں، اللہ کی مخلوق اور اللہ کے بندے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (الانبیاء:7)

ترجمہ: ''اے حبیب (ﷺ!) ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے جنھیں رسول بنا کر بھیجا وہ انسان ہی تھے ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے۔''

## 13- تعصب سے پاک دین

اسلام کو بدنام کرنے کے لیے بہت سے جھوٹے الزام لگائے گئے اور بعض الزام تو وہ ہیں جو الزام لگانے والوں میں ہی ثابت تھے، مگر اُنھوں نے ہوشیاری اور عیاری کی کہ اپنے کرتوت چھپانے کے لیے انہی باتوں کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اور پھر نا اہل مسلمانوں کے افعال کو اسلام کی تعلیم کا نتیجہ قرار دے کر دین اسلام کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ جب کہ اسلام کا نمایاں وصف یہ ہے کہ اسلام ہر طرح کے تعصب کی نفی کرتا ہے۔ تعصب کا ایک معنی یہ ہے کہ اپنے مذہب کی حمایت میں عقل و فطرت کے اُصولوں کو بھی ایک طرف رکھ دینا۔ یہود و نصاریٰ کا تعصب ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے واضح تھا کہ آخری نبی بنو اسماعیل میں سے کیوں تشریف لائے؟ جب کہ اسلام اِس کے مقابلے میں جملہ انبیا کو ماننے اور ان پر ایمان لانے کا داعی ہے۔

## 14- محبت تقسیم کرنے والا دین

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محبت تقسیم کرنے والا دین ہے۔ ذرا غور کیجیے کہ اسلام محبت الٰہی کی تعلیم کن الفاظ میں دیتا ہے:

وہ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے، ہر چیز جو نشوونما قبول کر سکتی ہے، اسے وجود بخشنے والا اور اس کی ہستی کو قائم رکھنے والا۔ وہ رحمٰن ہے۔ یعنی کمال رحمت والا۔ وہ رحیم ہے۔

حدیث شریف میں ہے ایک عورت نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا:

اَلَیْسَ اللّٰہُ اَرْحَمَ بِعِبَادِہٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِھَا۔

''کیا اللہ کا پیار اپنے بندوں کے ساتھ اس پیار سے زیادہ نہیں جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ بات بالکل درست ہے۔''

ایک حدیث میں ہے: اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ۔

ترجمہ: ''تم اہل زمین پر رحم کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔''

بقول مولانا حالی:

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر

## 15- عالمگیر دین

اسلام ایک عالمی دین ہے۔ یہ کسی مخصوص ماحول میں محدود نہیں ہے۔ نہ کسی نسل یا زمانہ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ ایک مطلق انسانی حقیقت ہے جو ہر زماں و مکان کے لیے سازگار ہے۔ رنگ، نسل اور قبیلے کی اہمیت نہیں۔ جیسے اسلام عالمگیر دین ہے اِسی طرح آخری رسالت بھی عالمگیریت کی حامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف:158)

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ! آپ ارشاد فرمائیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

## 16- مساوات کا حامل دین

اسلام کی خصوصیت ہے کہ یہ مساوات کا دین ہے۔ مساوات کے معنی یہ نہیں کہ ایک جاہل بمقابلہ عالم کے اور ایک غدار بمقابلہ ایک وفادار کے یکساں حقیقت رکھتے ہیں۔ ایسا کرنا تو حقوقِ انسانیت اور حقوقِ اخلاق کو تباہ کر دینا ہے۔ ہاں مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اُسی ملک یا اُسی دین کے اندر حاصل شدہ ہیں۔ اسلام نے انہی اُمور پر نظر ڈالی ہے اور عدم مساوات کے جملہ احتمالات کا خاتمہ کر دیا ہے۔ وحدت اسلامی کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کو خواہ وہ جس ملک و قوم کا باشندہ ہو، جملہ حقوق میں بالکل مساوی اور برابر کا سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں تاریخی تناظر میں اسلام کی مساوات کی خصوصیت کو دیکھیں کہ کس طرح کا مثالی معاشرہ قائم کیا گیا۔

- برامکہ، آتش پرست تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہی کا خاندان ہارون الرشید کی وزارت عظمیٰ پر متمکن ہوا۔
- اسلام میں رائے دہندگی کا حق ہر ایک غلام و آزاد کو حاصل ہے۔ عورتوں کو بھی یہ حق حاصل ہے۔
- عورتیں اور غلام بھی کسی دشمن کو پناہ دینے کا اختیار رکھتے ہیں جس کی پیروی سپہ سالار پر فرض ہے۔
- مسجدوں اور قبرستانوں میں کبھی امیر و غریب کا فرق نہیں کیا گیا۔

ثبوت مساوات میں حضرت عمر فاروقؓ کے سفر شام کا قصہ مشہور ہے کہ اُونٹ پر غلام اور خلیفہ وقفے وقفے سے سوار ہوتے تھے، کیونکہ پچھلی نشست پر اُن کا سامان سفر تھا۔ جس وقت آخری منزل پر اسلامی کیمپ میں داخلہ کا وقت تھا اور تمام فوج معہ سپہ سالار اپنے خلیفہ کے خیر مقدم کے لیے

کھڑی تھی اور مختلف اقوام کے لوگ بھی خلیفہ کا پروٹوکول (Protocol) دیکھنے کو جمع ہو گئے تھے۔ اُن میں سے ایک غیر مسلم تماشائی نے ایک مسلمان غازی سے پوچھا ''کیا آپ کا خلیفہ یہی ہے جو اُس اونٹ پر سوار ہے۔'' غازی نے نہایت متانت سے جواب دیا نہیں! وہ نہیں۔ ہمارا خلیفہ تو وہ ہے جو اس اونٹ کی مہار پکڑے پیدل آرہا ہے، سوار تو ان کا غلام ہے۔'' انسانی تاریخ اور سیاست پر اس سے بڑا احسان اور کیا ہوگا؟ اگر یہ کہا جائے کہ مساوات کا Pioneer اور Trend-setter اسلام ہی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔۔۔۔۔۔ بقول اقبال:

؎ ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اور

؎ بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

## 17- قومیت سے بالاتر دین

دُنیا میں عموماً تین چیزیں تمام مذاہب اور جملہ ممالک پر حکمران رہی ہیں کہ ان کے دائرہ حکومت سے نکلنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔

1- نسل        2- زبان        3- رنگ

اسلام نے ان تینوں امتیازات کو مٹایا، کمزور اور طاقتور کو ہموار سطح پر کھڑا کیا۔ نسلی امتیاز کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اولین بشر کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے چلایا۔'' (السجدۃ:8-7)

اِسی طرح خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔''

اِسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ بھی ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات:13)

ترجمہ: ''سب انسانوں میں عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔''

اسلام کی یہ خوبیاں اُسی کے حصے میں آئیں گی، جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا:

؎ ملے گا منزلِ مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہو چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

## 18- احترامِ انسانیت پر مبنی دین

سابق آسمانی شریعتوں کے ساتھ مل کر اسلام ایک مکمل عمارت بن جاتا ہے اور اس کے جھنڈے کے نیچے آسمانی شریعتیں ایک صحیح منزل کی طرف گامزن ہوتی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کو جن میں سرفہرست امن اور رحمت ہیں، اسلام سے بڑھ کر کوئی حامی اور مدافعت کرنے والا نہیں

ملا۔ وہ اپنے علاقے میں دیگر عقائد والوں کو اپنے عقائد پر برقرار رہنے کی پوری آزادی اور مسلمانوں جیسے تمام حقوق دیتا ہے کہ مسلمانوں کا یہ طے شدہ اُصول ہے ''غیر مسلمین کے وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو ہم پر ہیں۔'' اسلام کی تعریف ایک حدیث میں اس طرح ہے: ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

## 19- فساد کی ممانعت پر مبنی دین

اسلام سرکشی اور فساد کا دشمن ہے اور شروع ہی سے آزادی و انصاف کی صدا بلند کرتا اور ہر استبداد اور ظلم سے برأت کا اعلان کرتا رہا ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جس نے کسی کو ناحق قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلایا، اُس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔'' (المائدہ:22)

## 20- لچک دار دستور کا حامل دین

قرآن کی شکل میں اسلامی قوانین و آداب کا ایک لچک دار دستور موجود ہے۔ قرآن ایمان و اخلاق کے عام قوانین کی نشاندہی کر کے مسلمانوں کو آزاد چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں اور اپنے اپنے زمانے کے مطابق مصلحت عامہ اور قابل قبول اجتہاد کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب قوانین بنائیں۔

## 21- سماجی انصاف کا حامل دین

اسلام کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس نے حقیقی سماجی انصاف اور حقیقی جمہوریت کے قیام کے لیے حکومت کا ایک ممتاز نظام بنایا، جس کے سائے میں آزادیاں پروان چڑھیں اور عوام کو ہر ظلم و ستم سے نجات ملی۔ اس نظامِ حکومت کے رہنما خطوط کو جو قومیں آج بھی اختیار کیے ہوئے ہیں اطمینان سے زندگی گزار رہی ہیں۔

## 22- خلاصۂ بحث

مندرجہ بالا نمایاں پہلوؤں سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے سوا انسانیت کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ اسلام کی خصوصیات کو اختیار کر کے دُنیا حقیقی طور پر امن اور سلامتی کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری الہامی دین ہے، جو علاقائی نہیں بلکہ عالمگیر ہے۔ مسلمان بیک وقت موسوی، عیسوی اور محمدی ہو سکتا ہے کیونکہ یہی اسلام کی رُوح عالمگیریت ہے۔ یاد رہے اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ مذاہب کے پاس یقیناً جملہ سوالات کے جوابات نہیں، ہاں اسلام کے پاس جملہ سوالات کے تشفی بخش جوابات ہیں۔ وہ جوابات درج بالا نمایاں پہلوؤں میں بڑی حد تک واضح ہیں۔

سوال 3

# اسلام میں احترامِ انسانیت

1- اسلام بلاتمیز رنگ ونسل ومذہب، انسان وقار واحترام کا درس دیتا ہے۔ بحث کریں۔(2020)

## اہم نکات

1۔ تعارف
2۔ احترامِ انسانیت پر قرآنِ مجید سے گواہی
3۔ احترامِ انسانیت پر انسانی تخلیق سے گواہی
4۔ احترامِ انسانیت پر احادیث سے گواہی
5۔ احترامِ انسانیت پر انسانی حقوق سے گواہی
6۔ حقوق وفرائض کے ذریعے انسانی وقار اور احترام کا تحفظ
7۔ خلاصۂ بحث

## 1۔ تعارف

اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے احترام، وقار اور مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے اللہ رب العزت نے نوع انسانی کو دیگر تمام مخلوق پر فضیلت و تکریم عطا کی ہے۔ قرآن حکیم میں شرف انسانیت وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ تخلیق آدم کے وقت ہی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور اس طرح نسل آدم کو تمام مخلوق پر فضیلت عطا کی گئی۔

## 2۔ احترامِ انسانیت پر قرآنِ مجید سے گواہی

قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۝ (بنی اسرائیل:70)

ترجمہ: ''اور بے شک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں (مختلف سواریوں پر) سوار کیا اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور ہم نے اُنھیں اکثر مخلوقات پر جنھیں ہم نے پیدا کیا فضیلت دے کر برتر بنا دیا۔''

## 3۔ احترامِ انسانیت پر انسانی تخلیق سے گواہی

سورۃ ''التین'' میں بلا رنگ و مذہب اور جنس کے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے بارے میں فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین: 4)

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت پر بنایا ہے۔''

درج بالا آیت سے واضح ہے کہ انسان کو شرف و تکریم سے نوازا گیا ہے اور اس کو بلند مقام عطا کیا گیا ہے۔ مساوات انسانی کو اسلام نے بے حد اہمیت دی ہے۔ اس حوالے سے کوئی اور مذہب اور نظامِ اقدار اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم نے بنی نوع انسان کی مساوات کی اساس بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

- ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھاری پیدائش (کی ابتدا) ایک جان سے کی، پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا، پھر ان دنوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو) بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔'' (النساء:1)

مذہب، زبان اور رنگ سے بالاتر انسان کی پہچان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات:13)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے طبقات اور قبیلے بنا دیے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جانتا باخبر ہے۔''

## 4۔ احترامِ انسانیت پر احادیث سے گواہی

رحمت عالم ﷺ نے انسان کی حیثیت کو خطبہ حجۃ الوداع میں یوں فرمایا:

''یاایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی أسود ولا لأسود علی احمر الا بالتقوی۔'' (احمد بن حنبل، المسند، 411:5، رقم:23536)

ترجمہ: ''اے لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمھارا باپ (آدم) ایک ہے۔ کسی عرب کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا:

- ''تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔''

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات، ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب ونسب اور مال ودولت پر مبنی تعصبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دیا خواہ وہ امیر ہوں یا غریب، سفید ہوں یا سیاہ، مشرق میں ہوں یا مغرب میں، مرد ہوں یا عورت اور چاہے وہ کسی بھی لسانی یا جغرافیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ انسانی مساوات کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں، نسلوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ہر سال مکۃ المکرمہ میں ایک ہی لباس میں ملبوس حج ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

## 5۔ احترامِ انسانیت پر انسانی حقوق سے گواہی

احترامِ آدمیت اور نوعِ بشر کی برابری کے نظام کی بنیاد ڈالنے کے بعد اسلام نے اگلے قدم کے طور پر عالم انسانیت کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبہ ہائے زندگی میں بے شمار حقوق عطا کیے۔ انسانی حقوق اور آزادیوں کے بارے میں اسلام کا تصور آفاقی اور یکساں نوعیت کا ہے۔ اسلام میں حقوقِ انسانی کا منشور اللہ کا عطا کردہ ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے۔ ایک حقیقی اسلامی ریاست میں ان حقوق سے تمام شہری مستفیض ہو سکیں گے اور کوئی ریاست یا فرد واحد ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ قرآن وسنت کی طرف سے عطا کردہ بنیادی حقوق کو معطل یا کالعدم قرار دے سکتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کو تلقین فرمائی ہے کہ وہ ان فرائض کو ادا کریں جو ان پر ان کے والدین، بچوں، عورتوں، ان کے پڑوسیوں، غلاموں اور ذمیوں وغیرہ کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے چند اہم نکات کو پیش کیا جاتا ہے:

### ا۔ انسانی جان کی حرمت

اسلام ہر شخص کو بغیر رنگ ونسل جان کا تحفظ فراہم کرتا ہے کیونکہ جب تک کسی معاشرے میں انسانی جان کو تحفظ حاصل نہ ہو، بقیہ حقوق کے حصول کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ اسلام نے اسی بنیادی حق کو بیان کرتے ہوئے اہل ایمان کے کردار کو یوں بیان کیا:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (الفرقان:68)

ترجمہ: ''اور (خدائے رحمان کے مقبول بندے) کسی ایسی جان کو قتل نہیں کرتے جسے بغیر حق مارنا اللہ نے حرام فرمایا ہے۔''

- **خودکشی کی ممانعت**

زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے جو بقیہ تمام نعمتوں کے لیے ایک اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے زندگی کے تحفظ کا

حق عطا کرتے ہوئے افراد معاشرہ کو اس بات کا بھی پابند کیا ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں خودکشی کے مرتکب نہ ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رحمتِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''جو اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرے وہ دوزخ میں جائے گا، ہمیشہ اس میں گرتا رہے گا۔ جو زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کرے تو وہ زہر دوزخ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے دوزخ میں کھاتا ہوگا اور ہمیشہ اس میں رہے گا۔ جو لوہے کے ہتھیار سے اپنے آپ کو قتل کرے تو وہ ہمیشہ اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے دوزخ کی آگ کے اندر ہمیشہ اپنے پیٹ کے اندر مارتا رہے گا اور ہمیشہ اس کے اندر رہے گا۔'' (صحیح بخاری، رقم:5442)

## ○ مردہ انسان کی حرمت

اسلام تکریم انسانیت کی تعلیم عطا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے انسان کی پیدائش سے اس کے حقوق کا تعین کیا اور پھر یہ حقوق بعد از موت بھی اسے حاصل ہوتے ہیں۔ مرنے کے بعد اگرچہ اس کا رابطہ اس عالم ارضی سے منقطع ہو جاتا ہے مگر اس کے حقوق ہرگز ختم نہیں ہوتے بلکہ اس کی تکریم، عزت اور میت کے وقار کا لحاظ دوسرے افراد معاشرہ پر لازم ہوتا ہے۔

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا۔ تو لوگوں نے اس میت کی تعریف کی۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اس کے لیے (جنت) واجب ہوگئی۔ پھر ارشاد فرمایا: تم لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔''

(ترمذی، السنن، 3 ,373رقم:1059)

ایک موقع پر ایک یہودیہ کا جنازہ گزر رہا تھا تو نبی کریم ﷺ اس کے لیے کھڑے ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تو یہودیہ ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ انسان نہیں ہے؟'' اسی طرح لاش کا مثلہ کرنا اور قبور کی بے حرمتی کرنا اِس کی بھی ممانعت ہے۔

## ۲۔ انسانی عزت کی حرمت

اسلام ہر شخص کو بلاتفریق مذہب انسانی بنیادوں پر عزت عطا کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے ہر فردِ معاشرہ کو عزت نفس اور احترام کا حق عطا کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**أنزلو الناس منازلهم**۔ (ابوداؤد، السنن، 261:4، رقم:4842)

ترجمہ: ''لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق سلوک کیا کرو۔''

جب بنو قریظہ نے حضرت سعدؓ بن معاذ کے حکم پر اپنے قلعوں سے نکلنا منظور کیا اور حضرت سعدؓ وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

**قوموا الی سید کم**۔ (صحیح بخاری، 900:2)

ترجمہ: ''اپنے سردار کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔''

نیز اسلامی ریاست میں رنگ، نسل، عقیدہ، مال و دولت، سماجی مرتبہ اور سیاسی عزت و وقار سے قطع نظر ہر شخص کو وہ عزت اور مقام حاصل ہے جسے کوئی فرد یا معاشرہ پامال نہیں کر سکتا۔ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے شہریوں کی عزت اور وقار کی حفاظت کرے اور کوئی ایسا قانون لاگو نہ ہونے دے جس سے کسی بھی شہری کی عزت اور وقار کی پامالی کی راہ نکلتی ہو۔ اسلام نہ صرف حکومت کو اس فرض کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام سرانجام نہ دے جس سے معاشرے کے کسی بھی فرد کی عزت و وقار مجروح ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اے ایمان والو! (مردوں کی) ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑایا کرے ممکن ہے کہ (بعض معاملات میں)

وہ (جس کا مذاق اڑا رہے ہیں) ان سے بہتر ہو۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے کہ وہ عورتیں (جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے) ان سے بہتر ہوں اور نہ اپنے لوگوں (پر نکتہ چینی کرو اور نہ ان) پر عیب لگاؤ۔ اور نہ ایک دوسرے کو (برے القاب رکھ کر) بدنام کرو۔ اے ایمان والو! بیشتر بدگمانیوں سے بچتے رہو بے شک بعض بدگمانیاں گناہ (کا موجب) ہوتی ہیں اور (کسی کی برائیوں کے) کھوج میں نہ لگے رہا کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرو۔''

(الحجرات:11۔12)

یہ بھی پیش نظر رہے کہ اسلام سلامتی کا دین ہے۔ جہاں ایک طرف آپ ﷺ نے سب افراد معاشرہ کو سلامتی کا حق عطا کیا تو دوسری طرف اُنھیں اس بات کا بھی پابند کیا کہ وہ اپنے قول اور فعل سے دوسروں کے لیے سلامتی کا سامان پیدا کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده'' (بخاری، الصحیح، 1:13، رقم:10)

ترجمہ: ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان ایذا نہ پائیں۔''

## ۳۔ مریض کا احترام

اسلام ہر فرد معاشرہ کو ایسا سماجی مقام دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معاشرے کا ایسا جز و تصور کرے جہاں اس کے ماحول کا ہر فرد اس کے دکھ درد میں برابر کا شریک ہے۔ مریض جو قدرتی معذوری کے سبب معاشرے میں فعال کردار اُنھیں ادا کرسکتا بھرپور توجہ کا مستحق قرار پاتا ہے۔ اسلام نے مریض کو بلا رنگ و نسل و مذہب تمام حقوق عطا کیے ہیں۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو لوٹنے تک گویا وہ جنت کے باغات میں ہوتا ہے۔'' (مسلم، الصحیح، 4:1989، رقم:258)

## 6۔ حقوق و فرائض کے ذریعے انسانی وقار اور احترام کا تحفظ

اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال اور توازن کا درس دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے ایسی تعلیمات عطا کیں جو زندگی میں حسین توازن پیدا کرنے کی ضمانت دیتی ہیں۔ اسلام کا یہ بنیادی اصول اس کی تمام تعلیمات اور احکام میں کارفرما ہے۔ دنیا کے دیگر معاشرتی و سیاسی نظام حق کے احترام و ادائیگی کی اس بلندی و رفعت کی نظیر پیش نہیں کرسکتے جس کا مظاہرہ تعلیمات نبوی میں نظر آتا ہے۔ اسلام کا فلسفہ حقوق دیگر نظاموں کے فلسفہ حقوق سے مختلف و ممتاز ہے۔

ا۔ اسلام مطالبہ حقوق (Demand of Rights) کے بجائے ایتائے حقوق (Fulfilment of Rights) کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اوپر عائد دوسرے افراد کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ رہے۔ یہاں تک کہ وہ صرف حق کی ادائیگی تک ہی محدود نہ رہے بلکہ اس ادائیگی کو حدِ احسان تک بڑھا دے۔ قرآن فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ. (النحل:90)

ترجمہ: ''بے شک اللہ (تمھیں) عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

مذکورہ بالا آیۂ مبارکہ میں مذکور عدل اور احسان قرآن حکیم کی دو اصطلاحات ہیں۔ عدل کا مفہوم تو یہ ہے کہ وہ حقوق جو شریعت اور قانون کی رو سے کسی فرد پر لازم ہیں وہ ان کی ادائیگی کرے جب کہ احسان یہ ہے کہ فرض حقوق سے بڑھ کر بھی وہ دوسرے افراد معاشرہ سے حسن سلوک کرے۔

حضور اکرم ﷺ کا عطا کردہ تصورِ احسان انسانی معاشرے کو سراپا امن و آشتی بنانے کی ضمانت فراہم کرتا ہے کیونکہ ایک فرد کا فرض دوسرے کا حق ہے۔ جب ہر فرد اپنے فرائض کو ادا کرے گا یعنی دوسرے کے حقوق پورا کرنے کے لیے کمر بستہ رہے گا تو لامحالہ معاشرے میں کسی طرف بھی حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے مطالبہ حقوق کی صدا بلند نہ ہوگی، اور پورے معاشرے کے حقوق از خود پورے ہوتے رہیں گے۔ اس طرح معاشرہ قانون کی حکمرانی اور انسانی حقوق کے احترام کا آئینہ دار بن جائے گا۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانی حقوق کا ایسا نظام عطا کیا ہے جہاں حقوق و فرائض میں باہمی تعلق و تناسب (Reciprocal Relationship and Proportionality) پایا جاتا ہے۔ یعنی کوئی شخص بغیر اپنے فرائض پورے کیے حقوق کا مطالبہ نہ کرے گا۔ چونکہ اساسی زور فرائض کی ادائیگی اور ایتائے حقوق پر ہے، سو کوئی بھی فردِ معاشرہ اس وقت تک اپنے حقوق کے لیے آواز بلند نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے فرائض ادا نہ کر چکا ہو۔ فرائض کی ادائیگی کی صورت میں حقوق کا حصول ایک قدرتی اور لازمی تقاضے کے طور پر خود بخود ہی تکمیل پذیر ہو جائے گا۔

۳۔ حضور اکرم ﷺ نے حقوق انسانی کا ایسا جامع تصور عطا کیا جس میں حقوق و فرائض میں باہمی توازن پایا جاتا ہے۔ اس بنیادی تصور کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی کئی مغالطوں نے بھی جنم لیا۔ حقوق و فرائض کے مابین توازن ہی کے سبب سے بعض اوقات ظاہراً حقوق کے مابین عدم مساوات نظر آتی ہے حالانکہ در حقیقت ایسا نہیں۔ مثلاً عورتوں اور مردوں کے حصہ ہائے وراثت میں موجود فرق بھی اس حکمت کی وجہ سے ہے ورنہ مطلق حقوق کے باب میں مرد و عورت میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی گئی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (البقرۃ: 228)

ترجمہ: ''اور دستور کے مطابق عورتوں کے مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔''

## 7۔ خلاصۂ بحث

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اسلام اور مغرب دونوں انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کو بہت اہمیت دیتے ہیں تاہم انسانی حقوق کے مسئلہ پر ان کا زاویۂ نظر بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اس اختلاف کی اساس دونوں کا بنیادی نقطۂ نظر ہے۔ اسلام انسانی حقوق کو انسان کے اللہ تعالیٰ سے تعلق عَبدِیّت (بندے ہونے کا تعلق) کے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے جب کہ انسانی حقوق کا مغربی تصور لادینی (Secular) ہے جو انسان کے بطور شہری ریاست سے تعلقات پر مبنی ہے۔ وسیع تناظر میں دونوں نقطۂ ہائے نظر میں فرق یہ ہے کہ اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، جو تمام کائنات کا رب ہے اور اس کے احکام بلند و برتر اور اعلیٰ قانون (Supreme Law) کا درجہ رکھتے ہیں۔ روئے زمین پر انسان اللہ کا نائب ہے۔ اس طرح اسلامی ریاست میں عوام کلی اقتدار کے مالک نہیں، بلکہ وہ اجتماعی طور پر اپنے نمائندوں کے ان اختیارات کے ذریعے جن کی حدود کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جا چکا ہے، حکومتی نظم و نسق چلاتے ہیں۔ اہل ایمان قرآن و سنت کو اپنی ریاست کا سپریم لا مانتے ہیں۔ اس کے برعکس مغرب کی سیکولر جمہوری ریاستوں میں عوام کو سرچشمہ اقتدار سمجھا جاتا ہے اور ان کے نمائندوں کے وضع کردہ قوانین کو ملک کا سپریم لا مانا جاتا ہے۔ رنگ، نسل، زبان اور علاقہ کے امتیازات کو جس طرح اسلام نے ختم کیا ہے اور بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ انسانی وقار اور احترام کا تحفظ رنگ، نسل، علاقے اور قبیلے کی عصبیت کے بغیر اُسی وقت ممکن ہے جب اِسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق و فرائض کو ملحوظ رکھا جائے۔

# اسلامی نظریہ حیات

## اہم نکات

1۔ تعارف
2۔ نظریہ حیات کی تعریف
3۔ تعریفات کا نتیجہ
4۔ اسلامی نظریہ حیات
5۔ مغربی نظریہ حیات
6۔ اشتراکی نظریہ حیات
7۔ اسلامی نظریہ حیات کی خصوصیات
8۔ خلاصہ بحث

## 1۔ تعارف

اسلام وہ دین ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں متوازن، معقول اور مکمل نظریہ حیات فراہم کرتا ہے۔ جس کے اندر زمانے کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اسلامی نظریہ حیات کرنے اور نہ کرنے والے دونوں طرح کے امور کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی نظریہ حیات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ جہاں تک مغربی نظریہ حیات کا تعلق ہے تو اس کا سرچشمہ عقل اور فطرت انسانی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ عقل محض، تجربہ اور فطرت انسانی سے جملہ مسائل کا حل ممکن نہیں۔ جملہ مسائل کا حل اُلوہی ہدایت میں ہے۔ یہ ہدایت صرف اسلام کے پاس ہے۔ تو ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی نظریہ حیات کی روشنی میں معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔

## 2۔ نظریہ حیات کی تعریف

''نظریہ حیات سے مراد ایک ایسا مکمل ضابطہ ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں فکر (Thought) و عمل (Practical) کی راہنمائی کا کام کر سکے۔''

- **ڈاکٹر جارج بواس کے نزدیک تعریف**

''عام نظریات کا کوئی ضابطہ یا ایسا پروگرام جس کی اساس فکر و فلسفہ پر ہو۔''

- **ماہر لسانیات ویبسٹر کے نزدیک تعریف**

''کسی تہذیبی، سیاسی یا معاشرتی تحریک کے عام منصوبے یا لائحہ عمل کا علمی بیان۔''

## 3۔ تعریفات کا نتیجہ

ان تعریفات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نظریہ حیات سے کسی تحریک یا نظام تمدن کی فکری بنیادیں مراد ہیں اور جب ہم 'اسلامی نظریۂ حیات' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس سے اسلام کا فکری اور عملی نظام مراد ہے۔ نظریۂ حیات کی اصل خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے خاص نظامِ فکر کی روشنی میں زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق رہنمائی کرتا ہے۔ اور جس طرح ہار کے موتیوں کو دھاگا باہم منسلک کر دیتا ہے اسی طرح ہر نظریۂ حیات کی ایک مُشترک رُوح (Common spirit) زندگی کے تمام شعبہ جات کے پروگرامز کو جوڑ کر ایک وحدت بنا دیتی ہے۔ ہر شعبے میں یہی ایک رُوح اور فکر کارفرما ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ایمان اور عمل صالح دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے۔ ایک کے بغیر دوسرا در اصل نامکمل رہتا ہے۔ ذیل میں اسلامی نظریہ حیات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

## 4۔ اسلامی نظریہ حیات

یہ بات پیش نظر رہے کہ اسلامی نظریہ حیات کے دو پہلو ہیں: ایک طرف اسلام زندگی کی بنیادی حقیقتوں پر روشنی ڈالتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں انسان کا اصل مقام کیا ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ جو اساسی قانون اس میں کارفرما ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ اسلام بنیادی عقائد کی شکل میں زندگی کی حقیقتوں سے انسان کو روشناس کراتا ہے اور کائنات اور زندگی کے بارے میں اسے صحیح زاویۂ نگاہ عطا کرتا ہے۔ دوسری طرف اسلام زندگی کا مفصل قانون پیش کرتا ہے تاکہ انسان افراط و تفریط (حد سے بڑھ جانا یا کمی کر دینا) سے بچ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اعتدال و توازن کی بنیادوں پر استوار کرے اور کامیاب و کامران رہے۔ عقائد اور ضابطۂ عمل کے اس مجموعے کا نام ''اسلامی نظریہ حیات'' ہے۔

### (ا) فکر اقبالؒ کی روشنی میں اسلامی نظریہ حیات پر مثال

علامہ اقبال ''اسلامی ثقافت کی روح'' پر گفتگو کرتے ہوئے محدود مذہبی نقطۂ نظر اور اسلام کے انقلابی نقطۂ نظر کا فرق بڑی خوبی سے واضح کرتے ہیں۔ایک صوفی بزرگ کے واقعہ معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

محمدِ عربی برفلک الافلاک رفت وباز آمد واللہ اگر من رفتمے ہرگز نیامدمے (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ۔ص 988-989)

محمد عربی ﷺ آخری آسمان پر گئے اور واپس آ گئے۔خدا کی قسم! اگر میں (اس معرفت وبلندی پر) گیا ہوتا تو کبھی واپس نہ آتا۔

یہ جملہ محدود دینی نقطۂ نظر اور انبیا کے انقلابی نقطۂ نظر کے فرق کو واضح کر دیتا ہے۔جس شخص کے پیشِ نظر صرف اپنی ذات کی اصلاح اور خود کو روحانی بلندیوں سے آشنا کرنا ہو وہ باری تعالیٰ تک پہنچنے کو اپنا منتہٰے (آخری حد) سمجھے گا اور اس اونچے مقام کو حاصل کرنے کے بعد دُنیا کی طرف لوٹنا اور زمانے کے مصائب میں داخل ہونا گوارا نہیں کرے گا۔لیکن اس کے برعکس نبی کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُس بلندی پر پہنچنے کے بعد دُنیا کی طرف واپس آتا ہے اور جو معرفت اور روشنی اسے حاصل ہوتی ہے اس کی مدد سے ایک نئی دُنیا تعمیر کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام اس لیے بھیجے کہ وہ ہدایت اِلٰہی کے نور سے پوری دُنیا کو منور کر دیں اور دین حق کی رہنمائی میں ایک نیا انسان اور ایک نیا معاشرہ قائم کریں۔تمام انبیا اسی مشن کو لے کر آئے اور اس کام کو اپنی آخری، مکمل ترین اور معیاری شکل میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے انجام دیا۔اسلام زندگی سے فرار کی نہیں ایک مکمل نظام کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ہدایت کے اسی نظام کا نام دین اور اسلامی نظریہ حیات ہے۔

## 5۔ مغربی نظریہ حیات

اسلامی نظریہ حیات کے بعد اہم ترین نظریہ ''مغربی نظریہ حیات'' ہے۔مغربی نظریہ حیات جمہوریت، انسانی مساوات، حقوق انسانی، مذاہب کے درمیان برداشت، سرمایہ داریت جیسے عنوانات سے تعبیر ہے۔یقیناً اس نظریہ نے انسانوں کے لیے آسانیاں بھی پیدا کی ہیں۔لیکن ساتھ ساتھ بعض ایسی مشکلات بھی پیدا کر دی ہیں کہ باوجود ساری سائنسی ترقی کے انسان آج بھی امن اور انصاف کا متلاشی ہے۔آخر مغربی نظریہ حیات میں وہ کون سی خرابی ہے جس کی وجہ سے انسان آج بھی منزل سے کوسوں دور ہے۔ذیل میں ان خرابیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

### (ا) مغرب متوازن نظریہ حیات سے محروم

مغربی دُنیا کا المیہ یہ ہے کہ وہ ایک طویل مدت سے کسی حیات بخش نظریہ حیات سے محروم رہی ہے۔عیسائیت اسے کوئی مکمل نظام حیات نہ دے سکی۔نتیجتاً مغرب کا انسان الہامی ہدایت سے محروم ہو کر صرف انسانی فکر پر تکیہ کرنے پر مجبور ہوا اور ایک جامع اور متوازن نظام قائم کرنے میں ناکام رہا۔ان ناکامیوں نے اس میں مایوسی کی کیفیت کو جنم دیا اور بالآخر وہ آہستہ آہستہ ایک جامع نظریہ حیات کی ضرورت کا ہی منکر ہو گیا۔

### (۲) مغربی فلاسفرز کا کلیت سے جزئیت کی طرف سفر

جدید مغربی فکر کا ارتقا جن خطوط پر ہوا ہے وہ زندگی کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں۔سب سے پہلے ''ڈیکارٹ'' نے روح اور مادہ کے علیحدہ علیحدہ ہونے کا نظریہ پیش کیا۔اس کے فلسفہ میں روح اور مادہ دو علیحدہ علیحدہ وجود ہیں۔''لائبنز'' نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور مستقل بالذات وجود کی کثرت کا نظریہ پیش کیا۔اب ہر ''روح'' یا ''جوہر'' خود ایک کائنات تھا، اور اپنا جداگانہ وجود رکھتا تھا اور اپنی مخصوص نظر سے پوری کائنات کی عکاسی کر رہا تھا۔''لاک'' اور ''ھیوم'' کے زیر اثر کمیت (Quantity) کی اہمیت بڑھ رہی تھی اور کیفیت (Quality) کی قدر کم ہو رہی تھی۔طبعیات اور ریاضی کی ترقی نے اس رجحان کو اور بھی تیز کر دیا اور نتیجتاً مغربی فکر و فلسفہ کلیت (Totalitarianism) سے جزئیات (Partiallism) کی طرف سفر کرنے لگا۔

## (۳) مغربی فکر وفلسفہ کے اثرات

اس فکری رجحان کے نتیجے میں زندگی کے ہر شعبے میں انتشار رونما ہوا۔ عالمی ریاست کا تصور قومی ریاست کے تصور سے بدل گیا اور سلطنت روما چھوٹی چھوٹی قومی ریاستوں میں بٹ گئی۔ مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے بالکل جدا کر دیا گیا اور سیاست میں انفرادیت کا غلبہ ہوا۔ معاشیات میں تقسیم پسندی کا رجحان رونما ہوا اور پوری صنعتی اور تجارتی ترقی انہی خطوط پر ہوئی۔ قومیت (ماریت)، لادینیت (Seculanism)، انفرادیت، اور صنعتیت (Industrialisation) اسی ذہنیت کی پیداوار ہیں۔ مغربی فکر کے اس رجحان کا لازمی (Compulsory) اور منطقی (Logically) نتیجہ تھا کہ کوئی ایک نظریہ حیات ایسا نہیں ہو سکتا جو زندگی کے تمام شعبوں میں اتحاد پیدا کر سکتا۔ لادینیت اور مادیت (Materialism) منفی تحریکیں تھیں۔ وہ کوئی مثبت نظام زندگی فراہم نہیں کر سکتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شعبے کا ارتقا جدا جدا بنیادوں اور مختلف تمدنی (Culturally) خطوط پر ہوا اور زندگی میں کوئی وحدت باقی نہ رہی۔ معیشت کسی سمت میں جا رہی ہے تو معاشرت کسی اور سمت میں۔ سیاست کا انداز کچھ ہے تو اخلاق و تمدن کا کچھ اور۔ ہر معاملے میں متعدد معیار بن گئے اور کوئی ایک پیمانہ ایسا نہ رہا جس سے زندگی کے ہر پہلو کو ناپا جا سکتا۔ یورپ کی زندگی کا جدید انتشار اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتا جب تک مندرجہ بالا حقیقت کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے۔ تاریخ کا طالب علم جب یہ دیکھتا ہے کہ سیاست میں جمہوریت اور معاشیات میں صنعتی جبر اور مزدوروں پر مظالم ساتھ ساتھ رونما ہوتے ہیں، جب وہ سامراج اور آزادی پسندی کو اکٹھے دیکھتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تضاد (Contradiction) اس لیے پایا جاتا ہے کہ ایک منفی چیز پر تو سب مشترک ہیں لیکن کوئی ایسا مثبت نظریہ حیات موجود نہیں جو زندگی کی وحدت کو قائم رکھتے ہوئے علمی اور عملی دائرہ میں مکمل رہنمائی فراہم کر سکتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شعبے میں مختلف سمتوں میں ترقی ہوئی ہے اور آج اس کے نتیجے میں مغربی تہذیب اندرونی انتشار کا شکار ہے۔ علامہ نے مغربی نظریہ حیات پر تنقید کرتے ہوئے درست فرمایا تھا:

؎ چھوڑ یورپ کے لیے رقصِ بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ضربِ کلیم الٰہی
صلہ اُس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن
صلہ اِس رقص کا درویشی و شہنشاہی

(یورپ کے لیے جسمانی رقص ہے جب کہ روح کا رقص اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے میں ہے۔ جسمانی رقص سے جسمانی ضروریات تو پوری ہو سکتی ہیں روحانی نہیں جب کہ روحانی رقص سے درویشی اور بادشاہی یعنی دین و دُنیا دونوں حاصل ہوتے ہیں۔)

## 6- اشتراکی نظریہ حیات

یورپ کی جدید تاریخ میں اسی انتشار کے ردِ عمل (Reaction) کے طور پر اشتراکیت (Communalism) بہ حیثیت ایک نظریہ حیات اور ایک تحریک رونما ہوئی، لیکن چوں کہ اشتراکیت بھی مغربی فکر کے منفی رویے سے اپنے کو آزاد نہ کر سکی، وہ بھی مادہ، روح اور اخلاق کی تقسیم پر مبنی ہے، نیز انسانی سماج کی طبقاتی تقسیم پر اس کی اساس ہے، اس لیے اس نے ایک ضابطۂ عمل تو دیا، مگر ایک صحت مند اور حیات بخش نظریہ حیات پیش کرنے سے قاصر رہی۔ جب تک اشتراکیت محض ایک نظریہ رہی اس کی کشش میں اضافہ ہوتا رہا لیکن اب جب کہ اس کے عملی نتائج بھی سامنے آ گئے ہیں (خود روس جہاں سے اس کا آغاز ہوا مختلف ریاستوں میں بٹ گیا) برابر کم ہو رہی ہے، کیوں کہ انسان یہ دیکھ رہا ہے کہ بقول اقبال:

ے زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا؟
طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی!

(اشتراکیت میں وسائل پر قبضہ حکومت کا ہوتا ہے عوام کو بنیادی ضروریات کی فراہمی حکومت کا کام ہے۔ علامہ اقبال اِس نظریے پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر مزدوروں کے ہاتھ ظاہراً اقتدار آ بھی چکا ہے لیکن حکومت اُنھیں حقوق دینے میں اسی طرح کا رویہ اپنائے ہوئے ہے جیسے پرانے زمانے میں ایران کے بادشاہ کا تھا۔ علامہ نے اشتراکیت پر تنقید کرتے ہوئے ارمغانِ حجاز میں یوں بھی فرمایا ہے:

ے کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
پریشان روزگار، آشفتۂ مغز، آشفتہ ہو

## 7- اسلامی نظریہ حیات کی خصوصیات

ایک طرف تو جدید دُنیا میں کسی صحت بخش نظریہ حیات کا فقدان ہے اور دوسری طرف ایک ایسے نظریے کی ضرورت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو زندگی کے مسائل کو صحت مند بنیادوں پر حل کرے اور انسان کی مادی ترقی کو اس کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کر سکے۔ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ زندگی ایک نا قابل تقسیم وحدت ہے۔ انسان کی شخصیت ایک ہی ہے اور وہ بہ یک وقت دو متضاد اور متناقض کردار ادا نہیں کر سکتا اور اگر کرے گا تو اس کی شخصیت انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ایک انتشار زدہ شخصیت کا حامل ہے۔ سماجی بے اطمینانی، معاشرتی کشمکش، نوجوانوں کی بے راہ روی، خودکشی اور ذہنی امراض جس تیزی سے بڑھ رہے ہیں، وہ اس حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ انہی حالات سے متاثر ہو کر پروفیسر جوڈ نے کہا تھا کہ ''ہم نے فضاؤں میں پرندوں کی طرح اڑنا اور سمندروں میں مچھلیوں کی طرح تیرنا تو سیکھ لیا ہے لیکن زمین پر انسانوں کی طرح رہنا ابھی تک نہیں آیا۔'' آج کے انسان کے جملہ مسائل کا حل اگر کہیں میسر ہے تو وہ ''اسلامی نظریہ حیات'' ہے۔

ذیل میں اسلامی نظریہ حیات کی چند نمایاں خصوصیات کو بیان کیا جاتا ہے:

### (ا) الہامی نظریہ حیات

دین عقل انسانی کی کوششوں کا نتیجہ نہیں بلکہ ہدایات، ربانی پر مشتمل ہے۔ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ جو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام مسائل سے آگاہ ہے۔ اِس کے تمام اُصول غیر متبدل (Unchangeable) ہیں۔ دین آج تک اپنے نظامِ حیات کے ساتھ اپنی اصل حالت میں محفوظ ہے۔ یہ نظامِ حیات اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے نازل کیا۔ قرآن 'دین' کو ایک جامع اِصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے اور اِس کی زبان میں اس سے مراد ایک ایسا نظام زندگی ہے جس میں انسان کسی برتر ہستی کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرے۔ اُس کے حدود و ضوابط کے تحت زندگی بسر کرے۔ اُس کی فرماں برداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔ حاکمیت کا یہ مقام اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اسلام وہ دین ہے جو اس حاکمیت کی اساس پر قائم ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے صحیح اور آخری طریقہ زندگی قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ: 3)

ترجمہ: ''آج ہم نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمھارے لیے ''اسلام'' (بحیثیت) دین پسند کیا۔''

### (۲) عالمگیر نظریہ حیات

آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیا تشریف لائے کسی خاص قوم یا علاقے کی طرف مبعوث ہوئے۔ لیکن سرورِ دو عالم ﷺ ساری انسانیت کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(i) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔ (الاعراف:158)

ترجمہ: ''آپ (ﷺ) فرما دیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔''

اسی طرح آپ ﷺ کو عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔

(ii) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیا:107)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔''

### (۳) ظاہری اور باطنی اصلاح کا جامع نظریہ

اسلام دل و دماغ سے اللہ کے سوا عقیدت و محبت ختم کر کے ایمان کو خدا کے لیے خالص کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ مومن اپنے مالک کی طرف یکسو ہو جاتا ہے۔ دیگر نظریہ ہائے حیات میں کہیں مادیت اپنے عروج پر ہے تو کہیں رُوحانیت کی خود ساختہ غلط اشکال۔ اسلامی نظریہ ایسا نظریہ ہے جو ظاہری و باطنی اصلاح کے حوالے سے جامع ہے۔

### (۴) دین اور دُنیا کی وحدت کا جامع نظریہ

اسلام نے مختلف مذاہب میں رائج دین اور دُنیا کی مصنوعی علیحدگی کو ختم کر دیا۔ جیسا کہ اسلام نے عیسائیوں کی غلط روش پر تنقید کی جب اُنھوں نے اپنے اوپر خود ساختہ دینی پابندیوں کو نافذ کر لیا۔

### (۵) متوازن نظریہ حیات

سلامی نظریہ حیات ہر اعتبار سے توازن پر مبنی ہے جیسا کہ ارشادِ رسول ﷺ ہے:

خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا ۝

ترجمہ: ''تمام امور کی بہتری ان میں متوازن رویہ اختیار کرنے میں ہے۔''

## 8۔ خلاصہ بحث

یہ صحیح ہے کہ عملی سہولت کی خاطر حیات انسانی کو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن ہر شعبے کو ایک آزاد اور جداگانہ جزیرے کی شکل دے دینا نہایت مہلک ہے۔ انفرادی اور اجتماعی، سیاسی اور معاشی، یہ تمام شعبے ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ انھیں بالکل الگ الگ حصوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی زندگی میں مختلف شعبوں کے درمیان امتیاز و تفریق ممکن نہیں۔ جب تک تمام شعبوں کو درست نہ کیا جائے اور سب میں ہم آہنگی نہ ہو اُس وقت تک انسانی زندگی خوشحالی اور کامرانی سے ہم کنار نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ ممکن نہیں کہ کسی کا نصف چہرہ مسکرائے اور باقی نصف پر مسکراہٹ نہ آئے تو یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ صرف معیشت یا سیاست کی تنظیم سے پوری زندگی سنور جائے۔ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص بہ یک وقت مختلف سمتوں میں چل سکے یا دو مخالف سمتوں میں جانے والی کشتیوں پر سوار ہو اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ انسان کی زندگی کے مختلف شعبوں کو

بہ یک وقت مختلف منزلوں کی طرف سرگرمِ عمل کیا جاسکے۔ اچھی بات یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کی ترقی نے اب ان تمام منتشر جزیروں کو ملا دیا ہے جن میں آج سے پہلے زندگی کو تقسیم کیا گیا تھا۔ میڈیا کے جدید ذرائع نے زندگی کے تمام شعبوں کو مربوط کردیا ہے۔ اب پوری دُنیا ایک شہر اور پوری انسانیت ایک خاندان بنتی جارہی ہے۔ اب دُنیا کو ایک ایسی آئیڈیولوجی (Ideology) کی ضرورت ہے جو کثرت کو وحدت میں بدل دے اور ان نئے حالات میں انسان کو رہنے کا سلیقہ سکھائے تاکہ وہ اپنی حاصل کی ہوئی نئی قوتوں کو تعمیر وتشکیل کے لیے استعمال کرسکے۔ یقیناً وہ ''نظریہ'' ''اسلامی نظریہ حیات'' ہے۔ ورنہ اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ آج تک انسان نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ نفرت، تقسیم پسندی اور جزو پرستی کے فلسفوں کے ہاتھوں تباہ ہو جائے۔ ورنہ بقولِ اقبال:

ؔ وہ فکر گستاخ جس نے عُریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

(اقبال کے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ مغربی فکر وفلسفہ کی بنیاد پر قائم سائنس وٹیکنالوجی نے فطرت (کائنات) کے اندر قوانین کو دریافت کیا ہے، نئی ایجادات ہوئی ہیں۔ لیکن یہ ایجادات خود انسان کے لیے فوائد کے ساتھ ساتھ نقصانات کا باعث بھی بن رہی ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی سے خود اس کا اپنا بنایا ہوا آشیانہ (گھر) تباہ ہو رہا ہے۔)

سوال 5

# انسانی زندگی میں دین کی اہمیت

## اہم نکات

1- تعارف

2- دین کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

3- "الدین" کی وضاحت

4- انسانی زندگی میں دین کی اہمیت

(الف) طریقِ زندگی کے اعتبار سے دین کی اہمیت

مکمل نظامِ عمل کے اعتبار سے دین کی اہمیت

5- دین کی اہمیت کے حوالے سے قرآنی دلائل

6- کیا انسان دین خود بنا سکتا ہے؟

7- انسانی ذرائع علم کا جائزہ

8- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

قرآن جس دعوے کے ساتھ نوعِ انسانی کو اپنے پیش کردہ مسلک کی طرف دعوت دیتا ہے وہ خود اس کے اپنے الفاظ میں یہ ہے:۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: 19)

ترجمہ: ''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

اسلام کا جو تصور عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے وہ اِس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ ایک مذہب کا نام ہے جو آج سے چودہ سو برس پہلے عرب میں پیدا ہوا تھا اور جس کی بنا حضرت محمد ﷺ نے ڈالی تھی۔ گویا ان کے نزدیک اسلام کی ابتدا آپ ﷺ ہی سے ہوئی اور آپ ہی اس کے بانی (Founder) ہیں۔ لہٰذا جب ایک غیر مسلم قرآن کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ یہ گمان کر کے سرسری طور پر اس سے گزر جاتا ہے کہ جس طرح ہر مذہب صرف اپنے ہی برحق ہونے اور دوسرے مذاہب کے باطل ہونے کا مدعی ہے اسی طرح قرآن نے بھی اپنے پیش کردہ مذہب کے برحق ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ جب ایک مسلمان اسے پڑھتا ہے تو وہ اس وجہ سے اس پر غور کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں سمجھتا کہ وہ اسے خود برحق مانتا ہے۔ یا اگر غور و فکر کے لیے اس کے ذہن میں کوئی تحریک پیدا ہوتی ہے تو وہ بالعموم یہ رُخ اختیار کر لیتی ہے کہ عیسائیت، ہندومت اور ایسے ہی دوسرے مذاہب سے اسلام کا مقابلہ کر کے اس کی حقانیت ثابت کی جائے۔ درحقیقت قرآن میں یہ مقام (آلِ عمران: آیت 19) ایسا ہے جس پر ایک سنجیدہ طالب علم کو ٹھہر کر بہت غور کرنا چاہیے، اُسے زیادہ غور کرنا چاہیے جتنا اب تک اِس پر کیا گیا ہے۔ قرآن کے اِس دعویٰ کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں ''الدین'' کا مفہوم متعین کر لینا چاہیے۔ مفہوم متعین ہو جانے کے بعد ضرورت اس امر کی ہے کہ اِسے پوری انسانیت تک من و عن پہنچایا جائے اور اِس کی حقیقی ضرورت انسانیت کو آگاہ کیا جائے۔

## 2- دین کا لغوی اور اصلاحی مفہوم

### (۱) دین کا لغوی معنٰی

عربی زبان میں لفظ ''دین'' کئی معنوں میں آتا ہے۔ اس کے ایک معنی غلبہ اور بلندی کے ہیں دوسرے معنی اطاعت اور غلامی کے، تیسرے معنی جزاء اور بدلہ کے چوتھے معنی طریقہ اور مسلک کے ہیں۔ یہاں یہ لفظ اِسی چوتھے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی دین سے مراد طریق زندگی یا طرزِ فکر و عمل ہے جس کی پیروی کی جائے۔

### (۲) دین کا اصطلاحی مفہوم

لیکن یہ خیال رہے کہ قرآن محض دین نہیں کہہ رہا ہے بلکہ ''الدین'' کہہ رہا ہے۔ اس سے معنی میں وہی فرق واضح ہو جاتا ہے جو انگریزی زبان میں (This is a way of life) کہنے کے بجائے (This is the way of life) کہنے سے واقع ہوتا ہے۔ یعنی قرآن کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے نزدیک اسلام ایک طریق زندگی ہے بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ہی ایک حقیقی اور صحیح طریق زندگی یا طرزِ فکر و عمل ہے۔

## 3- ''الدین'' کی وضاحت

انسان کے لیے جس ''الدین'' کی ضرورت ہے اس سے مراد کوئی ایسا تفصیلی ضابطہ نہیں ہے جس میں ہر زمانے اور ہر قسم کے حالات کے لیے تمام چھوٹے بڑے جزئیات تک مرتب (Compiled) ہوں اور جس کی موجودگی میں انسان کا کام صرف اس کے مطابق عمل کرنا ہو بلکہ دراصل اُس سے مراد ایسے ہمہ گیر (Universal) ازلی وابدی (Eternal) اُصول ہیں جو تمام حالات میں انسان کی رہنمائی کر سکیں۔ اس کی فکر ونظر، کوشش اور پیش قدمی کے لیے صحیح رُخ متعین کر سکیں اور اسے غلط تجربات میں وقت، محنت اور قوت ضائع کرنے سے بچا سکیں...... اس غرض کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا علم ہو کہ اس کی اور کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ کائنات میں اس کا قیام کیا ہے؟ پھر وہ اس بات کے جاننے کا حاجت مند ہے کہ آیا زندگی بس یہی دُنیا کی زندگی ہے یا یہ پوری زندگی کا ایک ابتدائی حصہ ہے۔ آیا سفر بس پیدائش سے لے کر موت تک کی مسافت کا ہے یا یہ پورے سفر میں سے محض ایک مرحلہ ہے......... پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسا مقصدِ زندگی اس کے لیے متعین ہو جو حقیقت کے اعتبار سے واقعی حیاتِ زندگی کا مقصود ہو' جس کے لیے دراصل انسان پیدا کیا گیا ہو، اور جس کے ساتھ ہر فرد اور بحیثیت کلی تمام انسانیت کے مقاصد، تمام زمانوں میں بلا کسی تصادم کے ہم آہنگ ہو سکیں......... پھر اس کو اخلاق کے ایسے پختہ اور ہمہ گیر اُصولوں کی ضرورت ہے جو اُس کی فطرت کی تمام خصوصیات کے ساتھ مناسبت بھی رکھتے ہوں اور تمام ممکن حالات پر نظری وعملی حیثیت سے منطبق بھی ہو سکتے ہوں، تا کہ وہ انہی اصولوں کی بنیاد پر اپنی سیرت کی تعمیر کر سکے، اُن ہی کی رہنمائی میں سفرِ زندگی کی ہر منزل پر پیش آنے والے مسائل کو حل کر سکے اور کبھی اس خطرے میں مبتلا نہ ہو کہ تغیر پذیر حالات ومسائل کے ساتھ اُس کے اخلاقی اُصول ٹوٹتے اور بنتے چلے جائیں اور وہ محض ایک بے اُصولا بن کر رہ جائے۔ پھر اس کو تمدن کے ایسے جامع اور وسیع اُصولوں کی ضرورت ہے جو انسانی اجتماع کی حقیقت اور اس کے فطری تقاضوں کو سمجھ کر بنائے جائیں۔ جن میں افراط وتفریط اور بے اعتدالی نہ ہو۔ جن میں تمام انسانوں کی مجموعی مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہو۔ جن کی پیروی کر کے ہر زمانے میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کی تعمیر اور ترقی کے لیے کوشش کی جا سکے۔ پھر اسے شخصی کردار اور اجتماعی رویوں کی ضرورت ہے جو شاہراہِ زندگی پر نشاناتِ راہ (Signboards) کا کام دیں اور ہر موڑ، ہر دوراہے، ہر خطرناک مرحلے پر اسے آگاہ کر دیں کہ تیرا راستہ ادھر نہیں ہے بلکہ ادھر ہے......... پھر اس کو چند ایسے عملی ضابطوں کی ضرورت ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دائمی اور عالمگیر پیروی کے قابل ہوں اور انسانی زندگی کو اُس مقصدِ حیات، اُن اُصولِ اخلاق اور اُن حدودِ عمل سے ہمیشہ وابستہ رکھیں جن کی تعیین اُس ''الدّین'' میں کی گئی ہو۔

## 4- انسانی زندگی میں دین کی اہمیت

ذیل میں انسانی زندگی میں دین کی اہمیت کو ملاحظہ کریں:

### (ا) طریق زندگی کے اعتبار سے دین کی اہمیت

یہ ظاہر ہے کہ دُنیا میں انسان کو زندگی بسر کرنے کے لیے بہر حال ایک طریق زندگی درکار ہے جسے وہ اختیار کرے۔ انسان دریا نہیں ہے جس کا راستہ زمین کے نشیب وفراز سے خود معین ہو جاتا ہے۔ انسان درخت نہیں ہے جس کے لیے قوانینِ فطرت ایک راہ طے کر دیتے ہیں۔ انسان نرا جانور نہیں ہے جس کی رہنمائی کے لیے تنہا جبلت (Nature) ہی کافی ہو جاتی ہے۔ اپنی زندگی کے ایک بڑے حصے میں طبعی قوانین (Natural Laws) کا محکوم

ہونے کے باوجود انسان زندگی کے بہت سے ایسے پہلو رکھتا ہے جن میں اسے کوئی لگا بندھا راستہ نہیں ملتا' کہ حیوانات کی طرح بے اختیار اس پر چلتا رہے، بلکہ اس کو اپنے انتخاب سے خود ایک راہ اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس کو فکر کی ایک راہ چاہیے جس پر وہ اپنے اور کائنات کے اُن بہت سے مسائل کو حل کرے جنھیں فطرت اس کے سوچنے والے دماغ کے سامنے پیش تو کرتی ہے مگر ان کا کوئی حل غیر مشتبہ زبان میں نہیں بتاتی۔ اس کو علم کی ایک راہ چاہیے جس پر وہ اُن معلومات کو منظم کرے جنھیں فطرت اُس کے حواس کے ذریعے سے اس کے ذہن تک پہنچاتی تو ہے مگر اُنھیں بطور خود منظم کر کے اس کے حوالے نہیں کر دیتی۔ اس کو شخصی برتاؤ کے لیے ایک راہ چاہیے جس پر وہ اپنی ذات کے بہت سے ان مطالبات کو پورا کرے جن کے لیے فطرت تقاضا تو کرتی ہے مگر اُنھیں پورا کرنے کا کوئی مہذب طریقہ معین کر کے نہیں دیتی۔ اس کو گھریلو زندگی کے لیے، خاندانی تعلقات کے لیے، معاشی معاملات کے لیے، ملکی انتظام کے لیے، بین الاقوامی ربط وتعلق کے لیے اور زندگی کے بہت سے دوسرے پہلوؤں کے لیے بھی ایک راہ درکار ہے جس پر وہ محض ایک شخص ہی سے نہیں بلکہ ایک جماعت اور ایک قوم کی حیثیت سے بھی چلے اور ان مقاصد کو حاصل کرے جو اگر چہ فطرتاً اس کے مقصود و مطلوب ہیں مگر فطرت نے نہ تو ان مقاصد کو صریح طور پر اس کے سامنے نمایاں کیا ہے اور نہ ان تک پہنچنے کا ایک راستہ معین کیا ہے۔ یہ صرف دین ہے جو اُس کی جملہ ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

### (۲) مکمل نظامِ عمل کے اعتبار سے دین کی اہمیت

زندگی کے یہ مختلف پہلو جن میں کوئی ایک راستہ اختیار کرنا انسان کے لیے ضروری ہے، بجائے خود مستقل شعبے اور ایک دوسرے سے بے نیاز محکمے نہیں ہیں۔ اس بنا پر یہ ممکن نہیں ہے کہ ان مختلف شعبوں کے لیے انسان ایسی مختلف راہیں اختیار کر سکتا ہو جن کی سمتیں الگ ہوں، جن پر چلنے کے ڈھنگ اور انداز الگ ہوں اور جن کی منازلِ مقصود الگ ہوں۔ انسان اور اس کی زندگی کے مسائل کو سمجھنے کی ایک ذرا سی دانشمندانہ کوشش ہی آدمی کو اس پر مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے کہ زندگی بحیثیت مجموعی ایک کُل ہے جس کا ہر جز دوسرے جز سے اور ہر پہلو دوسرے پہلو سے گہرا ربط رکھتا ہے، ایسا ربط جو توڑا نہیں جا سکتا۔ اس کا ہر جز دوسرے جز پر اثر ڈالتا ہے اور اس سے اثر قبول کرتا ہے۔ ایک ہی روح تمام اجزا میں سرایت کیے ہوتی ہے اور وہ سب مل کر وہ چیز بناتے ہیں جسے انسانی زندگی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا فی الواقع جو چیز انسان کو درکار ہے وہ زندگی کے مقاصد نہیں بلکہ مقصد ہے جن کے ضمن میں سارے چھوٹے بڑے مقاصد پوری موافقت کے ساتھ اپنی اپنی جگہ لے سکیں اور جس کے حصول کی کوشش میں وہ سب حاصل ہو جائیں۔ اس کو راستے نہیں بلکہ ایک راستہ درکار ہے جس پر وہ اپنی پوری زندگی کو اس کے تمام پہلوؤں سمیت کامل ہم آہنگی کے ساتھ اپنے مقصودِ حیات کی طرف لے چلے۔ اس کو فکر، علم، ادب، آرٹ، تعلیم، مذہب، اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست، قانون وغیرہ کے لیے الگ الگ نظامات نہیں بلکہ ایک جامع نظام درکار ہے جس میں یہ سب ہمواری کے ساتھ سموئے جا سکیں جس میں ان سب کے لیے ایک مزاج اور ایک ہی طبیعت رکھنے والے مناسب اُصول موجود ہوں، اور جس کی پیروی کر کے آدمی اور آدمیوں کا مجموعہ اور من حیث الکل پوری آدمیت اپنے بلند ترین مقصود تک پہنچ سکے۔

(اخذ و تلخیص: اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص 84 تا 95)

## 5- دین کی اہمیت کے حوالے سے قرآنی دلائل

اللہ تعالیٰ ہمیں بادل نخواستہ (By default) مسلمان ہونے کے بجائے رضا و رغبت (By design) کے ساتھ مسلمان ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔ آیئے ان دلائل پر غور کرتے ہیں۔

(i) انسان کے لیے اسلام ہی ایک صحیح طریقِ زندگی ہے۔ اس کے سوا ہر طریقِ زندگی خلافِ حقیقت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ○ (آل عمران: 83)

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں چاروناچار اسی کے آگے جھکی ہوئی ہیں اور اُس کی طرف اُنھیں پلٹ کر جانا ہے۔''

(ii) انسان کے لیے یہی ایک صحیح طریقِ زندگی ہے، کیوں کہ یہی حق ہے اور از روئے انصاف اس کے سوا کوئی دوسرا رویہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ (الاعراف: 54)

ترجمہ: ''حقیقت میں تمھارا رب (مالک و فرماں رو) تو اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (six periods) میں پیدا کیا۔ پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ گر ہوا، جو دن کو رات کا لباس اڑھاتا ہے اور پھر رات کے تعاقب میں دن تیزی کے ساتھ دوڑا آتا ہے۔ سورج اور چاند تارے سب کے سب جس کے تابع فرمان ہیں۔ سنو! خلق بھی اُسی کی ہے اور امر بھی اُسی کا، بڑا برکت والا ہے وہ جو عالمین کا رب ہے۔''

(iii) انسان کے لیے یہی رویہ صحیح ہے، کیونکہ تمام حقیقتوں کا صحیح علم صرف اللہ ہی کو ہے اور بے خطا ہدایت وہی کر سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (آل عمران: 5)

ترجمہ: ''درحقیقت اللہ سے نہ زمین کی کوئی چیز چھپی ہوئی ہے اور نہ آسمان کی۔''

سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (البقرۃ: 255)

ترجمہ: ''جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اُسے بھی وہ جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے، اور لوگ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر حاوی نہیں ہو سکتے۔ سوائے ان چیزوں کے جن کا علم وہ خود ان کو دینا چاہے۔''

سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام: 71)

ترجمہ: ''اے پیغمبر کہہ دو کہ اصلی ہدایت صرف اللہ ہی کی ہدایت ہے۔''

(iv) انسان کے لیے یہی ایک راہ راست ہے، کیونکہ اس کے بغیر عدل ممکن نہیں۔ اس کے سوا جس راہ پر بھی انسان چلے گا وہ بالآخر ظلم ہی کی طرف جائے گا۔ سورۃ الطلاق میں ارشاد ہے:

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (الطلاق: 1)

ترجمہ: ''جو اللہ کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز کرے اس نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا۔''

سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ (المائدہ:45)

ترجمہ: ''جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی ظالم ہیں۔''

یہ دلائل ہیں جن کی بنا پر معقول انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ کے آگے گردن جھکا دے اور ہدایت کے لیے اُسی کی طرف رُجوع کرے۔

## 6- کیا انسان دین خود بنا سکتا ہے؟

اس حوالے سے سید مودودی لکھتے ہیں۔

''اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر انسان خدا کی مدد سے بے نیاز ہو کر اپنے لیے اس نوعیت کا ایک دین بنانا چاہے تو کیا وہ اس کوشش میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ سوال یہ ہے کہ آیا انسان اب تک ایسا دین خود بنانے میں کامیاب ہوا ہے؟ اس کا جواب تو قطعاً نفی میں ہے۔ خود وہ لوگ جو آج بڑے بڑے بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ اپنے اپنے دین پیش کر رہے ہیں اور ان کے لیے ایک دوسرے سے لڑ مر رہے ہیں، یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ان میں سے کسی کا پیش کردہ دین ان ضرورتوں کو پورا کرتا ہے جن کے لیے انسان من حیث الانسان ایک ''الدین'' کا محتاج ہے۔ کسی کا دین نسلی وقومی ہے، کسی کا جغرافیائی، کسی کا طبقاتی اور کسی کا دین پیدا ہی اس دور کے تقاضوں سے ہوا ہے جو ابھی کل ہی گزر چکا ہے، رہا وہ دَور جو کل آنے والا ہے اس کے حالات ومسائل کے متعلق کچھ پیشگی نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں بھی وہ کام دے سکے گا یا نہیں، کیونکہ جو دور اب گزر رہا ہے ابھی تو اسی کے تاریخی تقاضوں کا جائزہ لینا باقی ہے۔ اس لیے سوال یہ نہیں کہ انسان ایسا دین بنانے میں کامیاب ہوا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ ہے کہ کامیاب ہو سکتا ہے یا نہیں؟''

(اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص95)

## 7- انسانی ذرائع علم کا جائزہ

انسان کے پاس اپنا ''دین'' یا طریق زندگی اخذ کرنے کے ذرائع چار سے زیادہ نہیں ہیں۔ پہلا ذریعہ خواہش ہے۔ دوسرا ذریعہ عقل ہے۔ تیسرا ذریعہ مشاہدہ وتجربہ ہے۔ چوتھا ذریعہ پچھلے تجربات کا تاریخی ریکارڈ ہے۔ غالباً ان کے سوا کسی پانچویں ذریعہ کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔ ان چاروں ذرائع کا جتنا مکمل جائزہ لے کر آپ دیکھ سکتے ہوں، دیکھیے۔ کیا یہ ''الدین'' کے ایجاد کرنے میں انسان کی مدد کر سکتے ہیں؟

### (۱) خواہش

پہلے خواہش کو لیجیے۔ کیا یہ انسان کی رہنما بن سکتی ہے؟ کیا خواہش پر دین کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؟ اگرچہ یہ انسان کے اندر اصلی محرک عمل (Actual motive of practice) ہے، مگر اُس کی عین فطرت میں جو کمزوریاں موجود ہیں اُن کی بنا پر یہ رہنمائی کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتی۔ تنہا رہنمائی کرنا تو درکنار، عقل اور علم کو بھی اکثر اس نے گمراہ کیا ہے۔ اس کو تربیت سے خواہ کتنا ہی روشن خیال بنا دیا جائے، فیصلہ جب کبھی اُس پر چھوڑا جائے گا یہ بلا مبالغہ 99 فی صد حالات میں غلط فیصلہ کرے گی۔ کیونکہ اُس کے اندر جو تقاضے پائے جاتے ہیں وہ اس کو صحیح فیصلہ کرنے کے بجائے ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں جس سے مطلوب کسی نہ کسی طرح جلد اور بآسانی حاصل ہو جائے۔ بہرحال کسی قسم کی انسانی خواہش فطرتاً یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ ایک ''الدین'' وضع کر سکے۔

## (۲) عقل

پھر عقل کو لیجیے اس کی تمام بہترین صلاحیتیں مسلم (Proved) ہیں۔ انسانی زندگی میں اس کی اہمیت بھی نا قابل انکار ہے۔ یہ بھی تسلیم کہ انسان کے اندر یہ بہت بڑی رہنما طاقت ہے لیکن قطع نظر اس سوال کے کہ انسان کے لیے ''الدین'' کس کی عقل وضع کرے گی، زید کی؟ بکر کی؟ تمام انسانوں کی؟ یا انسانوں کے کسی خاص گروہ کی؟ سوال صرف یہ ہے کہ بجائے خود عقلِ انسانی کے حدود کا جائزہ لینے کے بعد کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ ''الدین'' کے وضع کرنے میں اُس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اس کے تمام فیصلے منحصر ہیں اُس مواد پر جو حواس (Five senses) اُس کو فراہم کر کے دیں۔ وہ غلط مواد فراہم کر کے دیں گے تو یہ غلط فیصلہ کر دے گی، اور جن امور میں وہ کوئی مواد فراہم ہی نہ کریں وہاں پر عقل تو بالکل اندھی ہو جائے گی تو یہ محدودیتیں (Limitations) جو بے چاری عقل کے ساتھ لگی ہوئی ہیں وہ آخر کس طرح اس کی اہل ہوسکتی ہے کہ نوع انسانی کے لیے ''الدین'' بنانے کی تکلیف اُسے دی جائے۔ ''الدین'' بنانے کا انحصار جن مسائل عالیہ کے حل پر ہے اُن میں حواس سرے سے کوئی مواد فراہم ہی نہیں کرتے ہیں۔ پھر کیا عقل سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ناقص مواد پر صحیح و کامل قدریں متعین کرے گی؟ علامہ کے بقول:

؎ گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں

## (۳) سائنس

اب تیسرے ذریعہ کو لیجیے، یعنی وہ علم جو مشاہدات و تجربات (Observations and practices) سے حاصل ہوتا ہے اُس علم کی قدر و قیمت واضح ہے لیکن اُس کی محدودیت کو نظر انداز کر کے اسے وہ وسعت دینا جو فی الواقع اُسے حاصل نہیں ہے، بے علمی ہے۔ ''علم انسانی'' کی حقیقت پر جس شخص کی بھی نظر ہو گی وہ اس بات کا انکار نہیں کرے گا کہ جہاں تک مسائل عالیہ کا تعلق ہے، ان کی حقیقت تک اس کی رسائی محال ہے کیونکہ انسان کو وہ ذرائع حاصل ہی نہیں ہیں جن سے وہ اس تک پہنچ سکے۔ نہ وہ اس کا براہِ راست مشاہدہ کرسکتا ہے اور نہ مشاہدہ و تجربہ کے تحت آنے والی اشیا سے استدلال کر کے اس کے متعلق ایسی رائے قائم کرسکتا ہے جس پر ''علم'' کا اطلاق ہوسکتا ہو۔ لہٰذا ''الدین'' وضع کرنے کے لیے جن مسائل کا حل معلوم کرنا سب سے پہلی ضرورت ہے، وہ تو علم کی دسترس سے ہی باہر ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ اخلاقی قدریں، تمدن کے اُصول، اور بے راہ روی سے بچانے والی حدود متعین کرنے کا کام آیا سائنس کا علم کے حوالے کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ یہ کام کس شخص یا گروہ یا کس زمانہ کا سائنسی علم اُنھیں دے گا، ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ علمی طور پر یہ کام انجام دینے کے لیے ضروری شرائط کیا ہیں۔ اس کے لیے اوّلین شرط یہ ہے کہ اُن تمام قوانین فطرت کا علم ہو جن کے تحت انسان اس دُنیا میں جی رہا ہے۔ اس کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ خود انسان کی اپنی زندگی سے جو علوم تعلق رکھتے ہیں وہ مکمل ہوں۔ اس کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے علوم یعنی کائناتی اور انسانیاتی علوم کی معلومات یک جا ہوں اور کوئی کامل ذہن ان کو صحیح ترتیب دے کر، اُن سے صحیح استدلال کر کے، انسان کے لیے اخلاقی قدروں کا، تمدن کے اُصولوں کا، اور بے راہ روی سے بچانے والی حدوں کا تعین کرے۔ یہ شرائط نہ اِس وقت تک پوری ہوئی ہیں، نہ امید کی جاسکتی ہے کہ پانچ ہزار برس بعد پوری ہو جائیں گی۔ ممکن ہے کہ انسانیت کی وفات سے ایک دن پہلے یہ پوری ہو جائیں۔

## (۴) تاریخ

آخر میں اُس ذریعہ علم کو لیجیے جسے ہم پچھلے انسانی تجربات کا تاریخی ریکارڈ یا انسانیت کا نامۂ اعمال کہتے ہیں۔ اس کی اہمیت اور اس کے فائدوں سے انکار نہیں ہے۔ مگر غور کریں گے تو آپ مان لیں گے کہ ''الدین'' وضع کرنے کا عظیم الشان کام انجام دینے کے لیے یہ بھی نا کافی ہے۔ یہ سوال نہیں کہ یہ ریکارڈ ماضی سے حال کے لوگوں تک صحت اور جامعیت کے ساتھ پہنچا بھی ہے یا نہیں؟ یہ بھی نہیں کہ اس ریکارڈ کی مدد سے ''الدین'' وضع کرنے کے لیے انسانیت کا نمائندہ کسی ذہن کو بنایا جائے گا؟ ہیگل کے ذہن کو؟ مارکس کے ذہن کو؟ یا کسی اور ذہن کو؟ سوال صرف یہ ہے کہ ماضی، حال، یا مستقبل میں کس تاریخ تک کا ریکارڈ ایک ''الدین'' وضع کرنے کے لیے کافی مواد فراہم کر سکے گا؟ اُس تاریخ کے بعد پیدا ہونے والے خوش قسمت ہیں۔ باقی رہے اس سے پہلے گزر جانے والے تو ان کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔

## 8- خلاصہ بحث

قرآنِ حکیم کے مطابق ذاتِ باری تعالیٰ محض پیدا کرنے والی ہی نہیں بلکہ رہنمائی کرنے والی بھی ہے۔ اس نے موجودات عالم میں سے ہر چیز کو وہ ہدایت بخشی جو اس کی فطرت کے لحاظ سے اس کے لیے ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی'' (اس نے ہر چیز کو تخلیق کیا پھر ہدایت عطا کی) اگر اس کا ثبوت چاہو تو جس چیونٹی، مکھی، مکڑی کو چاہو پکڑ کر دیکھ لو۔ جو رب ان مخلوقات کی رہنمائی کر رہا ہے وہی رب انسان کی بھی رہنمائی کر رہا ہے۔ لہٰذا انسان کے لیے صحیح طریق کار یہ ہے کہ خود سَری چھوڑ کر اس کے آگے گردن جھکا دے اور جس جامع اور مکمل نظام زندگی یا ''الدین'' کی ہدایت اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے بھیجی ہے، اس کی پیروی اختیار کر لے۔

سوال 6

# دین اور مذہب میں فرق

(1) دین اور مذہب میں بنیادی فرق کی وضاحت کرتے ہوئے اسلام اور مذاہب عالم کے درمیان عالمی تناظر میں بقائے باہمی کے اہم نکات بیان کریں۔ (2010ء)

(2) دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟ انسانی زندگی میں دین کی اہمیت کو دلائل سے واضح کیجیے۔ (2016ء)

## اہم نکات

1۔ تعارف
2۔ دین کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم
3۔ مذہب کی تعریف
4۔ دین اور مذہب میں فرق
5۔ مذہب کے آغاز کے حوالے سے تصورات
6۔ مذاہب عالم کا تعارف
7۔ اسلام کا دیگر مذاہب کے ساتھ تقابلی مطالعہ
8۔ اسلام اور مذاہب عالم میں بقائے باہمی کے اُصول
9۔ خلاصہ بحث

## 1۔ تعارف

دُنیا کا کوئی ملک ہو اور کوئی قوم اس کے لٹریچر میں (اور اگر وہ قوم ایسی ہے جس نے ابھی تک لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تو ان کی زبانی روایات میں) جو لفظ سب سے زیادہ مستعمل ملے گا وہ مذہب ہوگا۔ مذہب کی تفاصیل میں اختلاف ہو، اس کے بنیادی تصور تک میں تضاد ہو۔ لیکن نفسِ مذہب کسی نہ کسی شکل میں ہر جگہ موجود ملے گا۔ محکمہ آثارِ قدیمہ کی کوششوں سے زمانہ قبل از تاریخ کی برباد شدہ بستیوں کے جو کھنڈرات ظاہر ہوئے ہیں ان میں کچھ اور ملے یا نہ ملے مذہبی تصورات کا نشان کسی نہ کسی شکل میں ضرور ملے گا۔ آج جب کہ بظاہر دُنیا کا کثیر حصہ مذہب کے خلاف نظر آتا ہے، دُنیا کے لٹریچر میں سب سے زیادہ تذکرہ مذہب اور اس کے متعلقات ہی کا ملے گا۔ عصر حاضر میں مذاہب کو اصل چیلنج الحاد (Agnosticism) کا ہے، جس میں رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کا تصور مفقود ہوتا جا رہا ہے جب کہ اسلام کے سامنے بڑا چیلنج اللہ تعالیٰ کے درست تصور اور نبی اکرم ﷺ کی عظمت اور رسالت کا ہے۔ اِس چیلنج سے صرف اس صورت میں عہدہ برآ ہوا جا سکتا ہے اگر مذاہب کے درمیان افہام و تفہیم اور برداشت کو فروغ دیا جائے۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو اسلام کی صداقت خود اپنے آپ کو تسلیم کرا لے گی۔

## 2۔ دین کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

لغت میں دین کا معنی بدلہ، جزا اور سزا ہے۔ اصطلاح میں دین مکمل نظامِ زندگی اور ضابطۂ حیات ہے جس میں عقائد، عبادات، اخلاقیات اور معاملات سمیت زندگی کے ہر شعبہ کے لیے کامل رہنمائی موجود ہے۔ دین کا لفظ قرآن مجید میں کئی مقامات پر موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام۔ لیکن یہ خیال رہے کہ قرآن محض دین نہیں کہہ رہا ہے بلکہ ''الدین'' کہہ رہا ہے۔ اس سے معنی میں وہی فرق واضح ہو جاتا ہے جو انگریزی زبان میں (This is a way of life) کہنے کے بجائے (This is the way of life) کہنے سے واقع ہوتا ہے۔ یعنی قرآن کا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ اللہ کے نزدیک اسلام ایک طریق زندگی ہے بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ہی ایک حقیقی اور صحیح طرز فکر و عمل ہے۔

(اخذ و تلخیص: اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات: ص ۸۴ تا ۹۵)

## 3۔ مذہب کی تعریف

مذاہب عالم کی کثرت اور ان میں عقائد و اعمال کے اختلاف کی وجہ سے مذہب کی کوئی مکمل تعریف کرنا مشکل ہے۔ اس کی مختصر اور سادہ ترین تعریف ای۔ بی۔ ٹیلر نے کی ہے: ''مذہب روحانی موجودات پر اعتقاد کا نام ہے۔'' اس تعریف کی رو سے ہم دُنیا کے بہت سارے مذاہب کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن کئی مذاہب ایسے بھی ہیں (مثلاً بدھ مت اور کنفیوشس) جن میں ایمان و عقائد کی زیادہ اہمیت نہیں اور جن کو ہم زیادہ سے زیادہ ایک بااخلاق زندگی گزارنے کا ضابطہ کہہ سکتے ہیں۔ غالباً اسی کے پیش نظر میتھیو آرنلڈ نے مذہب کو جذبات سے متاثر اخلاق یا جذباتی اخلاق کہا ہے۔ پروفیسر وائٹ ہیڈ مذہب کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کو اندرونی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ مذہب ان صداقتوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ انسانی کردار میں انقلاب پیدا کر دیں۔ یہ بات طے ہے کہ انھیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے۔''
> کانٹ کہتا ہے کہ ''ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا، مذہب ہے۔'' فرائڈرچ (Friedrich) لکھتا ہے کہ ''ہر انفرادی شے کو ایک عظیم کُل کا جزو سمجھنا اور ہر محدود شے کو لامحدود کا نمائندہ تصور کرنا، مذہب ہے۔ ولیم جیمز کہتا ہے کہ ''انسان کا ایک غیر مرئی نظام کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنا مذہب ہے۔''

## 4۔ دین اور مذہب میں فرق

| دین | مذہب |
| --- | --- |
| 1۔ دین میں خالص عقیدہ توحید کو بیان کیا گیا ہے۔ جو ہر طرح کی "تجسیم" (اللہ کے بارے میں عقیدہ کہ اِس کا جسم ہے) اور شرک سے پاک ہے۔ | 1۔ مذاہب میں عقیدہ توحید شرک کی آمیزش کے ساتھ موجود ہے جیسے عیسائیت میں تثلیث، یہودیت میں عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دینا جب کہ ہندومت میں تریمورتی وغیرہ۔ |
| 2۔ دین، آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک ہر نبی پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کا نام ہے۔ | 2۔ مذاہب بعض انبیا پر ایمان اور بعض کے انکار پر مشتمل ہیں جیسے یہودیت اور عیسائیت جب کہ ہندوازم اور دیگر مذاہب میں انبیا کا وہ تصور ہی نہیں جو الہامی روایت کا حامل ہے۔ |
| 3۔ دین میں عقیدۂ آخرت کا پورا تصور موجود ہے۔ جس میں قبر، قیامت، حشر نشر، میزان، حوضِ کوثر، جنت، دوزخ وغیرہ شامل ہیں۔ | 3۔ مذاہب میں عقیدۂ آخرت کا ناقص، جزوی اور غیر اسلامی تصور موجود ہے۔ |
| 4۔ دین میں حلال و حرام کے واضح اور درست امتیازات موجود ہیں۔ | 4۔ مذاہب حلال و حرام کے واضح اور درست امتیازات سے محروم ہیں۔ |
| 5۔ دین کے اندر عملی زندگی میں رہنمائی وحی الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ | 5۔ مذاہب کے اندر عملی زندگی میں رہنمائی عقلِ عام سے حاصل ہوتی ہے۔ |
| 6۔ آدمؑ سے لیکر نبی کریمؐ تک دین ایک ہی ہے، جس میں کوئی تفریق نہیں۔ انبیا کی تعلیمات میں اختلاف دین کی وجہ سے نہیں بلکہ شریعت کی وجہ سے ہے۔ | 6۔ مذاہب اپنی تعلیمات میں تفریق پر مبنی ہیں۔ |
| 7۔ دین کے داعی انبیا علیہم السلام، الہامی تعلیمات میں بال کے برابر کمی اور زیادتی نہیں کر سکتے۔ | 7۔ مذاہب کے داعی، پوپ، پروہت اور پنڈت وغیرہ اپنی آراء کو مذاہب کا حصہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ |
| 8۔ دین کی دعوت پوری انسانیت کے لیے ہے، جس میں عالمگیریت ہے۔ | 8۔ مذاہب کی دعوت میں عالمگیریت (Universality) نہیں۔ |
| 9۔ دین میں سارے انسان برابر اور محترم ہیں سوائے اہلِ تقویٰ کے۔ | 9۔ مذاہب میں سارے انسان برابر اور محترم نہیں۔ مذاہب میں انسانوں کو کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ |
| 10۔ دین کے اُصول الہامی، غیر متبدل (unchangeable) ہیں۔ | 10۔ مذاہب میں اخلاقی اُصولوں کے سوا دیگر اُصول الہامی نہیں۔ تبدیل ہو سکتے ہیں۔ |

## 5۔ مذہب کے آغاز کے حوالے سے تصورات

### (ا) مذہب کا ارتقائی تصور

مذہب کے آغاز کے بارے میں اِس وقت دو تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک ارتقائی تصور اور دوسرا وہ تصور جو خود مذاہب نے پیش کیا ہے۔ مذہب کے ارتقائی تصورات کی رو سے انسان کی ابتدا گمراہی اور لاعلمی سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ انسانوں نے مشرکانہ خدا پرستی اور توحید پرستی اختیار کر لی۔ اس عمل کی تفصیلات میں کافی اختلافات ہیں۔ مثلاً مذہب پر تحقیق کرنے والے بعض مفکرین کا خیال ہے کہ اس کی ابتداء آباؤ اجداد کی محبت سے ہوئی اور

کچھ دوسرے محققین، مذہب کی ابتدا مظاہر فطرت مثلاً رعد و برق (بجلی اور چمک) کے خوف سے کرتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ انسان نے ابتدا میں اپنی جہالت کی وجہ سے مظاہر فطرت کی پرستش شروع کر دی اس لیے کہ ابتدا میں اس کی زندگی و موت کا دارومدار بہت حد تک مظاہر فطرت پر تھا؛ مثلاً زلزلے، طوفان، سیلاب، آتش فشاں وغیرہ۔لیکن جیسے جیسے اس کا علم بڑھتا گیا اس نے محسوس کرنا شروع کر دیا کہ یہ خدائی قوتیں نہیں رکھتے۔ابتدا میں لوگوں نے ہر چیز کو دیوتا بنا لیا تھا لیکن علمی ترقی کے ساتھ ساتھ خداؤں کی تعداد کم ہونے لگی یہاں تک کہ صرف ایک خدا رہ گیا۔

## (۲) مذہب کے حوالے سے دینی نقطۂ نظر

اس کے برخلاف مذہبی نقطۂ نظر یہ ہے کہ خدا نے جب انسان کو اس دُنیا میں بھیجا تو ساتھ ہی اس کی تمام جسمانی ضروریات کی طرح اس کی روحانی ضروریات (ہدایت) کا بھی سامان کیا۔ پہلا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہدایت یافتہ پیغمبر تھا۔اس کے بعد لوگوں میں جب بھی گمراہی پھیلی تو اللہ تعالیٰ نے پھر پیغمبر بھیجے جنھوں نے دُنیا کو راہ ہدایت دکھائی۔اس اعتبار سے توحید قدیم ہے اور شرک جدید۔اس وقت دُنیا میں جتنے بڑے بڑے مذاہب ہیں (عیسائیت، یہودیت، اسلام، وغیرہ) ان کے داعی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہی تھے۔اور اس بنا پر ابتداً ان کی تعلیمات، جزوی فرق کو چھوڑ کر، یکساں تھیں۔بعد میں (اسلام کو چھوڑ کر) ہر مذہب کے پیروؤں نے اپنے اپنے مذہب میں ترامیم کر لیں۔علم الانسان کی جدید تحقیق کے بعد بہت سے مغربی ماہرین بھی اب ارتقائی نقطۂ نظر کو چھوڑ کر دینی نقطۂ نظر کو ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔پروفیسر شمٹ کے مطابق:

> ''اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسان کے ابتدائی تصور کی اعلیٰ ترین ہستی اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور انسان کا دینی عقیدہ جو اس سے ظہور پذیر ہوا وہ پوری طرح ایک توحیدی دین تھا۔''(Schmidt, P.w. The Origin and Growth of Religion,P 262)

# 6۔ مذاہب عالم کا تعارف

ذیل میں دُنیا میں موجود چند بڑے مذاہب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جن میں ہندومت، بدھ مت، یہودیت، عیسائیت اور اسلام ہیں۔

## (ا) ہندومت......تعارف

ہندوؤں کا مذہب بہت ہی قدیم ہے۔اس کی اولین شخصیات اور تاریخ پر گم نامی کے بڑے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں، لیکن ایک عام خیال یہ ہے کہ ہندومت کا آغاز اُس وقت سے ہوا جب آریاؤں نے ہندوستان پر حملہ کیا۔(تقریباً 1700 قبل مسیح ''عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے'') آریاؤں کے حملے سے پہلے یہاں دراوڑی نسل کے لوگ آباد تھے جن کی تہذیبوں کے نشان اب بھی موہن جودارو (سندھ)، ہڑپا (پنجاب) اور دیگر کئی مقامات پر ملتے ہیں، اگرچہ ان کے مذہب کے بارے میں ہماری معلومات بہت قطعی نہیں ہیں۔آریاؤں کے حملے کے نتیجے کے طور پر یہ لوگ بڑی تعداد میں مارے گئے یا محکوم بنا لیے گئے۔

### (i) ہندومت کی کتابیں اور ذاتیں

اسی زمانے میں ''ویدوں'' کی تصنیف عمل میں آئی۔ان کا زمانہ تصنیف 1500 ق۔م۔کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ان کتابوں میں دُنیا سے فرار اور دُنیاوی لذات (Tastes) سے کنارہ کشی کی تعلیم ملتی ہے۔اس دور میں کسی ایک طبقے کی سیادت کے آثار نہیں ملتے لیکن رفتہ رفتہ ہندوؤں میں ذات پات کا امتیاز پیدا ہونا شروع ہوا۔ان کے چار طبقے ہو گئے جن میں سب سے بہتر ''برہمن''، اور سب سے کم تر ''شودر'' قرار پائے۔اس ذات پات کی بنیاد پیدائش ہے۔یعنی جو شخص برہمن پیدا ہوا وہ خواہ کتنے ہی خراب کام کرے برہمن ہی رہے گا اس لیے کہ ''برھما'' (خالق کائنات) نے اسے اپنے

سر سے پیدا کیا ہے۔ دوسری مختلف ذاتوں کو اس نے اپنے دوسرے اعضائے جسم سے پیدا کیا ہے۔ کھشتریوں کو اپنے بازوؤں سے، ویشوں کو اپنے شکم سے، شودروں کو اپنے قدموں سے۔ اسی اعتبار سے ان ذاتوں کے کام متعین ہوئے۔

ویدوں کے علاوہ ہندوؤں کی مقدس کتابیں اپنشد ہیں جن کا زمانہ تصنیف 800 ق۔م کے بعد کا ہے۔ ان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ تمام مظاہر کائنات میں ایک ہی روح کارفرما ہے جسے ''برہما'' کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں تناسخ کے عقیدے پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (اگرچہ یہ عقیدہ آریاؤں کی آمد سے پہلے ہی ہندوستان میں موجود تھا۔) عقیدۂ تناسخ کے معنی یہ ہیں کہ انسان مرنے کے بعد فنا نہیں ہوتا بلکہ دوسرا جنم لیتا ہے۔ نئے جنم میں وہ جو شکل اختیار کرے گا وہ اُس کے پچھلے اعمال پر منحصر ہے۔ اچھے اعمال کر کے وہ اعلیٰ ذات کے انسانوں میں بھی جنم لے سکتا ہے اور برے اعمال کر کے وہ کسی شودر کے گھر پیدا ہو سکتا ہے یا پھر کسی جانور کی صورت میں پیدا کیا جا سکتا ہے۔ چور کی سزا یہ ہوگی کہ اگلے جنم میں وہ چوہا بن کر پیدا ہو اور قاتل شیر کی شکل میں پیدا ہو سکتا ہے۔

مندرجہ بالا دو کتب کے علاوہ ہندوؤں کی مذہبی کتب میں سب سے اہم ''مہابھارت'' اور ''رامائن'' ہیں جو قدیم رجزیہ مثنویاں (War poetries) ہیں۔ ''مہابھارت'' میں کوروں اور پانڈوں کی جنگ کے حالات ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مختلف نصیحتیں ہیں جن میں خاص طور پر دُنیا کی بے ثباتی اور ظاہر کی کم حقیقی پر زور دیا گیا ہے۔ رامائن میں رام کا واقعہ ہے جو ہندوؤں کے بڑے اوتار تھے۔

### (ii) ہندوؤں کے دیوتا

ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کا کوئی شمار نہیں لیکن ان میں سے اہم تین ہیں: برہما، وشنو اور شیوا۔ برہما اِس کائنات کا خالق ہے لیکن اس سے آگے اس کے اختیارات نہیں۔ وہ محض کائنات کے لیے نقطۂ آغاز ہے اور اسی بنا پر ہندوؤں میں اس کی عبادت بہت کم ہی ہوتی ہے۔ ''وشنو'' سلامتی اور بقا کا دیوتا ہے۔ برہما تو انسانی زندگی سے اس سے زیادہ تعلق نہیں کہ اس نے انسانوں کو پیدا کیا لیکن ''وشنو'' کا تعلق زیادہ دائمی ہے۔ بعض اوقات یہ انسانی شکل میں بھی نمودار ہوتا ہے۔ ہندو اپنے بڑے رہنماؤں مثلاً رام اور کرشن کو وشنو کا اوتار کہتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ ''وشنو'' ان میں حلول کر گیا تھا۔ وشنو تو سلامتی کا دیوتا تھا۔ اس کے برعکس ''شیوا'' کا کام زندگی کو ختم کرنا ہے۔ اس طرح عملی زندگی میں راج کرنے والے شیوا اور وشنو ہی ہیں جن کے کام ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہیں۔

## (۲) بدھ مت۔ تعارف

بدھ مت کا آغاز چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوا۔ اس کے بانی گوتم بدھ، جن کا اصل نام ''ساکھیامنی'' تھا۔ نیپال کے جنوب میں ''کپل وستو'' کے مقام پر پیدا ہوئے۔ وہ ایک شاہی خاندان کے فرد تھے اور ان کی ابتدائی زندگی شہزادوں کی طرح عیش و عشرت میں گزری۔ تیس سال کی عمر میں گھر چھوڑ کر وہ ادھر اُدھر گھومتے رہے۔ جو لوگ اس زمانے میں اہلِ علم سمجھے جاتے تھے ان سے تعلیم حاصل کی، اگرچہ بہت کچھ سیکھا لیکن تسلی نہ ہوئی۔ اس کے بعد اُنھوں نے ریاضتیں (Religious practices) کرنی شروع کر دیں۔ ہر آسائش ترک کر دی حتیٰ کہ چند دانوں سے زیادہ غذا کا بھی استعمال چھوڑ دیا۔ اس کی انتہا یہ ہوئی کہ سات دن مسلسل ایک درخت کے نیچے مُراقبے (Meditation) میں بیٹھے رہے جس کے بعد اُنھیں اچانک وہ کیفیت حاصل ہوئی جسے 'عرفان' کہتے ہیں۔ جس جگہ اُنھیں یہ عرفان حاصل ہوا تھا اسے 'بُدھ گیا'' کہتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی باقی زندگی تبلیغ میں بسر کر دی۔ 480 قبل مسیح (عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے) میں 80 سال کی عمر میں اُن کا انتقال ہوا۔

### (i) گوتم بدھ کی تعلیمات

گوتم بدھ کی تعلیمات میں 'ہشت پہلو راہ' کی بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ہشت پہلو سے مراد آٹھ چیزوں کی صحت ہے۔ صحیح ایمان، صحیح ارادہ، صحیح گفتگو، صحیح کردار، صحیح معاش، صحیح فکر، صحیح انکسار اور صحیح مراقبہ۔ ان آٹھ چیزوں کے علاوہ بھی 'بدھ متیوں' پر پانچ چیزیں لازم قرار دی گئی ہیں۔ اول یہ کہ کسی ذی حیات شے کو زندگی سے محروم نہ کیا جائے۔ دوم، کوئی چیز زبردستی یا دھوکے سے حاصل نہ کی جائے۔ سوم، جھوٹ نہ بولا جائے۔ چہارم، منشیات سے پرہیز کیا جائے۔ پنجم، جسم کے گناہوں سے بچا جائے۔ ان کے علاوہ گوتم بدھ نے اپنی تعلیمات میں راہ اعتدال اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ اُس دور میں یا تو ہندو یوگی تھے جنھوں نے آسائش و آرام کو اپنے اُوپر حرام قرار دے رکھا تھا یا اُمراء (Richest) تھے جو نعمتوں میں گھرے ہوئے تھے۔ گوتم بدھ نے کہا کہ ان دونوں کے درمیان کی راہ، "راہ اعتدال"، اختیار کی جائے لیکن اس کے باوجود روحانی تقدس حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان دُنیا کو ترک کر کے خانقاہی زندگی بسر کرے۔ اس مذہب کی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ ایک ضابطۂ اخلاق کہا جاسکتا ہے جس میں انفرادی مسائل اور روحانی تسکین کا سامان موجود ہے لیکن انسان کی سیاسی، سماجی، تمدنی اور معاشی زندگی کے لیے کوئی ہدایت نہیں ملتی۔

### (ii) بدھ مت پر ہندو مت کے اثرات

شروع میں بدھ مت میں بت پرستی منع تھی اور ابتدائی تصویروں میں مہاتما بدھ کو کسی نشان کے ذریعے سے ظاہر کیا جاتا تھا، مثلاً خالی تخت سے ان کی موجودگی کا تصور پیدا کیا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ہندو مت کے اثر سے بدھ مت میں بہت سے عقیدے اور رواج داخل ہو گئے جنھوں نے اس کی شکل بدل دی۔ "مہاراجہ اشوک" نے بدھ مت کو پھیلانے کے لیے ہر جگہ مبلغین مقرر کیے، عبادت گاہیں تعمیر کیں، کتبوں میں بدھ مت کی تعلیمات لکھوا کر نصب کروائیں اور غیر ممالک میں سفیر بھیج کر ملک سے باہر بدھ مت کی اشاعت کی۔

## (۳) یہودیت.....تعارف

یہودیت کی بنیاد دو عقائد پر ہے۔ اول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور دوم بنی اسرائیل کا اللہ تعالیٰ کی منتخب اور مخصوص اُمت ہونا۔ یہودی اپنی نسل کے اعتبار سے بنی اسرائیل ہیں۔ "اسرائیل" عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں 'اللہ تعالیٰ کا بندہ' اور یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی زبان میں نام تھا۔ اس طرح "بنی اسرائیل" حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے منتخب اور چہیتے بندے ہیں اور اللہ سے ان کا تعلق خصوصی نوعیت رکھتا ہے، غلط سہی مگر بالکل بے بنیاد نہیں۔ خود قرآن نے کئی جگہ بنی اسرائیل کی فضیلت کا ذکر کیا ہے:

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (البقرۃ:47)

ترجمہ: "اے بنی اسرائیل! ذرا میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمھیں دی تھیں اور (اس بات کو کہ) میں نے تمھیں پوری دُنیا پر فضیلت بخشی تھی۔"

لیکن جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہوں پر کہا گیا ہے، اس فضیلت کا سبب کوئی نسلی امتیاز نہ تھا بلکہ یہ تھا کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو اسلام کی دعوت ساری دُنیا تک پہنچانے کے فریضے پر مامور کیا تھا۔ پھر جب بنی اسرائیل نے اس فریضے سے روگردانی کی تو ان کو اس مسند فضیلت سے اتار دیا گیا۔

### (i) بنی اسرائیل کی مصر آمد

بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے میں مصر آ گئے تھے۔ یہاں ان کی نسل خوب پھلی پھولی۔ اس وقت مصر میں بنی اسرائیل کے علاوہ ایک نسل "قبطیوں" کی تھی۔ آگے چل کر جب بنی اسرائیل اپنے فریضہ "دعوتِ حق" سے غافل ہوئے تو "قبطیوں" نے اُنھیں اپنا غلام بنا لیا۔ اسی غلامانہ زوال کے دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ آپؑ کا زمانہ بعثت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً 13 صدی قبل

ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں بنی اسرائیل نے بغاوت کی اور مصر سے ہجرت کر کے ''جزیرہ نمائے سَینا'' کی طرف آئے۔ کوہ سینا (سینا کا پہاڑ) ہی میں آپ پر ''توراۃ'' کے بیشتر احکام نازل ہوئے۔ ایک طویل عرصے تک خانہ بدوشانہ (Nomads) زندگی بسر کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے فلسطین پر قبضہ کیا اور اپنی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت گو قلیل رقبے میں تھی اور اس کی آبادی بھی بہت زیادہ نہ تھی لیکن ہر حیثیت سے برتر اور بہت دولت مند تھی۔

### (ii) یہودیوں کے عروج و زوال کی داستان

یہودیوں کی تاریخ مسلسل عروج زوال کی داستان ہے۔ یہ عروج و زوال مادی بھی تھا اور روحانی بھی۔ جب انھوں نے اللہ کی نافرمانی کی اُنھیں زوال ہوا، پھر ان میں پیغمبر مبعوث ہوئے اور اُنھوں نے ان کو زوال سے نکالا۔ ان میں ''داؤد اور سلیمان علیہما السلام'' جیسے پیغمبر بھی مبعوث ہوئے جو ساتھ ہی ساتھ بادشاہ بھی تھے۔ جن کے عہد میں بنی اسرائیل کی سلطنت اپنی شوکت کی معراج پر پہنچ گئی۔ لیکن بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر اللہ نے ایسے فاتحین بھیجے جنھوں نے فلسطین کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اُنھیں وہاں سے نکال دیا۔

### (iii) یہودیوں کی کتاب ''تورات''

یہودیوں کی مقدس کتاب ''تورات'' ہے۔ تورات کا اصل اطلاق تو ان پانچ کتابوں پر ہوتا ہے جو کوہ سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھیں۔ لیکن اکثر لفظ تورات کو زیادہ وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور اس میں یہودیت کا طرز معاشرت، اخلاق اور طریقۂ عبادت سب شامل ہوجاتے ہیں۔ تورات آج سے تقریباً سوا تین ہزار سال پہلے نازل ہوئی۔ تورات کے ان احکام کو تختیوں پر کندہ کرایا گیا (لکھا گیا)، لیکن وہ بھی فاتحین کے حملوں کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ جس نے بھی یروشلم (فلسطین کا مقدس شہر) فتح کیا ان نسخوں کو آگ لگادی۔ اگرچہ یہودیوں نے اسے محفوظ رکھنے کی بڑی کوشش کی لیکن نہ کرسکے۔

## (۴) عیسائیت..... تعارف

موجودہ دُنیا کی تیس فیصد آبادی عیسائی مذہب کی پیرو ہے۔ اس اعتبار سے وہ بہ لحاظ آبادی کے لحاظ سے دُنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ یہودیت کی طرح عیسائی مذہب بھی درحقیقت ابراہیمی مذاہب کی شاخوں میں سے ایک ہے۔ یہودیت سے بھی اس کا تعلق بہت ہی گہرا ہے۔ یہاں تک کہ ابتداً عیسائیت کو یہودی مذہب کی ایک شاخ تصور کیا جاتا تھا۔ یہودیوں کو کچھ عرصے کے لیے فلسطین کی حکومت ملی لیکن ان کی گمراہیوں کی وجہ سے دوبارہ چھن گئی۔ اس طرح وہ روحانی اور مادی دونوں اعتبار سے زوال کا شکار ہوگئے۔

### (i) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

آج سے تقریباً دوہزار اُنیس سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام، مریم علیھا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ تیس سال کی عمر میں آپ نے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ آپ کے معجزوں میں بیماروں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا اور بے روح اشیا میں جان ڈالنا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس زمانے میں یہودیوں کی حالت جیسی تھی بیان کی جاچکی ہے۔ آپ (علیہ السلام) نے ان علمائے یہود کو خاص طور پر ہدف بنایا جنھوں نے دینِ موسوی میں اپنی من مانی خواہشات کے مطابق ترمیمات کرلی تھیں اور جن کا کام صرف ظواہر پرستی اور قانونی کھینچ تان رہ گیا تھا۔

### (ii) یہودیت میں مسیح کا تصور

یہودیوں میں مسیح کا تصور موجود تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایک بااختیار شخص پیدا ہوگا جو بنی اسرائیل کی رہنمائی کرے گا اور جس کے ذریعے سے

یہودیوں کو دنیوی عزت حاصل ہوگی۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا تو یہودیوں نے مذاق اُڑایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "میری حکومت اس دُنیا کی نہیں ہے۔" جب یہودیوں نے دیکھا کہ وہ رومیوں سے ٹکر لینے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اُنھیں یقین ہو گیا کہ یہ مسیح نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ یہود دنیوی عزت کے خواہاں تھے۔

### (iii) عیسائیت کی ترقی اور مذہبی رہنماؤں کا کردار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیت نے بڑی تیزی سے ترقی کی۔ یہودیوں اور رومیوں کے مظالم اس مذہب کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور چوتھی صدی عیسوی کی ابتدا میں روم، جہاں عیسائیوں پر بہت مظالم ہوئے تھے، عیسائیت کا مرکز بن گیا۔ اس کے بعد عیسائیوں کا اقتدار بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ قرونِ وسطیٰ (Middle ages) میں ایک وقت ایسا بھی آ گیا تھا کہ پوپ کی قوت بادشاہوں سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ پوپ نے "جنت کے سرٹیفکیٹ" بیچنے شروع کر دیے۔ ان کی قوت کا استعمال صرف یہ رہ گیا کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائیں اور ان اختلافات میں اس درجہ بڑھ گئے کہ معمولی سا اختلاف رکھنے والوں کو موت کی سزا دے دی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے خاص عدالتیں قائم کی گئیں جنھیں احتسابی عدالت کہتے ہیں۔ ایک اندازہ یہ ہے کہ 1481ء سے 1808ء تک ان عدالتوں نے تقریباً تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو مختلف سزائیں دیں؛ ان میں صرف 32 ہزار وہ تھے جنھیں دہکتی آگ کی نذر کر دیا گیا۔ جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں ان میں "گلیلیو" جیسے ماہرین سائنس شامل تھے اٹلی کے مشہور سائنس دان "برونو" کو بھی اشاعتِ علم کے جرم میں آگ کی نذر کر دیا گیا۔ فلکیات پر "کوپرنیکس" کی کتاب مدتوں ممنوع رہی۔

### (iv) چرچ کے مظالم کے اثرات

چرچ کے انہی مظالم کی بنا پر بہت سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور اسی پس منظر کی بنا پر آج بھی بعض لوگ مذہب اور سائنس کو متضاد تصور کرتے ہیں، حالاں کہ جس چیز میں تضاد و تصادم تھا وہ مذہب اور سائنس نہیں بلکہ عیسائیت کی بگڑی ہوئی شکل اور انیسویں صدی کا سائنسی فلسفہ تھا۔

### (v) عقائد

عیسائی مذہب کے عقائد میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ تثلیث (Trinity) کا عقیدہ ہے۔ اس خدائی تثلیث میں باپ، بیٹا اور روح القدس شامل ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تثلیث کا دوسرا فرد تسلیم کیا جاتا ہے، وہ خدا کے بیٹے قرار پائے اور اُلوہیت (خدائی) میں اس کے شریک ہوئے۔ رومن کیتھولک چرچ کے نزدیک اس تثلیث میں مقدس مریم کا بھی اضافہ ہونا چاہیے۔

### (vi) مذہبی کتاب

عیسائیوں کی مذہبی کتاب بائبل ہے، جو عہد نامہ قدیم اور عہد نامۂ جدید پر مشتمل ہے۔ "عہد نامہ جدید" میں چار اناجیل شامل ہیں (1) متی، (2) لُوقا، (3) مرقس اور (4) یوحنا۔ ان کے علاوہ کچھ خطوط بھی اس میں شامل ہیں۔ ان اناجیل کے علاوہ اور بھی اناجیل موجود ہیں لیکن ان کو غیر مستند (Unauthentic) قرار دیا جاتا ہے۔ ان چار اناجیل میں بھی باہمی اختلاف موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامے میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ ان اناجیل کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ اُن چار مصنفین کو فرداً فرداً علیحدہ القا ہوئی تھیں۔ اِلقا ہونے کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دور ہے اور قلم بند ہونے کا زمانہ القا ہونے کے زمانے سے مختلف ہے۔

## (۵) اسلام....تعارف

اکثرلوگ اسلام کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے کرتے ہیں لیکن یہ درست نہیں۔ اسلام وہی دین ہے جس کی تبلیغ و اشاعت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر فخر دو عالم ﷺ تک ہر پیغمبر نے کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب درحقیقت مسلمان تھے اور اسلام کے داعی تھے۔ لیکن بعد میں ان کے پیروؤں نے ان کی تعلیمات مسخ کرڈالیں۔ عیسائیت اور یہودیت درحقیقت اسلام ہی کی بگڑی ہوئیں شکلیں ہیں۔ اس حوالے سے اہم ترین آیت سورۃ شوریٰ کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (الشوریٰ: 13)

ترجمہ: ''اُس نے تمھارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا جس کا حکم اُس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا۔ اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا۔ (وہ یہی ہے) کہ تم (اسی) دین پر قائم رہو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو''

''اسلام'' اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا دوسرا نام ہے۔ کائنات کی ہر چیز چاند، سورج، ستارے، درخت، اللہ کے بنائے ہوئے قانون کے تابع اور مطیع ہیں، اس اعتبار سے وہ ''مسلم'' ہیں۔ انسان بھی اپنی زندگی کے ایک بڑے حصے میں چاروناچار اللہ تعالیٰ کا مطیع ہے۔ اس کا جسم، اس کا ذہن، اس کی خواہشات، یہ سب ان قوانین کے ماتحت ہیں جو اللہ نے مقرر کردیے ہیں۔ لیکن انسانی زندگی کا ایک حصہ ایسا ہے جس کو اللہ نے انسان کے ارادے اور شعور پر چھوڑ دیا ہے۔ جو لوگ اپنی اس شعوری اور ارادی زندگی میں اسلام کی تعلیمات پر کاربند ہونے کا فیصلہ کریں اُنھیں ''مسلم'' کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کسی خاندان یا ذات سے وابستہ نہیں، ایک عقیدے اور نظریہ حیات کا نام ہے اور ''مسلم'' کا اطلاق بھی کسی مخصوص نسلی گروہ پر نہیں ہوتا بلکہ ان تمام افراد پر ہوتا ہے جو اسلام کو اپنے دین کی حیثیت سے قبول کریں خواہ ان کا تعلق کسی بھی نسل سے ہو، کسی بھی خطۂ زمین سے ہو، اور وہ کوئی سی بھی زبان بولیں۔ (اسلام کا تعارف اِس لیے مختصراً دیا گیا ہے کہ تصورِ اسلام والے سوال میں تفصیل آچکی ہے)

## 7۔ اسلام کا دیگر مذاہب کے ساتھ تقابلی مطالعہ

اوپر دُنیا کے بڑے مذاہب کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کیا جاچکا ہے۔ ان سب کے مطالعے کے بعد فطری طور پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ موجودہ دور میں ان مذاہب کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ مذاہب اپنی اصلی شکل میں موجود ہیں؟ کیا ان کی کتب جن پر ان کا مدار ہے پوری صحت کے ساتھ محفوظ ہیں؟ کیا یہ مذاہب موجودہ دور کی ترقیوں کا ساتھ دے سکتے ہیں؟ اور آج کی دُنیا میں کوئی مؤثر تعمیری کارنامہ انجام دے سکتے ہیں؟ کیا یہ قابلِ عمل ہیں؟ کیا یہ انسان کو ایک مکمل نظامِ حیات عطا کرسکتے ہیں؟

### (ا) کتابوں کی حفاظت اور مذاہب

کتابوں کی حفاظت کے معاملے کو لیجیے۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب ویدوں کا زمانہ ہی آج تک متعین نہیں ہوسکا۔ خود ہندو اس کی عدم صحت کے معترف ہیں اور اب ان میں سے اکثر پڑھے لکھے لوگ ان کو الہامی کتب کے بجائے انسانوں کی تصنیف خیال کرتے ہیں۔ بدھ مت کا معاملہ اس سے بھی آگے ہے۔ گوتم بدھ نے کوئی کتاب نہیں چھوڑی؛ صرف ان کی زبانی تعلیمات تھیں جو سینہ بہ سینہ چلتی رہیں اور سینکڑوں سال کے بعد جاکر مدون (Compiled) ہوئیں۔ یہودیوں کی کتاب مقدس تورات کو لیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس کتاب کے بارے میں بے شمار تاریخی شہادتیں ملتی ہیں کہ

یہ کتاب طویل عرصوں کے لیے بالکل نیست و نابود ہوگئی تھی۔ یہی معاملہ انجیل کا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آپ کے شاگردوں نے آپ کی سوانح عمری مرتب کرنے کی کوشش کی اور انہی کوششوں کا نتیجہ بائبل کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس زمانے میں اس قسم کی اناجیل کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ ایک روایت کی رو سے اس طرح 34 اناجیل کا پتا چلتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد حواریوں کے خطوط کی ہے۔ 325ع میں ''نیقہ'' کی کونسل کے سامنے یہ سارا لٹریچر رکھا گیا۔ کافی جنگ و جدال کے بعد ان ساری انجیلوں کو اوپر تلے رکھ دیا گیا اور صبح آ کر دیکھا گیا تو چار اناجیل اور کچھ خطوط کو چھوڑ کر باقی سب نیچے پڑی ہوئی تھیں۔ ان ہی چار اناجیل مَتی، لُوقَا، مَرقُس اور یُوحَنّا کو صحیح قرار دیا گیا۔

اس سب کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم اپنی اصل زبان (عربی) میں آج تک اسی صورت میں محفوظ ہے جیسے وہ نازل ہوا تھا۔ قرآن دراصل حضور ﷺ کے ہی زمانے میں مرتب ہوگیا تھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کے مختلف نسخے کرا کر مختلف جگہوں پر بھیجے۔ چنانچہ اس کے قدیم ترین اور جدید ترین نسخوں میں ایک شوشے کا فرق بھی نہیں ملتا۔ اسلام کے کٹر مخالف بھی اس بات کے معترف ہیں کہ قرآن ہر قسم کی تبدیلی سے پاک ہے۔

## (۲) نظام زندگی اور مذہب

اس کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ یہ مذاہب کس قسم کا نظام زندگی پیش کرتے ہیں۔ یہ اس دُنیا کے لیے قابل عمل ہیں یا نہیں؟ اس نقطۂ نظر سے دیکھیے تو بعض مذاہب سرے سے نظام زندگی ہی نہیں دیتے۔ مثال کے طور پر بدھ مت یا عیسائیت میں مکمل نظام زندگی نہیں۔ ان دونوں مذاہب کا موضوع محض اخلاق ہے، لہٰذا یہ انسان کی زندگی میں وہ ہم آہنگی نہیں پیدا کر سکتے جو کوئی جامع نظامِ حیات کر سکتا ہے۔ ہندومت اور یہودیت بلاشبہ اس اعتبار سے بہتر ہیں کہ وہ زندگی کے لیے ضابطہ اخلاق سے آگے بڑھ کر بھی تھوڑی بہت ہدایات دیتے ہیں۔ لیکن ہندومت میں ذات پات کی تقسیم کی وجہ سے اس بات کی مطلق صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اس دور کو متاثر کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ''منوسمرتی'' کے قوانین کے بجائے نئے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہودیت ایک نسل تک محدود ہے۔ یہودی خود بھی تبلیغ نہیں کرتے اور نہ ہی یہ بات زیادہ پسند کرتے ہیں کہ کوئی ان کا مذہب اختیار کرے۔ لیکن ہندومت اور یہودیت بھی درحقیقت ایسا جامع و مانع نظام زندگی نہیں دے سکے جو آج کے دور یا آئندہ کے ادوار میں انسانیت کی رہنمائی کر سکے۔ اس کی وجہ ان کے قوانین کی سختی اور ان میں لچک کی کمی ہے۔ بدھ مت اور عیسائیت تو انسان کی اجتماعی زندگی سے علاقہ ہی نہیں رکھتے۔ لہٰذا لامحدود آزادی دے دیتے ہیں۔ باقی ہندومت اور یہودیت بے لچک ہونے کی وجہ سے ترقی پذیر نہیں ہیں۔ اِس بنا پر زمانے کے ارتقا کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ پھر ان میں سے کوئی مذہب بھی اپنے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ ہندومت اور بدھ مت کے سلسلے میں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہی یہودیت اور عیسائیت تو ان کی مقدس کتب بھی گواہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ایک آنے والے کی خبر دی تھی جو دین کو مکمل کرے گا۔ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی اس وحی کا ذکر ہے۔

> ''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔'' (استثنا 18-19)

دوسرے الفاظ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے بعد ایک اور نبی آئے گا جو صاحب شریعت ہوگا اور جس کے منہ میں اللہ تعالیٰ خود اپنا کلام ڈالے گا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

> ''لیکن وہ فارقلیط (احمد ﷺ) پاکیزگی کی روح ہے، جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمھیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں تمھیں یاد دلائے گا۔'' (یوحنا: 14-26)

### (۳) اسلام مکمل نظام زندگی

اس کے برعکس حضرت محمد ﷺ نے جو دین پیش کیا وہ مکمل ہے اور انسانیت کے لیے خدا کا آخری پیغام ہے۔ وحی الٰہی نے آپ کی زبان مبارک سے پوری انسانیت کے لیے عام اعلان کرایا کہ:

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا

ترجمہ: ''آج میں نے تمھارا دین تمھارے لیے مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند کیا۔''

اسلام کی تعلیمات ہمیشہ کے لیے جامع ہیں۔ اسلام انفرادی زندگی کے لیے بھی ہدایات دیتا ہے اور اجتماعی زندگی کے لیے بھی۔ اسلام میں جتنی اہمیت اخلاقی نظام اور عبادت کی ہے اتنی ہی اہمیت سیاسی، معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی نظام کی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ انسان کو لامحدود آزادی دی گئی ہے اور نہ اسے بے انتہا جکڑ کر رکھا گیا ہے۔ قرآن اور سنت کے ذریعے زندگی کے بنیادی اُصول متعین کر دیے گئے ہیں۔ ان اُصولوں کی روشنی میں ہر زمانے کے حالات کے تحت قوانین مدون کیے جاسکتے ہیں۔ اس حکیمانہ نظام کی بنا پر اسلام میں ہر دور کا ساتھ دینے کی گنجائش رکھ دی گئی ہے۔

## 8۔ اسلام اور مذاہبِ عالم میں بقائے باہمی کے اُصول

مذاہب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: (الف) سامی مذاہب غیر سامی مذاہب

### (الف) سامی مذاہب

سام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے۔ سامی مذہب سے مراد الہامی مذاہب ہیں جو کہ تین ہیں: اسلام، یہودیت اور عیسائیت۔

### غیر سامی مذاہب

غیر سامی مذاہب سے مراد غیر الہامی مذہب ہیں جن کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

- **آریائی مذاہب:** آریائی مذاہب سے مراد ہندوستانی تہذیب و تمدن رکھنے والے مذاہب ہیں جن میں اہم ترین ہندومت، جین مت، سکھ مت اور بدھ مت وغیرہ۔
- **منگولی مذاہب:** منگولی مذاہب سے مراد چینی تہذیب و تمدن کے حامل مذاہب ہیں، جن میں کنفیوشس ازم، تاؤمت اور شنٹومت وغیرہ۔

### (الف) اسلام اور الہامی مذاہب کے درمیان بقائے باہمی کے اُصول

اسلام اور الہامی مذاہب کے درمیان مشترکات (Common points) ہی بقائے باہمی کے اُصول ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:۔

#### (i) توحید

الہامی مذاہب میں توحید قدرِ مشترک ہے۔ یہ بات درست ہے کہ یہودیت اور عیسائیت میں اللہ تعالیٰ کا درست تصور موجود نہیں، لیکن یہ تصور بعد میں بگڑا ہے۔ انبیا علیہم السلام نے تو اللہ تعالیٰ کا درست تصور ہی پیش کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اہل کتاب کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ .... (آل عمران:64)

ترجمہ: ''اے اہلِ کتاب! ایک ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو تمھارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔''

### (ii) حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام، یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے لیے ایک مشترک حیثیت کی حامل شخصیت اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

ذیل میں دیے گئے نقشے سے واضح ہوگا کہ مسلمان، یہود اور نصاریٰ سب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں:

یہودیت، عیسائیت، اسلام یہاں تک کہ مکہ کے مشرک بھی ابراہیم علیہ السلام پر متفق تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اِن سب کے جداعلیٰ (باپ) ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام۔ اسماعیل علیہ السلام بڑے جب کہ اسحاق علیہ السلام چھوٹے تھے۔ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مکہ کے دیگر قبائل تھے۔ جب کہ اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام تھے، جن کا لقب اسرائیل (اللہ کا بندہ) تھا۔ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، وہ بیٹے بنی اسرائیل علیہ السلام کہلائے۔ یعنی اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے۔ ان بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل آگے پھلے پھولے۔ ان بارہ بیٹوں کی اولاد سے آگے چل کر کئی انبیا تشریف لائے۔ جن میں موسیٰ و ہارون، داؤد و سلیمان، عیسیٰ و یحییٰ علیہ السلام۔ یہودی چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں جب کہ عیسائی، عیسیٰ علیہ السلام کو۔ موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب بھی ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ نسب بھی، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب بھی ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام ان سب کے لیے مشترک تھے۔ قرآن قریم سورۃ آلِ عمران میں ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ بیان کرتا ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (آل عمران:67)

ترجمہ: ''ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی' وہ ہر باطل سے جدا رہنے والے (سچے) مسلمان تھے۔''

ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کی اتباع میں ان تینوں مذاہب میں امن کا قیام اور بقائے باہمی کے اُصول کارفرما ہو سکتے ہیں۔

### (iii) اخلاقی اصول

سچ بولنا، دیانت داری، امانت کا تحفظ، عہد کی پاس داری وغیرہ ایسے اخلاقی اُصول ہیں جو تمام مذاہب میں مشترک ہیں۔ ان اُصولوں کی پاس داری پر مذاہب میں رواداری اور بقائے باہمی کو پیدا کیا جا سکتا ہے۔

### (iv) ذبح کا حلال ہونا

قرآن مجید کی سورۃ المائدہ میں اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کی عورتوں سے شادی کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ ذبیحہ کا حلال ہونا اور عورتوں سے شادی بھی مشترکہ وجوہ ہیں جو بقائے باہمی کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (الایۃ) (المائدۃ:5)

ترجمہ: ''اور ان لوگوں کا کھانا جنھیں الہامی کتاب دی گئی ہے تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔''

مسئلہ: یہ ذبیحہ اُس صورت میں حلال ہے جب عیسائی اور یہودی بوقتِ ذبح تکبیر پڑھیں ورنہ نہیں۔

جب کہ اہل کتاب کی خواتین سے شادی کے حوالے سے فرمایا:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (الایۃ) (المائدۃ:5)

ترجمہ: ''اہل کتاب کی پاک دامن خواتین سے (نکاح کرنا جائز) ہے۔''

پاک دامن سے مراد وہ نیک عورتیں ہیں جو کسی اور مرد کے نکاح میں نہ ہوں۔

### (v) عقیدۂ آخرت

اسلام، یہودیت اور عیسائیت میں عقیدۂ آخرت موجود ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ باقی دو مذاہب میں بھی یہ تصور صحیح شکل میں موجود نہیں۔ تمام سامی مذاہب میں آخرت کا تصور موجود ہے۔

## اسلام اور غیر الہامی مذاہب میں بقائے باہمی کے اُصول

### (i) توحید

غیر الہامی (سامی) مذاہب کی دونوں اقسام (آریائی اور منگولی) میں توحید کا تصور موجود ہے۔ (ہندوؤں کی کتابیں ہوں یا کنفیوشس کی تعلیمات) یہ الگ بحث ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تصور پر اتنی گرد پڑی کہ تصور بگڑ گیا۔

### (ii) اخلاقی اُصول

جیسے الہامی مذاہب میں اخلاقی اُصول موجود ہیں۔ اسی طرح غیر الہامی مذاہب میں بھی اخلاقی اُصول موجود ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ بدھ مت اور کنفیوشس تو ہیں ہی اخلاقی مذاہب تو درست ہوگا۔

### (iii) عقیدۂ آخرت

ان مذاہب میں بھی عقیدۂ آخرت موجود ہے اگرچہ وہ اسلام کی طرح کامل اور مکمل نہیں۔

### (iv) عقلِ عام

عقلِ عام ایسی چیز ہے جو اسلام اور باقی تمام مذاہب کے درمیان مشترک ہے۔ انسانی عقل جب بھی درست فیصلہ کرے گی وہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہوگا۔ اسلام ہی وہ دین ہے جو تمام انسانوں کو بقائے باہمی کا درس دیتا ہے اور تمام انسانوں کو مشترکات پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اس حوالے سے اسلامی تعلیمات بڑی واضح ہیں۔ سیرت طیبہ کے روشن افکار کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو چند چیزیں بہت نمایاں ہیں۔

## 9۔ خلاصۂ بحث

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مذاہب کے درمیان ایک وقت تک جنگ وجدل کا بازار گرم رہا ہے اور آج بھی دُنیا میں کئی ممالک میں جاری وساری ہے۔ خود مسلمانوں کے درمیان شیعہ وسنی کی تفریق موجود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ لڑائی جھگڑے سے مذہب کا مقدمہ مضبوط ہوگا یا کمزور؟ یقیناً کمزور ہوگا ضرورت اِس امر کی ہے کہ مذاہب کے درمیان مشترکات کو فروغ دیا جائے اور اختلافات پر اپنی اپنی سطح پر عمل کیا جائے۔ اس وقت مذاہب کو اصل چیلنج دھریت (Atheism) سے ہے۔ دھریت کا مقابلہ مذاہب مشترکہ سوچ اور عمل کے ساتھ ہی کر سکتے ہیں۔

# عقیدۂ توحید کا انفرادی اور معاشرتی زندگی پر اثر

(1) توحید پر عالمانہ تبصرہ کرتے ہوئے، اس کی اہمیت اور انسانی زندگی پر اُس کے اثرات واضح کیجیے۔ (2013ء)

(2) توحید کی تعریف کیجیے۔ اس کے معاشرے اور انفرادی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وضاحت کیجیے۔ (2019ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- وجود باری تعالیٰ کے اثبات میں دلائل
3- سامی اور غیر سامی مذاہب میں عقیدۂ توحید
4- اسلام کا تصورِ توحید
5- عقیدۂ توحید کے انفرادی زندگی پر اثرات
6- عقیدۂ توحید کے معاشرے اور اجتماعی زندگی پر اثرات
7- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

انسانیت پر اسلام کا سب سے بڑا احسان عقیدۂ توحید ہے۔ جس طرح پورے اسلام کی جان اُس کے عقائد ہیں، اِسی طرح ان عقائد کی جان ''عقیدۂ توحید'' ہے۔ یہ عقیدہ دوسرے تمام عقائد کا نقطۂ کمال ہے جس کے مطابق ''اللہ ایک ہے، وہی ساری کائنات کا خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، ازلی وابدی، واجب اور قدیم ہے۔ وہی مستحقِ عبادت ہے، وہی ذات، صفات اور صفات کے تقاضوں میں بے مثل اور بے مثال ہے۔'' تمام انبیاء ورسل نے ساری زندگی اسی عقیدہ کی تبلیغ کی اور اس تبلیغ کے نتیجے میں اُنھیں بے پناہ مشکلات وآلام کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ انبیاؑ کے بعد اس خالص عقیدہ کی تبلیغ جہاں علما کرام کی ذمہ داری ہے وہیں اُمت مسلمہ کے ہر فرد کو اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنا علمی اور عملی کردار ادا کرنا ہوگا۔ عقیدۂ توحید کے حوالے سے ملتِ اسلامیہ کو اس وقت درج ذیل دو بڑے چیلنجز کا سامنا ہے:

1- وجودِ باری تعالیٰ کا اثبات
2- خالص عقیدۂ توحید کی تبلیغ (جو ہر طرح کی تجسیم، تشبیہ اور شرک سے پاک ہو)

ذیل میں قرآن وسنت کی روشنی میں وجودِ باری تعالیٰ کے اثبات کے دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے:

## 2- وجودِ باری تعالیٰ کے اثبات میں دلائل

اللہ اُس ہستی کا نام ہے جو زمین وآسمان اور تمام مخلوقات کی خالق ہے۔ اِس میں ''الف لام'' تعریف کے لیے ہے اور یہ نام اِبتدا ہی سے پروردگارِ عالم کے لیے خاص رہا ہے۔ نبی ﷺ سے پہلے عرب جاہلیت میں بھی یہ اسی مفہوم کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ دین ابراہیمی کے جو باقیات عربوں کو وراثت میں ملی تھیں، یہ لفظ بھی اُنھی میں سے ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ (العنکبوت: 63)

ترجمہ: ''اور اگر تم اِن سے پوچھو کہ زمین وآسمان کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے تسخیر کر رکھا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر وہ کہاں اوندھے ہو جاتے ہیں! اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کی روزی چاہتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک، اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ اور اگر تم اِن سے پوچھو کہ آسمان سے کس نے پانی برسایا، پھر اُس کے ذریعے سے زمین کے مردہ ہو چکنے کے بعد اُسے زندہ کر دیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ (اِن سے) کہو، شکر اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن اِن میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔''

### (i) فطرت انسانی سے دلیل

قرآن بتاتا ہے کہ خدا کی ربوبیت کا اقرار ایک ایسی چیز ہے جو ازل ہی سے انسان کی فطرت میں ودیعت کر دی گئی ہے۔ قرآن کا بیان ہے کہ یہ معاملہ ایک عہد ومیثاق کی صورت میں ہوا ہے۔ اِس عہد کا ذکر قرآن ایک امر واقعہ کی حیثیت سے کرتا ہے۔ انسان کو یہاں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے، اِس لیے یہ واقعہ تو اُس کی یادداشت سے محو کر دیا گیا، لیکن اِس کی حقیقت اُس کے صفحۂ دل پر نقش اور اُس کے نہاں خانۂ دماغ میں پیوست ہے، اِسے کوئی چیز بھی محو نہیں کر سکتی۔ چنانچہ ماحول میں کوئی چیز مانع نہ ہو اور انسان کو اِسے یاد دلایا جائے تو وہ اِس کی طرف اِس طرح لپکتا ہے، جس طرح بچہ ماں کی طرف لپکتا ہے، دراں حالیکہ اُس نے کبھی اپنے آپ کو ماں کے پیٹ سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا، اور اِس یقین کے ساتھ لپکتا ہے، جیسے کہ وہ پہلے ہی اُس کو جانتا تھا۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کا یہ اقرار اُس کی ایک فطری احتیاج کے تقاضے کا جواب تھا جو اُس کے اندر ہی موجود تھا۔ اُس نے اِسے پالیا ہے تو

اُس کی نفسیات کے تمام تقاضوں نے بھی اِس کے ساتھ ہی اپنی جگہ پالی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ انسان کے باطن کی یہ شہادت ایسی قطعی ہے کہ جہاں تک خدا کی ربوبیت کا تعلق ہے، ہر شخص مجرد اِس شہادت کی بنا پر اللہ کے حضور میں جواب دہ ہے۔ فرمایا ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ o اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ o (الاعراف: 173-172)

ترجمہ: ''اور یاد کرو، جب تمھارے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُنھیں خود اُن کے اوپر گواہ بنا کر پوچھا: کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں؟ اُنھوں نے جواب دیا: ضرور، آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اِس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اِس سے بے خبر ہی تھے یا اپنا عذر پیش کرو کہ شرک کی ابتدا تو ہمارے باپ دادا نے پہلے سے کر رکھی تھی اور ہم بعد کو اُن کی اولاد ہوئے ہیں، پھر آپ کیا اِن غلط کاروں کے عمل کی پاداش میں ہمیں ہلاک کریں گے؟ ہم اِسی طرح اپنی آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں، (اِس لیے کہ لوگوں پر حجت قائم ہو) اور اِس لیے کہ وہ رجوع کریں۔''

یہ شواہد اگرچہ کافی تھے، مگر لوگوں پر اتمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مزید اہتمام یہ فرمایا کہ انسانیت کی ابتدا ایک ایسے انسان سے کی جس نے خدا کی بات سنی، اُس کے فرشتوں کو دیکھا اور اِس طرح حقیقت کے براہِ راست مشاہدے کی گواہی دے کر دُنیا سے رخصت ہوا تا کہ اُس کا یہ علم نسلاً بعد نسلٍ اُس کی اولاد کو منتقل ہوتا رہے اور خدا کا تصور انسانی زندگی کے کسی دور، زمین کے کسی خطے، کسی بستی، کسی پشت اور کسی نسل کے لیے کبھی اجنبی نہ ہونے پائے۔

### (ii) تخلیق ارض وسما سے دلیل

اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا خالق ہے، سوال یہ ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق میں حیرت انگیز قدرت کیسے پیدا ہوگئی؟ اس سوال کو اللہ تعالیٰ نے خود انسانوں کے سامنے رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ○ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ○ (الطور: 35-36)

ترجمہ: ''کیا وہ آپ ہی آپ بن گئے یا وہی اپنے خالق ہیں۔ انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے (یہ کوئی نئی بات نہیں) بلکہ ان کو یقین نہیں ہے۔''

اس آیت کریمہ سے دہریوں کے عقیدے کی نفی بھی ہو جاتی ہے جو ہمیں گردشِ لیل ونہار (رات دن) ہلاک کرتی ہے۔ جیسے سورۃ الجاثیہ میں ہے:

مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ○ (الجاثیہ: 24)

ترجمہ: ''ہماری صرف یہ دُنیاوی زندگی ہے جس میں ہم مرتے اور زندہ رہتے ہیں اور ہمیں گردش لیل ونہار ہلاک کرتی ہے۔''

### (iii) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیش کردہ دلیل

اس دُنیا میں انسان کا موجود ہونا ایک حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں...... اب سوال یہ ہے کہ کیا انسان کسی کے تخلیق کیے بغیر خود پیدا ہوا ہے؟ یقیناً ہر صاحب عقل اور ذی شعور یہی کہے گا کہ اُس نے اپنے آپ کو خود پیدا نہیں کیا۔ کوئی نہ کوئی اس کا باپ ہے۔ اب یہ سلسلہ اور چلتا جائے گا تو پھر سوال ہوگا سب سے پہلے انسان کو کس نے پیدا کیا؟ تو لامحالہ یہی جواب ہوگا کہ خدائے بزرگ و برتر نے۔ اِسی دلیل کو ایک دوسرے انداز میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ آپ ایک دہریے سے سوال کریں کہ آج میں نے ایک عجیب و غریب واقعہ کا مشاہدہ کیا۔ دریا کے کنارے پر کھڑے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک درخت گرا، اُس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، وہ آپس میں ملے تو ایک کشتی تیار ہوگئی، وہ خود بخود دریا میں چلنے لگی۔ وہ یقیناً پُر زور طریقے سے اس کا رد کرے گا۔ تو اُس کو بڑے احسن انداز میں سمجھایا جا سکتا ہے کہ حضور والا! جب ایک کشتی خود بخود تیار نہیں ہو سکتی تو پوری کائنات خود بخود کیسے وجود میں آ گئی۔ یہی دلیل امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دہریوں کی ایک جماعت کو دی۔

### (iv) گردشِ لیل ونہار سے دلیل

یہ گونا گوں عالم، درخت، پہاڑ، سمندر، دریا، چاند، ستارے، آسمان، یہ اسباب وعلل کا تسلسل، یہ کائنات کا نظم، انسان کے اندرونی طاقتیں اوران کی باہمی ترتیب...... یہ تمام اشیا کسی خالق وصانع (بنانے والے) کے اعتراف پر مجبور کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (آل عمران: 190)

ترجمہ: ''آسمانوں اورزمین کی پیدائش اوررات اوردن کے بدلنے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَفِیْ خَلْقِكُمْ وَمَا یَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝

(الجاثیہ: 3،4)

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اورزمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ اورخود تمھارے اوران حیوانات کے پیدا کرنے میں، جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے، یقین کرنے والوں کے لیے دلیلیں ہیں۔''

سورۃ ذاریات میں خالق ارض وسمانے ارشاد فرمایا:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الذاریات: 20-21)

ترجمہ: ''اورزمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اورخود تمھاری جانوں کے اندر کیا تم دیکھتے نہیں۔''

اس قسم کی کئی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔

### (v) بے مثل تخلیق کے حوالے سے وجودِ باری تعالیٰ پر دلیل

اس کائنات کی تخلیق میں کوئی خلل نہیں، یہ بے مثل کائنات ہے۔ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ۝ (النمل۔ 88)

ترجمہ: ''(کائنات اوراس کی ہر چیز) اُس اللہ کی صفت ہے جس نے ہر شے کو مضبوط نظام پر بنایا۔''

اُس کی صفت ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ اس میں مستحکم نظم ونسق اُس کے ایک ہونے کی کامل دلیل ہے۔

سورۃ الملک میں ارشاد ہوا:

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (الملک۔3)

ترجمہ: ''نہیں نظر آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل، ذرا پھر نگاہ اُٹھا کر دیکھ کیا کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔''

ایسا دعویٰ یقیناً ایسی ہستی ہی کر سکتی ہے جو ایک ہو، مدبر ہو اور سب سے بڑھ کر منتظم ہو۔ ان آیات میں تین طرح کے دلائل پیش کیے گئے ہیں:

- قدرت کے عجائبات اور پھر ان کا ایک قانون کے ماتحت ہونا۔
- عالم کا نظم ونسق اوراس کا مرتب (Compiled) سلسلہ۔
- کائنات اور سلسلہء عالم کی ہر کڑی میں بے انتہا مصلحتوں، حکمتوں اور فائدوں کا ہونا۔

### (vi) کائنات کے حسنِ انتظام کے حوالے سے دلیل

درج بالا آیت پر اگر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ اِس میں شروع سے لے کر آخر تک اس کائنات کے متقابل، بلکہ متضاد اجزا و عناصر کا حوالہ دیا گیا ہے اور ساتھ ہی اُن کے حیرت انگیز اتحاد اور بے مثال سازگاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اُن کے اندر اِس کائنات کی مجموعی خدمت کے لیے پائی جاتی ہے۔ آسمان کے ساتھ زمین، رات کے ساتھ دن، کشتی کے ساتھ دریا، بظاہر دیکھیے تو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ضدین (Contradiction) کی نسبت رکھتے ہیں تو دوسری طرف اِس کائنات کی خانہ آبادی کے نقطۂ نظر سے آپس میں زوجین کا سا ربط واتصال (Relation) بھی رکھتے ہیں۔ یہ آسمان اور اس کے چمکتے ہوئے سورج اور چاند نہ ہوں تو ہماری زمین کی ساری رونقیں اور بہاریں ختم ہو جائیں، بلکہ اِس کی ہستی ہی ختم ہو جائے۔ اِسی طرح یہ زمین نہ ہو تو کون بتا سکتا ہے کہ اِس فضا کے بے شمار ستاروں اور سیاروں میں سے کس کس کا گھر اجڑ کے رہ جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ غور و تدبر کی نگاہ اِس دُنیا کے بارے میں کیا فیصلہ کرتی ہے؟ کیا یہ اضداد (دو مختلف چیزیں) کی ایک رزم گاہ (میدانِ جنگ) ہے جس میں مختلف ارادوں اور قوتوں کی کشمکش بر پا ہے یا ایک ہی حکیم مدبر (کاموں کی تدبیر کرنے والا) ارادہ اِن سب پر حاکم و فرماں روا ہے جو اِن تمام عناصرِ مختلفہ کو اپنی حکمت کے تحت ایک خاص نظام اور ایک مجموعی مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ اِس کائنات کے مشاہدے سے یہ دوسری ہی بات ثابت ہوتی ہے۔ پھر مزید غور کیجیے تو یہیں سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے، وہ یہ کہ یہ دُنیا آپ سے آپ وجود میں نہیں آئی ہے اور نہ اِس کے اندر جو اِرتقا (Evalution) ہوا ہے، وہ آپ سے آپ ہوا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اِس کے مختلف عناصر میں بلا مقصد وہ سازگاری کہاں سے پیدا ہوتی جو اِس کائنات کے ہر گوشے میں موجود ہے۔ ان دلائل کی روشنی میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اسے ایک حکیم، دانا، قادرِ مطلق صانع (بنانے والا) نے اپنی قدرت اور ارادے سے تخلیق کیا ہے۔ ذیل میں مختلف مذاہب میں عقیدۂ توحید کی موجودگی کے حوالے سے چند حقائق ملاحظہ کریں:

## 3- سامی اور غیر سامی مذاہب میں عقیدۂ توحید

وجودِ باری تعالیٰ کے اثبات کے حوالے سے چند دلائل کے بعد اب ہم ''خالص عقیدۂ توحید'' کی طرف آتے ہیں۔ پہلے مختصراً اس طرف نظر کرنا ضروری ہے کہ سامی (الہامی) اور غیر سامی (غیر الہامی) مذاہب میں توحید کے بارے میں کیا عقائد ملتے ہیں۔

### زرتشت

ایران میں ''زرتشت'' کی تعلیمات رائج تھیں جن کے ہاں دو خداؤں یعنی ''ایک خدائے خیر'' اور دوسرے ''خدائے شر'' کا تصور تھا، جب کہ فلسفہ و منطق کے امام سمجھے جانے والے اہلِ یونان بے شمار دیوی دیوتاؤں کے پجاری تھے۔ مختلف شعبہ ہائے حیات مختلف دیوتاؤں کے سپرد تھے۔ سمندروں کے دیوتا کا نام پوسیڈن (Poseidon) ہیفا اسٹس (Hephaestus) اسلحہ سازی کا دیوتا اور سورج کی حرکات کو اپالو (Apollo) سے منسوب کیا جاتا تھا۔

### ہندومت

ہندوستان کے اندر ہندو مذہب رائج تھا۔ ان کے ہاں اب بھی بے شمار دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے۔ ویسے تو ان کی فہرست طویل ہے مگر تین دیوتاؤں کو بڑی اہمیت حاصل ہے:

1- وشنو (Vishnu): نظامِ شمسی کا ایک قدیم دیوتا ہے۔

2- شیوا (Shiva): اس کی تصویر میں پانچ چہرے اور چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں۔

3- • برہما (Brahma): یہ کائنات کا خالق ہے۔

ہندومت کی کتابوں میں "ویدیں" بہت اہم ہیں جن میں باریک بینی سے دیکھا جائے تو عقیدۂ توحید خالص انداز میں ملتا ہے۔ بعد کے ادوار میں ان میں بہت ساری تحریفات ہو چکی ہیں۔

### بدھ مت

بدھ مذہب کے آغاز میں اگرچہ توحید کا تصور ملتا ہے مگر بعد ازاں وہ بھی گدلا ہو گیا۔ علاوہ ازیں چینی مذاہب کنفیوشزم اور تاؤازم میں بھی توحید کا خالص تصور رائج نہ تھا۔

### سامی مذاہب

سامی مذاہب کے تحت دو بڑے مذاہب، یہودیت اور عیسائیت، اسلام سے پہلے موجود تھے اور اب دُنیا کی بیش تر آبادی میں ان کی پیروی جاری ہے۔

### یہودیت اور عیسائیت

یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا جب کہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے تھے۔ قرآن حکیم نے خود اس کی وضاحت فرمائی:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ○ (التوبہ30)

ترجمہ: "یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔"

اِسی طرح عیسائی تثلیث کے بھی قائل ہیں۔ ان تمام مذاہب میں توحید کے ناقص تصور نے انسانی معاشرے پر انتہائی منفی اثرات مرتب کیے۔ بعض مذاہب کا "تصورِ توحید" انسان کو ڈرپوک اور بزدل بنا دیتا ہے۔ جیسے بہت سارے لوگ سورج، چاند، ستارے اور دیگر مظاہر فطرت کی پوجا کرتے تھے۔ بعض کا تصورِ توحید خدا کو ظالم اور سنگ دل بنا کر پیش کرتا ہے۔ ایک تصور اُسے جنگلوں میں بٹھا دیتا ہے اور دوسرا اُسے ناچ گانوں کی محفل میں کھڑا کرتا ہے۔ بعض معاشروں میں یہ تصور ہے کہ اگرچہ وہ اقتدار کا مالک ہے لیکن اُسے بندوں کے مسائل سے کوئی دل چسپی نہیں اور کچھ نے یوں پھبتی کسی کہ وہ کائنات کو تخلیق کرنے کے بعد سکون کرنے چلا گیا۔

## 4- اسلام کا تصورِ توحید

اسلام نے اِن سب باطل تصورات کا جامع رد کیا اور خالص اور صاف شفاف عقیدۂ توحید پیش کیا جس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھ نہیں ہے۔

اس عقیدے کو جامع انداز میں سورۃ اخلاص میں پیش کیا گیا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④ (سورۃ اخلاص)

ترجمہ: "(اے نبی مکرم ﷺ) آپ فرما دیجیے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز (سب کی پناہ اور سب پر فائق) ہے۔ نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اُس کا کوئی ہم سر ہے۔"

دوسرے مقام پر خالق ارض وسما نے اپنی ذات وصفات کے حوالے سے ایسی خوبصورت آیت نازل فرمائی جس کے بعد عقیدۂ توحید میں کوئی ابہام نہ رہا۔ یہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 255 ہے جسے "آیۃ الکرسی" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ (البقرہ: 255)

ترجمہ: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ سارے عالم کو اپنی تدبیر سے قائم رکھنے والا ہے۔ نہ اُس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔ کون ایسا ہے جو اُس کے حضور اُس کے اذن کے بغیر سفارش کر سکے۔ جو کچھ مخلوقات کے سامنے (ہو رہا ہے یا ہو چکا) ہے اور جو کچھ ان کے بعد (ہونے والا) ہے (وہ) سب جانتا ہے، اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔ اُس کی کرسی (سلطنت وقدرت) تمام آسمانوں اور زمین پر محیط ہے اور اُس پر ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) کی حفاظت ہرگز دشوار نہیں۔ وہی سب سے بلند رتبہ بڑی عظمت والا ہے۔''

اگرچہ قرآن مجید کی دیگر سینکڑوں آیات اس مضمون کو ثابت کرتی ہیں لیکن طوالت کے پیشِ نظر ان کو درج نہیں کیا گیا۔

بقول نصیر الدین نصیرؔ:

ـــــ وہ مالک کُل ہے، کائنات اس کی ہے
جو ختم نہ ہو کبھی وہ بات اس کی ہے

## 5- عقیدۂ توحید کے انفرادی زندگی پر اثرات

درِ یتیم، حبیبِ کبریا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ نے کائناتِ عالم کے لیے توحید کا جو خالص ترین عقیدہ پیش کیا، اس میں کسی قسم کی تشبیہ، تمثیل اور شرک کی گنجائش نہ تھی۔ جیسے خود قرآن مجید میں موجود ہے لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (اس کی مثل کوئی چیز نہیں)۔ اس عقیدے نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بے پناہ اثرات مرتب کیے جن سے مشکوٰۃ نبوت کے فیض یافتگان نے خوبصورت ودل نشین نتائج اخذ کیے۔ محسن انسانیت، سید الاتقیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کی تعلیمات کا اتنا اثر ہوا کہ وہ لوگ جنھیں بھولے سے بھی خدا کا نام یاد نہیں آتا تھا، وہ اُس کے سوا سب کچھ بھول گئے، اُس کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے اور وہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اُس کی یاد میں سرشار رہنے لگے۔ اس سرمستی و سرشاری میں اُنھوں نے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی اور اس بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام نہیں دیا بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں کوشش کو اپنا فرضِ منصبی سمجھا اور اللہ کا حکم سمجھ کر پوری جانبازی کے ساتھ اُسے بجالانے اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدارِ ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا۔ ان اثرات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

### (ا) آزادی اور حریت

انسانی زندگی پر اس کا سب سے نمایاں اثر یہ پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ انسان کو آزادی و حریت کا وہ بلند مقام بخشتا ہے جس کا وہ اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے مستحق ہے۔ تمام کائنات انسان کے لیے ہے لیکن جب تک انسان توحید سے آشنا نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی ذلت کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ دُنیا کی حقیر سے حقیر چیزوں سے ڈرتا اور کانپتا ہے۔ جو چیزیں اس کی تابع داری اور اطاعت کے لیے پیدا ہوئی ہیں وہ خود ان کی تابع داری اور اطاعت کرتا ہے۔

## (۲) محبت الٰہی

عقیدۂ توحید کی وجہ سے جہاں انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرتا ہے وہاں وہ خود خالقِ ارض و سما سے بھی بڑھ چڑھ کر محبت کرتا ہے۔ خالق ارض و سما جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ○ (النور: 37)

ترجمہ: ''وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

اس حوالے سے سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ○ (البقرۃ: 165)

ترجمہ: ''ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔''

علامہ اقبال بندے اور رب کے اِس تعلق کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

؎ خودی کا سرِّ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الہ الا اللہ

## (۳) وسعت نظر

ایمان باللہ اور توحید کا انسانی زندگی پر ایک اہم اثر یہ ہے کہ یہ انسان کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کی سلطنت جتنی وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ کائنات پر اپنے نفس کے تعلق سے نہیں بلکہ خداوند عالم کے تعلق سے نگاہ ڈالتا ہے۔ اس کی دوستی اور دشمنی نفس کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ نتیجے کے طور پر اللہ پر ایمان رکھنے والا کبھی تنگ نظر نہیں ہوتا۔

## (۴) عزت نفس

اللہ تعالیٰ پر ایمان انسان کو پستی اور ذلت سے اُٹھا کر خودی اور عزتِ نفس کے بلند ترین درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ جب تک اُس کا اپنے مالک و رازق سے تعارف نہیں تھا تب تک وہ مظاہرِ فطرت سے بھی ڈرتا تھا لیکن جب اُس نے اپنے خالق کو پہچان لیا تو سب موجودات اُس کے لیے ہیچ ہو گئیں۔ بزبان اقبال:

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

بقول پیر نصیر الدین نصیرؒ

؎ قدرت ہے اُسی کو اقتدار اُس کا ہے
اِجرائے قضا میں اعتبار اُس کا ہے

تو کون ہے فیصلہ سنانے والا
عزت، ذلت پہ اختیار اُس کا ہے

## (۵) عجز و نیاز

اللہ تعالیٰ پر ایمان سے پیدا ہونے والی خودداری انسان کو مغرور اور متکبر نہیں بناتی بلکہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھنے والے شخص میں خودداری اور عجز و انکساری ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طاقت کے سامنے وہ بالکل بے بس ہے۔ اللہ کی حکومت سے نکلنا اس کے بس میں نہیں ہے۔ وہ کیا، تمام عالم اُس ایک اللہ کا محتاج ہے۔ ایمان باللہ رکھنے والے شخص میں ایسی خودی ہوتی ہے جو علم سے بھی محکم ہوتی ہے اور عشق سے بھی یعنی اس میں عقلی اور روحانی ہر طرح کی قوتیں مجتمع ہو جاتی ہیں۔ بزبانِ اقبال:

؎ خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبرائیل
ہو اگر عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

## (٦) غلط توقعات کا ابطال

یہ حقیقت ہے کہ انسان کی فطرت میں عبادت کرنا شامل ہے۔ ''ایمان باللہ'' سے محروم شخص اگر اللہ رب العزت کی عبادت نہ کرے تو قدرتی طور پر اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو کر اپنے نفس کی پوجا کرنے لگتا ہے مگر اللہ تعالیٰ پر ایمان کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تمام جھوٹے خداؤں بشمول نفس اور دیگر باطل بھروسوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۝ (الفرقان: 43)

ترجمہ: ''کیا آپ نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا ہے۔''

یہ اُس شخص کے لیے لمحۂ فکر یہ ہے جو توحید خالص سے محروم ہے۔ ان گمراہوں میں سے بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کفارہ ادا کر کے ہمیں نجات عطا کر دی جب کہ بعض نے بزبان قرآن یوں کہا:

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ: 18)

ترجمہ: ''یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اُس کے محبوب ہیں۔''

توحید خالص انسان کو اس طرح کی غلط توقعات سے محفوظ رکھتی ہے۔

## (۷) صبر و توکل

ایمان باللہ اور توحید خالص انسان میں صبر و توکل پیدا کرتی ہے۔ وہ دُنیا کے مصائب و آلام کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ عجب شانِ بے نیازی کا مالک بن جاتا ہے کیونکہ وہ شعور یہ رکھتا ہے کہ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (البقرہ: 153)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اور توکل کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ○ (آل عمران: 122)

ترجمہ: ''اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔''

منہ غیر سے موڑ کر تعلق دیکھو
ہر چیز سے توڑ کر تعلق دیکھو
اُٹھ جائے گا دل سے ماسویٰ اللہ کا خوف
اللہ سے جوڑ کر تعلق دیکھو

(نصیر الدین نصیرؒ)

## (۸) شجاعت

انسان کو دو چیزیں بزدل بناتی ہیں: ایک محبت، جو وہ اپنی جان، مال اور اہل وعیال سے کرتا ہے، دوسرا خوف، اُن چیزوں کا جو محض آلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں...... عقیدۂ توحید بندۂ مومن سے یہ دونوں چیزیں ختم کر دیتا ہے۔ اُسے محبت بھی اپنے مالک سے ہوتی ہے اور خوف بھی اپنے مالک کا ہی ہوتا ہے۔ اسے نہ دُنیا کی محبت اور نہ کسی چیز کا خوف زیر کر سکتا ہے کیونکہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

ترجمہ: ''ایمان والے اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔'' (البقرہ: 165)

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (السجدہ: 16)

ترجمہ: ''ان کے پہلو اپنی خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور طمع میں پکارتے ہیں۔''

## (۹) اصلاحِ اخلاق

توحید سے انسان میں احساسِ ذمہ داری اُجاگر ہوتا ہے۔ نفس میں پاکیزگی اور اعمال میں پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے۔ افراد کے باہمی معاملات درست ہوتے ہیں جس سے ایک صالح اور منظم معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

## 6- عقیدۂ توحید کے معاشرے اور اجتماعی زندگی پر اثرات

عقیدۂ توحید کا اجتماعی زندگی پر بھی گہرا اثر ہوتا ہے۔ انسانی معاشرت کی بنیاد کامل عدل، صحیح مساوات، وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم کے بغیر ناممکن ہے۔ دُنیا کی تباہی کا اصل سبب یہ ہے کہ جس رفتار سے سائنس نے ترقی کی ہے اُس رفتار سے انسان کے شعور نے ترقی نہیں کی۔ انسانیت کو قوم پرستی اور وطن پرستی کے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ اقوامِ عالم کی صورت حال یہ ہے کہ ہر قوم کی ایک دوسرے سے نہ صرف نسلیں جدا جدا ہیں بلکہ ان کے معبود بھی ایک جیسے نہیں۔ ان نسلوں میں افراد کی شہریت، اعتقادات اور اخلاقیات بھی ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے یعنی اتحاد کے لیے بعینہٖ کوئی مشترک رشتہ موجود نہیں۔ مشترک رشتہ صرف ایک ہو سکتا ہے کہ خدا کو ایک جانیں، اُس کے اُتارے ہوئے قانون پر سب عمل کریں اور اپنے آپ کو ایک ہی آدم کے مشترک گھرانے کا فرد سمجھیں۔ عقیدۂ توحید کی اساس کے سوا باقی ساری اساسیں نہ صرف کمزور ہیں بلکہ ناقابلِ عمل بھی ہیں اور یہ مسائل کو حل کرنے کی بجائے اُن میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں۔

## 7- خلاصۂ بحث

دُنیا میں اس وقت مسلمانوں کی آبادی تقریباً ڈیڑھ سے پونے دوارب تک ہے۔ باقی غیر مسلم آبادی میں سے اکثر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا وجود تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا تصورِ خدا تمام کا تمام شرک سے آلودہ ہے۔ ان میں قلیل تعداد ایسی بھی ہے جو سرے سے کسی خدا کو نہیں مانتی جن کو عام الفاظ میں ''دہریے'' (Atheists) کہا جاتا ہے اِن کی تعداد دورِ حاضر میں کم نہیں بلکہ زیادہ ہو رہی ہے اور قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی جدید تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھنے والے بعض افراد ''دہریت زدہ'' ہیں۔ اگرچہ یہ آٹے میں نمک کی حیثیت بھی نہیں رکھتے لیکن ان کے ایمان کی حفاظت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ جس فیشن زدہ دور سے ہم گزر رہے ہیں وہاں ''خدا کو نہ ماننا'' بھی ایک فیشن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ فیشن زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکے گا۔ حق اپنا وجود ثابت کروا لے گا۔ بزبانِ اقبال:

؎ شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

سوال 8

# عقیدۂ آخرت کا انفرادی اور معاشرتی زندگی پر اثر

(1) عقیدہ کی اہمیت واضح کیجیے اور بتایئے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ (2008ء)

(2) قیامِ آخرت کے فقہی اور عقلی دلائل بیان کرتے ہوئے ایک منظم معاشرے کی تشکیل میں اس عقیدے کے کردار پر بحث کیجیے۔ (2010ء)

(3) عقیدۂ آخرت سے کیا مراد ہے۔ انسانی زندگی پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ (2012ء)

## اہم نکات

-1 تعارف
-2 قرآن مجید سے عقیدۂ آخرت پر دلائل
-3 انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی پر عقیدۂ آخرت کے اثرات
-4 عقیدۂ آخرت کے اجتماعی زندگی پر اثرات
-5 خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

انسانی عقل کے مطابق ہر کوئی اپنی کارگزاری کا بدلہ چاہتا ہے اور بدلے والے دن ہی یہ پتا چلتا ہے کہ کس نے کتنا بہتر اور کتنا برا کام کیا۔ اس لیے ایک دن مقرر کیا گیا کہ جب کائنات کا نظام اپنی عمر پوری کر چکے اور اس کے بعد اس کے باسیوں کو ان کی زندگیوں کا حساب جزا و سزا کی صورت میں دیا جا سکے۔ اس دن کو یومِ آخرت کہتے ہیں، اس دن کے دیگر نام درج ذیل ہیں۔

(الف) یوم القیامۃ (قیامت کا دن) یوم الدین (جزا کا دن)

(ج) یوم البعث (دوبارہ اٹھنے کا دن)

انسان کے مشاہدے کے مطابق روزانہ کئی لوگ اس دُنیا سے رُخصت ہوتے ہیں۔ اس طرح انسانی تاریخ میں اربوں لوگ آئے اور چلے گئے۔ سائنس دان بھی ''Big Crunch'' تھیوری کے تحت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ساری کائنات ایک دن اپنا توازن کھو دے گی اور نتیجتاً اشیا ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ ہو جائیں گی۔

ذیل میں عقیدہ آخرت کے حوالے سے دلائل اور عقیدہ آخرت کو انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرات کو بیان کیا جاتا ہے۔

## 2- قرآن مجید سے عقیدۂ آخرت پر دلائل

قرآنِ مجید میں مرنے کے بعد کی زندگی کو کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ اس پر عقلی اور نقلی دلائل بھی فراہم کیے گئے ہیں۔ ذیل میں چند اہم دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے:

### (ا) مردہ زمین کو زندہ کرنے کے حوالے سے دلیل

- سورۃ النحل میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (النحل: 65)

ترجمہ: ''اور اللہ نے آسمان سے زمین پر پانی اتارا بعد اس کے کہ وہ زمین مُردہ ہو چکی تھی۔''

- سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (البقرۃ: 164)

ترجمہ: ''زندہ کرتا ہے (پانی کے ذریعے) زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔''

اِن آیات کریمہ میں انسان کے عام مشاہدہ کو بیان کیا گیا ہے کہ تم دیکھتے ہو کس طرح مردہ زمین پانی کے ذریعے سے زندہ ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمھیں بھی مارنے کے بعد زندہ کرے گا۔

### (۲) نیند سے بیداری پر دلیل

سورۃ الزمر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر: 42)

ترجمہ: ''(اللہ تعالیٰ ان رُوحوں کو نیند کی حالت میں) اپنے قبضے میں لے لیتا ہے جن پر موت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور دوسری رُوحوں کو ایک وقت مقرر کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔''

حالتِ نیند میں انسان کی روح اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہوتی ہے اگر وہ چاہے تو اُس روح کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو دُنیا میں واپس بھیج دے۔

### (۳) فطرت انسانی سے عقیدۂ آخرت پر دلیل

انسان فطری طور پر ظلم سے نفرت اور عدل سے محبت کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ غلطی بھی کرتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فطرتاً ایسا ہے۔ چور دوسرے کی چوری تو کرتا ہے لیکن خود چاہتا ہے کہ اُس کا مال محفوظ رہے۔ وہ دوسرے کو قتل کرتا ہے لیکن اپنے لیے اسے ناپسند کرتا ہے۔ انسان اپنی فطرت میں نیک و بد کو برابر نہیں سمجھتا۔ جیسے انسان نیک و بد کو برابر نہیں سمجھتا، اِسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ان کو آپس میں برابر نہیں سمجھتا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ (القلم: 35)

ترجمہ: ''کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے؟''

اِس آیت کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا جس دن مجرموں کو عدل کے مطابق سزا ملے گی۔

### (۴) مستقبل کی آرزو کے حوالے سے آخرت پر دلیل

نباتات، جمادات وغیرہ کے اندر کوئی آرزو، خواہش نہیں۔ انسان اپنے اندر بے شمار خواہشات رکھتا ہے جن کا اس دُنیا میں پورا ہونا ناممکن ہے لہٰذا ایک ایسا جہاں ہونا چاہیے جہاں پر اس کی تمام خواہشات پوری ہو سکیں۔

### (۵) کائنات اضداد (Contradiction) پر قائم ہے، اس حوالے سے قیامِ آخرت پر دلیل

جیسے علت و معلول، روح و جسم اور طبیعت و ارادہ آپس میں مل کر ایک جان کی حیثیت اختیار کرتے ہیں اسی طرح دُنیا، آخرت کے ساتھ ایک مجموعی شکل قائم کرتی ہے کہ دونوں میں سے ایک کی غیر موجودگی میں دوسرا ادھورا رہتا ہے۔

## 3- انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر عقیدۂ آخرت کے اثرات

اگر انسان کے اندر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور اپنے تمام اعمال کی جواب دہی کا احساس ہو تو وہ گناہوں سے بچتا ہے، ناحق مال لوٹنے سے گریز کرتا ہے اور معاشرے کا بہترین فرد ثابت ہوتا ہے۔ انسان کے اندر عقیدۂ آخرت مضبوط اور مستحکم طریقے سے موجود ہو تو درج ذیل خصوصیات پیدا ہوتی ہیں جو خوبصورت معاشرے کی تشکیل میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں:

### (۱) دنیوی زندگی کی حقیقت کا فہم

عقیدۂ آخرت کو حقیقی معنوں میں تسلیم کر لینے والے کا دنیوی زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر انتہائی واضح، جامع اور حقیقت پسندانہ ہو جاتا ہے۔ وہ دُنیا کو بے دین لوگوں کی طرح کھیل کود کا میدان سمجھتے ہوئے زندگی کا مقصد یہ نہیں ٹھہراتا کہ ''کھاؤ، پیو اور خوش رہو'' اور نہ ہی یہ کہتا ہے کہ ''دُنیا دکھوں کا گھر ہے'' بلکہ وہ اپنا نصب العین ارشادِ الٰہی کے مطابق یہ ٹھہراتا ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذّٰریٰت: 56)

''اور میں نے جن و انس کو اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔''

### (۲) موت کے خوف کا خاتمہ

عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے سے انسان بے دین لوگوں کی طرح موت سے خوفزدہ نہیں رہتا کیونکہ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ

؎ موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

اور

؎ عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

### (۳) ذمہ داری کا احساس

عقیدۂ آخرت کا منکر غیر ذمہ دار ہو جاتا ہے کیونکہ اسے جواب دہی کا احساس نہیں رہتا۔ عقیدۂ آخرت کو تسلیم کر لینے سے انسان میں احساس ذمہ داری فروغ پاتا ہے کیونکہ اسے اپنے اچھے برے اعمال کا بدلہ ملنے کا پختہ یقین ہوتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ

"اَلدُّنیَا مزرَعَۃُ الاٰخِرَۃِ"

ترجمہ: "دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔"

### (۴) آخرت کو ترجیح

عقیدۂ آخرت پر یقین رکھنے سے انسان دُنیاوی زندگی میں ہر کام اُخروی زندگی کی جزا و سزا کو پیش نظر رکھ کر کرتا ہے۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۝ (البقرہ: ۲۲۳)

"اور جان رکھو کہ تمھیں اس کے پاس حاضر ہونا ہے۔"

### (۵) جذبہ خیر کا فروغ

عقیدۂ آخرت کی وجہ سے انسان نیکی اور بھلائی کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ آخرت میں یہی نیکیاں اور بھلائیاں اس کی فلاح و کامیابی کا باعث ہوں گی۔ اس طرح انسان میں جذبہ خیر کو فروغ نصیب ہوتا ہے اور وہ ہر ایک کی بھلائی اور بہتری چاہنے لگتا ہے۔

### (۶) شجاعت کا فروغ

عقیدۂ آخرت انسان کے دل سے "غیر اللہ" کا خوف نکال دیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان اللہ کے سوا باقی تمام اشیا کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان میں جذبہ شجاعت فروغ پاتا ہے کیونکہ اس کے دل میں جب خوف خدا بیدار ہو جاتا ہے تو تمام دُنیاوی خداؤں کے خوف دل سے رفع ہو جاتے ہیں۔

؎ یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

## (۷) صبر وتحمل کا فروغ

عقیدہ آخرت انسان کو صابر اور متحمل بنا دیتا ہے۔ پھر اخروی برکات کے حصول کے لیے انسان دُنیاوی مشکلات میں نہ صرف صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ مشکلات کا بخوشی مقابلہ بھی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ (البقرہ:156)

''جب اُنھیں کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

## (۸) نعمتوں کا صحیح استعمال

عقیدۂ آخرت پر یقین رکھنے سے انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنی جان، مال، اولاد اور دیگر تمام نعمتوں کو رضائے الٰہی اور اخروی اجر کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہے۔

## (۹) حقوق وفرائض میں توازن

عقیدۂ آخرت پر ایمان سے انسان زندگی کے معاملات میں توازن اختیار کرتا ہے اور بے اعتدالی اور عدم توازن کا شکار نہیں ہوتا۔ یوں انسانوں کے درمیان حقوق وفرائض کی جنگ نہیں چھِڑتی بلکہ ہر کوئی اپنے فرائض کی ادائیگی کو مقدم رکھتا ہے کیونکہ عقیدۂ آخرت کی وجہ سے اسے یقین ہوتا ہے کہ قیامت کے روز اس سے فرائض کی بابت باز پرس ہوگی۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''تم میں سے ہر کوئی راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

## (۱۰) بامقصد زندگی، کامیاب آخرت

درحقیقت آخرت پر ایمان سے انسان کی ساری زندگی بامقصد ہو جاتی ہے۔ وہ خود بھی اپنی زندگی سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور دوسرے بھی اس سے خیر پاتے ہیں اور خیر کی توقع رکھتے ہیں۔ عقیدۂ آخرت سے جہاں انسان کی دُنیاوی زندگی بامقصد اور احسن بن جاتی ہے وہاں اسے یہ یقین بھی ہوتا ہے کہ اسے روزِ محشر شرمندگی نہیں اٹھانا پڑے گی بلکہ خدا کی رضا اور اس کا انعام میسر آئے گا۔

## (۱۱) صبر وتحمل

عقیدۂ آخرت کی وجہ سے قانون کی پاس داری کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے کیونکہ قانون توڑنے سے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بندوں کا حق متاثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والا فرد سوچتا ہے اگر آج میں قانون سے بچ بھی گیا تو بروزِ محشر نہیں بچ سکوں گا۔

## (۱۲) انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں مال خرچ کا جذبہ)

عقیدۂ آخرت کا ایک اہم اثر یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کی جزا کئی گنا چاہتا ہے، اِسی وجہ سے وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ بدلے میں اللہ تعالیٰ روزِ جزاء کوئی گنا بڑھا کر اپنے بندے کو عطا فرمائے گا۔

## (۱۳) مخلوق سے ہمدردی کا جذبہ

اللہ کا ڈر اور اس سے محبت دونوں جذبات ایمان کو مضبوط کرتے ہیں۔ اُنھیں دونوں جذبات سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عقیدۂ آخرت کی وجہ سے جب جزا (reward) کی امید ہوتی ہے اور عذاب سے بچنے کی تمنا تو انسان اللہ کی مخلوق سے پیار کرتا ہے۔

### (۱۴) اصلاحِ نفس

عقیدۂ آخرت کا ایک اہم اثر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اصلاحِ نفس خود بخود ہونا شروع ہو جاتی ہے۔

### (۱۵) اِستقامت دین

استقامت دین کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دین پر مضبوطی کے ساتھ چلے، یہ جذبہ بھی عقیدۂ آخرت کی وجہ سے مضبوط ہوتا ہے۔

## 4- عقیدۂ آخرت کے اجتماعی زندگی پر اثرات

(i) اخوت و بھائی چارہ۔ عقیدۂ آخرت سے باہمی بھائی چارہ اور اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

(ii) عفوودرگزر۔ انسان کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اُسے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ احساس اُس کے اندر عفوودرگزر کی صفت کو پیدا کرتا ہے۔

(iii) ایفائے عہد۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر بندے میں وعدے کو پورا کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

(iv) امدادِ باہمی۔ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے تو یہ کیفیت اس کے اندر دوسرے لوگوں کی مدد کا جذبہ ابھارتی ہے۔

(v) مثالی معاشرہ۔ عقیدۂ آخرت کے تصور جزا و سزا اسے دُنیا میں بہترین معاشرہ تشکیل دینے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

(vi) خدمتِ خلق کا جذبہ۔ عقیدۂ آخرت سے خدمت خلق کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ اگر آج اُس نے اچھا کام کیا تو کل محشر کے دن وہ صلہ پائے گا۔

(vii) رضائے الٰہی کا حصول۔ عقیدہ آخرت سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا تصور اپنے کمال تک پہنچتا ہے۔

(viii) عدل و انصاف کی طرف رغبت۔ مرنے کے بعد کی زندگی کا پختہ یقین انسان کو ظلم سے باز رکھتا ہے اور عدل پر مجبور کرتا ہے۔

## 5- خلاصۂ بحث

اللہ تعالیٰ جہاں پر رحمان و رحیم ہے وہاں پر وہ بااختیار منصف بھی ہے۔ دُنیا میں بھی اُس کا انصاف ظاہر ہوتا رہتا ہے، لیکن آخرت میں اُس کے انصاف کا کامل ظہور ہوگا۔ آخرت میں کسی کے پاس سوائے حکم الٰہی مان لینے کے اور چارۂ کار نہیں ہوگا۔ یہ دُنیا عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزا اور بدلے کی جگہ۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ انسان کا مرنے کے بعد کی زندگی پر نہ صرف اعتقادی یقین ہو بلکہ یہ یقین اُس کے عمل میں بھی ظاہر ہو۔ یقیناً اِس سے اللہ کی زمین پر اچھے اعمال کو فروغ ملے گا اور بُرے اعمال کا خاتمہ ہو جائے گا۔ زمین کا انصاف سے بھر جانا آخرت میں جہنم سے آزادی کا پروانہ ہوگا۔

# اسلامی عبادات کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات

## (الف) نماز کا مفہوم اور فوائد و ثمرات

(1) ''اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ'' کی روشنی میں نماز کے فوائد و ثمرات بیان کیجیے۔ (2012ء)

(2) نماز کا مفہوم اور اس کی مختلف انواع لکھیے۔ نیز اس کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات بیان کیجیے۔ (2016ء)

### اہم نکات

1- تعارف

2- اِقامت صلوٰۃ کے معانی اور محامل

3- نماز کی فرضیت

4- قرآن و حدیث میں نماز کی تاکید

5- نماز کے فوائد و ثمرات

6- خلاصہ بحث

؎ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری

## 1- تعارف

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ نماز کو تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے اس لیے کہ تزکیہ نفس اور مالک کی پہچان اسی کے ذریعے سے ہوسکتی ہے۔ تمام انسانوں کی فطرت میں ہے کہ وہ ضرور کسی نہ کسی کی عبادت کرتے ہیں۔ کوئی ستارہ پرست ہے تو کوئی سورج پرست، کوئی بت پرست ہے تو کوئی آتش پرست۔ اگر انسان ان مظاہر فطرت کی پوجا پاٹ نہ بھی کرے اور تمام مذاہب سے بالکل لاتعلق ہو، تب بھی وہ کسی نہ کسی کی ضرور عبادت کرے گا، چاہے وہ اپنے نفس ہی کی عبادت کیوں نہ کرے اور اپنی خواہش کو خدا کا درجہ دے ڈالے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی اس فطری خواہش کو احسن انداز میں پورا کیا اور ان پر پانچ اوقات میں لازم کر دیا کہ وہ مالک کی بارگاہ میں رکوع و سجود کریں۔

## 2- اِقامت صلوٰۃ کے معانی اور محامل

نماز کے لیے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس حوالے سے علامہ راغب اصفہانی رقم طراز ہیں:

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ (الحج: 40)

ترجمہ: ''تو ضرور گرادی جاتیں راہبوں کی خانقاہیں، گرجے اور کلیسے اور مسجدیں۔''

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے تمام حقوق و فرائض اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کو اقامت کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدۃ: 66)

ترجمہ: ''اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس (کلام) کو (قائم رکھتے) جو ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے نازل کیا گیا ہے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے پاؤں تلے سے (کھاتے)۔''

اِن آیات کی روشنی میں اقامت صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کی تمام شرائط، اس کے تمام فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کے ساتھ ساتھ نماز کی تمام ظاہری حدود پوری کی جائیں اور نماز میں اِدھر اُدھر کے سوچ بچار، دُنیاوی منصوبوں اور دُنیاوی خیالات میں انہماک اور استغراق نہ ہو۔ بندہ صرف یہ سوچے کہ وہ اللہ کے دربار میں کھڑا ہو کر اس سے مناجات کر رہا ہے۔ بندہ فقط اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور دورانِ نماز اسی کا ڈر اور خوف دامن گیر رہے۔ یہی نماز کی باطنی حدود ہیں اور اسی کا نام خشوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ (المومنون: 2)

ترجمہ: ''وہ لوگ جو اپنی نمازیں خشوع سے پڑھتے ہیں۔''

## 3- نماز کی فرضیت

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

''حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور وضو کی تعلیم دی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے وضو کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے رہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح وضو کیا۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اقتدا میں نماز پڑھی۔'' (الروض الانف، ج 1، ص 163)

اس طرح پہلی وحی کے ساتھ نماز کی ابتدا ہوگئی۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ شب معراج سے پہلے صرف رات کی ایک نماز فرض تھی اور اس میں وقت کی کوئی تحدید نہیں تھی۔''

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝١ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝٣ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝٤

(المزمل: 1-4)

ترجمہ: ''اے چادر لپیٹنے والے! رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑی رات، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ بڑھا دیں، اور (حسب عادت) ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھیں۔''

علامہ حربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ:

''پہلے دو نمازیں فرض تھیں، دو رکعت صبح (طلوع آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی اور دو رکعت شام (غروب آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی۔''

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ (آل عمران: 41)

ترجمہ: ''اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور شام اور صبح اس کی تسبیح کرتے رہو۔''

## 4- قرآن وحدیث میں نماز کی تاکید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (الروم: 31)

ترجمہ: ''اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔''

''سورۃ المدثر'' میں نماز نہ پڑھنے پر وعید آئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ (المدثر: 42-43)

ترجمہ: ''(جنتی مجرموں سے سوال کریں گے) تمھیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔''

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

○ ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان فرق، نماز کو ترک کرنا ہے۔''

**(صحیح مسلم، ج 1، ص 61، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ)**

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ سے قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر وہ مکمل ہوئی تو مکمل لکھی جائے گی اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو کہا جائے گا دیکھو کیا اس کی کچھ نفلی نمازیں ہیں جن سے اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جائے پھر باقی اعمال کا اسی طرح حساب لیا جائے گا۔'' **(سنن نسائی، ج 1، ص 218، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب، کراچی)**

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کرتے ہیں:

''حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔''

(مسند احمد ج 4، ص 218، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ)

امام ابوداؤ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

''عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات سال کی عمر میں اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو اور دس سال کی عمر میں ان کو مار مار کر ان سے نماز پڑھواؤ اور ان کے بستر الگ الگ کر دو۔''

(سنن ابی داؤد، ج 1، ص 71، مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور، پاکستان، 1405ھ)

امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے تھے، نماز اور غلام۔''

یعنی ظاہری زندگی کے آخری وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز اور غلاموں کے حوالے سے حسنِ سلوک کی تاکید فرما رہے تھے۔

## 5- نماز کے فوائد وثمرات

- ایمانیات کے باب میں جو حیثیت توحید باری تعالیٰ کو حاصل ہے اعمال کے حوالے سے وہی حیثیت نماز کو حاصل ہے۔ کلامِ الٰہی کا پہلا اثر نماز کی شکل میں مرتب ہوتا ہے۔
- نماز کسی شخص کے مسلمان سمجھے جانے کی شرائط میں سے ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے:

  ''آدمی کے کفر وشرک اور ایمان کے درمیان حدِ فاصل نماز چھوڑ دینا ہے۔'' (صحیح مسلم: رقم الحدیث 247)
- نماز پڑھنے کی وجہ سے انسان شیطان اور نفس کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ شیطان اور نفس دونوں بے حیائی اور برائی کا حکم دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

  **اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ** (العنکبوت: 45)

ترجمہ ''بے شک نماز بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے۔''

آیت کا مطلب یہ ہے کہ نماز انسان کو بار بار تنبیہ کرتی ہے کہ درست راستہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا تو اُس کی مثال اس ڈرائیور کی ہے جو اپنی زندگی کی گاڑی پوری رفتار سے چلا تو رہا ہے لیکن اس کی رہنمائی کے لیے دائیں اور بائیں جو نشانات اس کو صحیح راستہ بتانے اور خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے لگے ہوئے ہیں، ان سے بالکل بے پروا اور بے خبر ہے۔ ایسے ڈرائیور کے لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اپنی گاڑی کس کھڈے میں گرائے۔'' (تدبر قرآن)

نماز کی یہ خوبی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے، اس کے دو پہلو ہیں:

- اِس کا ایک وصفِ لازم ہے، یعنی یہ کہ وہ فحشا اور منکر سے روکتی ہے، اور دوسرا اس کا وصف مطلوب ہے، یعنی یہ کہ اس کا پڑھنے والا واقعی فحشاء اور منکر سے رُک جائے۔ جہاں تک روکنے کا تعلق ہے، نماز لازماً یہ کام کرتی ہے۔ جو شخص بھی نماز کی نوعیت پر ذرا سا غور کرے گا، وہ تسلیم کرے گا کہ انسان کو بُرائیوں سے روکنے کے لیے جتنے بریک بھی لگانے ممکن ہیں، ان میں سب سے زیادہ کارگر بریک نماز ہی ہو سکتی ہے۔

آخراس سے بڑھ کر مؤثر مانع اور کیا ہوسکتا ہے کہ آدمی کو ہر روز دن میں پانچ وقت خدا کی یاد کے لیے بلایا جائے اور اس کے ذہن میں یہ بات تازہ کی جائے کہ تو اِس دُنیا میں آزاد و خود مختار نہیں ہے بلکہ ایک خدا کا بندہ ہے اور تیرا خدا وہ ہے جو تیرے کھلے اور چھپے تمام اعمال سے حتیٰ کہ تیرے دل کے ارادوں اور نیتوں تک سے واقف ہے۔اور ایک وقت ضرور ایسا آنا ہے جب تجھے اُس خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ پھر اس یاد دہانی پر بھی اکتفا نہیں بلکہ آدمی کو عملاً ہر نماز کے وقت اِس بات کی مشق کرائی جاتی رہے کہ وہ چھپ کر بھی اپنے خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔ نماز کے لیے اُٹھنے کے وقت سے لے کر نماز ختم کرنے تک مسلسل آدمی کو وہ کام کرنے پڑتے ہیں جن میں اس کے اور خدا کے سوا کوئی تیسری ہستی یہ جاننے والی نہیں ہوتی کہ اس شخص نے خدا کے قانون کی پابندی کی ہے یا اسے توڑ دیا ہے۔ مثلاً اگر آدمی کا وضو ساقط ہو چکا ہو اور وہ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو اس کے اور خدا کے سوا آخر کس کو معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ وضو سے نہیں ہے۔ اگر آدمی نماز کی نیت ہی نہ کرے اور بظاہر رکوع و سجود اور قیام و قعود کرتے ہوئے اذکارِ نماز پڑھنے کے بجائے خاموشی کے ساتھ غزلیں پڑھتا رہے، تو اس کے اور خدا کے سوا کس پر یہ راز فاش ہوسکتا ہے کہ اس نے دراصل نماز نہیں پڑھی ہے۔ اس کے باوجود جب آدمی جسم اور لباس کی طہارت سے لے کر نماز کے ارکان اور اذکار تک قانون خداوندی کی تمام شرائط کے مطابق ہر روز پانچ وقت نماز ادا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نماز کے ذریعے سے روزانہ کئی کئی بار اس کے ضمیر میں زندگی پیدا کی جارہی ہے، اس میں ذمہ داری کا احساس بیدار کیا جارہا ہے، اسے فرض شناس انسان بنایا جارہا ہے اور اس کو عملاً اس بات کی مشق کرائی جارہی ہے کہ وہ خود اپنے جذبۂ اطاعت کے زیرِ اثر خفیہ اور علانیہ ہر حال میں اُس قانون کی پابندی کرے جس پر وہ ایمان لایا ہے خواہ خارج میں اس سے پابندی کرانے والی کوئی طاقت موجود ہو یا نہ ہو اور خواہ دُنیا کے لوگوں کو اس کے عمل کا حال معلوم ہو یا نہ ہو۔ (تدبر قرآن)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ نماز صرف یہی نہیں کہ آدمی کو فحشاء اور منکر سے روکتی ہے بلکہ درحقیقت دُنیا میں کوئی دوسرا طریق تربیت ایسا نہیں ہے جو انسان کو بُرائیوں سے روکنے کے معاملے میں اِس درجہ مؤثر ہو۔ اب رہا یہ سوال کہ آدمی نماز کی پابندی اختیار کرنے کے بعد عملاً بھی بُرائیوں سے رُکتا ہے یا نہیں، تو اس کا انحصار خود اس آدمی پر ہے جو اصلاحِ نفس کی یہ تربیت لے رہا ہے۔ وہ اس سے فائدہ اُٹھانے کی نیت رکھتا ہو اور اس کی کوشش کرے تو نماز کے اصلاحی اثرات اس پر ضرور مرتب ہوں گے ورنہ ظاہر ہے کہ دُنیا کی کوئی بھی تدبیر اصلاح اس شخص پر کارگر نہیں ہوسکتی جو اس کا اثر قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہ ہو یا جان بُوجھ کر اس کی تاثیر کو دفع کرتا رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے غذا کی لازمی خاصیت بدن کا تغذیہ اور نشوونما ہے لیکن یہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب آدمی اسے جزوِ بدن بننے دے۔ اگر کوئی شخص ہر کھانے کے بعد فوراً ہی قے کر کے ساری غذا باہر نکالتا چلا جائے تو اس طرح کا کھانا اس کے لیے کچھ بھی نافع نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ایسے شخص کی نظیر سامنے لا کر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ غذا موجب تغذیۂ بدن نہیں ہے کیونکہ فلاں شخص کھانا کھانے کے باوجود سوکھتا چلا جارہا ہے، اسی طرح بد عمل نمازی کی مثال پیش کر کے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز بُرائیوں سے روکنے والی نہیں ہے کیونکہ فلاں شخص نماز پڑھنے کے باوجود بدعمل ہے۔ ایسے نمازی کے متعلق تو یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ وہ درحقیقت نماز نہیں پڑھتا، جیسے کھانا کھا کر قے کر دینے والے کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ درحقیقت کھانا نہیں کھاتا۔ (تدبر قرآن)

ٹھیک یہی بات ہے جو متعدد احادیث میں نبی کریم ﷺ اور بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہوئی ہے۔ عمران رضی اللہ عنہ بن حصین کی روایت ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلٰوتُهُ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ فَلَا صَلٰوةَ لَهُ

ترجمہ: جسے اس کی نماز نے فحش اور بُرے کاموں سے نہ روکا، اس کی نماز نہیں ہوتی۔'' (ابن ابی حاتم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

ترجمہ: ''جس کی نماز نے اسے فحش اور بُرے کاموں سے نہ روکا، اس کو اس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دُور کر دیا۔'' (ابن ابی حاتم، طبرانی)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

**لا صلوٰۃ لمن لم یطع الصلوۃ وطاعۃ الصلوٰۃ ان تنھی عن الفحشاء و المنکر (ابن جریر، ابن ابی حاتم)**

ترجمہ: اس شخص کی کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز کی اطاعت نہ کی۔ اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ آدمی فحش و منکر سے رُک جائے۔''

اسی مضمون کے متعدد اقوال حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ اور اعمش وغیرہم سے منقول ہیں۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں:

''جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی ہے یا نہیں، اُسے دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے فحشاء اور منکر سے کہاں تک باز رکھا۔ اگر نماز کے روکنے سے وہ بُرائیاں کرنے سے رُک گیا ہے تو اُس کی نماز قبول ہوئی ہے۔'' (تفہیم القرآن، ج3، ص706)

- نماز گناہوں کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

''یہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اس کے جسم پر میل نام کی کوئی چیز باقی رہ جائے گی؟'' لوگوں نے عرض کیا ''اس صورت میں تو یقیناً میل کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے گا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے بالکل اسی طرح گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (صحیح بخاری، رقم الحدیث 528)

- نماز اور صبر مدد الٰہی کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ○ (البقرۃ 2:153)**

ترجمہ: ''ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

## 6- خلاصہ بحث

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ نماز یاد الٰہی کا اہم ذریعہ ہے اس کے ساتھ ساتھ نماز بے حیائی اور برائی سے منع کرتی ہے۔ اگر کسی شخص میں نماز پڑھنے کے باوجود گناہ کی رغبت پائی جاتی ہے تو اُس کا حل نماز ترک کرنا نہیں بلکہ نماز کی کثرت ہے۔ اگر وہ پہلے فرائض کی پابندی کرتا ہے تو اب اُسے تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین کے نوافل کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ نوافل کی کثرت کے بعد یقیناً اُس کے پاس گناہ کرنے کے لیے وقت بہت محدود ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ نیکی غالب آ جائیگی۔

# (ب) نماز کے اخلاقی، رُوحانی اور سماجی اثرات

**(1) نماز کا مفہوم اور اس کی مختلف انواع لکھیے۔ نیز اس کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات بیان کیجیے۔ (2016ء)**

## اہم نکات

1- تعارف
2- یادالٰہی کا ذریعہ
3- بہترین واعظ
4- گناہوں سے حفاظت
5- مشکل کشا
6- دعوتِ حق کی پہچان
7- استقامت کا ذریعہ
8- کائنات کی فطرت
9- حقیقی زندگی
10- اتحاد اور اتفاق کا ذریعہ
11- دکھ درد بانٹنے اور حسن ظن کا ذریعہ
12- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

نماز کا اخلاقی، روحانی اور سماجی اثر یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کی وجہ سے لوگ اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں اس حوالے سے یوں وضاحت کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنۡ يَّعۡشُ عَنۡ ذِكۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيۡنٌ (الزخرف: 36)

ترجمہ: ''اور جو شخص (خدائے) رحمان کی یاد سے غافل ہوتا ہے، ہم اُس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اُس کا ساتھی ہوتا ہے۔''

نماز انسان کو شیطان کے قبضہ جمالینے سے بچاتی ہے۔ درحقیقت نمازوں کی حفاظت ہی ہے جو انسان کے دین پر قائم رہنے کی ضمانت ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ شیطان کے حملے اِس کے بعد بھی جاری رہتے ہیں، لیکن نماز پر ہمیشگی کے نتیجے میں شیطان کے لیے مستقل طور پر انسان کے دل میں ڈیرے ڈال دینا ممکن نہیں ہوتا۔ نماز اُسے مسلسل دور بھگاتی اور ایک حصار کی طرح اُس کے حملوں سے انسان کے دل و دماغ کی حفاظت کرتی رہتی ہے۔

## 2- یادِ الٰہی کا ذریعہ

نماز کا ایک اہم اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کی شمع روشن رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خطرے کی حالت میں بھی تاکید کی گئی ہے کہ پیدل یا سواری پر، جس طرح ممکن ہو، اِسے لازماً ادا کیا جائے۔ سورۂ بقرہ میں یہ حقیقت اِس طرح بیان فرمائی ہے:

حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ○ (البقرۃ: 238)

ترجمہ: ''نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص اُس نماز کی جو (دن اور رات کی نمازوں کے) درمیان میں آتی ہے، (جب تمھارے لیے اپنی مصروفیتوں سے نکلنا آسان نہیں ہوتا)۔ اور (سب کچھ چھوڑ کر) اللہ کے حضور میں نہایت ادب کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اگر خطرے کا موقع ہو تو پیدل یا سواری پر، جس طرح چاہے پڑھ لو۔ لیکن جب امن ہو جائے تو اللہ کو اُسی طریقے سے یاد کرو جو اُس نے تمھیں سکھایا ہے، جسے تم نہیں جانتے تھے۔''

سورۂ مریم میں قرآن نے اسی بنا پر شہوات کی پیروی کا ذکر اِس طرح کیا ہے کہ گویا وہ نمازیں ضائع کر دینے کا لازمی نتیجہ ہے:

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ......... الخ (مریم: 59)

ترجمہ: ''پھر اُن کے بعد اُن کی جگہ ایسے ناخلف اُٹھے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے۔''

سورۂ عنکبوت میں اِس سے واضح تر الفاظ میں فرمایا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ ؕ (العنکبوت: 45)

ترجمہ: ''اور نماز کا اہتمام کرو، اِس لیے کہ نماز بے حیائی اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے۔''

## 3- بہترین واعظ

نماز کا دوسرا اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز واعظ کی طرح آگاہ کرتی ہے۔ کہ بندہ جذبات کے غلبے اور خواہشات کے ہجوم میں یہ حقیقت فراموش نہ کر بیٹھے کہ اُسے ایک دن اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ امین احسن اصلاحی اِس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''...... جو لوگ نماز اُس کے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں، خواہ خلوت کی نماز ہو یا جلوت کی، اُن کی نماز اپنے ظاہر و باطن، دونوں سے،

،اُن حقائق کی یاددہانی کراتی رہتی ہے جن کی یاددہانی زندگی کو صحیح شاہ راہ پر قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ خاص طور پر خلوت کی نمازیں انسان کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا تو اُس کی مثال اُس ڈرائیور کی ہے جو اپنی زندگی کی گاڑی پوری رفتار سے چلاتو رہا ہے، لیکن اُس کی رہنمائی کے لیے داہنے بائیں جو نشانات اُس کو صحیح راہ بتانے اور خطرات سے آگاہ کرنے کے لیے لگے ہوئے ہیں، اُن سے بالکل بے پروا اور بے خبر ہے۔ ایسا ڈرائیور، کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اپنی گاڑی کس گڑھے میں گرائے۔'' (تدبر قرآن 6/53)

## 4- گناہوں سے حفاظت

نماز کا تیسرا روحانی اور اخلاقی اثر یہ ہے کہ نماز گناہوں کو مٹاتی ہے۔ بندہ جب صحیح شعور کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد کی تجدید کرتا ہے کہ وہ اُس کی نافرمانی سے اجتناب کرے گا۔ اِس کے نتیجے میں وہ ایک نماز سے دوسری نماز تک کی لغزشوں پر لازماً شرمندگی محسوس کرتا اور اُن سے بچنے کے لیے ایک نئے ارادے کے ساتھ زندگی کی مصروفیتوں کی طرف لوٹتا ہے۔ غور کیجیے تو توبہ کی حقیقت بھی یہی ہے اور توبہ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ بندے کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ہود: 114)

ترجمہ: ''اور نماز کا اہتمام کرو دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصے میں بھی۔ اِس میں شبہ نہیں کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ ایک یاددہانی ہے اُن کے لیے جو یاددہانی حاصل کرنے والے ہوں۔''

اس حوالے سے ارشاد رسول ﷺ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اُس کے جسم پر میل نام کی کوئی چیز باقی رہ جائے گی؟ لوگوں نے عرض کیا: ''اِس صورت میں تو یقیناً میل کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے۔ اللہ اِن کے ذریعے سے بالکل اِسی طرح گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''

## 5- مشکل کشا

نماز کا چوتھا روحانی، اخلاقی اور سماجی اثر یہ ہے کہ نماز مشکل کشا ہے۔ یہود کو جب قرآن نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد ازسرِنو استوار کرنے کی دعوت دی تو ذمہ داریوں کے اُٹھانے کے لیے نماز ہی کے ذریعے سے مدد چاہنے کی ہدایت فرمائی۔ اسی طرح یہی معاملہ بنی اسمٰعیل کے اہل ایمان کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ فرمایا:

ترجمہ: ''ایمان والو، صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ بے شک، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ 2: 153)

نبی ﷺ کو بھی مخالفین کی دل آزاریوں اور شرارتوں کے مقابلے میں صبر و استقامت کے لیے اسی کی تلقین کی گئی:

ترجمہ: ''سو جو کچھ یہ کہتے ہیں، اُس پر صبر کرو اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرتے رہو، سورج کے نکلنے اور اُس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات میں بھی اُس کی تسبیح کرو اور سورج کے سربسجود ہو جانے کے بعد بھی۔'' (ق: 40-39)

اس کے معنی یہ ہیں کہ نماز اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ لوگوں نے بارش کے لیے درخواست کی تو آپ ﷺ نماز پڑھ کر اُس کے لیے دست بدعا ہوئے۔ سورج اور چاند گرہن کے موقع پر اللہ کی گرفت کا اندیشہ محسوس ہوا تو آپ ﷺ

نے نماز پڑھی۔غزوۂ بدراورغزوۂ احزاب کے معرکوں میں مسلمان اپنے دشمنوں کے مقابلے میں صف آرا ہوئے تو آپ ﷺ نے نماز کا ہی سہارا لیا اور اِسی کے ذریعے سے اپنے پروردگار کی مدد چاہی۔(بقول اقبال)

ے بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم جوان ہیں لات و منات

ے وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

## 6- دعوتِ حق کی پہچان

نماز کا پانچواں اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ یہ نماز دعوت حق کی پہچان ہے۔قرآن نے بتایا ہے کہ اُس کے نزدیک مصلحین وہی ہیں جو کتاب الٰہی کو اللہ تعالیٰ کے عہد اور حق و باطل کے لیے میزان کی حیثیت سے پوری مضبوطی کے ساتھ تھامتے اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ (الاعراف:170)

ترجمہ: ''اور جو اللہ کی کتاب کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں اور جنھوں نے نماز قائم کر رکھی ہے،(وہی اصلاح کرنے والے ہیں،اور)اِن اصلاح کرنے والوں کا اجر ہم کبھی ضائع نہ کریں گے۔''

شیخ امین احسن اصلاحی صاحب نے اِس کی وضاحت میں لکھا ہے:

''قرآن حکیم کا یہ بیان تجدید دین و اصلاح ملت کی تمام تحریکات اور تمام دعوتوں کے جانچنے کے لیے ایک کسوٹی فراہم کرتا ہے۔اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہ دعوت یا تحریک اصلاح ملت کی صحیح دعوت یا تحریک ہے جس کی ابتدا اور انتہا، جس کے عقیدہ اور عمل، جس کے نصب العین اور پروگرام، دونوں میں نماز اور اقامت نماز کو وہی اولیت اور اہمیت حاصل ہو جو اللہ کے عہد اور اُس کی اقامت کی جدوجہد میں فی الواقع از روے قرآن اُس کو حاصل ہے۔جس دعوت یا تحریک میں نماز کو یہ اولیت و اہمیت حاصل نہ ہو، وہ تجدید دین اور اصلاح ملت کے نقطۂ نظر سے ایک بے برکت، بلکہ لاحاصل کام ہے، کیونکہ وہ اس ریڑھ کی ہڈی سے بھی محروم ہے جس پر تجدید دین کی دعوت کا قالب کھڑا ہوتا ہے اور اُس روح سے بھی محروم ہے جس سے اِس قالب کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔(تدبر قرآن 1/203)

## 7- استقامت کا ذریعہ

نماز کا چھٹا اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز اللہ کے راستے میں استقامت کا ذریعہ ہے۔اِس راستے کے مسافر جانتے ہیں کہ اِس سفر میں استقامت اللہ تعالیٰ کی مدد ہی سے ممکن ہے۔سورۂ علق میں اِس کو واضح کر دیا گیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے:

''اللہ کی بارگاہ میں سربسجود رہو اور اِس طرح میرے قریب ہو جاؤ۔''

آیت کریمہ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کے لیے اگر اُس کی معیت حاصل ہو سکتی ہے تو اُس کی کتاب اور اُس کے حضور میں نماز ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔اِس مقصد کے لیے سب سے زیادہ اہمیت قیام اللیل، یعنی نماز تہجد کی ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو جب لوگوں کو ڈرانے کا حکم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو اُٹھائے اور اِس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا مقصود ہے تو اے حبیب ﷺ! رات کی نمازوں میں (حسب سابق) قرآن کریم کی تلاوت برقرار رکھیے۔اِس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ وقت دل و دماغ کے فراغ اور فہم قرآن

کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ یہ وقت چونکہ دماغ کے سکون اور دل کی بیداری کا خاص وقت ہے، اِس وجہ سے زبان سے جو بات نکلتی ہے،'از دل خیز د بر دل ریزد' (دل سے بات اُٹھتی ہے اور دل تک پہنچتی ہے) کا مصداق بن کر نکلتی ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ① قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ② نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ③ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ④

(المزمل: 1-4)

ترجمہ: ''اے چادر لپیٹنے والے محبوب! آپ (ﷺ) رات کو (نماز میں) قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر (کے لیے)۔ آدھی رات یا اس سے تھوڑا کم کردیں۔ یا اس پر کچھ زیادہ کردیں اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔''

بعض روایتوں میں ہے کہ اِس دُنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ کا وقت بھی یہی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہر رات ہمارے قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے، یہاں تک کہ جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے ''کون دعا کررہا ہے کہ میں اُسے قبول کروں؟ کون مانگتا ہے کہ اُسے دوں؟ کون مغفرت چاہتا ہے کہ اُسے بخش دوں؟''

## 8- کائنات کی فطرت

نماز کا ساتواں اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز کائنات کی فطرت ہے۔ انسان کی آنکھیں ہوں اور وہ اُن سے دیکھتا بھی ہو تو اِس حقیقت کو سمجھنے میں اُسے کوئی مشکل نہیں ہوتی کہ اِس عالم کا ذرہ ذرہ فی الواقع اپنے پروردگار کی تسبیح وتحمید کرتا اور اُس کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے۔ وہ اگرچہ اِس تسبیح وتحمید (سبحان اللہ اور الحمدللہ) کو نہیں سمجھتا، مگر دیکھ تو سکتا ہے کہ دُنیا کی سب چیزوں کا ظاہر جس طرح ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کیے ہوئے ہے اور اُس کے حکم کی تعمیل میں سرگرم ہے، اُن کا باطن بھی اِس سے مختلف نہیں ہوسکتا۔ زمین پر چلتے ہوئے جانور، باغوں میں لہلہاتے ہوئے درخت، فضاؤں میں چہکتے ہوئے پرندے، سمندروں میں تیرتی ہوئی مچھلیاں اور آسمان پر چمکتے ہوئے تارے اور سورج اور چاند، سب اپنے وجود سے اِس بات کی گواہی دیتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ

(بنی اسرائیل: 44)

ترجمہ: ''ساتوں آسمان اور زمین اور وہ سب چیزیں جو آسمان وزمین میں ہیں، اُس کی تسبیح کرتی ہیں۔ اور کوئی چیز بھی نہیں ہے جو حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح نہ کررہی ہو، لیکن تم اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے۔''

یہ سب اپنی اپنی نماز اور تسبیح سے پوری طرح واقف ہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی اُس سے غافل نہیں ہوتے۔ انسان دیکھے تو دیکھ سکتا ہے کہ پرندے جب پر پھیلائے ہوئے فضاؤں میں محو پرواز ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے کمال عجز کے ساتھ گویا بچھے ہوئے ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ○ (النور: 41)

ترجمہ: ''دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں وہ سب جو آسمان وزمین میں ہیں اور (فضاؤں میں) پر پھیلائے ہوئے پرندے بھی۔ ہر ایک اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے اور جو کچھ یہ کرتے ہیں، اللہ اُس سے پوری طرح واقف ہے۔''

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اِس کائنات کی ہر چیز ابراہیمی مزاج رکھتی ہے۔ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ اور چوپائے سب خدا کے حکم کے تحت ہیں۔ اِن میں سے کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے قوانین سے انحراف نہیں کرتی۔ سورج، جس کو نادانوں نے معبود بنا کر سب سے زیادہ پوجا ہے، خود اپنے وجود سے گواہی دے رہا ہے کہ وہ شب و روز اپنے رب کے آگے قیام، رکوع اور سجدے میں ہے۔ طلوع کے وقت وہ سجدے سے سر اٹھاتا ہے، دوپہر تک وہ قیام میں رہتا ہے، زوال کے بعد وہ رکوع میں جھک جاتا ہے اور غروب کے وقت وہ سجدے میں گر جاتا ہے اور رات بھر اِسی سجدے کی حالت میں رہتا ہے۔ اِسی حقیقت کا مظاہرہ چاند اپنے عروج سے اور ستارے اپنے طلوع و غروب سے کرتے ہیں۔ پہاڑوں، درختوں اور چوپایوں کا بھی یہی حال ہے۔ اِن میں سے ہر چیز کا سایہ ہر وقت قیام، رکوع اور سجود میں رہتا ہے اور غور کیجیے تو یہ حقیقت بھی نظر آئے گی کہ اِس سایے کی فطرت ایسی ابراہیمی ہے کہ یہ ہمیشہ آفتاب کی مخالف سمت میں رہتا ہے۔ اگر سورج مشرق کی سمت ہے تو سایہ مغرب کی جانب پھیلے گا اور اگر مغرب کی جانب ہے تو ہر چیز کا سایہ مشرق کی طرف پھیلے گا۔ گویا ہر چیز کا سایہ اپنے وجود سے ہمیں اس بات کی تعلیم دے رہا ہے کہ سجدہ کا اصل سزاوار آفتاب نہیں، بلکہ خالق آفتاب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ○ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ (النحل: 49-48)

ترجمہ: ’’اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے جو چیزیں بھی پیدا کی ہیں، اُن کے سایے دائیں اور بائیں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں اور زمین و آسمان میں جتنی جان دار مخلوقات ہیں، سب اللہ ہی کے آگے سر بہ سجود ہیں اور اُس کے فرشتے بھی اور وہ کبھی سرکشی نہیں کرتے۔‘‘

چنانچہ انسان جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو گویا پورے عالم کی طرف سے تسبیح و تحمید اور رکوع و سجود کی اِس دعوت پر لبیک کہتا ہے۔ وہ اپنی فطرت کا ساز اِس ساز سے ہم آہنگ کر دیتا ہے اور اپنے اِس عمل سے اعلان کرتا ہے کہ وہ بھی کسی سے پیچھے نہ رہے گا اور اپنا جسم ہی نہیں، اپنی روح بھی اس پروردگار کے حضور میں جھکا دے گا جس نے اُسے پیدا کیا ہے۔ ساری کائنات سے الگ ہو کر وہ ایسی کوئی راہ نہیں نکالے گا جس میں اُس کا کوئی ہم سفر نہیں ہے اور اگر ہیں تو وہی ہیں جن کے لیے خدا کا عذاب لازم ہو چکا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ (الحج: 18)

ترجمہ: ’’دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے سامنے سر بہ سجود ہیں وہ سب جو زمین و آسمان میں ہیں اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی اور بہت سے وہ ہیں کہ جن کے لیے عذاب لازم ہو چکا ہے۔‘‘

## 9- حقیقی زندگی

نماز کا آٹھواں اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز ہی حقیقی زندگی ہے۔ انبیا علیہم السلام جو دعوت لے کر آتے ہیں، اُسے قرآن میں زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے:

ترجمہ: ’’ایمان والو، اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت پر لبیک کہو، جب کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں اُس چیز کی طرف بلاتا ہے جس میں تمھارے لیے زندگی ہے)۔ (الانفال: 24)

اِس کی وجہ یہ ہے کہ جینے کو تو سب جیتے ہیں، لیکن وہ حقیقی زندگی جسے نور، اطمینان اور ایمان کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، صرف اللہ کی یاد سے ملتی ہے۔

انبیا علیہم السلام اِسی کی دعوت دیتے ہیں اور اُس میں سب سے پہلے نماز کے لیے بلاتے ہیں۔ نماز کیا ہے؟ خدا کی معرفت، اُس کا ذکر و فکر اور اُس کی قربت کا احساس جب اپنے عروج کو پہنچتا ہے تو نماز بن جاتا ہے۔ دُنیا کے سب عارفوں کا فیصلہ ہے کہ اصل زندگی دل کی زندگی ہے اور دل کی زندگی یہی معرفت، ذکر و فکر اور قربت الٰہی ہے۔ یہ زندگی انسان کو صرف نماز سے حاصل ہوتی ہے اور نماز ہی سے باقی رہتی ہے۔ قرآن نے ایک جگہ نماز کے مقابل میں زندگی اور قربانی کے مقابل میں موت کو رکھ کر یہی حقیقت واضح کی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ (الانعام: 162)

ترجمہ: ''کہہ دو کہ میری نماز اور میری قربانی، اور میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے''۔

انسان اِس حقیقت کو پالے تو اپنے شب و روز میں وہ نماز کے لیے اِسی طرح منتظر رہتا ہے، جس طرح صبح و شام کے کھانے اور پینے کا منتظر رہتا ہے اور اِسی طرح بے تاب ہوتا ہے، جس طرح پیاسا پانی کے لیے اور بھوکا روٹی کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔ نماز اُس کے لیے خداوند عالم کا رزق بن جاتی ہے۔ وہ اِسی سے آسودہ ہوتا اور اِسی سے قوت پاتا ہے۔ اِسی طرح قرآن کے مختلف مقامات اور دعاؤں سے انسان اپنی روح کے لیے لذت کا سامان حاصل کرتا ہے۔ مشکلات میں نماز ہی نوید بہار اور مخالفتوں کے ہجوم میں نماز ہی بندۂ مومن کے لیے چٹان کی حیثیت رکھتی ہے۔ نماز سے متعلق یہ اُسی مقام کی کیفیات ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے قُمْ یَا بِلَالُ، فَاَرِحْنَا بِالصَّلٰوۃِ (بلال، اٹھو اور ہمیں نماز کے ذریعے سے راحت پہنچاؤ) اور جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) جیسے الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔

## 10- اتحاد اور اتفاق کا ذریعہ

نماز کا نواں سماجی اثر یہ ہے کہ نماز سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور اتفاق کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اتحاد اور اتفاق کے حوالے سے ارشادِ الٰہی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ......... الخ (آل عمران: 105-103)

ترجمہ: ''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم (دوزخ کی) آگ کے گڑھے کے کنارے پر (پہنچ چکے) تھے پھر اس نے تمھیں اس گڑھے سے بچالیا''۔

؎ بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

## 11- دکھ درد بانٹنے اور حسن ظن کا ذریعہ

نماز کا دسواں سماجی اثر یہ ہے کہ نماز کمیونٹی سنٹر سے کہیں بڑھ کر ایک دوسرے کے دکھ اور درد بانٹنے کا ذریعہ ہے۔ نماز کے ذریعے باہم تعارف حقیقی تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔ نماز کے ذریعے سے مسلمانوں کا سماج بہت ساری اجتماعی بُرائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ نماز کے ذریعے سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے۔ حسن ظن ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان کو کرنا کچھ نہیں پڑتا نہ کوئی بدنی مشقت اُٹھانا پڑتی ہے اور نہ مالی قربانی دینا پڑتی ہے۔ صرف اپنی فکر کو مثبت سمت میں ڈھالنا ہوتا ہے اور بندہ بغیر کوئی عمل کیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔ فرض کریں دو آدمی کسی مقام پر بیٹھے بات چیت میں مشغول ہیں۔ ایک آدمی ان کے پاس سے گزرتا ہے۔ اگر وہ یہ سوچ لیتا ہے کہ دو دوست بیٹھے کسی اپنے مسئلہ میں بات چیت کر رہے ہوں گے تو اس نے حسن ظن سے کام لیا۔ اس نے کوئی مشقت نہیں اٹھائی کوئی قربانی نہیں دی لیکن صرف اسی حسن ظن کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کی جناب

سے اجر وثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔ اور اگر وہاں سے گزرتے ہوئے وہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ یہ دونوں چور ہیں کہیں چوری کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہوں گے یا یہ ڈاکو ہیں کہیں ڈاکا ڈالنے کے متعلق بات چیت کر رہے ہیں اور وہ اسی بات کو آگے پھیلا دے تو اسے کچھ مل نہیں گیا۔ اس کو کوئی مادی فائدہ نہیں ہوا۔ صرف اِس بدگمانی کی وجہ سے اس کے نامۂ اعمال میں بدگمانی کا گناہ لکھ دیا جائے گا۔ اصل چیز حسن ظن ہے۔ سوءِ ظن تو کسی دلیل کی وجہ سے کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر دونوں آدمی واقعی چور ہوں، ان کی چوری مشہور ومعروف ہو۔ تو اگر کوئی ان کے متعلق چوری کے مشورہ کرنے کا گمان کر بھی لے تو شاید باری تعالیٰ اسے معذور قرار دے کر معاف کر دے۔ لیکن بغیر کسی دلیل کے خوامخواہ بدگمانی کر لینا تو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور بدگمانی کرنا مومن کی شان نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات: 12)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

بقول شاعر:

؎ دوسروں کے عیب ڈھونڈتا رہ رات دن<br>
چشمِ عبرت سے کبھی اپنی سیاہ کاری بھی دیکھ

## 12- خلاصۂ بحث

نماز کے درج بالا اثرات سے واضح ہوتا ہے کہ نماز صرف انفرادی نوعیت کے کرنے کا کام نہیں بلکہ دین کا یہ تقاضا ہے کہ اجتماعی طور پر نماز کا باقاعدہ نظام قائم کیا جائے۔ اگر کسی بستی میں ایک ایک شخص انفرادی طور پر نماز کا پابند ہو لیکن جماعت کے ساتھ اِس فرض کے ادا کرنے کا نظام قائم نہ ہو تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں نماز قائم کی جارہی ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ نماز کے حقیقی مقاصد سے نہ صرف آگاہی حاصل کی جائے بلکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا اُسے حصہ بنایا جائے۔ نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نظم وضبط دیا گیا ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم بحیثیت قوم اُسی نظم وضبط سے محروم ہیں۔

# روزہ کے اخلاقی، روحانی اور سماجی اثرات

-1 روزہ کی اہمیت اور فلسفہ بیان کیجیے نیز اس کے انفرادی اور اجتماعی فوائد و ثمرات بھی بیان کیجیے۔ (2013ء)

## اہم نکات

-1 تعارف
-2 روزہ کا مفہوم/فلسفہ
-3 روزہ کی اہمیت و فرضیت
-4 روزہ کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات
-5 روزہ کے آداب
-6 خلاصہ بحث

## 1- تعارف

روزہ کو اسلامی عبادات میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ روزہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کو ارکان اسلام میں بنیادی رُکن کے طور پر تیسرے درجے پر رکھا گیا ہے۔ روزہ سے مراد طلوعِ آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ہر قسم کی نفسانی خواہشات سے اجتناب ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے روزہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔'' جب کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ:185)

ترجمہ: ''پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے اسے چاہیے کہ روزہ رکھے۔''

روزہ ارکانِ اسلام میں تیسرا اہم ترین رُکن ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم عبادت کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ روزہ کے لیے عربی زبان میں ''صوم'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے لفظی معانی ''رُک جانا''، ''ترک کر دینا'' کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رُکنے کا نام روزہ ہے۔ روزہ سے مقصود تقویٰ کا حصول ہے تا کہ انسان کے اندر ایسی استعداد پیدا ہو سکے جس کے ذریعے وہ گناہ کے خلاف مزاحم ہو سکے۔ تمام عبادات کی طرح روزہ بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے بلکہ روزہ کے حوالے سے خالقِ ارض وسما کا یہ ارشاد ہے:

اَلصَّوْمُ لِي وَاَنَا اَجْزِي بِهٖ (حدیث قدسی)

ترجمہ: ''روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔''

ایک ماہ کے فرض روزے تربیت کا ایسا عملی نمونہ ہیں کہ انسان کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھانے پینے اور جماع وغیرہ جیسی حلال چیزوں کو چھوڑ رہا ہے اور کیوں نہ وہ اُسی مالک کی رضا کے لیے حرام چیزوں کو بھی چھوڑ دے۔ اس طرح روزہ کے ذریعے انسان کے اندر مالک کی رضا پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ذیل روزہ کی اہمیت، آداب اور اثرات کو بیان کیا جاتا ہے۔

## 2- روزہ کی اہمیت وفرضیت

### (ا) قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ:183)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گیے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گیے تھے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

- وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ:184)

ترجمہ: ''اور یہ کہ روزہ رکھنا تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

- اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (البقرہ:187)

ترجمہ: ''رات تک روزہ پورا کرو۔''

### (۲) احادیث طیبہ میں روزہ کی اہمیت

- حدیث قدسی ہے:

اَلصَّوْمُ لِي وَاَنَا اَجْزِي بِهٖ

ترجمہ: ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''

○ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو بندہ رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر کسی عذر کے چھوڑے اور پھر تمام عمر روزے رکھے تو اس (ایک روزے) کی تلافی نہیں ہو سکتی۔'' **(جامع ترمذی)**

○ فرمان رسول ﷺ ہے:

ترجمہ: ''ہر چیز کی زکوٰۃ ہے، اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔'' (ابن ماجہ)

## -4 روزہ کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات

روزہ کے درج ذیل روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات ملاحظہ کیجیے:

### (ا) تزکیۂ نفس

روزے کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ اپنے نفس کا تزکیہ یعنی نفس کی پاکیزگی ہے۔ جو آدمی صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہتا ہے، نہ وہ بری آنکھ سے کسی کو دیکھتا ہے اور نہ ہی برائی کے بارے میں سوچتا ہے، وہ دراصل اپنے نفس کو پاک کر رہا ہوتا ہے۔ تزکیۂ نفس کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى** **(الاعلیٰ:14)**

ترجمہ: ''تحقیق وہ فلاح پا گیا جس نے اپنا تزکیہ کر لیا۔''

(تزکیہ نفس کے حوالے سے کتاب میں پورا سوال موجود ہے، اس کو ضرور دیکھیں۔)

### (۲) اطاعتِ حکمِ خداوندی

روزے کے فوائد میں سے ایک فائدہ حکم خداوندی کی اطاعت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو کون سارا دن بھوکا رہتا؟ روزہ رکھا ہی اس لیے جاتا ہے تا کہ خالق حقیقی کے احکام کو بجالایا جائے، اسی کو حقیقی مالک و رازق مانا جائے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ذہن میں رہے۔

**اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** ترجمہ: ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔''

### (۳) رضائے الٰہی کا حصول

روزہ دار کے بارے میں حدیث قدسی ہے:

**اَلصَّوْمُ لِي وَاَنَا اَجْزِي بِهٖ**

ترجمہ: ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''

ہر مسلمان اس لیے روزہ رکھتا ہے کہ اُس کا مالک و خالق اس سے راضی ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی رضا بھی اسی میں ہے کہ اس کے بندے اس کے احکامات کی پیروی کریں اور جو اس کی رضا ہو اس پر راضی ہوں تا کہ اللہ ان کو جزا دے۔

### (۴) تحمل و برداشت

روزہ سے انسان میں تحمل و برداشت کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک آدمی صبح تا شام بھوکا، پیاسا رہے، برائیوں سے اجتناب کرے تو اس میں تحمل و برداشت پیدا ہو گا جو رمضان کے بعد اس کے کردار کا حصہ بن سکتا ہے۔ تحمل و برداشت کے لیے دوسرا لفظ ''صبر'' ہے۔ صبر کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر:10)

ترجمہ: ''بے شک صبر کرنے والوں کو پورا دیا جائے گا ان کا اجر بغیر کسی حساب کے۔''

### (۵) تعمیرِ سیرت

روزہ سے انسان کی سیرت کی تعمیر بھی ہوتی ہے۔ اگر ایک آدمی کو گالم گلوچ، غیبت و بدکاری کی لت پڑ چکی ہو، وہ رمضان میں روزہ رکھنا شروع کر دے تو روزہ اسے ان تمام برائیوں سے روکے گا۔ اگر پھر بھی وہ آدمی ان برائیوں سے باز نہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو کسی آدمی کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی مطلب نہیں۔''

### (۶) تقویٰ

روزہ سے تقویٰ اور پرہیز گاری کی صفت بھی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں روزے کا بنیادی مقصد بھی تقویٰ اور پرہیز گاری کو ہی بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ:183)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گیے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے واضح ہے کہ سابقہ امم کی طرح مسلمانوں پر روزے اس لیے فرض کیے گیے ہیں تا کہ مسلمان تقویٰ اختیار کریں۔ پرہیز گار بنیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔

### (۷) امدادِ باہمی

روزہ انسان میں امدادِ باہمی کا جذبہ بیدار کر کے صبر و تحمل پیدا کرتا ہے، لالچ و حرص کے جذبات کی نفی کر دیتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد کے لیے احساس اجاگر کرتا ہے۔ اسی لیے تمام روزہ دار ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔ روزہ دراصل تمام انسانوں کو امداد باہمی کا درس دے رہا ہوتا ہے۔ جب ایک آدمی روزہ رکھ کر بھوکا پیاسا رہتا ہے تو اسے دوسروں کی بھوک کا احساس ہوتا ہے جو اس میں امداد اور تعاون کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔

### (۸) عدلِ اجتماعی

روزہ ہی دراصل انسان کو عدل اجتماعی کا احساس دلا کر معاشرتی مساوات پیدا کرتا اور معاشرتی تفاوت کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح روزہ دار جہاں اپنی بہتری کے لیے سوچتا ہے وہیں غربا و مساکین کے بارے میں بھی اس کے اندر ترس اور رحم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جو اسے اجتماعیت کی طرف لے جاتے ہیں۔

### (۹) شکر

روزہ ہر روزہ دار کو اپنے خالقِ حقیقی کا شکر ادا کرنے پر مائل کرتا ہے۔ جیسا کہ اطاعت خداوندی، رضائے الٰہی کا حصول، تقویٰ اور تزکیۂ نفس مقاصدِ حیات ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کا شکر بھی انہی میں سے ہے۔

## 4۔ روزہ کے آداب

روزہ کے آداب کو ذیل میں زیرِ بحث لایا جاتا ہے:

### (۱) روزہ اس کی رُوح کے مطابق رکھا جائے

روزہ کا مطلب ہے ہر گناہ سے رُکنا۔ لیکن انسان اگر گناہوں سے باز نہیں آتا تو روزہ کا اُسے حقیقتاً کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق:

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزے کے سوا ابنِ آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہوتا ہے لیکن روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص روزہ سے ہو تو وہ نہ جماع کی باتیں کرے، نہ شور و شغب کرے۔ اگر کوئی شخص اُس کو گالی دے یا اُس سے لڑے تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اور اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی افطار کے وقت اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔ اُس وقت وہ اپنے روزے سے خوش ہوگا۔''

(صحیح بخاری، ج1، ص257، مطبوعہ نور محمد، کراچی)

اس حدیث پاک کی روشنی میں دیکھا جائے تو روزہ کا حقیقی مقصد اُسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب انسان گناہوں کو چھوڑ دے۔ اگر ایک طرف روزہ بھی رکھا ہوا ہے اور دوسری طرف جھوٹ بھی بول رہا ہے، بدعہدی کا مرتکب ہو رہا ہے اور ناپ اور تول میں کمی کر رہا ہے تو وہ شخص روزے کے حقیقی فوائد و ثمرات نہیں سمیٹ سکتا۔ گناہ نہ چھوڑنے کی وجہ سے اُس کی رُوح پاکیزہ نہیں ہوتی اور اُس کے نفس کا تزکیہ نہیں ہوسکتا۔ جھوٹ بول کر مال بیچنے سے اُس کے اندر امدادِ باہمی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اپنے ساتھ انصاف نہ کرنے کی وجہ سے اجتماعی عدل و انصاف کا جذبہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

### (۲) روزہ ریاکاری سے پاک ہو

روزہ سے تزکیۂ نفس، امدادِ باہمی اور عدلِ اجتماعی کے مقاصد اُس وقت حاصل ہوں گے جب روزہ دکھاوے یا ریاکاری کے لیے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو کیونکہ جب رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے تو بندہ گھٹیا اور خبیث مقاصد کے لیے کام نہیں کرتا۔ دکھاوے کا کوئی بھی عمل نہ صرف بربادی کا سبب ہے بلکہ ایک حدیث کی روشنی میں یہ شرک پر مبنی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ اَشْرَكَ (الحدیث)

ترجمہ: ''جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا۔''

شارحین حدیث نے اس حدیث پاک کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس شرک سے مراد شرکِ خفی ہے کیونکہ ریاکاری دراصل خودنمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنی ادنیٰ ذات کا منفی اظہار ہے۔

### (۳) روزہ خواہش نفس کے لیے نہ ہو

یعنی روزہ اپنے نفس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے نہ رکھا ہو جیسے مثال کے طور پر یہ سوچے کہ ''اگر روزہ نہ رکھا، تو لوگ کہیں گے کہ دیکھو اتنا صحت مند اور تنومند جسم کا مالک ہونے کے باوجود روزے کا اہم فریضہ پورا نہیں کر رہا۔'' ایسے مقصد کا حامل روزہ کبھی انسان کو تزکیۂ نفس، امدادِ باہمی اور عدلِ اجتماعی جیسے اہم مقاصد سے آشنا نہیں ہونے دیتا۔

### (۴) روزہ کا مقصد، ایمان اور احتساب ذات ہو

اگر روزے کا مقصد ایمان اور احتساب ذات ہو تو تزکیۂ نفس، امدادِ باہمی اور عدلِ اجتماعی جیسے مقاصد کو بہت اطمینان سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس حوالے سے ارشادِ رسول ﷺ ہے:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (الجامع الصحیح للبخاری، رقم الحدیث 37)

ترجمہ: ’’جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان میں قیام کیا اُس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔‘‘

## 5- خلاصۂ بحث

روزہ کا مقصود تقویٰ کا حصول ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ’’لعلکم تتقون‘‘ ’’تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ‘‘ سے واضح ہے۔ تقویٰ بنیادی طور پر انسان کے اندر جواب دہی کا احساس پیدا کرتا ہے کیونکہ محشر کے دن بندے کو اپنے مالک کی بارگاہ میں اپنے تمام اعمال کے ساتھ پیش ہونا ہے اور وہاں کسی سے کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ سفارش بھی اُنہی کی ہو سکے گی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے انبیا اور دیگر مومنین کو ارشاد فرمائے گا۔ یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ تقویٰ پر استقامت کے ساتھ کاربند رہنا صبر کے ساتھ ہی ممکن ہے اور صبر حقیقی طور پر روزے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ انسان کو روزے کی حالت میں بہت ساری چیزوں کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اگر کوئی درج بالا آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے روزہ سے حقیقی فوائد وثمرات حاصل کر لیتا ہے تو یقیناً وہ اقبال کے تصور مردِ مومن پر پورا اترتا ہے۔

؎ اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اُس کی ادا دل فریب، اُس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

سوال 10

# زکوٰۃ کے اخلاقی، روحانی اور سماجی اثرات

1- اسلام گردشِ دولت کی تلقین کرتا ہے۔ نظامِ زکوٰۃ کی روشنی میں جواب کی وضاحت کریں۔ (2008ء)

2- اسلام میں زکوٰۃ کا مقصد مال کی پاکیزگی، غربت، افلاس اور جہالت کا خاتمہ ہے لیکن آج یہ مقصد حاصل نہیں ہو رہا۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے کون سی حکمت عملی ضروری ہے؟ (2009ء)

3- قرآن مجید کے بیان کردہ مصارفِ زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟ زکوٰۃ کے سماجی اثرات بیان کرتے ہوئے واضح کریں کہ اس کی تقسیم سے اسلامی معاشرے میں غربت کو کیسے کم کیا جا سکتا ہے۔ (2017ء)

4- اسلام کے نظامِ زکوٰۃ اور اس کے رُوحانی، اخلاقی اور معاشرتی اثرات پر ایک تفصیلی شذرہ سپردِ قلم کریں۔ (2018ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- زکوٰۃ کا مفہوم
3- زکوٰۃ کا نصاب
4- زکوٰۃ کی فرضیت
5- زکوٰۃ کے مصارف
6- زکوٰۃ کے مقاصد
7- کیا زکوٰۃ ٹیکس ہے؟
8- زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق
9- زکوٰۃ کے روحانی، اخلاقی اور معاشرتی اثرات
10- نظام زکوٰۃ کو بہتر بنانے کے لے تجاویز
11- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

نماز کے بعد زکوٰۃ دوسری اہم ترین عبادت ہے۔ قرآنِ کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی طرح زکوٰۃ کا حکم بھی پہلے انبیا کی شریعت میں موجود رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا تو اِس حکم کو پورا کرنے کے حوالے سے انھیں کسی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔ قرآن کریم سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی اِس بات کو نقل کرتا ہے کہ وہ نماز کی طرح گھر والوں کو زکوٰۃ کی بھی تلقین کرتے تھے۔ جس طرح کہ سورۃ مریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تلقین کرتا تھا، اور اپنے پروردگار کے نزدیک وہ ایک پسندیدہ انسان تھا۔'' (مریم:55)

ترجمہ: بنی اسرائیل کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے نماز اور زکوٰۃ دونوں کی پابندی کا عہد لیا تھا اور وعدہ فرمایا تھا۔

''میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز پر قائم رہو گے اور زکوٰۃ ادا کرو گے۔'' (المائدہ:12)

زکوٰۃ کے لفظ سے ہی اِس کا معنی متعین ہو جاتا ہے کہ اِس سے مراد وہ مال ہے جو پاکیزگی اور طہارت حاصل کرنے کے لیے دیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اِس کی ادائیگی ہر صاحب نصاب کے لیے فرض ہے۔ ذیل میں زکوٰۃ کی فرضیت، مصارف، مقاصد اور اثرات کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

## 2- زکوٰۃ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

زکوٰۃ کا لغوی معنی ''پاک ہونا'' اور ''کسی چیز کا بڑھنا'' ہے۔ جب کہ اصطلاح میں ''نصاب کے مطابق جس مال پر ایک سال گزر گیا ہو اس مال میں سے چالیسواں حصہ کسی مستحق کو اللہ کی رضا کے لیے دینا، یعنی اُسے مالک بنانا۔''

## 3- زکوٰۃ کا نصاب

مختلف چیزوں پر زکوٰۃ کا نصاب مختلف ہے جو کہ درج ذیل ہے:

- **چاندی کی صورت میں:** دو سو درہم/ ساڑھے باون تولے چاندی۔
- **سونے کی صورت میں:** چالیس دینار یا ساڑھے سات تولے سونا۔
- **مویشیوں میں:** 1۔ اونٹ: 5 سے 24 تک، ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری۔ اور 25 سے 35 تک ایک یک سالہ اونٹنی اور اگر وہ میسر نہ ہو تو دو سالہ اونٹنی

**گائیں:** ہر 30 پر ایک یک سالہ اور ہر 40 پر ایک دو سالہ بچھڑا۔

**بکریاں:** 40 سے 120 تک، ایک بکری۔

## 4- زکوٰۃ کی فرضیت

مکی سورتوں میں بھی زکوٰۃ کا حکم موجود ہے۔ مکہ میں مسلمان اپنی ضرورت سے زائد مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے۔ جب کہ نصابِ زکوٰۃ کے حوالے سے تفصیلی احکام اکثر علما کے نزدیک ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوئے جب کہ زکوٰۃ کی وصولی کا نظام آٹھ ہجری کے بعد قائم ہوا۔

## 5- زکوٰۃ کے مصارف

زکوٰۃ کے مصارف سورۃ توبہ آیت نمبر 60 میں بیان کیے گئے ہیں جو درج ذیل ہیں:

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ (التوبہ:60)

ترجمہ: ''بے شک صدقات (زکوٰۃ) محض غریبوں اور محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر کیے گئے کارکنوں اور ایسے لوگوں کے لیے ہیں جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو اور (مزید یہ کہ) انسانی گردنوں کو (غلامی کی زندگی سے) آزاد کرانے میں اور مقروضوں کے بوجھ اُتارنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر (زکوٰۃ کا خرچ کیا جانا حق ہے)۔ یہ (سب) اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔''

### تشریح:

1۔ فُقَرَاء اور مَسَاکِین: یہ دونوں لفظ اس اعتبار سے تو بالکل مشترک ہیں کہ دونوں کا اطلاق محتاجوں اور ناداروں پر ہوتا ہے چنانچہ قرآن میں یہ دونوں ایک دوسرے کے محل میں استعمال بھی ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان فی الجملہ فرق بھی ہے۔ فقیر غنی کا مقابل ہے۔ اس وجہ سے ہر وہ شخص جو غنی نہیں بلکہ محتاج ہے وہ فقیر ہے۔ عام اس سے کہ وہ سوال کرتا ہے یا اپنی خودداری کی شرم رکھتے ہوئے سوال سے احتراز کرتا ہے۔ چنانچہ بقرہ 273 میں ان خوددار محتاجوں کے لیے فقراء ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

2۔ 'مسکین' کا لفظ اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو اپنے فقر و مسکنت یا فقدانِ عزم و حوصلہ کے سبب سے زندگی کی جدوجہد میں حصہ لینے سے عاجز ہو، صرف دوسرے کی امداد ہی اس کا سہارا ہو۔ گویا فقر کے ساتھ اس کے اوپر مسکنت اور بے بسی کا بھی غلبہ ہو۔ اس اعتبار سے یہ لفظ 'فقیر' کے مقابل میں سخت ہے۔

3۔ 'وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا (زکوٰۃ وصول کرنے والے)' سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدقات کی وصولی اور ان کے حساب کتاب پر حکومت کی طرف سے مامور ہوں۔ ان کی تنخواہیں اور ان کے دفاتر کے مصارف بھی اس مد سے ادا ہوں گے۔

4۔ 'وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ': مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی اسلامی حکومت کے مصالح کے تحت دل داری پیش نظر ہو۔ بسا اوقات حکومت کو بعض ایسے ذی اثر لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے جو حکومت کی پوری رعیت نہیں ہوتے بلکہ ایسی پوزیشن پر ہوتے ہیں کہ اگر ان کو بزور قابو میں رکھنے کی کوشش کی جائے تو ڈر ہوتا ہے کہ وہ دشمن سے مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ خاص طور پر سرحدی علاقوں میں اس کے لوگوں کو اپنی حمایت میں رکھنا اسلامی حکومت کے مصالح کا تقاضا ہوتا ہے اور اس کی شکل یہی ہوتی ہے کہ ان کی کچھ مالی سرپرستی کی جاتی رہے تاکہ ان کی ہمدردیاں اسلام کے دشمنوں کے بجائے اسلامی حکومت کے ساتھ رہیں۔ یہ ایک سیاسی مصرف ہے جس پر حکومت اپنی دوسری مدوں سے بھی خرچ کر سکتی ہے اور اگر ضرورت محسوس کرے تو اس پر صدقات کی مد سے بھی خرچ کر سکتی ہے۔ یہ مؤلفۃ القلوب غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں اور نام کے مسلمان بھی۔ اس تالیفِ قلب سے ایک فائدہ یہ بھی متوقع ہوتا ہے کہ یہ غیر مسلم یا نام کے مسلمان مسلمانوں سے وابستہ رہنے کے سبب سے اسلام سے قریب تر ہو جائیں۔

5۔ 'وَفِي الرِّقَابِ (غلام)' میں مضاف محذوف ہے یعنی 'فِي فَكِّ الرِّقَابِ': غلاموں کو طوقِ غلامی سے نجات دلانا بھی ان مقاصد میں سے ہے جن پر صدقات کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ یہاں حرفِ فِی کے استعمال سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ان کی بہبود و ترقی کے ایسے کام بھی صدقات سے کیے جا سکتے ہیں جو ان کی رفاہیت اور حصولِ آزادی میں معین ہوں۔

6۔ 'وَالْغَارِمِیْنَ' (مقروض)۔ غَرِمَ فِی التِّجَارَۃ' کے معنی ہوتے ہیں فلاں نے اپنی تجارت میں گھاٹا اٹھایا۔ 'غَرَامَۃ' اور 'غُرْمٌ' تاوان جرمانہ کو کہتے ہیں۔ 'غارم' اس شخص کو کہیں گے جو اپنے کاروبار میں نقصان یا کسی اور سبب سے ایسے بار اور قرضے کے نیچے آ گیا ہو کہ اس کے لیے تنہا اپنے ذرائع سے اپنے آپ کو سنبھالنا ناممکن ہو رہا ہو۔ ایسے اشخاص کے قرضے اتارنے اور ان کو سہارا دینے پر بھی صدقات کی رقم صرف ہو سکتی ہے تا کہ وہ از سر نو سنبھل کر معاشرے کو اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچا سکیں۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اسلامی حکومت میں اکتساب کے تمام ناجائز ذرائع اور اسراف کے تمام حرام راستوں پر قدغن ہوتی ہے۔ اس وجہ سے یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ 'غارم' کسی خلاف شریعت طریقے کے اختیار کرنے کے سبب سے 'غارم' ہوا ہے یا اس کو یہ افتاد ناجائز راستے میں پیش آئی ہے۔ کلام کا موقع و محل خود شاہد ہے کہ یہاں غارم سے مراد کوئی مجرم نہیں بلکہ وہ شخص ہے جس نے اپنی جائز معاشی جدوجہد کی راہ میں ٹھوکر کھائی ہو یا کسی سبب سے تاوان میں پڑ گیا ہو۔

7۔ 'وَفِی سَبِیْلِ اللّٰہِ' (اللہ کے راستے میں)۔ یہ ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت جہاد سے لے کر دعوتِ دین اور تعلیم دین کے سارے کام آتے ہیں۔ وقت اور حالات کے لحاظ سے کسی کام کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے گی کسی کو کم لیکن جس کام سے بھی اللہ کے دین کی کوئی خدمت ہو وہ 'فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ' کے حکم میں داخل ہے۔

8۔ 'وَابْنِ السَّبِیْلِ' (مسافر)۔ اس کا مستقل ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ مسافر، مجرد مسافر ہونے کی بنا پر اس بات کا حق دار ہوتا ہے کہ صدقات سے اس کو فائدہ پہنچایا جائے۔ مسافرت اس کو ایسی حالت میں ڈال دیتی ہے کہ قانون اور اصطلاحی اعتبار سے فقیر نہ ہونے کے باوجود بھی وہ ایک اجنبی جگہ میں اپنی بعض ضروریات کے لیے ایسا محتاج ہوتا ہے کہ اگر اس کی دست گیری نہ کی جائے تو وہ اپنے ذاتی ذرائع سے غریب الوطنی میں ان کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا۔ اس طرح کے لوگوں کے لیے سرائیں، مسافر خانے، قیام و طعام اور رہنمائی کے مراکز قائم کرنا بھی ان کاموں میں شمار ہے جن پر صدقات سے خرچ کیا جاتا ہے، یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ بھی 'فی'' کے تحت بیان ہوا ہے جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ مسافروں کی سہولت اور آسائش کے تمام ضروری کام اس میں شامل ہیں۔

## 6- زکوٰۃ کے مقاصد

مقاصدِ زکوٰۃ کے حوالے سے چند اہم نکات درج ذیل ہیں:

### (ا) زکوٰۃ کے ذریعے دولت کی منصفانہ تقسیم

اسلام کے اقتصادی نظام کی بنیاد سود کے خاتمے اور نظامِ زکوٰۃ و عشر کے نفاذ پر ہے۔ زکوٰۃ ہی کے ذریعے دولت اُوپر سے لے کر نیچے تک منصفانہ طریقے سے گردش کرتی ہے جب کہ سودی نظام میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر عبدالحمید ڈار رقم طراز ہیں:

In Zakat, Islam has a built-in redistributive mechanism.

''زکوٰۃ میں دولت کی تقسیمِ نو کا خودکار نظام پایا جاتا ہے۔''

اسلام ارتکازِ دولت کو پسند نہیں کرتا اور گردشِ دولت میں اضافہ اور ارتکازِ دولت کے خاتمہ کے لیے بہت سے اقدامات تجویز کرتا ہے تا کہ معاشرے میں دولت اور آمدنی کی تقسیم منصفانہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ ملٹن فریڈ مین نے بھی تجویز دی کہ غربت کی لکیر (Poverty line) سے نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں کو منفی ٹیکس (Negative tax) دیا جائے۔ زکوٰۃ، دولت کو اسی طریقہ سے غربا کو منتقل کرنے کا ذریعہ ہے۔'' (اسلامی معاشیات، ص381)

## (۲) زکوٰۃ کے ذریعے افراطِ زر کا خاتمہ

زکوٰۃ کے ذریعے افراطِ زر (Inflation) کا خاتمہ ہوتا ہے جو گردشِ دولت میں اضافے جب کہ غربت میں کمی کا سبب بنتا ہے۔

## (۳) معیشت کے استحکام میں زکوٰۃ کا کردار

قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے۔ ان میں سے چھ مصارف ایسے ہیں جن کا تعلق براہ راست غربا اور کم آمدنی والے لوگوں سے ہے۔ اِس طرح زکوٰۃ کی رقم امرا سے نکل کر غربا کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے۔ نتیجتاً غربا اس رقم کو اپنی ضروریات پر خرچ کرتے ہیں جس سے اشیا کی طلب (Demand) بھی بڑھے گی مگر طلب اور رسد (Demand and Supply) میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہوگا جیسا کہ سودی نظام میں ہوتا ہے۔ اس سے معیشت مستحکم رہے گی۔

## (۴) زکوٰۃ سرمایہ کاری میں اضافے کا سبب

ترقی پذیر ممالک کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رُکاوٹ سرمائے کی کمی ہے اور جن کے پاس سرمایہ ہے وہ بھی اکثر ذخیرہ اندوزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسلام کے نظامِ معیشت میں ذخیرہ اندوزی نہایت قبیح حرکت اور موجبِ عذاب ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ (التوبہ:35-34)

ترجمہ: ''اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اُنھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ جس دن اُس (سونے، چاندی اور مال) پر دوزخ کی آگ میں تاپ دی جائے گی پھر اُس (تپے ہوئے مال) سے اُن کی پیشانیاں اور اُن کے پہلو اور اُن کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اُن سے کہا جائے گا) کہ یہ وہی مال ہے جو تم نے اپنی جانوں (کے مفاد) کے لیے جمع کیا تھا سو تم (اس مال کا) مزہ چکھو جسے تم جمع کرتے رہے تھے۔''

زکوٰۃ کا فائدہ یہ ہے کہ اِس سے سرمائے کو ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اگر کوئی شخص اپنے سرمائے کو گردش میں نہیں لائے گا تو زکوٰۃ ہر سال اُسے دینی ہے۔ اِس طرح اُسے خدشہ ہوگا کہ اس کی دولت کم ہو رہی ہے تو وہ اپنی دولت کو گردش میں لائے گا اور کسی جائز اور منافع بخش کاروبار میں سرمایہ کاری (Invest) کرے گا۔ جب ذخیرہ اندوزی کی نفی اور سرمائے کی گردش ہوگی تو لامحالہ غربت اور جہالت بھی ختم ہوگی۔

## (۵) زکوٰۃ معاشی ترقی میں اضافے کا سبب

سودی نظامِ معیشت اور اسلامی نظامِ معیشت میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ سودی نظامِ معیشت میں محنت کم اور سرمائے کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے جب کہ اسلامی نظامِ معیشت (جس کی بنیاد زکوٰۃ پر ہے) میں محنت زیادہ اور سرمائے کی ضرورت کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے ہر ایک کو بقدر محنت حصہ حاصل ہو رہا ہوتا ہے جس سے معاشی ترقی میں خاطر خواہ اضافہ ہو جاتا ہے جب کہ سودی معیشت میں دولت چند ہاتھوں میں چلے جانے کی وجہ سے معاشی ترقی اُس انداز میں نہیں ہو سکتی جو انسانیت کے لیے فائدہ مند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کی بنیاد پر قائم نظامِ معیشت میں ایک غریب کے حقوق کی حفاظت ہو سکتی ہے۔

## 7- کیازکوٰۃ ٹیکس ہے؟

اس حوالے سے سید ابوالاعلیٰ مودودی رقم طراز ہیں:

''زکوٰۃ کے متعلق یہ غلط فہمی آپ کے ذہن میں نہیں رہنی چاہیے کہ یہ کوئی ٹیکس ہے۔ دراصل یہ ٹیکس نہیں ہے بلکہ عبادت ہے اور نماز کی طرح اسلام کا ایک اہم رُکن ہے۔ زکوٰۃ اور ٹیکس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ٹیکس وہ ہوتا ہے جو زبردستی کسی انسان پر عائد کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ بخوشی اس کو قبول کرے۔ اس کے عائد کرنے والوں کا کوئی شخص معتقد نہیں ہوتا۔ اُن کے برحق ہونے پر ایمان نہیں لاتا۔ اُن کے ڈالے ہوئے اس بار کو زبردستی کی چٹی سمجھتا ہے۔ اس پر ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے ہزار حیلے کرتا ہے۔ اس کو ادا نہ کرنے کی تدبیریں نکالتا ہے اور اس سے اس کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر ان دونوں میں اُصولی فرق یہ ہے کہ ٹیکس دراصل اُن خدمات کے مصارف پورے کرنے کے لیے عائد کیا جاتا ہے جن کا فائدہ خود ٹیکس ادا کرنے والے کی طرف پلٹتا ہے۔ اس کے پیچھے بنیادی تصور یہ کارفرما ہے کہ آپ جن سہولتوں کی ضرورت محسوس کرتے اور چاہتے ہیں کہ حکومت کے ذریعہ سے وہ سہولتیں آپ کو بہم پہنچائی جائیں، ان کے لیے آپ اپنی دولت کے لحاظ سے مناسب چندہ دیں۔ یہ ٹیکس درحقیقت ایک طرح کا چندہ ہی ہے جو قانونی جبر کے تحت اُن اجتماعی خدمات کے لیے آپ سے لیا جاتا ہے جن کے فوائد سے متمتع ہونے والوں میں آپ خود بھی شامل ہیں۔ زکوٰۃ اس کے برعکس ایک عبادت ہے بالکل اُسی طرح جیسے نماز ایک عبادت ہے۔ کوئی پارلیمنٹ یا قانون ساز اسمبلی اس کی عائد کرنے والی نہیں ہے، بلکہ اسے خدا نے عائد کیا ہے جسے ایک مسلمان اپنا معبودِ برحق مانتا ہے۔ کوئی شخص اگر اپنے ایمان کو محفوظ رکھنا چاہتا ہو تو وہ زکوٰۃ سے بچنے یا اس میں خورد برد کی کبھی کوشش نہیں کرسکتا۔''

## 8- زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق

| زکوٰۃ | ٹیکس |
|---|---|
| (i) زکوٰۃ عبادت ہے۔ | (i) ٹیکس عبادت نہیں۔ |
| (ii) اسلام کا اہم رُکن ہے۔ | (ii) اسلام کا اہم رُکن نہیں۔ |
| (iii) صرف صاحبِ نصاب سے وصول کی جاتی ہے۔ | (iii) صاحبِ نصاب کی پابندی نہیں۔ |
| (iv) اللہ تعالیٰ عائد کرتا ہے۔ | (iv) ریاست عائد کرتی ہے۔ |
| (v) غریبوں سے جبراً وصول نہیں کی جاتی۔ | (v) جبراً وصول کیا جاتا ہے۔ |
| (vi) بندے اور خدا کے درمیان معاملہ۔ | (vi) بندے اور ریاست کا معاملہ۔ |
| (vii) زکوٰۃ دینے والا صرف مسلمان۔ | (vii) مسلمان یا غیر مسلم کوئی بھی ہو۔ |
| (viii) روزِ آخرت جواب دہی ہوتی ہے۔ | (viii) دُنیا میں ہی جواب دہی ہوتی ہے۔ |
| (ix) زکوٰۃ نہ دینے والے کا ایمان کمزور۔ | (ix) ایمان کا تعلق نہیں بلکہ ضمیر کا۔ |
| (x) اڑھائی فیصد مقرر شدہ۔ | (x) ریاست مقرر کرتی ہے۔ |
| (xi) انسان بخوشی قبول کرتا ہے۔ | (xi) اپنے خلاف ظلم تصور کرتا ہے۔ |

| | |
|---|---|
| (xii) مقروض پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ | (xii) ٹیکس لگے گا چاہے مقروض ہو یا نہ ہو۔ |
| (xiii) عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔ | (xiii) عاقل و بالغ ہونا ضروری نہیں۔ |

## 9- زکوٰۃ کے روحانی، اخلاقی اور معاشرتی اثرات

### (ا) زکوٰۃ کے عمومی اثرات

زکوٰۃ ادا کرنے کے عمومی اثرات درج ذیل ہیں:

**i. محبت الٰہی کا حصول**

انسان جب کلمۂ شہادت پڑھتا ہے تو وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ سے اور اُس کے رسول ﷺ سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے:

''ایمان والے اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں۔'' (البقرہ 8:165)

مومن اپنی جان اور مال سے زیادہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ مسلمانوں پر جہاد فرض کر کے ان کی اللہ سے اپنی جان سے زیادہ محبت کو آزمایا گیا اور زکوٰۃ فرض کر کے ان کے مال سے زیادہ اللہ سے محبت کو آزمایا گیا۔

**ii. بخل کی صفت کا زائل ہونا**

زکوٰۃ ادا کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ انسان سے بخل کی صفت زائل ہو جاتی ہے اور بخل سے نجات کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔

ترجمہ: ''اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے سو وہی لوگ کامیاب ہیں۔'' (الحشر: 9)

**iii. نعمت خداوندی کا شکرانہ**

زکوٰۃ کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے بدن اور مال کی نعمت عطا فرمائی۔ عباداتِ بدنیہ سرانجام دے کر بدن کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہے اور یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ وہ ایک فقیر کو دیکھے جس پر رزق کی تنگی ہو اور پھر اُس کے دل میں رحم نہ آئے اور وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے کہ اللہ نے اس کو سوال کرنے سے اور دوسرے کی طرف محتاج ہونے سے مستغنی کر دیا ہے اور وہ اس ضرورت مند فقیر کو زکوٰۃ، عشر اور صدقہ خیرات دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کرے۔

### (۲) زکوٰۃ کے معاشرتی اثرات

۱۔ **انسانی فلاح:** زکوٰۃ انسانوں کی فلاح و بہبود کی ضامن ہے۔ زکوٰۃ انسانیت کو غربت و افلاس کی بیماری سے محفوظ رکھتی ہے اور انسانوں میں باہمی محبت و خلوص کے جذبات کو فروغ دیتی ہے۔ یوں انسانی فلاح و بہبود کے لیے راہ ہموار ہوتی چلی جاتی ہے۔

۲۔ **باہمی محبت و اخوت کا فروغ:** دولت کی غیر منصفانہ تقسیم انسانوں کے درمیان اختلافات کو جنم دیتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں چونکہ اُمرا مستحقین کا حق مطالبے کے بغیر ہی اپنا فرض سمجھتے ہوئے ادا کر دیتے ہیں اس لیے باہمی اختلافات کے بجائے باہمی محبت و اخوت کے جذبات فروغ پاتے ہیں اور معاشرے کے افراد ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔

۳۔ **معاشرتی ترقی:** کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کے افاد کے درمیان باہمی یکجہتی کی فضا موجود ہو۔ یہ مقصد زکوٰۃ کے

ذریعہ بخوبی حاصل ہوجاتا ہے۔ یوں زکوٰۃ معاشرتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ بات کسی بھی معاشرے کے لیے باعثِ فخر ہے۔

۴۔ **استحکام سلطنت:** کسی بھی سلطنت کے استحکام کے لیے مالی وسائل ناگزیر ہیں۔ یہ ضرورت مختلف ٹیکسوں سے پوری کی جاتی ہے۔ اسلامی سلطنت کے خزانہ میں سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ زکوٰۃ ہے جو استحکام سلطنت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۵۔ **اسلامی تہذیب وتمدن کی بقا:** زکوٰۃ اسلامی رُکن کی حیثیت سے اسلامی تہذیب وتمدن کا لازمی جزو اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ایک اہم علامت ہے۔ زکوٰۃ کے نظام سے اسلامی معاشرے کی ایک اہم علامت برقرار رہتی ہے۔ اس طرح زکوٰۃ اسلامی تہذیب وتمدن کی بقا میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

## (۳) زکوٰۃ کے معاشی اثرات

۱۔ **گردش دولت:** جس طرح جسم کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ اس میں خون کی گردش مناسب طریقے سے جاری رہے اور وہ ایک جگہ منجمد نہ ہونے پائے۔ اسی طرح معاشرے کی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ دولت مناسب طریقے سے گردش میں رہے اور چند ہاتھوں تک محدود نہ ہوجائے۔ اسلام کے نظام معیشت میں زکوٰۃ دولت کو گردش میں رکھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

**كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ** ط (الحشر:7)

ترجمہ: ''تاکہ دولت تمھارے دولت مندوں کے مابین ہی (گردش میں) نہ رہے۔''

۲۔ **معاشی ترقی:** کسی بھی معاشرے کی معیشت کا دارومدار سرمایہ کی مناسب تقسیم پر ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر معاشرے میں امیر اور غریب موجود ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ کا نظام امرا اور غربا کے درمیان حائل خلیج کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعے سرمایہ چند ہاتھوں سے نکل کر معاشرے کے عام افراد کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور یہ چیز معاشی ترقی کی بنیاد بنتی ہے۔

۳۔ **غربت کا خاتمہ:** زکوٰۃ اُمرا کے ذمہ غربا کا حق ہے۔ جب یہ حق مستحقین تک پہنچا دیا جاتا ہے تو وہ بھی معاشی دوڑ کا حصہ بن جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوجاتے ہیں اور یوں غربت ختم ہونے لگتی ہے۔

۴۔ **بے روزگاری اور گداگری کا خاتمہ:** جب معاشرے میں دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو تو بے روزگاری اور گداگری جیسے امراض جنم لیتے ہیں۔ زکوٰۃ کی بدولت معاشرہ بے روزگاری اور گداگری جیسی لعنتوں سے پاک ہوجاتا ہے کیونکہ مذکورہ افراد کو اُن کا حق مطالبے اور دست سوال دراز کرنے سے پہلے ہی ادا کر دیا جاتا ہے۔

۵۔ **سودی معیشت کا خاتمہ:** زکوٰۃ سودی نظام معیشت کو رخصت کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ نظامِ زکوٰۃ کے باعث معاشرہ اور حکومت دونوں قرض در قرض اور سود در سود کی لعنت سے محفوظ ہوجاتے ہیں جو معاشرے اور حکومت کو گھن کی طرح چاٹتے رہتے ہیں اور بالآخر معاشی تباہی کا باعث بنتے ہیں۔

۶۔ **معقول معیاری زندگی:** زکوٰۃ کا نظام کسی بھی کمزور اور ناتواں کو معقول اور خوشحال زندگی فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دراصل نظام زکوٰۃ کا مقصد ہی خوشحال زندگی کی فراہمی ہے۔

## (۴) زکوٰۃ کے اخلاقی اور روحانی اثرات

۱۔ **اِطاعت کے جذبہ کا فروغ:** اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے کہ کہیں وہ دُنیا کی نعمتوں میں کھو کر اپنے رب کو بھول تو نہیں

گئے۔ زکوٰۃ بھی فی الحقیقت آزمائش کی کسوٹی ہے کہ آیا بندہ حکم الٰہی کے تحت اپنے اموال واسباب راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مومنین اطاعت الٰہی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور یوں اللہ کی اطاعت کا جذبہ فروغ پاتا ہے۔

۲۔ **جذبہ محبت کا فروغ:** زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان فی الحقیقت اللہ اور انسان دونوں سے اپنی محبت کا عملی اظہار کرتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انسان کا جذبہ محبت فروغ پاتا ہے اور انسان دوسروں کے لیے اپنی ہمدردی اور محبت کا عملی مظاہرہ کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

۳۔ **مال کی محبت کا خاتمہ:** مال سے محبت کئی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔ جب بندہ حکم الٰہی کے تحت اپنے اموال میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے تو اس کے دل میں جہاں اللہ کی محبت فروغ پاتی ہے وہاں مال کی محبت کم ہوتی چلی جاتی ہے اور بالآخر اس کی مال سے محبت ختم ہو جاتی ہے اور یوں مادہ پرستی بھی دم توڑ دیتی ہے۔

۴۔ **اطمینان قلب کا حصول:** مادیت پرستی قلبی اطمینان کی تباہی کا باعث ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے جہاں مادیت پرستی کا خاتمہ ہوتا ہے وہاں فریضہ کی ادائیگی بھی ہو جاتی ہے اور یوں انسان قلبی اطمینان محسوس کرتا ہے۔

۵۔ **اصلاح اخلاق:** زکوٰۃ انسان میں اعلیٰ اخلاق کو فروغ دیتی ہے اور بخل لالچ خود غرضی جیسے پست اخلاق کو ختم کرتی ہے۔ یوں زکوٰۃ انسان کو انسان بنانے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

### (۵) زکوٰۃ کے اخروی اثرات

زکوٰۃ کی ادائیگی اخروی کامیابی کی ضامن ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہے، ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔'' (المائدہ:277)

دوسرے مقام پر فرمایا:

ترجمہ: ''اور میری رحمت ہر شے پر پھیلی ہوئی ہے پس میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔'' (الاعراف:156)

## 10- نظامِ زکوٰۃ کی بہتری کے لیے تجاویز

### (۱) فیڈرل بورڈ آف زکوٰۃ

پاکستان میں بینکوں کے ذریعے کٹنے والی زکوٰۃ پر علما کے کئی طرح کے تحفظات ہیں۔ ان کو دُور کیا جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے کا درست نظام وضع کیا جائے۔ ''فیڈرل بورڈ آف ریونیو'' کی طرز پر ''فیڈرل بورڈ آف زکوٰۃ'' اسلامی اُصولوں کی روشنی میں تشکیل دیا جائے۔

### (۲) ایماندار عاملین زکوٰۃ (Zakat Collectors)

زکوٰۃ کے عاملین (Collectors) ایمان دار، دیانت دار اور خوف خدا رکھنے والے افراد ہوں۔ ان کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تربیت دی جائے۔

### (۳) سخت احتساب

زکوٰۃ اکٹھی کرنے (Collection) کے نظام میں بے لاگ احتساب کا نظام نافذ ہو۔

### (۴) زکوٰۃ خرچ کرنے کے لیے درست جگہ کا انتخاب

جہاں زکوٰۃ کو اکٹھا کرنے کے لیے درست نظام ہو وہاں اس بات کی بھی اشد ضرورت ہے کہ جہاں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے وہ جگہ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں درست بھی ہو۔ چونکہ پاکستان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بے مقصد کانفرنسز اور سیمینارز زکوٰۃ کی رقم سے کروائے جاتے ہیں۔

### (۵) جہاں سے زکوٰۃ اکٹھی کی جائے وہیں پر خرچ کی جائے

زکوٰۃ کو خرچ کرنے کے حوالے سے ایک اہم اُصول یہ بھی ہے کہ جہاں سے زکوٰۃ اکٹھی کی جائے اُسی جگہ کو خرچ کرنے کے حوالے سے ترجیح دی جائے۔

### (٦) فعال انفراسٹرکچر کا قیام

زکوٰۃ کی رقم جہاں بلاواسطہ غربا میں تقسیم کی جائے وہاں ساتھ ساتھ اس طرح کا انفراسٹرکچر بھی فعال (Develop) کیا جائے جس سے مستقل آمدنی حاصل ہوتی رہے اور غربا کا فائدہ ہوتا رہے۔

## 11- خلاصۂ بحث

ضرورت اِس امر کی ہے کہ زکوٰۃ کو امیروں سے اکٹھا کیا جائے اور غریبوں میں تقسیم کیا جائے۔ آج دُنیا جس معاشی ابتری کا شکار ہے اس کی بڑی وجہ سودی معیشت، بیرونی قرضے، سرمایہ دارانہ نظام تجارت، بالواسطہ محصول کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ روپیہ اکٹھے کرنے کی خواہش ہے۔ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام سے جہاں اِن تمام برائیوں سے جان چھوٹ جائے گی وہاں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتوں کا نزول بھی ہوگا۔

# حج کے اخلاقی، روحانی اور سماجی اثرات

سوال 1: اسلام میں حج اور اس کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات پر تفصیلی شذرہ قلم بند کیجیے۔ **(2019ء)**

## اہم نکات

1- تعارف
2- حج کا لغوی معنی اور فرضیت
3- حج کی شرائط
4- حج کے فرائض
5- حج کے واجبات
6- حج کے سنن اور آداب
7- حج کے ممنوعات
8- حج کے فضائل
9- قریشِ مکہ کی پیدا کردہ بدعات
10- حج کی شانِ جامعیت
11- حج کے فوائد واثرات
12- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ

ترجمہ: ''اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بلاشبہ تعریف، احسان اور بادشاہی تیرے لیے ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔''

یہ آواز صدیوں سے لگائی جارہی ہے اور قیامت تک لگائی جاتی رہے گی۔ اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے گھر کی تعمیر کی تو انھیں یہ صدائے دل نواز لگانے کا حکم ہوا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (الآیۃ) (الحج: 27)

ترجمہ: ''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی جو سفر کی وجہ سے دبلی ہو گئی ہوں۔ وہ دور دراز کے گہرے پہاڑی راستوں سے چلتی ہوئی پہنچیں گی۔''

## 2- حج کا لغوی معنی اور فرضیت

حج کا لغوی معنی ارادہ کرنے کا ہے۔ حج ہر اس بالغ مسلمان پہ ایک مرتبہ فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (الآیۃ) (آل عمران: 97)

ترجمہ: ''اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس کے گھر تک پہنچ سکتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جس نے کفر کی روش اختیار کی تو وہ جان لے کہ اللہ سب اہلِ جہاں سے بے نیاز ہے۔''

## 3- حج کی شرائط

### حج کی شرائط یہ ہیں

حج کرنے والا مسلمان ہو، آزاد ہو، مکلف ہو، صحیح البدن ہو، بصیر ہو، اس کے پاس حج کے لیے جانے، سفرِ حج کے قیام، حج سے واپس آنے اور اس دوران حج کے لوازمات کے لیے ضروری خرچ موجود ہو نیز اس کے پاس سواری ہو یا سواری کا خرچ ہو اور راستہ محفوظ ہو اور اگر عورت حج کرنے والی ہے تو اس کے ساتھ اس کا خاوند ہو یا عاقل و بالغ محرم (ایسا شخص جس سے عورت کا نکاح حرام ہوتا ہے) ہو۔

## 4- حج کے فرائض

**حج میں تین امور فرض ہیں:** (1) احرام (2) 9 ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے 10 ذوالحجہ کی فجر تک کسی بھی وقت میدانِ عرفات میں وقوف کرنا (3) 10 ذوالحجہ سے اخیر تک کسی بھی وقت کعبہ کا طواف کرنا۔ مؤخر الذکر دونوں اہم رُکن ہیں۔ ان میں ترتیب بھی فرض ہے۔ اسی طرح پہلے حج کی نیت سے احرام باندھنا، پھر وقوفِ عرفات کرنا، اور اس کے بعد طوافِ زیارت کرنا، جب کہ حج کی سعی کو طوافِ زیارت سے پہلے کرنا بھی جائز ہے۔

## 5- حج کے واجبات

● مزدلفہ میں وقوف کرنا ● صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) ● جمرات کو رمی کرنا ● طواف وداع کرنا (مکہ میں رہنے والا اور حائضہ عورت طوافِ وداع سے مستثنیٰ ہیں) ● سر منڈانا یا بال کٹوانا ● میقات سے احرام باندھنا ● غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف کرنا ● طواف کی ابتدا حجر اسود سے کرنا ● اپنی دائیں جانب سے طواف کرنا ● عذر نہ ہو تو خود چل کر طواف کرنا ● باوضو طواف کرنا (ایک قول یہ ہے کہ وضو سنت ہے) ● پاک کپڑوں کے ساتھ طواف کرنا ● شرم گاہ کو ڈھانپ کر رکھنا ● صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ابتدا صفا سے کرنا ● اگر عذر نہ ہو تو خود چل کر سعی کرنا ● حج القرآن اور تمتع کرنے والے کے لیے ایک بکری ذبح کرنا ● سات چکر پورے ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ● قربانی کے دن رمی جمرات ● سر منڈانے اور قربانی کرنے کے افعال ترتیب وار کرنا ● قربانی کے تین دنوں میں کسی ایک دن میں طواف زیارت کرنا ● حطیم کے باہر سے طواف کرنا ● طواف کے بعد سعی کرنا ● قربانی کے ایام میں اور حرم کے اندر حلق کرنا۔

## 6- حج کے سنن اور آداب

● خرچ میں وسعت اختیار کرنا ● ہمیشہ باوضو رہنا ● فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا (گالی وغیرہ سے حفاظت واجب ہے) ● اگر ماں باپ کو اس کی ضرورت ہو تو ان سے اجازت لے کر حج کے لیے جانا ● قرض خواہ اور کفیل سے بھی اجازت طلب کرنا ● اپنی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر نکلنا ● لوگوں سے کہا سنا معاف کرانا ● ان سے دعا کی درخواست کرنا ● نکلتے وقت کچھ صدقہ و خیرات کرنا ● اپنے گناہوں پر سچی توبہ کرنا ● جن لوگوں کے حقوق چھین لیے تھے وہ واپس کرنا ● اپنے دشمنوں سے معافی مانگ کر ان کو راضی کرنا ● جو عبادات فوت ہو گئیں (مثلاً جو نمازیں اور روزے رہ گئے ہیں) ان کی قضا کرنا اور ان کوتاہی پر نادم ہو کر آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرنا ● اپنی نیت کو ریاکاری اور فخر سے مبرا کرنا ● حلال اور پاکیزہ سفر خرچ حاصل کرنا کیوں کہ حرام مال سے کیا ہوا حج مقبول نہیں ہوتا اگرچہ فرض ساقط ہو جاتا ہے ● اگر اس کا مال مشتبہ ہو تو ذکر کرنا ● سفر حج میں تجارت سے اجتناب کرنا ہر چند کہ اس سے ثواب کم نہیں ہوتا۔

## 7- حج کے ممنوعات

● جماع نہ کرنا ● احرام کی حالت میں سر نہ منڈانا ● ناخن نہ کاٹنا، خوشبو نہ لگانا ● سر اور چہرہ نہ ڈھانپنا ● سِلا ہوا کپڑا نہ پہننا ● حرم اور غیر حرم میں شکار نہ کرنا ● حرم کے درخت نہ کاٹنا۔ (علامہ غلام رسول سعیدی: تبیان القرآن، ج2، ص274، 275)

## 8- حج کے فضائل

فضائلِ حج کے حوالے سے ارشادات رسول ﷺ درج ذیل ہیں:

- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے حج کیا اور (اس میں) جماع یا اس کے متعلق باتیں نہیں کیں اور کوئی گناہ نہیں کیا، وہ گناہوں سے اس طرح (پاک) لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)
- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک عمرہ سے لے کر دوسرے عمرہ تک کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہے، اور حج مبرور (مقبول) کی جزا صرف جنت ہے۔ (موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم)

- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈالا تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ ﷺ سے بیعت کروں۔'' آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عمرو کیا ہوا؟'' میں نے عرض کیا ''میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''جو چاہو شرط لگاؤ۔'' میں نے عرض کیا ''میری مغفرت کر دی جائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم و صحیح ابن خزیمہ)
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا ''یارسول اللہ ﷺ! ہماری رائے میں جہاد افضل ہے، کیا ہم جہاد نہ کریں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''لیکن افضل ''حج مبرور'' ہے۔''
- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر کمزور آدمی کا جہاد حج ہے۔ (سنن ابن ماجہ)
- حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''حج مبرور (مقبول) کی جزا صرف جنت ہے۔'' پوچھا گیا ''مبرور کیا ہے؟'' فرمایا ''کھانا کھلانا اور اچھی باتیں کرنا۔'' اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔
- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج اور عمرہ کرو کیوں کہ یہ فقر اور گناہوں کو اس طرح مٹاتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کے زنگ کو مٹاتی ہے اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

## -9 قریشِ مکہ کی پیدا کردہ بدعات

زمانۂ جاہلیت میں قریشِ مکہ بھی حج کرتے تھے لیکن انھوں نے اس اہم دینی فریضہ کو خرافات کا مجموعہ بنا دیا تھا۔ حج کی ادائیگی میں ان کی پیدا کردہ چند خرافات درج ذیل ہیں:

۱۔ قریشِ مکہ نے خانۂ کعبہ کو بت پرستی کا اڈا بنا دیا تھا۔ جس خانۂ خدا سے توحید کے نور نے کائناتِ انسانی کو روشن کرنا تھا وہ گھر خود شرک کی آلودگی سے پاک نہ تھا۔

۲۔ قریشِ مکہ خانۂ کعبہ کو اپنی ذاتی ملکیت تصور کرتے تھے۔ وہ جس کو چاہتے اس گھر کا طواف کرنے دیتے اور جس کو چاہتے واپس کر دیتے۔

۳۔ رجب کا مہینا عمرہ کے لیے، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم حج کے لیے ہمیشہ محترم رہے ہیں۔ عرب ان مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے لیکن قریش جب چاہتے ان کی ترتیب الٹ دیتے اور حرمت والے مہینوں کو اپنی مرضی سے اوپر نیچے کرتے رہتے۔

۴۔ قریش قربانی کے جانوروں سے کوئی فائدہ اُٹھانا ممنوع خیال کرتے تھے۔ دینِ اسلام نے ان کے اس تصور کی نفی کی اور ارشاد فرمایا کہ قربانی سے پہلے تک ان کے دودھ سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

۵۔ قریش نے اونٹ کو قربانی کے لیے حرام قرار دیا ہوا تھا۔ دین اسلام نے اس تصور کی نفی کر دی اور اسے قربانی کے لیے جائز قرار دیا۔

۶۔ قربانی کے بارے میں ان کا تصور تھا کہ اللہ تعالیٰ گوشت اور خون سے لطف اُٹھاتا ہے جب کہ اسلام نے واضح کر دیا کہ خدا کی بارگاہ میں گوشت اور خون نہیں بلکہ اِن کے پیچھے موجود تقویٰ اللہ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔

۷۔ قرآن مجید نے قریش کے ساتھ ساتھ یہود کے پیدا کردہ شبہات کی بھی نفی کر دی۔ یہود صفا اور مروہ کے چکروں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ جائز نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ صفا اور مروہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

۸۔ حج سے واپسی پر لوگ اپنے گھروں کے سامنے والے دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے۔ قرآن مجید نے وضاحت کی یہ غلط تصور ہے تم اپنے گھروں کے سامنے سے ہی داخل ہوا کرو۔

۹۔ قریش نے اپنے لیے یہ تصور قائم کر لیا تھا کہ وہ مزدلفہ سے آگے نہیں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ مزدلفہ میں ہی نہیں رکنا، آگے عرفات میں بھی جاؤ۔

۱۰۔ قریش منیٰ کے ایام میں قصیدہ خوانی، داستان گوئی اور مفاخرت کی باتیں کرتے۔ دینِ اسلام نے اِن خرافات کی نفی کر دی۔

(تلخیص، میزان، ص، 375 تا 381)

## 10- حج کے روحانی، معاشرتی اور اخلاقی اثرات

حج کے روحانی، معاشرتی اور اخلاقی اثرات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

### حج کے روحانی اثرات

حج ان ظاہری مراسم کا نام نہیں بلکہ یہ حج کی صرف جسمانی اور ظاہری شکل ہے۔ حج کے یہ ارکان ہمارے اندرونی احساسات، کیفیات اور تاثرات کے مظاہر اور تمثیلیں ہیں۔ اسی لیے سرور کائنات ﷺ نے اصلی اور صحیح حج کا نام ''حج مبرور'' (پاکیزہ اور مقبول حج) رکھا ہے۔ تمام برکات ان رحمتوں کا خزانہ ہے۔ حج کی روحانیت درحقیقت توبہ اور گزشتہ کھوئی ہوئی عمر کی تلافی کے عہد اور آئندہ کے لیے اطاعت اور فرماں برداری کے اعتراف اور اقرار کا نام ہے۔



اس کا اشارہ دعائے ابراہیمی میں مذکور ہے۔

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے اپنا ایک فرماں بردار گروہ بنا اور ہم کو اپنے حج کے احکام اور طریقے سکھا اور ہماری طرف رجوع کر بے شک تو بہت رجوع کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔'' (البقرہ:128)



- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی ان کی دوسری دعاؤں کی طرح قبولیت سے آراستہ ہوئی۔ اس سے واضح ہوا کہ حج درحقیقت خدا کے سامنے اس سرزمین میں حاضر ہو کر جہاں اکثر انبیا اور رسولوں نے حاضر ہو کر اپنی اطاعت کا اعتراف کیا۔ اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد و قرار ہے۔ ان مقامات پر کھڑے ہو کر اور چل کر خدا کی بارگاہ میں اپنی سیہ کاریوں سے توبہ کرنا اور اپنے روٹھے ہوئے مولیٰ کو منانا ہے۔
- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل اور کھوٹ کو صاف کر دیتی ہے اور جو مومن عرفہ کا دن احرام کی حالت میں گزارتا ہے جب اس دن کا سورج ڈوبتا ہے تو اس کے گناہوں کو لے ڈوبتا ہے۔'' ()

۱۔ **محبت و اطاعت الٰہی کا فروغ:** جو شخص خلوص نیت سے حج کا سفر اختیار کرتا ہے اس کے دل میں اللہ سے پیار کی ایسی شمع روشن ہو جاتی ہے جو اس کے قلب کو غلاظتوں سے پاک کر کے ہدایت سے منور کر دیتی ہے پھر وہ محبت و اطاعت الٰہی کے جذبے کے تحت عملی طور پر قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار نظر آتا ہے۔

۲۔ **اللہ کی عبادت کا حقیقی فہم:** عبادت الٰہی میں تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ انسان عبادت کے مفہوم اور مقصد سے آگاہ ہو۔ حج میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی مختلف کیفیات بیک وقت یک جا ہو جاتی ہیں جو اللہ کی عبادت کا حقیقی فہم پیدا کرنے اور اسے فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس طرح انسان کو اپنے رب کی عبادت کا ڈھنگ آ جاتا ہے۔

۳۔ **جذبہ ایثار کا فروغ:** جذبہ ایثار خود غرضی، لالچ اور ذہنی پستی کو ختم کرتا ہے۔ حج جذبہ ایثار کے فروغ کے لیے بہترین تربیتی کورس ہے۔ حج کے ایام میں بندہ ہر لحظہ ایثار و قربانی کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔

## حج کے اخلاقی اثرات

### (۱) ذمہ داریوں کا احساس

حج کے ذریعہ انسان اپنی تمام ذمہ داریوں کا احساس کرسکتا ہے۔ حج اس وقت فرض ہوتا ہے جب اہل وعیال کے نفقہ سے کچھ رقم بچتی ہے۔ اس لیے آدمی حج کے لیے اس وقت نکلتا ہے، جب اہل وعیال کی ضرورتوں کا سامان کرلیتا ہے۔ اس لیے اس کو اہل وعیال کے مصارف کی ذمہ داریاں خود بخود محسوس ہوجاتی ہیں۔ معاملات میں قرض انسان کے سر کا بوجھ ہے اور حج وہی شخص کرسکتا ہے جو اس سے سبکدوش ہوجائے۔ اس لیے معاملات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے۔

### (۲) حسد کا خاتمہ

عام طرز معاشرت اور دنیوی کاموں میں آدمی اپنے سینکڑوں دشمن پیدا کرلیتا ہے لیکن جب خدا کی بارگاہ میں جانے کا ارادہ کرتا ہے تو سب سے پہلے بری الذمہ ہوکر جانا چاہتا ہے اس لیے رخصت ہوتے وقت ہر قسم کے بغض وحسد سے اپنے دل کو صاف کرلیتا ہے۔ لوگوں سے اپنے قصور معاف کراتا ہے۔ روٹھوں کو مناتا ہے۔ قرض خواہوں کے قرض ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے حج معاشرتی' اخلاقی اور روحانی اصلاح کا بھی ایک ذریعہ ہے۔

### (۳) اخوت

حج سے مسلمانوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارہ کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ پوری دنیا سے مسلمان ایک جگہ پر اکٹھے ہوتے ہیں اس اجتماع کی وجہ سے اُن کے درمیان محبت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

### (۴) کسب حلال

بہت سی اخلاقی خوبیوں کا سرچشمہ کسبِ حلال ہے۔ چونکہ ہر شخص حج کے مصارف میں مال حلال صرف کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے خود حلال وحرام کی تفریق کرنی پڑتی ہے اور اس کا جو اثر انسان کی روحانی حالت پر پڑسکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

### (۵) ضبط نفس کی تربیت

احرام باندھتے ہی بندے پر کئی حلال اشیا مقررہ مدت تک حرام ہوجاتی ہیں۔ انسان اُن اشیاء کی طرف میلان رکھتے ہوئے بھی حکم الٰہی کے تحت ان سے پرہیز کرتا ہے اور یوں ضبط نفس کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح حج ضبط نفس کے لئے بھی بہترین تربیت ہے۔

### (۶) سادگی کی تربیت

حج انسان میں سادگی کی صفت پیدا کرتا ہے اور فضول خرچی اور فخر وغرور سے بچاتا ہے۔ حج کے دوران میں احرام باندھنا' خوشبو سے پرہیز کرنا' شکار سے باز رہنا جیسے امور انسان میں سادگی کو فروغ دیتے ہیں۔

### (۷) مساوات کا فروغ

حج کے موقع پر دُنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے بندگانِ الٰہی ایک ہی لباس میں، ایک ہی امام کی اقتدا میں اور ایک ہی مقصد کے تحت مساوات کا بے مثال اور لازوال عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسی مثال دُنیا کے کسی بھی کونے میں دیکھنا ناممکن ہے۔ یہ دین اسلام ہی ہے جس کے ماننے والے رنگ، نسل، علاقے، زبان اور امارت وغربت کے مصنوعی امتیازات سے بالاتر ہوتے ہیں اور حج کے موقع پر اس کا بہترین عملی اظہار کرتے ہیں۔ بقول اقبالؒ:

ے بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

## حج کے معاشرتی اثرات

### (۱) اتحادِ عالم اسلامی

حج اتحادِ عالم اسلامی کے لیے بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔ اسلامی ممالک کو اس سالانہ اجتماع سے استفادہ کرتے ہوئے اتحادِ اسلامی کو فروغ دینا چاہیے۔ افراد کی طرح حکومتیں بھی اتحاد کا عملی مظاہرہ کریں۔ حج فی الحقیقت اتحادِ عالم اسلامی کے فروغ کا بہترین موقع ہے۔

ے مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم؟

### (۲) ملت اسلامیہ کے مسائل کا حل

حج مسلمانانِ عالم کے مسائل کے حل کے لیے بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس موقع کو عالمی اسلامی مسائل کے حل کے لیے استعمال کریں اور یہودیوں، نصرانیوں اور لادینوں کے چنگل سے نکل کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے راہ ہموار کریں۔ بقول اقبالؒ:

ے اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

### (۳) اسلام کی تبلیغ

جب انسان رضائے الٰہی کی خاطر حج کا سفر اختیار کرتا ہے تو اس پر حکمِ الٰہی غالب آجاتا ہے، مادی خواہشات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بندے کے قول و فعل میں فرق نہیں رہتا اور ایسی حالت میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا دیرپا نتائج کا حامل ہو سکتا ہے۔ حج انسان میں داعیانہ خصوصیات کو فروغ دیتا ہے۔

### (۴) باہمی تعارف اور ہم آہنگی

ملت اسلامیہ کا ہر فرد، خواہ وہ دُنیا کے کسی بھی کونے میں آباد ہو، ملت اسلامیہ کا لازمی حصہ ہے۔ حج کے موقع پر اس روحانی قربت کا عملی اظہار ہوتا ہے۔ مسلمان ایک دوسرے متعارف ہوتے ہیں جس سے باہمی یکجہتی کو فروغ ملتا ہے۔ حج کے موقع پر مسلمانانِ عالم کا اظہارِ یکجہتی یقیناً باعثِ فخر ہے۔

### (۵) باہمی تجارت کا فروغ

حج مسلمانوں میں باہمی تجارت کو فروغ دینے کا بہترین ذریعہ ہے۔ حج کے موقع پر تجارت کی اجازت سے جہاں حج کی حقیقت واضح ہو گئی ہے اور گداگری کا خاتمہ ہو گیا ہے وہاں تجارت کو فروغ بھی حاصل ہوا ہے۔ اب مکہ مکرمہ بین الاقوامی تجارت کا مرکز بن چکا ہے۔

### (۶) تاریخ اور جغرافیائی معلومات میں اضافہ

بندہ جب مناسک حج ادا کرتا ہے تو فی الحقیقت وہ تاریخ کو جغرافیائی خدوخال کے آئینے میں دہرا رہا ہوتا ہے۔ حج سے عملاً گزرنے کے بعد انسان کی تاریخی اور جغرافیائی معلومات انتہائی پختہ ہو جاتی ہیں۔

" الغرض، حج اسلام کا صرف مذہبی رُکن ہی نہیں بلکہ وہ اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی و ملی زندگی کے ہر رُخ اور ہر پہلو پر حاوی اور مسلمانوں کی بین الاقوامی حیثیت کا سب سے بلند مینار ہے۔

## 11- خلاصۂ بحث

خانہ کعبہ اس دُنیا میں عرشِ الٰہی کا سایہ اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کا مرکزی نقطہ ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں اس کی رحمت وغفاری کی صفتیں اپنا عکس ڈال کر تمام کرۂ ارض کو اپنی شعاعوں سے منور کرتی ہیں۔ یہ وہ منبع ہے جہاں سے حق پرستی کا چشمہ ابلا اور اس نے تمام دُنیا کو سیراب کیا۔ یہ روحانی علم ومعرفت کی وہ روشنی ہے جس کی کرنوں نے زمین کے ذرہ ذرہ کو درخشاں کیا۔ یہ وہ شیرازہ ہے جس میں ملت کے وہ تمام افراد بندھے ہوئے ہیں جو مختلف ملکوں میں بستے ہیں، مختلف زبانیں بولتے ہیں، مختلف لباس پہنتے ہیں مختلف تمدنوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ایک ہی قبلہ کو اپنا مرکز سمجھتے ہیں۔ یہ وہ قبلہ ہے جس میں دُنیا کی تمام قوموں اور ملکوں کے بسنے والے جو وطنیت اور قومیت کی لعنتوں میں گرفتار ہیں، ایک لمحہ اور ایک آن میں داخل ہوتے ہیں جس سے انسانوں کی بنائی ہوئی تمام زنجیریں اور بیڑیاں کٹ جاتی ہیں۔ ایامِ حج میں تمام قومیں ایک ملک میں، ایک لباس احرام میں، ایک وضع میں، ایک قوم بلکہ ایک خاندان کی برادری بن کر کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ وحدت کا وہ رنگ ہے جو ان تمام مادی امتیازات کو مٹا دیتا ہے اس لیے یہ حرمِ ربانی نہ صرف اس معنی میں امن کا گھر ہے کہ یہاں ہر قسم کی خون ریزی اور ظلم وستم ناروا ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی امن کا گھر ہے کہ تمام دُنیا کی قوموں کی برادری قائم کر کے ان تمام ظاہری امتیازات کو جو دُنیا کی بدامنی کا سبب ہیں، مٹا دیتا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان حج کی شانِ جامعیت سے اپنے اندر اجتماعیت کو پیدا کریں۔

# تزکیۂ نفس کی اہمیت

1- قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیۂ نفس کی وضاحت کریں اور معاشرے پر اس کے اثرات کا جائزہ لیں۔ (2017ء)

2- تزکیہ واحسان سے کیا مراد ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت کرتے ہوئے اس کے انفرادی واجتماعی اثرات بیان کریں۔ (2018ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم
3- علم تزکیہ کی وسعت
4- انبیا کی بعثت کا مقصد اور تزکیۂ نفس
5- تزکیہ کے حوالے سے ایک اہم سوال کی وضاحت
6- تلاوت آیات اور تعلیم کتاب کے ذریعے تزکیہ کا عمل
7- تزکیہ کے حوالے سے نبوی ذمہ داری
8- تزکیہ کے موضوع، نفسِ انسانی کی وضاحت
9- اصلاح نفس کا طریقہ کار
10- تزکیۂ نفس کے ساتھ تزکیۂ عمل
11- تزکیۂ تعلقات ومعاملات
12- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

عربی زبان میں تزکیہ کا مفہوم کسی چیز کو صاف ستھرا بنانا، اس کونشوونما دینا اوراس کو پروان چڑھانا ہے۔اس بات کو مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ تزکیہ کا عمل زمین کے ایک ٹکڑے پر بھی کیا جاسکتا ہےاورایک انسان کے نفس پر بھی کیا جاسکتا ہے۔اگر چہ ان دونوں چیزوں پر اس عمل کی صورت ظاہر میں مختلف ہوگی، اس لیے کہ میدان عمل الگ الگ ہیں،لیکن حقیقت اور مقصد کے لحاظ سے دونوں عملوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا۔زمین کا تزکیہ یہ ہوگا کہ اس کو پہلے جھاڑ جھنکار سے صاف کیا جائے، اس کی ناہمواریوں کو ہموار کیا جائے پھراس پر ہل چلا کراس کو نرم بنایا جائے۔پھر کھاد اور پانی دے کر اس کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق کسی صالح بیج کو نشوونما دے سکے اوراس سے پھل اور پھول حاصل ہوسکیں۔نفس کا تزکیہ یہ ہوگا کہ اس کے اندر جو غلط افکارونظریات جڑ پکڑ گئے ہیں، ان کی جڑیں اکھاڑی جائیں۔جاہلی عادات واخلاق نے اس کے اندر جو ناہمواریاں پیدا کررکھی ہیں، ان کو درست اور ہموار کیا جائے۔رسم ورواج کی پرستش نے اس کو بے حسی اور جمود کے جو روگ لگا رکھے ہیں، ان کو دور کیا جائے۔فانی اور نفسانی لذتوں کی چاٹ نے اس پر جو پست ہمتی اور بزدلی طاری کررکھی ہے، اس کا علاج کیا جائے تاکہ اس کی آنکھیں کھل سکیں، اس کا دماغ سوچ سکے، اس کی ہمت ابھر سکے، اس کی عادتیں سنور سکیں اور وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق اپنی ذہنی، اخلاقی اور روحانی ترقی کے اس بلند مرتبہ تک پہنچ سکے جس مرتبہ تک پہنچنے کی اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر قابلیت رکھی ہے۔

## 2- تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم

تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم ''نفس کو غلط رجحانات ومیلانات سے موڑ کر نیکی اور خداترسی کے راستہ پر ڈال دینا اوراس کو درجۂ کمال پر پہنچنے کے لائق بنانا ہے۔'' تزکیہ کا یہ اصطلاحی مفہوم خود قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ○ (الشمس:10-9)

ترجمہ: ''بیشک وہ شخص فلاح پاگیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کرلیا (اوراس میں نیکی کی نشوونما کی) اور بے شک وہ شخص نامراد ہوگیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔''

اس آیت سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس کو اس طرح بنایا ہے کہ اس کے اندر نیکی اور بدی دونوں کے رجحانات ودیعت کردیے ہیں اوراس کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان امتیاز کرسکے۔پھر انسان کے لیے فلاح وکامرانی کا راستہ یہ ٹھہرایا ہے کہ وہ نیکی اور بدی کی اس کشمکش میں نیکی کا ساتھ دے اوراس کو بدی پر غالب کرنے کی کوشش کرے۔صحیح شعور کے ساتھ نیکی کو غالب کرنے اور بدی کو مغلوب کرنے کا یہ جہاد قرآن مجید کی اصلاح میں تزکیہ ہے۔

## 3- علم تزکیہ کی وسعت

تزکیہ کے اس مقصد ومفہوم کو سامنے رکھ کر غور کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جو علوم ہمارے نفس سے براہ راست بحث کرنے والے ہیں ان میں علم طب ہی ایک ایسا علم ہے جو تزکیہ کے علم سے کسی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔علم طب ہمارے جسم کی بیماریوں اوران کے علاج سے بحث کرتا ہے اور علم تزکیہ ہماری روح کے امراض اوران کے علاج سے بحث کرتا ہے۔لیکن اس مشابہت کے باوجود دونوں میں بہت بڑا فرق بھی ہے۔علم طب کا دائرۂ بحث نہایت محدود ہے۔وہ صرف ہمارے نفس کے ایک پہلو یعنی جسم اوراس کے امراض سے بحث کرتا ہے۔اس کے برعکس علم تزکیہ ہمارے نفس کے تمام

ظاہری و باطنی گوشوں سے بحث کرتا ہے۔ ہمارا نفس جن جن قوتوں اور قابلیتوں سے بھی مرکب ہے، یہ ان سب پر تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے اور ان سب کی تربیت کرتا ہے۔ ہمارے اندر جتنے احساسات و جذبات پائے جاتے ہیں، یہ سب کو زیر بحث لاتا ہے اور ان سب کی اصلاح کرتا ہے۔

## 4- انبیا کی بعثت کا مقصد اور تزکیہ نفس

اگر یہ سوال کیا جائے کہ انبیا علیہم السلام کی بعثت سے اللہ تعالیٰ کا حقیقی مقصود کیا ہے، وہ کیا غرض ہے جس کے لیے اس نے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کیا اور شریعت اور کتابیں نازل فرمائیں؟ تو اس کا صحیح جواب صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ نفوس انسانی کا تزکیہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے لیے جو دعا فرمائی، اس میں آپ ﷺ کی بعثت کی اصلی غایت یہی بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کا تزکیہ کریں:

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! تو ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما، جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔'' (البقرہ:129)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے مطابق جب رحمت عالم ﷺ کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت اور اس کے مقاصد کا حوالہ ان الفاظ میں دیا:

ترجمہ: ''چنانچہ ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا تم ہی میں سے، جو تمھیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔'' (البقرہ: 151)

اسی طرح سورہ جمعہ میں نبی رحمت ﷺ کی بعثت اور اس کے اغراض و مقاصد کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل پر ان الفاظ میں احسان جتایا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعة: 2)

ترجمہ: ''اسی نے اٹھایا ہے امیوں میں ایک رسول انہی میں سے، جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بے شک یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔''

## 5- تزکیہ کے حوالے سے ایک اہم سوال کی وضاحت

ممکن ہے کہ یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ مذکورہ بالا آیات میں نبی ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں جہاں تزکیہ کا ذکر آیا ہے وہیں تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کا بھی ذکر آیا ہے تو ہم نے فخر دو عالم ﷺ کی بعثت کا اصلی مقصد صرف تزکیہ ہی کو کیسے قرار دے دیا؟ آخر دوسری چیزیں بھی تو اسی اہمیت کے ساتھ مذکور ہوئی ہیں، وہ کیوں اصلی مقصد قرار پانے کی مستحق نہیں ہیں؟

اس کے جواب کے حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی رقم طراز ہیں:

''خود قرآن مجید کے اسلوب بیان نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ مذکورہ آیات میں نبی ﷺ کے اصلی مقصد بعثت کی حیثیت سے جس چیز کا ذکر ہوا ہے وہ تزکیہ ہے۔ باقی اس کے ساتھ دوسری چیزیں۔ تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت۔ جو مذکور ہوئی ہیں تو وہ اصلی مقصد کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اصلی مقصد کے وسائل و ذرائع کی حیثیت سے مذکور ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں سے ایک آیت (129) میں

تزکیہ کا لفظ سب سے آخر میں آیا ہے اور دوسری آیت (151) میں سب کے شروع میں آیا ہے۔ ایک غور کرنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایک ہی بات کے بیان کرنے میں اسلوب کا یہ ردوبدل کم ازکم قرآن مجید میں بلاوجہ نہیں ہوسکتا۔ اب غور کیجیے کہ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کہ اس تقدیم وتاخیر سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ نبی کی تمام جدوجہد اور اس کی تمام سرگرمیوں کا محور و مقصود دراصل تزکیہ ہی ہے کیونکہ اصل مقصد ہی کی یہ اہمیت ہوتی ہے کہ وہ شروع میں بھی ایک کام کرنے والے کے پیش نظر ہوتا ہے اور آخر میں بھی۔ وہی اس کی تمام سرگرمیوں کا نقطۂ آغاز بھی ہوتا ہے اور وہی نقطۂ اختتام بھی۔ وہیں سے وہ اپنا سفر شروع بھی کرتا ہے اور وہیں اس کو ختم بھی کرتا ہے۔'' (تزکیہ نفس)

## 6- تلاوت آیات اور تعلیم کتاب کے ذریعے تزکیہ کا عمل

انبیا کی بعثت کا اصلی مقصد تو لوگوں کے نفوس کا تزکیہ ہی ہوتا ہے اور اسی نقطہ نظر سے وہ اپنی تمام دعوتی اور اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہیں، لیکن اس مقصد کی خاطر اُنھیں بہت سے ایسے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جو اس مقصد کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس کے لیے وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس کے لیے وہ کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ حکمت کا درس دیتے ہیں۔ مگر مقصود ان سارے کاموں سے صرف تزکیہ ہوتا ہے جو شروع میں بھی ان کے پیش نظر ہوتا ہے اور آخر میں بھی وہی ان کی تمام جدوجہد کی غایت بنتا ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے مذکورہ بالا آیات میں سے ایک آیت میں اس کو نبی ﷺ کی تمام سرگرمیوں کے نقطۂ آغاز کی حیثیت سے نمایاں کیا ہے اور دوسری آیت میں اس کی غایت اور منتہیٰ کی حیثیت سے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں اس بات کی بھی صاف تصریح موجود ہے کہ تزکیہ ہی وہ اصل کام ہے جس کے لیے لوگوں کو نبی سے رجوع کرنا چاہیے اور نبی کا فرض ہے کہ جو لوگ اس غرض کے لیے اس سے رجوع کریں، ان کو وہ ہرگز مایوس نہ کرے۔ چنانچہ ایک موقع پر جب ایک طالب تزکیہ آیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مندرجہ ذیل الفاظ نازل ہوئے:

ترجمہ: ''تیوڑی چڑھائی اور منہ پھیرا کہ آپ کے پاس نابینا آیا۔ اور آپ کو کیا معلوم شاید وہ اپنی اصلاح کرتا؟'' (عبس:1-3)

ان آیات سے بالکل صاف واضح ہورہا ہے کہ نبی خلق خدا کی جس ضرورت کو پورا کرنے کے لے بھیجا جاتا ہے وہ ان کے نفوس کا تزکیہ ہے، اس وجہ سے لوگوں کو یہ حق ہے کہ اس غرض کے لیے نبی سے رجوع کریں اور نبی کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ لوگوں کی یہ ضرورت پوری کرے۔ جس طرح نبی رحمت ﷺ کی بعثت کا اصلی مقصد لوگوں کا تزکیہ قرار دیا گیا ہے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا بھی اصلی مقصد اسی چیز کو قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''تم فرعون کے پاس جاؤ، وہ سرکش ہوگیا ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تم میں کچھ اپنے کو سدھارنے کا جذبہ ہے؟'' (النازعات۔17-18)

پھر یہ حقیقت بھی قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ''تزکیہ'' ہر شخص کی فلاح ونجاتِ آخرت کے لیے ایک ضروری شرط ہے۔ تزکیہ کی یہ اہمیت بھی تقاضا کرتی ہے کہ یہی چیز انبیا کی بعثت کی غایت اور ان کی تمام سرگرمیوں کا محور و مقصد قرار پائے۔ چنانچہ قرآن مجید اس بات پر شاہد ہے کہ آخرت میں انسان کی نجات وفلاح تمام تر اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے نفس کو آلودہ کیا!'' (الشمس:9-10)

ترجمہ: ''کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کیا!'' (الاعلیٰ۔:14)

ظاہر ہے کہ جب آخرت میں انسان کی نجات وفلاح تزکیہ حاصل کرنے پر منحصر ہوئی تو انبیا علیہم السلام کا جو انسانیت کے نجات دہندہ کی حیثیت سے دُنیا میں بھیجے جاتے ہیں، اصلی کام یہی ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں کا تزکیہ کریں اور ان کو تزکیہ حاصل کرنے کے طریقے بتائیں۔ اوپر کے مباحث سے تین باتیں واضح ہوئیں:

(۱) ایک یہ کہ تزکیہ تمام دین وشریعت کی غایت اور تمام انبیا کی بعثت کا اصلی مقصود ہے۔ دین میں جو اہمیت اس کو حاصل ہے وہ اہمیت دوسری کسی چیز کو حاصل نہیں ہے۔ دوسری ساری چیزیں وسائل و ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ چیز غایت و مقصد کی حیثیت رکھتی ہے۔ انبیا علیہم السلام کی سرگرمیاں، خواہ ظاہر میں کتنے ہی مختلف پہلو رکھتی ہوں لیکن باطن میں ان کا ہدف انسان اور انسانی معاشرہ کے تزکیہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ تزکیہ کا سرچشمہ اور اس کا منبع و مصدر (Source) ''کتاب اللہ'' ہے۔ اسی کی تعلیم سے تزکیہ کا آغاز ہوتا ہے اور پھر اسی کے اسرار و حقائق ہیں جو نبی ﷺ کے ذریعہ سے واضح ہو کر اس تزکیہ کی تکمیل کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی نکتہ ہے کہ سورۃ بقرہ اور سورہ جمعہ کی جو آیتیں اوپر نقل کی گئی ہیں، ان میں تزکیہ کو تلاوت آیات کے ساتھ اس طرح وابستہ کیا ہے کہ یہ بات نظر آتی ہے کہ تزکیہ درحقیقت تلاوت آیات ہی کے ثمرات و نتائج میں سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور اے ہمارے رب! تو ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما، جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔'' (البقرۃ۔129)

(۳) تیسری حقیقت یہ واضح ہوئی کہ تزکیہ کا عمل انسانی معاشرہ کے کسی خاص گروہ تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تمام افراد اور تمام گروہوں بلکہ پورے معاشرہ سے یکساں طور پر ہے۔ کوئی شخص بھی اس کے بغیر آخرت میں نجات اور فلاح حاصل نہیں کر سکتا۔ اس کی حیثیت دین میں صرف ایک فضیلت کی نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے لیے ایک ناگزیر انفرادی ضرورت کی ہے۔ یہ نجات اور فلاح آخرت کے لیے ایک ضروری شرط ہے جس کو پورا کیے بغیر کوئی شخص جنت میں نہیں داخل ہو سکتا۔

## 7- تزکیہ کے حوالے سے نبوی ذمہ داری

اگر یہ تینوں باتیں اپنی جگہ پر ثابت ہیں (اور کوئی شخص بھی ان کے ثابت ہونے سے انکار نہیں کر سکتا) تو ان سے دو نتیجے لازمی طور پر نکلتے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ نبی ﷺ تزکیہ کے علم کو نامکمل چھوڑ کر دُنیا سے تشریف نہیں لے جا سکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تزکیہ کو آپ ﷺ کے مقاصد بعثت میں محض ایک ضمنی جگہ حاصل نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اوپر واضح ہوا، اصل مقصد بعثت یہی ہے۔ پھر جو چیز اصل مقصد ہو اس کو پیغمبر ناتمام اور ناقص چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہے؟ تزکیہ کی اس اہمیت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ جس طرح شریعت کے تمام اُصول ''کتاب و سنت'' کے اندر منضبط (Compiled) کر دیے گئے ہیں، اسی طرح تزکیہ کے تمام اُصول بھی کتاب و سنت کے اندر منضبط ہوں۔ جس طرح شریعت کے اندر کسی بے راہ روی کے لیے گنجائش نہیں چھوڑی گئی ہے، اسی طرح تزکیہ کے اندر بھی کسی بے راہ روی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ جس طرح شریعت کے اندر ایک خاص دائرہ میں اجتہاد کی آزادی کے باوجود کسی شخص کو اس بات کا موقع حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے ذوق یا ذاتی رجحانات یا اپنے شخصی تجربات کو اس کے اندر داخل کر دے، اسی طرح تزکیہ کے اندر بھی ایک خاص دائرہ میں اجتہاد کی آزادی کے باوجود ایسی حد بندیاں ہونی چاہئیں کہ اشخاص و افراد کے اپنے میلانات و رجحانات کی دراندازیوں کے لیے کوئی راستہ باقی نہ رہے۔ جس طرح شریعت کے اندر ہر مجتہد اس بات کا پابند ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کو کتاب و سنت ہی کے اشارات کی کسوٹی پر پرکھتا اور پرکھواتا ہے اور اس کے بغیر اس کا اجتہاد بھی لائق قبول نہیں ٹھہرتا، اسی طرح تزکیہ کے اندر بھی اگر کوئی شخص کوئی بات اپنے اجتہاد سے کہے تو اس کے لیے ناگزیر ہو کہ وہ کتاب و سنت کے اشارات اور نبی ﷺ اور صحابہؓ کے طرز عمل سے کوئی دلیل لائے۔ محض اپنے ذوق و وجدان کا حوالہ نہ دے ورنہ اس کے اجتہاد کا کوئی وزن نہیں۔

(۲) دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تزکیہ کا علم کوئی راز نہیں ہوسکتا جو صرف خاص خاص اشخاص ہی کو معلوم ہو اور انہی سے سینہ بسینہ وہ دوسروں کو منتقل ہو۔ تزکیہ ایک عام ضرورت کی چیز ہے، ہر شخص آخرت کی نجات وفلاح کے لیے اس کا محتاج ہے۔ انبیا علیہم السلام آتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ افراد کا بھی تزکیہ کریں اور معاشرہ کا بھی تزکیہ کریں۔ پھر جو چیز اس قدر عمومی ضرورت کی ہو اس کو صرف چند خاص خاص افراد کے سینہ کا راز بنا کے کس طرح چھوڑا جاسکتا ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ ہر شخص ہر علم کا اہل نہیں ہوا کرتا، اس وجہ سے اگر ایک شخص اس علم کا ذوق رکھنے والا نہ ہوگا تو وہ اس سے محروم رہے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اہل علم میں فرق مراتب بھی ہوتا ہے، اس وجہ سے اس کے سارے جاننے والے ایک درجہ کے نہیں ہوسکتے۔ لیکن یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ یہ کوئی پُراسرار علم ہے جس کے جاننے والے صحابہؓ کے زمانہ میں بھی چند ہی افراد تھے اور بعد میں خال خال افراد ہی ہوئے۔ جو چیز ہوا اور پانی کی طرح ہر شخص کے لیے ضروری ہے، یہ کس طرح ممکن ہے کہ نبی ﷺ اس کو بس ایک دو آدمیوں کے وجود کا حصہ بنا کر چلے جائیں، دوسروں کو اس کی خبر ہی نہ ہونے پائے اور یہ دو ایک آدمی بھی اس کو عام کرنے کے بجائے، اس کو راز بنا کر رکھ چھوڑیں اور صرف انہی اشخاص پر اس راز کو کھولیں جو ان کے محرم راز بن جائیں؟ علم کیمیا کی تعلیم میں تو یہ راز داری چل سکتی ہے لیکن تزکیہ اگر عام ضرورت کی چیز ہے (اور اس کی عام ضرورت کی چیز ہونے سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے) تو اس میں راز داری کا چلنا، نہ ممکن ہے اور نہ قرین مصلحت! (اخذ وتلخیص: تزکیہ نفس از امین احسن اصلاحی)

## 8- تزکیہ کے موضوع، نفس انسانی کی وضاحت

اوپر کی تفصیل سے اگرچہ تزکیہ کے عمل کی فطرت اور اس کی وسعتوں اور مشکلوں کا اندازہ ایک حد تک کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے سارے پہلوؤں کو نگاہ کے سامنے لانے کے لیے مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ تزکیہ کے اصل موضوع کو سامنے رکھ کر اس کے سارے اطراف کو احاطہ میں لینے کی کوشش کی جائے کیونکہ جتنے پہلو اس موضوع کے ہوں گے، لازماً اتنے ہی پہلو اس تزکیہ کے بھی ہوں گے۔ لباس ہمیشہ قامت کو سامنے رکھ کر تراشا جاتا ہے، اس وجہ سے اگر قامت کا اندازہ ہوجائے تو لباس کے طول وعرض کا اندازہ آپ سے آپ ہوجائے گا۔ تزکیہ کا موضوع ظاہر ہے کہ نفس انسانی ہے لیکن خود نفس کیا ہے؟ یہ ایک بڑا اہم سوال ہے۔ اس سوال کو اسلام کے فلسفہ میں بھی اہمیت دی گئی ہے اور جاہلیت کے فلسفہ میں بھی اس کو خاصی اہمیت دی گئی۔ ایتھنز کے معبد کے دروازہ پر سقراط کا یہ مقولہ کندہ تھا کہ: اے انسان! تو اپنے آپ کو پہچان! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی حکمت میں معرفت نفس کو حصول تزکیہ کی راہ میں بنیادی چیز خیال کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں بھی یہ مقولہ مشہور ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا تو گویا اس نے اپنے رب کو پہچانا)۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ خود نفس کا تجزیہ کرکے دیکھا جائے کہ یہ کن صفات اور کن تقاضوں سے مرکب ہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس کا تزکیہ کن کن باتوں کا مقتضی ہوگا۔ اب ذیل میں نفس کی چند اہم حالتوں کو بیان کیا جاتا ہے، جن کو قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ جن کی پہچان کے بغیر تزکیہ نفس کا عمل مکمل نہیں ہوسکتا۔ اگر تزکیہ نفس نہیں ہوگا تو پھر تزکیہ عمل اور تزکیہ معاملات بھی ممکن نہیں۔

### (۱) نفس امارہ

اسے نفس امارہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ہر وقت برائی کا حکم دیتا ہے، قرآن مجید میں اس کا تذکرہ سورۂ یوسف میں ہوا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''یعنی نفس برائی کا امر کرتا ہے۔'' (یوسف: 53)

اکثر لوگ ''نفس امارہ'' کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ عالمِ ناسوت (دُنیا) ہے، جس کے انوار کا رنگ نیلا ہے، یہ ہمارے آسمان دُنیا کی طرح نیلگوں

ہے۔ یہ لحہ بہ لحہ تغیر و تبدیلی کا عالم ہے، یہ برائی پر آمادہ کرنے والے نفس کا عالم ہے عموماً یہ جنسی رجحانات ہیں۔ ''نفس امارہ'' منہ زور گھوڑے کی مانند ہے جسے شریعتِ مطہرہ کی لگام اور چابک سے زیر رکھا جاتا ہے۔ جب کہ انسان کی حالت تو بزبانِ شاعر کچھ یوں ہے۔

؎ مت سہل ہمیں سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

## (۲) نفس لوامہ

نفس کی دوسری حالت نفس ''لَوَّامَۃ'' کی ہے۔ نفس ''لَوَّامَۃ'' کے معنی ہیں ملامت کرنے والا نفس۔ یہ گناہ پر ملامت کرتا ہے۔ ایسے نفس کو موت، روزِ حساب اور جزا و سزا ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ خالق کائنات نے اپنے آخری رسول ﷺ کی زبانی اور روز قیامت کے ساتھ ایسے نفس کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

ترجمہ: ''میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی اور میں قسم کھاتا ہوں (برائیوں پر) ملامت کرنے والے نفس کی۔'' (القیامۃ: 1-2)

انسانوں میں تھوڑے لوگ ''نفس لوامہ'' کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ انس و محبت والا نفس ہے۔ یہ محبوب پاک ﷺ کی یاد اور خیال میں مست طبیعت کا اعجاز ہے۔ یہ نفس طریقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے انوار کا رنگ زرد ہے۔ یہی عالم ملکوت (فرشتوں کا عالم) ہے۔ یہ خیر و شر کے معرکے میں ''مقام فکر'' سے بڑھ کر ''مقام ذکر'' کی ملکیت ہے۔ اقبالؒ نے درست فرمایا ہے:

؎ مقام فکر ہے پیمائش زمان و مکان
مقام ذکر ہے سُبحَانَ رَبِّیَ الاعلٰی

## (۳) نفس مُلہِمَہ

نفس کی تیسری حالت ''نفس ملہمہ'' کی ہے۔ الہام والا نفس، ایسے نفس کو گناہ و مصیبت سے پہلے تائید غیبی سے القاء و انکشاف ہو جاتا ہے ایسے ہی نفس کے لیے قرآن رہنمائی کرتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىO فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰىO (النازعات: 40-41)

ترجمہ: ''وہ لیکن جو شخص قیامت کے روز اللہ کے حضور حساب کے لیے کھڑا ہونے سے ڈرا، اُس نے اپنے نفس کو ہوا اور غلط خواہشات سے باز رکھا، پس ایسے شخص کا ٹھکانا جنت ہے۔''

یہ الہام والا نفس ہے۔ یہ نبی کا مقام ہے، جسے وحی آتی ہے۔ دین و فقر پر چلنے والے اِسے ''عالم جبروت'' کہتے ہیں۔ اس کے انوار کا رنگ سرخ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اس عالم کے مکین ہیں۔ قرآن نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی زبان اطہر ﷺ سے کہلوایا ہے:

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّO

ترجمہ: ''میں تمھارے جیسا بشر ہوں، جس پر وحی آتی ہے۔''

بشر وہ ہوتا ہے، جس پر وحی آتی ہے۔ اقبالؒ نے ٹھیک نشاندہی کی ہے:

؎ سبق ملا ہے یہ معراج مصطفی (ﷺ) سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

## (۴) نفس مطمئنّہ

نفس کی چوتھی حالت ''نفس مطمئنہ'' کی ہے۔گویا نفس اُس ازلی راہزن شیطان سے نجات پا کر، اپنی منزل دارالامن اور منزل مقصود جنت میں پہنچ جاتا ہے یہ مقام لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ، کا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے نفس مطمئنہ! اللہ کی طرف رجوع کر ایسی حالت میں کہ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اُس سے راضی ہے۔پس میرے خاص مقرب بندوں اور میری جنت میں داخل ہو جا!'' (الفجر: ۲۷۔۳۰)

یہ نفس کی چار حالتیں فی الواقع مومن کے حال اور حالت کے ہر لحظہ اور ہر لمحہ بدلتے باطنی وارداتِ قلبی کے عالم ہیں۔اسے آسان زبان میں بیان کریں تو پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بقول غالب:

بسکہ مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

''نفس مطمئنہ'' مقام بندگی کی انتہا ہے۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

متاع بے بہا ہے ، سوز و دردِ آرزومندی
مقام بندگی دے کر نہ لوں شان خداوندی

## 9- اصلاحِ نفس کا طریقہ کار

غور کیجیے کہ نفس...... جس کو ہم عربی میں ''اَنَا'' اور اردو میں ''میں'' سے تعبیر کرتے ہیں۔کیا کیا پہلو ہیں جن پر تزکیہ کا عمل واقع ہو سکتا ہے اور جن کے تزکیہ کے بغیر اس کا اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان چڑھنا ناممکن ہے۔ہم اپنے نفس پر جب غور کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے جو پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں وہ دو ہیں:

(i) ایک یہ کہ ہمارا نفس ادراک کرتا ہے۔ (ii) دوسرا یہ کہ ہمارا نفس عمل کرتا ہے۔

ادراک ہمارے نفس کا اصلی جوہر ہے۔یہ نہ ہو تو انسان اینٹ پتھر سے زیادہ وقعت دیے جانے کے لائق نہیں ہے۔پھر یہ ادراک، جیسا کہ ظاہر ہے، صرف جزئیات ہی کا ادراک نہیں ہے بلکہ کلیات اور حقائق کا ادراک بھی ہے اور ہمارے نفس کی یہی وہ صفت ہے جو درحقیقت اس کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے ورنہ وہ ایک جانور سے زیادہ اہمیت دیے جانے کا مستحق نہ قرار پاتا۔یہ کلیات کا ادراک اس کے لیے تفکر کی وسیع راہیں کھولتا ہے، اس سے اس کے تمام علوم وافکار اور تمام عقائد ونظریات وجود میں آتے ہیں، اسی کی مدد سے وہ ظاہر سے باطن اور مجاز سے حقیقت تک پہنچتا ہے۔اسی کی رہنمائی میں وہ مخلوق سے خالق اور مصنوع سے صانع تک رسائی حاصل کرتا ہے، اسی کی روشنی میں وہ مصنوع (جس کو بنایا گیا) کو دیکھ کر صانع (اللہ تعالیٰ جو بنانے والا) کی صفات اور اس کی پسند اور ناپسند کا اندازہ کرتا ہے اور پھر اسی کی مدد سے وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کے لیے زندگی کی صحیح روش کیا ہے اور اس پر بحیثیت ایک انسان کے کیا فرائض اور کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ ان ذمہ داریوں کو اسے کس احساسِ مسئولیت اور کس مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ ادا کرنی چاہییں؟

اندازہ کیجیے کہ ہمارے نفس کا یہ پہلو کس قدر اہم ہے۔بدیہی طور پر نظر آتا ہے کہ نفس کے دوسرے تمام پہلو اسی کے تابع ہیں، اگر اس کی اصلاح ہو تو پورے نفس کی اصلاح ہو سکتی ہے اور اگر اس کے اندر کوئی ادنیٰ خرابی بھی موجود رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کی کوئی کل بھی سیدھی نہیں ہو سکتی۔یہ

انسان کی فکر ہی ہے جو اس کو گمراہ یا راستے پر ڈال سکتی ہے۔ اگر فکر کا ایک قدم بھی غلط اٹھ جائے تو سارا فلسفہ ہی غلط ہو کے رہ جائے اور نتائج نکالنے میں کوئی معمولی غلطی بھی ہو جائے تو علم کی ساری عمارت ہی دھڑام سے زمین پر آ جائے اور پھر اس خرابی کے نتیجہ کے طور پر لازماً زندگی کے ہر گوشہ میں فساد پھیل جائے۔

## 10- تزکیۂ نفس کے ساتھ تزکیۂ عمل

اسی طرح دوسرے پہلو یعنی عمل کو لیجیے۔ یہ پہلو بھی علم ہی کی طرح وسیع ہے۔ انسان کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا ہے جس میں وہ کوئی نہ کوئی عمل نہ کرتا ہو، اور اس کا یہ عمل اس کے نفس پر کوئی اچھا یا برا اثر نہ چھوڑتا ہو۔ ان اعمال کے متعلق صرف جائز اور ناجائز کا ہی سوال پیدا نہیں ہوتا، بلکہ جائز و ناجائز سے زیادہ اہمیت رکھنے والا سوال ان کے محرکات سے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ انسان کے اعمال کی محرک (Motive) کوئی ایک ہی شے نہیں ہوتی، بلکہ مختلف محرکات ہیں جو اس کو عمل کے لیے اکساتے ہیں اور ان سے ہر محرک کا عمل کے مزاج پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ ایک ہی عمل ایک محرک کے تحت بدی کا عمل بن جاتا ہے۔ پھر ہمارے اندر جتنے بھی محرکات ہیں، ان کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے کن پر اعتماد کیا جائے، کون ہیں جن کی ترغیب و تحریک قبول کی جائے اور کون ہیں جن کی ترغیب و تحریک آنکھ بند کر کے قبول کرنے میں اندیشے اور خطرے ہیں؟ کبھی ہم کوئی عمل کسی ضرورت کی تحریک سے کرتے ہیں۔ مثلاً بھوک لگتی ہے تو کھانا کھاتے ہیں، پیاس لگتی ہے تو پانی پیتے ہیں، تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے تو آرام کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم بہت سے عمل خواہشوں کی تحریک سے کرتے ہیں۔ مثلاً شہرت و ناموری کے حصول کے لیے بہادری کے کام کرتے ہیں، ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لیے رفاہِ عام کے کارنامے انجام دیتے ہیں اور دولت مند بننے کے لیے صنعت و حرفت اور تجارت کے کاروبار پھیلاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہمارے بہت سے کام جذبات کے تحت ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم کسی سے محبت اور کسی سے نفرت کرتے ہیں، کسی پر حسد اور کسی پر مہربانی کرتے ہیں، کبھی پر احسان کرتے ہیں اور کسی سے انتقام لیتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہم گہرے تجزیۂ نفس سے یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بہت سے اعمال ایسے بھی ہیں جن کا محرک مذکورہ تمام محرکات سے بالاتر ہوتا ہے۔ اس کے تحت ہمارے تفکر اور ایثار و بے غرضی کے وہ سارے کام آتے ہیں جن کے اندر اپنے باریک ترین تجزیہ سے بھی ہم کسی نفسانی شائبہ کا سراغ نہیں پاتے ہیں۔ اس محرک کو ہم **روح ملکوتی یا نفس ناطقہ** کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ چاروں قسم کے محرکات ہمارے اندر کبھی الگ الگ کام کرتے ہیں اور کبھی ملے جلے ہوئے ہوتے ہیں۔ نیز یہ اپنے فعل میں افراط و تفریط کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ہر عمل میں ان کا تجزیہ کرتے رہنا اور ان کی افراط و تفریط پر ان کا محاسبہ کرتے رہنا اور ان کو ان کے فطری و شرعی حدود کا پابند بنانا ایک بڑا طویل سلسلہ ہے۔ اس سارے سلسلہ کو ایک خاص نظم کے تحت منظم کرنا بھی تزکیۂ نفس کے فرائض میں داخل ہے۔

## 11- تزکیۂ تعلقات و معاملات

علم و عمل اور جذبات و محرکات کے بعد ہمارے نفس کا دوسرا پہلو اس کے تعلقات و معاملات کا ہمارے سامنے آتا ہے اور یہ بھی اپنی وسعت میں کسی طرح مذکورہ پہلوؤں سے کم نہیں ہے بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ نفس کے تعلقات میں سب سے پہلے جو تعلقات زیر بحث آتے ہیں وہ نفس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خود اپنے ساتھ ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کو خالق نہیں بلکہ مخلوق تسلیم کرتے ہیں تو یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ خالق کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ بالکل صحیح بنیادوں پر کس طرح قائم ہو سکتے ہیں؟

اس کے بعد دوسرے درجہ میں خود اپنے نفس کا معاملہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہم جس چیز کو "اَنَا" یا "میں" سے تعبیر کرتے ہیں وہ واضح طور پر بہت سی چیزوں کا مالک یا امین ہے۔ اس کے قبضہ میں ایک جسم ہے، دل و دماغ ہیں، قوتیں اور قابلیتیں ہیں، احساسات اور جذبات ہیں، آخر وہ ان ساری چیزوں کے ساتھ کس طرح معاملہ کرے گا؟ کیا وہ ان ساری چیزوں کا مالک ہے اور اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کو جس طرح چاہے استعمال کرے یا وہ ان چیزوں کا امین ہے اور ان کو وہ صرف ان حدود کے اندر ہی استعمال کر سکتا ہے جو امانت رکھنے والے کی طرف سے ان کے استعمال کے لیے مقرر کر دی گئی ہیں؟ اگر دوسری شکل ہے تو پھر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ وہ حدود کیا ہیں جن کی نگہداشت اس سلسلہ میں لازمی ہے؟ اور پھر انہی کے ساتھ ان ظاہری اور باطنی صفات کا جاننا بھی ضروری ہوگا جو اس نگہداشت کے فرض سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہیں۔

خدا اور اپنی ذات کے بعد نفس کا تعلق اپنے ماحول سے جڑتا ہے۔ انسان کے متعلق یہ حقیقت محتاج بحث نہیں ہے کہ وہ ایک اجتماعی وجود ہے۔ وہ جب بھی پایا جاتا ہے اور جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہے، کسی خاندان کے فرد، کسی معاشرہ کے رُکن، کسی ریاست کے شہری ہی کی حیثیت سے پایا جاتا ہے۔ ایک بیل جس طرح اپنے پھیلنے، اپنے پروان چڑھنے اور اپنے پھلنے پھولنے کے لیے لازماً کچھ سہاروں کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح انسان بھی اپنے نشوونما اور اپنی ترقی اور کمال کے حصول کے لیے ان سہاروں کا محتاج ہے۔ ان سہاروں سے الگ ہو کر اول تو اس کا وجود پایا ہی نہیں جاتا اور اگر پایا جائے بھی تو اس طرح کہ اس کی ساری صلاحیتیں بالکل بے کار ہو کے رہ جاتی ہیں۔ اس وجہ سے تزکیہ ہمارے نفس کے سارے تعلقات کا جائزہ لے کر ان کو صحیح بنیادوں پر استوار کرتا ہے تا کہ وہ اس معراج کمال تک پہنچ سکے جہاں تک وہ اپنی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے پہنچ سکتا ہے۔

## 12- خلاصۂ بحث

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تزکیہ کوئی مفرد عمل نہیں ہے بلکہ اس کے اطراف دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمارے نفس کا ہر گوشہ اور ہماری زندگی کا ہر پہلو..... خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، عقلی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا اجتماعی و سیاسی...... اس کے تحت آتا ہے۔ ہمارے نفس کے تزکیہ کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ اس کے کسی ایک گوشہ میں اجالا ہو گیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ہر گوشہ میں روشنی پھیل گئی، ہمارا علم بھی جگمگا اٹھا، ہمارا عمل بھی پاکیزہ ہو گیا اور ہمارے تعلقات و معاملات بھی درست ہو گئے۔

تزکیہ کے عمل سے ہمارا نفس "**نفسِ مطمئنہ**" بن جاتا ہے۔ "**نفسِ مطمئنہ**" کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے علم کی بنیاد ایسے مضبوط یقین پر قائم ہو جائے کہ رنج و راحت اور دکھ اور سکھ کی کوئی حالت بھی خدا کے بارے میں ہمارے اعتماد اور ہمارے حسن ظن کو بدل نہ سکے بلکہ ہر حالت میں ہم اللہ تعالیٰ سے راضی اور مطمئن رہیں۔ اسی طرح ہمارے عمل کی بنیاد ایک ایسی مستحکم سیرت پر قائم ہو جائے کہ تنگی و فراخی اور خوف و طمع کی کوئی آزمائش بھی ہم کو اس مقام سے نہ ہٹا سکے جہاں اللہ کی شریعت نے ہمیں کھڑا کیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جو کچھ چاہا ہے، ہم اس کو پورا کر کے اس کے پسندیدہ بندے بن سکیں۔ یہی "نفس مطمئنہ" تزکیہ کا اصل مقصود ہے۔ قرآن میں اس "**نفسِ مطمئنہ**" کا بیان ان الفاظ میں ہوا ہے:

**يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝** (الفجر۔27-28)

ترجمہ: "اے اطمینان پا جانے والے نفس۔ تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی۔"

تزکیہ نفس کے لیے ضروری ہے کہ یہ دعا کی جائے۔

؎ دِل بینا بھی خدا سے کر طلب
آنکھ کا نور ، دِل کا نور نہیں

حدیث قدسی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں پوری کائنات کے بسیط بیکراں میں کہیں نہیں سماتا، سوائے مومن کے دل کے (الحدیث) گویا مومن کا دل ہی حقیقتاً ''حریم کبریا'' اورعرش معلیٰ ہے۔ جو وارفتگی ہے، یہ وارفتگی شریعت مطہرہ میں پانچ وقت کی فرض نمازیں ہیں۔ یہ سب ادا ہوگئیں تو فرض ادا ہوگیا، ہاں نماز میں خشوع وخضوع ضروری ہے ورنہ بقول اقبالؒ

؎ میں جو سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

یہ اقبال کا نہیں عمومی مسلمان کا مسئلہ ہے۔ جب کہ ان کی اپنی نماز کی حضوری اس طرح ہے کہ وہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں یوں ہدیہ پیش کرتے ہیں۔

؎ شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

بلکہ فرمایا:

؎ ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے، میرے جگر کا لہو

باب نمبر 2

# سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مطالعہ بحیثیت نمونہ عمل

- انفرادی زندگی کے لیے نمونہ عمل
- تحمل و برداشت سیرت طیبہ کی روشنی میں
- سفارت کار کے لیے نمونہ عمل
- معلم انسانیت کے لیے نمونہ عمل
- سپہ سالار اور جنگی منصوبہ ساز کے لیے نمونہ عمل
- پیغمبر امن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سوال 1

# انفرادی زندگی کے لیے نمونہ عمل

## اہم نکات

1- تعارف
2- انسانی خدمت گاروں کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ
3- علم و اخلاق کے حوالے سے اسوۂ رسول ﷺ
4- ماحول کی صفائی اور اسوۂ رسول ﷺ
5- شہری منصوبہ بندی اور شہری امن کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ
6- ایک شہری کے لیے اسوۂ رسول ﷺ کی معنویت
7- ایک شوہر کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ
8- ایک باپ کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ
9- ایک مبلغ کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ
10- ایک زاہد کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ
11- عالمگیر انسانی برادری اور اسوۂ رسول کریم ﷺ
12- خلاصۂ بحث

؎ اُن کی سیرت سے وابستہ نجاتِ عالَم
اصل دُنیا کے مصائب کا مداوا وہ ہیں

## 1- تعارف

رسول، اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ رسول کے مخاطب انسان ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کے درمیان رہتا ہے اور بستا ہے۔ بھرپور سماجی اور اجتماعی زندگی گزارتا ہے۔ صالح انسانی سرگرمیوں میں حصہ لیتا ہے۔ انسانوں کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔ ان کی مشکلات کو حل کرتا ہے ان کا غم خوار ہوتا ہے۔ اُن کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرتا ہے اور تزکیہ نفس کا راستہ ہموار کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ ایک طرف آپ ﷺ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بہت مضبوط تھا تو دوسری طرف انسانوں کی راہنمائی کے لیے بھی آپ ﷺ نے اَن گنت امور سرانجام دیے۔ آپ ﷺ کی اِس حیثیت کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے:

ترجمہ: ''یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان کے لیے نرم ہو، اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپؐ کے پاس سے بھاگ جاتے۔'' (آل عمران: 159)

آپ ﷺ انسانی خدمت گاروں کے لیے، ماحول کی صفائی کرنے والوں کے لیے، شہری منصوبہ بندی اور شہری امن قائم کرنے والوں کے لیے، غرض کہ ایک باپ، بیٹا، بیٹی، مبلغ، معلم، سفارت کار، زاہد اور شوہر کے لیے یکساں نمونہ عمل ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت کے ہر پہلو کا نہ صرف مطالعہ کیا جائے بلکہ اُسے انفرادی، معاشرتی اور حکومتی سطح پر نافذ کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ بقولِ اقبالؒ:

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

## 2- انسانی خدمت گاروں کے لیے اسوۂ رسول ﷺ

نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہر فرد کے لیے کامل نمونہ ہے۔ وہ افراد جو کسی بھی درجے پر انسانی خدمت کا کام کرتے ہیں انسانیت کے لیے بہت اہم ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے یہی افراد اہلیت رکھتے ہیں کہ ان کے لیے اسوۂ رسول ﷺ سے روشن مثالیں فراہم کی جائیں۔

### (ا) نبوت سے پہلے انسانی خدمت اور اسوۂ رسول ﷺ

رسول اکرم ﷺ منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے بھی انسانوں سے محبت اور ان کی خدمت کے لیے مشہور تھے۔ بارِ نبوت کو اٹھانے میں اس صلاحیت اور خصوصیت نے آپ کو بڑی مدد فراہم کی۔ فرشتہ سے پہلی ملاقات اور پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ سردی سے کانپتے ہوئے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ''مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے پورا ماجرہ سنایا۔ یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

كَلَّا! واللهِ لَا يُخْزِيكَ اللهُ اَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وتَقْرِي الضَّيْفَ، و تُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔

ترجمہ: ''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ کیوں کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں اور محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت کے دنوں میں متاثرہ لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

یعنی آپ ﷺ انسانوں کی جتنی بے لوث خدمت کرتے ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ آپ کو رسوا نہیں کرے گا بلکہ ان کی سعادت کے لیے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ بقولِ شاعر:

سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی

## (۲) نبوت کے بعد انسانی خدمت اور اسوۂ رسول ﷺ

اعلان نبوت کے بعد رسول اللہ ﷺ پر دوہری ذمہ داری عائد ہوگئی۔ ایک طرف انسانوں کی خدمت کی اور دوسری طرف ان کی ہدایت اور نجات کی ذمہ داری کو ادا کیا۔ اعلان نبوت سے پہلے صرف انسانی خدمت آپ ﷺ کی پہچان تھی، اعلان نبوت کے بعد خدمت اور ہدایت دونوں چیزیں آپ ﷺ کی پہچان بن گئیں۔۔۔۔۔رسول پاک ﷺ صرف انسانوں کی روحانی مشکلات ہی حل کرنے کے لیے تشریف نہ لائے اور نہ صرف اخلاقی برائیوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا بلکہ آپ ﷺ نے انسانوں کی سماجی اور معاشی مشکلات کو دور کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی، اور انسانی معاشرہ کے رنج وغم کو سکھ اور مسرت میں تبدیل کرنے کی کامیاب جدوجہد کی۔ انسانی سماج میں طاقت ور اور کمزور، امیر وغریب، مختار اور محتاج دونوں طرح کے لوگ رہتے ہیں اور دونوں کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ ہر فرد کی اصلاح کرتے ہیں اور دونوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اگر رسول انسانوں کی روحانی دُنیا آباد کرے اور مادی دُنیا کو اجڑ جانے دے، اخلاقی حالت کو درست کرے اور سماجی زندگی کو الجھنوں میں مبتلا رہنے دے، عبادت پر زور دے اور سماجی حقوق کو نظر انداز کردے تو یہ مذہب ناقص ہوگا اور اس کی انسانوں کو چنداں ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول پاک ﷺ نے دونوں ضروریات کی تکمیل کے لیے دین کا ایک کامل نمونہ پیش کیا جس نے اپنے دامن میں اللہ کی عبادت اور انسانوں کی خدمت دونوں کو یکساں جگہ دی۔ قرآن نے وضاحت کی۔

ترجمہ: ''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنا چہرہ مشرق اور مغرب کی طرف کرو، بلکہ نیکی تو یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر اور مال دے اس کی محبت پر رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے، اور پورا کرے اپنے عہدوپیمان کو جب عہد کرے۔ مقابلہ، سختی اور تکلیف میں صبر کرے، یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔'' (البقرہ:177)

## (۳) عالمگیر انسانی خدمت کی تحریک اور اسوۂ رسول ﷺ

نبی ﷺ نے مسلمانوں کو جو تعلیم دی اس کا مرکزی نکتہ یہ تھا:

"اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِيْ"

ترجمہ: ''بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر گیری کرو، اور قیدیوں کو رہا کراؤ''

رسالت مآب ﷺ نے انسانوں کی محبت کو اللہ کی محبت سے تعبیر کیا، مخلوق کی خدمت کو اللہ تک پہنچنے کا راستہ قرار دیا، اور جہنم سے آزادی اور جنت کے حصول کا ذریعہ بتایا۔ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں یہ تعلیم ریڑھ کی ہڈی کی طرح اہمیت رکھتی ہے۔ اگر انسانوں کی خدمت نہ کی جائے تو اللہ کی خوشنودی حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہ ایسی گھاٹی ہے جسے پار کیے بغیر رضوانِ الٰہی کی بلندی تک پہنچا نہیں جاسکتا۔ قرآن پاک نے وضاحت کی:

ترجمہ: ''اس نے دشوار گزار گھاٹی پار نہ کی، تمھیں کیا معلوم کہ وہ کیا ہے؟ وہ دشوار گزار گھاٹی، کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقہ کے دن کسی رشتہ دار یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، پھر ان لوگوں میں شامل ہونا جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور انسانوں پر رحم کرنے کی تلقین کی۔'' (البلد:11-16)

آپ ﷺ کی عالمگیر انسانی خدمت کی تحریک کے حوالے سے حسن رضا خان صاحب کا یہ شعر برمحل ہے:

؎ نگاہِ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں
لیے ہوئے یہ دلِ بے قرار ہم بھی ہیں
حسن ہے جس کی سخاوت کی دھوم عالم میں
انھی کے تم بھی ہو، اِک ریزہ خوار ہم بھی ہیں

## 3- علم واخلاق کے حوالے سے اسوۂ رسول ﷺ

قرآن پاک کی 68ویں سورۃ القلم کے نام سے موسوم ہے۔ اس سورۃ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے دواۃ، قلم اور تحریر کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد ہے:

ترجمہ: ''ن اور قلم اور جو اہل قلم لکھتے ہیں اُس کی قسم، کہ اے محمد ﷺ! تم اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہو اور تمھارے لیے بے انتہا اجر ہے اور تم اخلاق عظیم پر فائز ہو۔'' (البلد:1-4)

اگر ایک ڈاکٹر کسی مریض کی جان بچانے میں کامیاب ہو جائے تو زندگی بھر کے لیے اس کے دل میں اپنی جگہ بنالیتا ہے۔ اگر ایک معلم کسی شاگرد کو فضل و کمال کے مرتبہ تک پہنچا دے تو شاگرد ہمیشہ کے لیے اس کا احسان مند ہو جاتا ہے۔ رسول پاک ﷺ نے دُنیائے انسانیت کو جو علمی بلندی اور اخلاقی پاکیزگی عطا کی ہے اس نے پوری دُنیا کو آپ کا ثنا خواں بنا دیا ہے۔ اللہ نے مزید آپ ﷺ کا رتبہ اس طرح بلند کر دیا ہے کہ دُنیا کے ہر خطے میں روزانہ پانچ مرتبہ آپ ﷺ کا ذکر خیر ہوتا ہے اور آپ ﷺ کا اجر بڑھتا رہتا ہے۔

؎ ایک نام مصطفیٰ ہے جو بڑھ کر گھٹا نہیں  
ورنہ ہر ایک عروج میں پنہاں زوال ہے

آپ ﷺ اخلاق عظیم پر فائز ہیں۔ قلم آلہ نشر و اشاعت اور ذریعہ ابلاغ و ترسیل ہے۔ اس کا استعمال خیر و شر اور نیک و بد دونوں مقاصد کے لیے کیا جا سکتا ہے بلکہ کیا جاتا ہے۔ اگر صاحب قلم اخلاقی اُصولوں کا پابند نہ ہو تو اس کا قلم چور کے ہاتھ کے چاقو سے کم خطرناک نہیں اور اگر وہ اخلاقی اُصولوں کا پابند ہے تو رہنما کے چراغ سے کم مقدس نہیں ہے۔ اسی لیے قلم کی شہادت، اخلاقی قدروں کی رفعت کے لیے لی گئی ہے اور پیغمبر آخر الزماں کو اخلاقی اُصولوں کے اعلیٰ معیار کے حامل اور مبلغ ہونے کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ **وانك لعلی خلق عظیم**۔ ایک عظیم شہادت اخلاق محمد ﷺ کے لیے ہے۔ آپ ﷺ نے علم و اخلاق کے حوالے سے جو نمونہ عمل پیش کیا ہے وہ رہتی دُنیا تک انسانیت کے لیے نشانِ راہ ہے۔

## 4- ماحول کی صفائی اور اسوۂ رسول ﷺ

ذرا تصور کیجیے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جب نہ تو موٹر گاڑیوں کا وجود تھا اور نہ دیو ہیکل کارخانے وجود میں آئے تھے، نہ جنگلات فنا ہو رہے تھے اور نہ دریاؤں میں زہر گھل رہا تھا، ماحول میں آلودگی آج کی طرح رچی بسی نہیں تھی۔ اس وقت آخری رسول اللہ ﷺ نے ماحول کو کثافت سے پاک رکھنے اور فضا کو آلودگی سے محفوظ کرنے کی تعلیم و تلقین فرمائی۔ اُصولی ہدایات، مؤثر تعلیمات اور عملی اقدامات تینوں طرح سے ماحول کی پاکیزگی کو یقینی بنایا۔ یہ کائنات انسانوں کے لیے خالق حقیقی کی صناعی کا خوب صورت تحفہ ہے اور اس کی تمام جان دار اور بے جان چیزیں انسانوں کے لیے حسین نعمت ہیں۔ اس کائنات کی خوب صورتی دلکشی اور تازگی کی حفاظت کی رسول پاک ﷺ نے تعلیم دی۔ اسے فروغ دینے میں اپنی قوت و صلاحیت لگانے کی ضرورت کا احساس دلایا، اور فطرت کے عطیات کو فطری قوانین کے مطابق برتنے کی تلقین فرمائی۔ تاکہ انسان خود بھی ماحول کی پاکیزگی سے لطف اندوز ہو سکے اور دوسرے جان داروں کو بھی راحت پہنچا سکے اور رب کریم کا شکر ادا کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ:

مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ (المائدہ:6)

ترجمہ: ''اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے تا کہ تم شکر گزار بنو۔''

آج ضرورت ہے کہ ہر فرد اسوۂ رسول ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوئے ماحول کو صاف رکھنے کی کوشش کرے۔

## (۱) قدرت کے عطیات کا ادراک

رسول پاک ﷺ نے زمین و آسمان، سمندر، پہاڑ، حیوانات، نباتات، پرندوں، جنگلات، باغات، وادیوں اور آبادیوں سب کچھ کو قدرت کے متوازن نظام کا شاہکار قرار دیتے ہوئے ان کی تخلیق پر غور کرنے، ان کی حکمتوں کو سمجھنے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تعلیم فرمائی۔ آپ ﷺ نے انسانوں تک اللہ کا یہ پیغام پہنچایا۔

ترجمہ: ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے میں، ان کشتیوں میں جو انسانوں کی نفع رسانی کا سامان لیے سمندر میں چلتی ہیں بارش کے اس پانی میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے اور مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور ہر طرح کے جانور کو زمین میں پھیلانے میں اور ہواؤں کی گردش میں اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر بادلوں میں عقل مند لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' (البقرہ:164)

عطیات الٰہی کی حفاظت کے حوالے سے ایک انفرادی شخص کے لیے اسوۂ رسول ﷺ کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ جس کے ادراک سے ہم اپنی کائنات کو خوب صورت اور متوازن رکھ سکتے ہیں۔

## (۲) کائنات کا توازن نہ بگاڑو

قدرت نے جس طرح اپنی تخلیق میں تناسب، توازن اور اعتدال رکھا ہے اس کا مطالبہ ہے کہ بندے بھی اسی طرح اپنے عمل میں اعتدال و توازن رکھیں اور قدرت کی تخلیق میں خلل نہ ڈالیں۔ قدرت کے مقرر کردہ اس توازن کی حکمت کو سمجھنا، اسے اپنی عملی سرگرمیوں کا موضوع بنانا، اسے اپنی نفع رسانی سے جوڑنا، اس سے استفادہ کرنا، اس کا توازن برقرار رکھنا، اس میں خلل پیدا نہ کرنا، انسان کی ضرورت بھی ہے اور ذمہ داری بھی ہے۔ آپ ﷺ نے انسانوں تک اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا:

ترجمہ: ''سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں، تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں، آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کردی، اس کا تقاضا ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو، انصاف کے ساتھ وزن قائم رکھو اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو، زمین کو اس نے مخلوق کے لیے بنایا، اس میں ہر طرح کے پھل ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن کے پھل غلافوں میں ہیں، ہر طرح کے غلے ہیں جن میں بھوسا بھی اور دانہ بھی تو اے جن و انس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (الرحمٰن:5-9)

قرآن میں صاف اور صریح لفظوں میں تاکید کی گئی ہے کہ ماحول میں فساد برپا نہ کرو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

**وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا** ...... (القرآن)

ترجمہ: ''اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔''

فساد اور اصلاح قرآن کریم کی دو اہم اصطلاحیں ہیں جو بڑی معنی خیز ہیں، اصلاح کے معنی آرڈر، نظام اور توازن کے ہیں، یعنی ہر چیز کو اپنی فطری جگہ پر قائم رکھنا، اور فساد کے معنی بگاڑ، انتشار اور خلل کے ہیں، یعنی کسی نظم میں خلل اور بگاڑ پیدا کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قدرت نے کائنات میں ہر چیز اندازے، قرینے، اہتمام اور اعتدال کے ساتھ رکھی ہے۔ اس میں اپنی بے راہ روی اور بد اعمالی سے خلل نہ ڈالو، بگاڑ نہ پیدا کرو۔ اس کا استعمال صرف خواہش کے مطابق نہیں بلکہ قدرت کے اصولوں کے مطابق کرو۔ ماحول کے اس نظم و توازن کا فائدہ خود انسان کو ہوگا اور اگر وہ اس میں بگاڑ پیدا کرے گا تو اس کے نقصانات اور مضر اثرات بھی اسی کو بھگتنے پڑیں گے، اس طرح انسان اپنی تباہی کا آپ ہی ذمہ دار ہوگا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے تاکہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے شاید کہ وہ باز آجائیں۔'' (الروم:41)

## (۴) صفائی کے حوالے سے ایک انفرادی شخص کے لیے اسوۂ رسول ﷺ

ماحول کے تحفظ کے سلسلہ میں رسول پاک ﷺ کا ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ گندگی پھیلانے سے پرہیز کیا جائے، خاص طور پر عوامی مقامات کو گندگی سے بچایا جائے۔ رسول پاک ﷺ نے سایہ دار درخت کے نیچے، راستہ میں اور مسجد میں گندگی پھیلانے سے شدت سے منع فرمایا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: دو ایسی چیزوں سے پرہیز کرو جو لعنت کا سبب ہیں، صحابہ نے پوچھا ''وہ لعنت والی چیزیں کیا ہیں؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا ''لوگوں کے راستہ میں اور سایہ میں غلاظت کی جائے۔'' پبلک مقام کی جامع شکل عہد نبوی ﷺ میں مسجد تھی چنانچہ آپ نے مسجد میں تھوکنے سے منع فرمایا۔

## 5- شہری منصوبہ بندی اور شہری امن کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ

محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع کی تو ان کو مشرکین مکہ کی طرف سے غیر معمولی مخالفت اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ مکہ کی سرزمین جب دعوت اسلام کے لیے تنگ ہو گئی تو آپ ﷺ کے ساتھیوں نے پہلے حبشہ ہجرت کی پھر مدینہ ہجرت کی۔ مدینہ ہجرت کرنے سے پہلے آپ ﷺ نے دعا مانگی:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا (بنی اسرائیل:80)

ترجمہ: ''اے میرے رب تو مجھے جہاں لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔''

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ کی آبادی دس ہزار نفوس پر مشتمل تھی جن میں مسلمان صرف پانچ سو تھے۔ مدینہ پہنچنے پر مسلمانوں نے رسول پاک ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ جو لوگ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ گئے تھے ان کو وہاں سے نکال باہر کرنے کے لیے قریش مکہ کی دھمکیاں مدینہ کے سربرآوردہ لوگوں کو برابر موصول ہو رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ کو اسلام کا مرکز یا دارالسلطنت بنانا چاہتے تھے مگر ان کے سامنے کئی مسائل کھڑے تھے جن کو رسول پاک ﷺ نے اپنی ہمت، حکمت، دور اندیشی اور منصوبہ سے حل کیا اور دُنیا کے سامنے دعوت اور ریاست کی تشکیل کی ایک قابل تقلید مثال قائم کر دی۔ رسول پاک ﷺ کے پیش نظر حسب ذیل چیزیں مدینہ کی شہری منصوبہ بندی کے لحاظ سے اہمیت کی حامل تھیں:

(۱) مدینہ میں مہاجرین کے قدم جمانا۔

(۲) مدینہ میں مسلم آبادی کو قابل لحاظ بنا کر دارالاسلام بنانا۔

(۳) مدینہ کے باشندوں میں امن و اعتماد پیدا کرنا اور آس پاس کی آبادی کو اس میں شامل کرنا۔

(۴) بیرونی حملہ آوروں سے مدینہ کا دفاع کرنا۔

(۵) مدینہ کو سٹیٹ سٹی اور مثالی شہر بنایا۔

## 6- ایک شہری کے لیے اسوۂ رسول ﷺ کی معنویت

جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ حضور ﷺ اپنے وقت کے حاکم بھی ہیں، قاضی بھی، امام بھی ہیں، پھر بھی وہ کبھی یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ آپ ﷺ ایک شہری ہونے کی حیثیت سے تمام اہل شہر سے مساویانہ سلوک روا رکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جس شخص کو ایک معمولی سا عہدہ مل جاتا ہے اس کا دماغ ثریا پر پہنچ جاتا ہے۔ مساویانہ برتاؤ تو ایک طرف رہا وہ عوام الناس کے ساتھ بیٹھنے کو عار سمجھتا ہے۔ اور جب تک اسے اپنے رتبے کی سوسائٹی نہ ملے وہ غربا

سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔ مگر حضور ﷺ کا عمل اس کے بالکل خلاف تھا۔ آپ ﷺ تمام کام اپنے اپنے وقت معینہ پر کیا کرتے تھے۔ عدالت کا وقت ہوتا تو عدالت کرتے تھے۔ رشد و ہدایت کا موقع ہوتا تو وعظ و تلقین فرماتے، جنگ کا موقع ہوتا تو سپہ سالار بن جاتے، نماز کا وقت ہوتا تو امامت فرماتے۔ مگر جب عام مسلمانوں میں آتے تو ان کے حقوق کی نگہداشت فرماتے۔ محلہ داروں سے ملتے، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتے، ہمسایوں سے ان کی ضروریات دریافت کرتے، بیماروں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، اگر کوئی جنازہ ہو جاتا، تو اس میں شرکت فرماتے۔ حالی مرحوم نے اسی لیے کہا تھا:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

آپ ﷺ بحیثیت ایک شہری ہونے کے تمام اہل شہر سے یکساں تعلقات رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ یہود سے بھی آپ کا میل جول رہتا اور اکثر ان سے لین دین بھی ہوتا رہتا۔ بارہا آپ ﷺ کو یہود سے قرضہ لینے کا بھی اتفاق ہوا۔ یہاں تک کہ جب حضور ﷺ کا وصال ہوا تو آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس بطور رہن پڑی تھی۔

(i) آپ ﷺ کی خدمت میں ایک یہودی لڑکا رہتا تھا جو آپ ﷺ سے بہت محبت رکھتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا تو آپ ﷺ اس کے مکان پر عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اُس کے سرہانے بیٹھ کر تشفی آمیز کلمات ارشاد فرماتے رہے اور اس کے ماں باپ سے بھی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

(ii) آپ ﷺ نے ایک دفعہ ایک یہودی سے قرضہ لیا۔ اس نے میعاد مقررہ سے قبل ہی ادائیگی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ایک دن تو اس کا مطالبہ حد سے بڑھ گیا۔ اس نے آپ ﷺ کی چادر کو پکڑ کر سخت سست کہنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابھی میعاد مقررہ میں تین دن باقی ہیں! اتنی دیر میں حضرت عمرؓ تشریف لے آئے انھوں نے جو یہ دیکھا تو اس یہودی پر ہاتھ اٹھایا۔ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو روکا اور فرمایا:

''عمر! تمھارا یہ حق نہ تھا کہ اسے مارتے۔ ہاں! اتنا کہہ سکتے تھے کہ ابھی میعاد مقررہ سے پہلے مطالبہ صحیح نہیں ہے۔ اور مجھ سے یہ کہتے کہ آپ جہاں تک ہو سکتے جلد ادائیگی قرض کی فکر کریں۔'' یہودی نے جب آپ ﷺ کی یہ نرمی اور خلق دیکھا تو اسی وقت دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

اس واقعہ سے بھی پتا چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے تعلقات اہل شہر سے کیسے تھے۔ آپ ﷺ بحیثیت حاکم چاہتے تو اسے کڑی سزا دے سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ ہی کو اشارہ کر دیتے۔

## 7- ایک شوہر کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ

نبی ﷺ بیویوں کے حوالے سے تلقین فرماتے کہ شوہر بیوی کا مزاج شناس ہو۔ اس کے جذبات و احساسات کا احترام کرتا ہو۔ اس سے محبت و دل داری کا طریق جانتا ہو۔ حضور ﷺ اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور بھاری ذمہ داریوں کے باوجود روزانہ بعد نمازِ عصر ہر ایک بیوی کے پاس اس کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ان کی ضروریات معلوم فرماتے۔ بعد از نماز مغرب سب سے ایک مختصر ملاقات فرماتے اور شب کو مساویانہ طور پر نوبت

بہ نوبت ہر ایک گھر میں استراحت فرمایا کرتے تھے۔ ہر ایک بیوی کی رہائش کا مکان الگ الگ تھا اور سب مکان باہم پیوستہ تھے۔ مکان نہایت مختصر تھے اور فرنیچر اس سے بھی زیادہ مختصر ہوتا تھا۔ تکلف نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

## (۱) ازواج میں مساوات

فتح خیبر کے بعد حضور ﷺ نے ہر ایک بیوی کے لیے 80 وسق کھجور اور 20 وسق جو سالانہ مقرر کر دیے تھے۔ دودھ کے لیے ہر ایک بیوی کو ایک ایک ناقہ شیر دار (دودھ والی اونٹنی) ملا کرتی تھی۔ مگر ازواج مطہرات ؓ بھی حضور ﷺ کے رنگ سخاوت میں اس قدر رنگی جا چکی تھیں کہ بہت ضروری سامان کے علاوہ جو کچھ ہوتا سب غریبوں اور یتیموں میں تقسیم فرما دیا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ کھانے، پہننے، مکان اور گزارہ و ملاقات وغیرہ جملہ امور میں ہر ایک بیوی کے ساتھ ایسے عدل وانصاف اور مساویانہ سلوک سے پیش آیا کرتے تھے کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر محال ہے۔ سب بیویوں کے ہاں روزانہ قیام کی باری مقرر تھی مگر سفر میں روانگی کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی۔ جس بیوی کا نام نکلتا اسی کو آپ ﷺ ساتھ لے جاتے اس طرح دوسری بیوی کو اعتراض کا موقع نہ ملتا تھا۔

## (۲) بیوی کی دل داری

حضور ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو خود ''السلام علیکم'' فرمایا کرتے۔ رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سوگئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔ اور آپ ﷺ کا یہ پیارا انداز سب کے لیے تھا۔ آپ ﷺ ان کی دل داری اور عطوفت کا بہت لحاظ رکھتے۔ کام کاج میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتے۔ اگر وقت پر کوئی کام نہ ہوتا تو ناراض نہ ہوتے بلکہ نرمی سے سمجھاتے۔ ان کے دکھ درد میں برابر شریک رہتے۔ ان کی خوشی کے ساتھ اپنی خوشی کا اظہار فرماتے۔

## (۳) حضور ﷺ کی ازواج کو ہدایات

آپ ﷺ اصلاح اخلاق کا بڑا خیال رکھا کرتے تھے۔ گھر میں ازواج مطہرات ؓ کو عموماً نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ تمھاری حیثیت اور پوزیشن عام مومنات کی سی نہیں ہے۔ بلکہ میرے تعلق کی وجہ سے تمھیں ایک خاص خصوصیت حاصل ہوگئی ہے۔ اب تمھیں اس کے مطابق اپنے آپ کو سنوارنا ہے۔ جس طرح میں مومنوں کا روحانی باپ ہوں اسی طرح تم ان کی روحانی مائیں ہو۔ تم نے ہر رنگ میں دوسروں کے واسطے ایک نمونہ بننا ہے۔ یاد رکھو! اگر تم کوئی غلط طریق اختیار کرو گی، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں دگنی سزا ملے گی، کیونکہ تمھارے اس غلط نمونے سے دوسروں پر بھی اثر پڑے گا۔

## (۴) ازواج ؓ کو تبلیغ دین اور خدمت کا حکم

آپ ﷺ نے بیویوں کے فرائض میں یہ چیز داخل کر رکھی تھی کہ وہ دوسری عورتوں کو دین کی تبلیغ کریں۔ احکام الٰہی سکھائیں، توحید و سنت کی گھر گھر اشاعت کریں، عورتوں کی معروضات مجھ تک پہنچائیں۔ پھر ان کے جواب انھیں سمجھائیں، دینی مسائل بتائیں، میرے جملہ افعال و اقوال و عبادات جو حجرات کے اندر ہوں، حفظ و اتقان کے ساتھ امت تک پہنچائیں، اور مشکلات علمیہ میں فرزندان امت کی راہنمائی کریں۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ احد میں عائشہ صدیقہ ؓ اور ام سلمہ ؓ کو دیکھا کہ کندھوں پر مشکیں اٹھائے زخمیوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں۔ پانی ختم ہو جاتا تھا تو پھر مشک بھر لاتی تھیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ٹپکاتی جاتی تھیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کون خواتین ہیں؟ یہ وہی پردہ نشین اور لائق صد احترام خواتین تھیں جو پردہ کی فلاسفی اور قومی خدمت کے فلسفہ کی ماہر تھیں اور دربارِ اسلام سے حقائق کی تعلیم پا کر نکلی تھیں۔

## 8- ایک باپ کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ

نبی کریم ﷺ کے ہاں تین فرزند اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ جن کے مختصر حالات درج ذیل ہیں:

### (ا) حضور ﷺ کی اولاد

i- حضرت قاسمؓ پہلے بچے تھے، جو خدیجہ طاہرہؓ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے، انھی کے نام پر نبی ﷺ نے اپنی کنیت ''ابوالقاسم'' رکھی تھی۔ یہ ابھی چلنا سیکھ ہی رہے تھے کہ واصل بحق ہوئے۔

ii- حضرت عبداللہؓ۔ ان کا لقب ''طیب'' اور ''طاہر'' تھا۔ مکہ معظمہ میں بعثت نبوی کے بعد پیدا ہوئے تھے اور مکہ معظمہ ہی میں انتقال فرما گئے۔ انھی کی وفات پر کفارِ مکہ نے کہا تھا کہ محمد ﷺ کا کوئی فرزند نہیں بچا۔ اب اس کا کوئی نام لیوا نہیں رہے گا، چنانچہ اسی موقع پر سورۃ کوثر نازل ہوئی۔

iii- ابراہیمؓ۔ یہ مدینہ منورہ میں ماریہ قبطیہؓ کے بطن اطہر سے پیدا ہوئے۔ جس شخص (ابورافع) نے حضور ﷺ کو فرزند کی اطلاع دی آپ ﷺ نے اسے خوشی میں ایک غلام عطا فرمایا تھا۔ جس دایہ (اُم بردہ) نے بچہ کو دودھ پلایا حضور اکرم ﷺ نے اسے ایک قطعہ نخلستان عطا فرمایا۔ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ'' اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کو اس فرزند کی کتنی خوشی ہوئی۔ یہ بچہ بھی دو سال کی عمر میں واصل بحق ہوا۔

iv- حضور ﷺ کی بیٹیوں میں سے سیدہ زینبؓ سب سے بڑی تھیں جو قاسمؓ کے بعد پیدا ہوئیں۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک 30 سال کی تھی۔ حضرت زینبؓ ہوش سنبھالتے ہی اپنی والدہ کے ساتھ داخل اسلام ہو گئیں۔ آپؓ کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی۔ سفر ہجرت میں ہبار نامی ایک شخص نے آپؓ کو نیزہ مارا، جس سے آپؓ کا حمل ساقط ہو گیا۔ اسی ضرب سے وہ انتقال کر گئیں۔ آپؓ کی وفات پر حضور ﷺ نے فرمایا:

''هِيَ اَفْضَلُ بَنَاتِيْ اُصِيْبَتْ فِيَّ''

ترجمہ: ''وہ میری بیٹیوں میں سب سے افضل ہے اسے میرے لیے مصیبت پہنچی۔''

ان کے بطن سے ایک فرزند علیؓ اور ایک دختر اُمامہؓ پیدا ہوئی۔ وہی امامہؓ ہیں جن کے متعلق فاطمہ بتولؓ نے اپنے شوہر علیؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد امامہ سے نکاح کر لینا، چنانچہ ان کی وصیت پر عمل کیا گیا۔

v- سیدہ رقیہؓ نبی ﷺ کی دوسری صاحبزادی تھیں جو حضور ﷺ کی 32 سالہ عمر مبارک میں پیدا ہوئیں۔ ان کا نکاح مکہ ہی میں عثمان غنیؓ سے ہوا تھا۔ انھی کے متعلق مکہ میں یہ مشہور تھا کہ:

''اَحْسَنُ زَوْجَيْنِ رَاٰهُمَا اِنْسَانٌ رُقَيَّةُ وَزَوْجُهَا عُثْمَانُ''

ترجمہ: ''سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے وہ رقیہؓ اور عثمانؓ ہیں۔''

حضرت رقیہؓ کو 2ھ میں چیچک نکلی اور وہ اسی مرض میں عالم بقا کی طرف منتقل ہو گئیں۔ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ''

vi- سیدہ اُم کلثومؓ حضور ﷺ کی تیسری دختر تھیں، جو سیدہ رقیہؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں۔ نکاح کے وقت نبی ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بلا کر فرمایا تھا: ''یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ خدائے بزرگ کا حکم ہے کہ میں اپنی دوسری بیٹی تجھ سے بیاہ دوں۔''

اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو ذوالنورین کا خطاب ملا کیونکہ حضور ﷺ کے دو جگر گوشے یکے بعد دیگرے ان کے لیے اطمینان قلب کا باعث ہوئے۔

vii- سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں جو نبوت کے دوسرے سال جب آپ ﷺ کی عمر مبارک کا 41 سال تھا،

پیدا ہوئیں۔ یہ حضور ﷺ کی سب سے پیاری بیٹی تھیں جنھیں "سَیِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِیْنَ" کا خطاب ملا۔ زندگی ہی میں آپ کو جنت کی بشارت دی گئی۔ آپؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔ جن سے دو بیٹے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور دو بیٹیاں اُم کلثومؓ اور زینبؓ پیدا ہوئیں۔

## (۲) اولاد کی تعلیم و تربیت

اگر چہ اُصول تو یہی ہے کہ جسے جتنی اپنی اولاد زیادہ پیاری ہوتی ہے اسے اتنا ہی اس کی تعلیم و تربیت کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فی زمانہ جسے اپنی اولاد سے زیادہ پیار ہوتا ہے، اتنی ہی اس کی اولاد نالائق اور جاہل رہتی ہے، کیونکہ وہ حد سے زیادہ پیار اور لگاؤ کی وجہ سے اس کی تعلیم کا اتنا خیال نہیں کرتے جو کرنا چاہیے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ اولاد کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ مگر حضور ﷺ ہیں کہ پیدائش ہی سے اولاد کی اصلاح کے لیے کوشاں ہو جاتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں آج کے زمانہ کی طرح اسکول اور مدرسے نہ تھے۔ اور نہ ہی کتابیں ہوتی تھیں کہ بچوں کو پڑھا دی جاتیں۔ حضور ﷺ تو باتوں ہی باتوں میں توحید و سنت اور عقل و دانش کی (جسے آج منطق و فلسفہ، سائنس اور ٹیکنالوجی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے) تاریخ و سیر کی، اخلاق و معیشت کی اور نا معلوم کن کن علوم و فنون کی تعلیم فرما دیا کرتے تھے۔ جب بچہ پیدا ہوتا تو معاً اس کے کان میں اذان و تکبیر کہلائی جاتی۔ یہی پہلا توحید و سنت کا سبق ہوتا جو بچے کے دماغ پر منقش کر دیا جاتا۔ ازاں بعد اس کے سامنے ایسی باتیں کی جاتیں جن کا اثر اس کے دل پر ہوتا رہتا۔ ممنوعات سے بہ تشدد اسے روکا جاتا۔ امورِ حسنہ کے متعلق اسے تحریض و ترغیب دلائی جاتی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ بچے ابتدائی عمر ہی میں ذہین، سمجھ دار اور کسی حد تک عالم و فاضل ہو جاتے۔

## (۳) حسنؓ و حسینؓ کی تربیت

ایک دفعہ حسنؓ اور حسینؓ میں باہم چپقلش ہو گئی۔ دونوں ابھی کمسن تھے۔ لڑتے لڑتے اماں جان کے پاس آ گئے۔ ایک کہتا ہے مجھے اس نے مارا ہے۔ دوسرا کہتا ہے مجھے اس نے مارا۔ آپ نے ان کے بھولے پن کی طرف دیکھا تو فرمایا:

مجھے یہ کیا معلوم کہ پہلے کس نے مارا، میں تو کہتی ہوں، تم دونوں مجرم ہو۔ تم نے قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کی ہے۔ حکم تھا:

"لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ"

ترجمہ: "زمین پر فساد برپا نہ کرو۔"

چنانچہ وہ اسی وقت اپنا جھگڑا تو بھول ہی گئے اور بارگاہِ الٰہی سے معذرت خواہ ہوئے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ازاں بعد ان میں باہم کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔

## (۴) شائستہ اولاد

ایک دفعہ حضرت حسنؓ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ بیت المال کے لیے صدقہ کی کھجوریں آئیں۔ امام حسنؓ اٹھے اور بھولے پن میں ایک کھجور پکڑ کر منہ میں ڈال لی۔ آپ ﷺ کی نگاہ پڑی تو فوراً اٹھے، اُن کے منہ میں انگلی ڈالی اور فرمایا "کخ کخ" تا کہ وہ کھجور نکال پھینکیں پھر فرمایا: "کیا تمھیں خبر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھایا کرتا۔"

اُنھوں نے کھجور اُگل دی۔ بس وہ دن تھا کہ امام حسنؓ نے پھر کبھی کوئی چیز بھولے پن سے بھی ہاتھ میں نہیں لی۔ جب حضور ﷺ یا والدین کچھ دیتے کھا لیتے۔ ورنہ آنکھ اٹھا کر بھی کسی چیز کی طرف نہ دیکھتے۔

### (۵) مہذب اولاد

بزرگوں کے ادب آداب کے متعلق اولاد کو ایسی تعلیم دی گئی تھی کہ شاید ہی کسی نے دی ہو۔ ایک دفعہ حسنؓ اور حسینؓ کھیل رہے تھے کہ ایک بوڑھا اعرابی مسجد میں آیا اور وضو کرنے لگا۔ غریب ابھی نیا نیا مسلمان ہوا تھا۔ ابھی وضو کا طریقہ بھی صحیح نہیں آتا تھا۔ جب بچوں نے دیکھا کہ کبھی پاؤں دھوتا ہے اور کبھی منہ دھونے لگ جاتا ہے، تو بجائے ہنسنے اور تمسخر اڑانے کے ان دونوں نے یہ طریق اختیار کیا کہ اس کے پاس بیٹھ گئے۔ ایک دوسرے سے کہنے لگا:

''لو بھائی میں وضو کرنے لگا ہوں اگر کوئی غلطی کروں تو مجھے بتانا۔''

وضو کرنے والے نے عمداً وہی غلطی کی جو بوڑھے سے ہوئی تھی۔ دوسرے نے روکا اور کہا:

''یوں نہیں یوں کرو۔ حضور ﷺ اس طرح وضو کیا کرتے ہیں۔''

پس بوڑھے نے اُن سے دیکھ کر اپنی اصلاح کرلی اور یہ محسوس بھی نہ کیا کہ مجھے بچے سکھلا رہے ہیں۔ اگر وہ جان لیتا تو شاید اسے اپنی توہین سمجھتا۔

## 9- ایک مبلغ کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ

آپ ﷺ بے شک ایک خاوند بھی تھے، ایک باپ بھی تھے، ایک امام بھی تھے، ایک حاکم بھی تھے۔ مگر یہ سب کی سب حیثیتیں اور صفتیں تبلیغی حیثیت کے تابع تھیں۔ اگر آپ ﷺ شوہر تھے، تو محض اس لیے کہ دُنیا کے سامنے ایک بہترین شوہر ہونے کا اُسوہ پیش کریں۔ اگر آپ ﷺ امام یا حاکم تھے تو صرف اس لیے کہ دُنیا کے سامنے صحیح امامت اور حکومت کا نقشہ پیش کریں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنا رسول اور پیغامبر بنایا تھا، اس لیے آپ ﷺ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، زندگی کی ہر راہ میں، عمل کے ہر شعبہ میں، مبلغ تھے۔ آپ ﷺ کا ذکر و فکر تبلیغ تھا۔ آپ ﷺ کی عبادت و ریاضت تبلیغ تھی۔ آپ ﷺ کی سپہ گری اور کشور کشائی تبلیغ تھی۔ آپ ﷺ تبلیغ کا پیکر تھے۔ سراپا تبلیغ تھے۔ آپ ﷺ مبلغ پیدا ہوئے۔ مبلغ بن کر جیئے اور تبلیغ کی راہ میں نثار ہو گئے۔

### (۱) آپ ﷺ کا حجۃ الوداع پر خطاب

آپ ﷺ نے اپنی تبلیغی حیثیت کے امتیاز کو خود ہی اس قدر واضح کر دیا ہے کہ اب ہمیں اس کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے دن جب ایک لاکھ چوالیس ہزار کے مجمع میں آخری تقریر فرمائی تو تقریر کے بعد حاضرین سے پوچھا:

''وَاَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ''

ترجمہ: ''اے حاضرین! کل قیامت کے دن تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا، تم کیا جواب دو گے؟''

اس وقت حاضرین نے جو جواب دیا وہ آپ کی پوزیشن اور حیثیت کو واضح کر رہا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں کہ سب نے بہ یک آواز کہا:

''نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ''

ترجمہ: ''حضور ﷺ! ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حق تبلیغ خوب ادا فرمایا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔''

اس پر حضور ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا:

''اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ!''

ترجمہ: ''اے اللہ! سن لے۔ اے اللہ! گواہ رہ۔ اے اللہ! دیکھ لے۔''

یہ لوگ میرے حق رسالت و نبوت کی ادائیگی کے متعلق کس قدر واضح الفاظ میں تصدیق کر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ صاف طور پر واضح ہو رہا ہے کہ حضور ﷺ کی حقیقی ذمہ دارانہ حیثیت صرف ایک ہی تھی، جو تبلیغی حیثیت تھی۔ باقی جس قدر حیثیتیں تھیں وہ سب اس کے تابع تھیں۔

## 10- ایک زاہد کے لیے اسوۂ رسول اکرم ﷺ

آپ ﷺ کے زہد و ورع اور قناعت و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ گھر میں فراخی ہو یا تنگ دستی، کیفیت یکساں ہی رہتی تھی اور آپ کے زہد میں کسی حالت میں بھی فرق نہ آتا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

i. ''الٰہی! میں ایک دن بھوکا رہوں، ایک دن کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں اور تجھ سے مانگا کروں۔ اور پیٹ بھر کر تیری حمد و ثنا کیا کروں۔''

ii. حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ اور کبھی کسی سے فاقہ کا شکوہ بھی نہیں کیا۔

iii. حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ اکثر فاقہ پر فاقہ کیے جاتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ کو رات بھر نیند نہ آتی۔ مگر اگلے دن آپ ﷺ پھر روزہ رکھ لیتے تھے۔ میں حضور ﷺ کے فاقہ کی حالت کو دیکھ کر رو پڑا کرتی، اور کہا کرتی تھی: ''دنیا میں سے اتنا تو قبول کر لیجیے جو جسمانی طاقت کے قائم رکھنے کو کافی ہو۔''

آپ ﷺ جواب میں فرماتے ''عائشہ! مجھے دنیا سے کیا کام! میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے بھی زیادہ سخت حالت پر صبر کیا کرتے تھے۔ وہ اسی حال پر چلے اور خدا نے ان کا اکرام کیا۔ اب اگر میں آسودگی کو پسند کروں تو مجھے شرم آتی ہے کہ اس صفت میں کل ان سے کم رہ جاؤں گا۔''

iv. صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ میں آکر (جب کہ سب مسلمانوں کی حالت بہتر سے بہتر ہو چکی تھی) برابر تین دن تک گیہوں کی روٹی کبھی نہیں کھائی۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جو کی روٹی بھی متواتر دو روز تک نہیں کھائی۔

v. حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ متواتر مہینہ مہینہ بھر ہمارے چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی تھی۔ پوچھا گیا ''پھر آپ کا گزارا کس طرح ہوتا تھا۔'' فرمایا: ''سارا کنبہ پانی اور کھجور پر گزارا کر لیتا تھا۔''

## 11- عالمگیر انسانی برادری اور اسوۂ رسول کریم ﷺ

یوں تو تمام انبیا اپنے وقت میں اپنی قوم کے لیے نمونہ اور رول ماڈل ہوتے ہیں اور ان کی اتباع کرنا قوم کے لیے لازم ہوتا ہے، مگر آپ ﷺ کی رسالت، عالمگیر رسالت ہے اور آپ ﷺ کی اتباع قوم کے لیے لازم ہے، اس لیے ہر لحاظ سے آپ ﷺ کو کامل بنایا گیا اور آپ ﷺ کے اسوہ کو ہر پہلو سے قابل تقلید اور واجب الاتباع قرار دیا گیا۔ آپ ﷺ زندگی کے ہر پہلو سے ایک فرد کے لیے نمونہ کامل ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

ترجمہ: ''فی الحقیقت تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے۔''

آپ ﷺ کے جامع اُسوہ کو بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں:

''غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی بت پرست عرب، وہی بداخلاق عرب ہیں، یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا؟ اک اُمی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عاقل روشن دل، روشن دماغ اور مقنن (Lawgiver) کیوں کر بنا گئی؟ ایک نہتے پیغمبر کا ولولہ تبلیغ، بے حال عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا؟ جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور اطاعت گزار کیوں کر ہو گئے۔۔۔۔۔ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات، انسانی کمالات اور صفاتِ حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب ان ہی کی جامعیت کی جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیقؓ و فاروقؓ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورینؓ اور مرتضیٰؓ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں۔ کبھی خالدؓ اور ابوعبیدہؓ اور کبھی سعدؓ و جعفرؓ طیار ہو کر سامنے آتی تھیں۔ کبھی ابن عمرؓ اور ابوذرؓ اور سلمانؓ اور ابودرداؓ ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں۔''

وہ مزید لکھتے ہیں:

''گویا محمد رسول اللہ ﷺ کا وجودِ مبارک آفتاب عالمتاب تھا جس سے اُونچے پہاڑ، ریتلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے۔۔۔۔۔ ان نیرنگیوں کے ساتھ اور اس اختلافِ استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی۔ وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوندر رہی تھی، ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی، وہ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، اُستاد ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا کاروباری، غازی ہوں یا شہید، توحید کا نور، اخلاص کی رَو، قربانی کا ولولہ، خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا۔''

## 12- خلاصۂ بحث

حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی جامع شخصیت کے سوا دُنیا کا کوئی آخری اور عالمگیر راہنما نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اعلان فرمایا: ''اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے، تو آؤ میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم سپہ سالار ہو یا سپاہی ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر دولت مند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر بے کس اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو۔ اگر تم خدا تعالیٰ کے عابد ہو تو میری پیروی کرو، اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو۔ غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لیے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ لیکن افسوس ہمارے حال پر، جس کی طرف علامہ اقبالؒ نے توجہ مبذول کروائی ہے:

؎ کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بے زار
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام (ﷺ) کا تمھیں پاس نہیں

# تحمل و برداشت سیرت طیبہ کی روشنی میں

1- نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں تحمل و برداشت اور عفوودرگزر کو جو مقام حاصل ہے اس کا احاطہ کیجیے۔(2020)

## اہم نکات

1- تعارف

2- عفوودرگزر کے متعلق آیاتِ قرآنیہ

3- عفوودرگزر اور برداشت کے متعلق احادیثِ نبویہ

4- درگزر اور برداشت، سیرت طیبہ کی روشنی میں

5- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

عفو و درگزر اور تحمل و برداشت انسانی زندگی کا ایک ایسا پہلو ہ، جس کے بغیر معاشرتی استحکام ممکن ہی نہیں۔ عفو و درگزر اور برداشت دراصل انسانی شخصیت کی وسعت کا بیان ہے۔ درگزر اور برداشت نہ ہو تو انسانیت گھٹ کر مر جائے اور ہر طرف فساد برپا ہو۔ درگزر اور برداشت لطافت و رحمت کا اظہار ہے، جس سے انسانیت پہچانی جاتی ہے۔ انسان کی اس اخلاقی قدر کا مصدر بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ''عفو'' ہے۔ اللہ تعالیٰ جو اپنے علم اور قدرت کی بنا پر مخلوق کی بغاوت و انحراف پر سزا دے سکتا ہے لیکن وہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے۔ کبھی مہلت دیتا ہے اور صرف نظر کرتا ہے اور کبھی معاف کر دیتا ہے۔ اس کے عفو و کرم نے کاروبارِ حیات کو وسعت دی اور زندگی کی سرگرمیوں کو برکت بخشی ہے۔ اگر اس کا عفو و کرم نہ ہوتا تو لوگ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے جل رہے ہوتے اور اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ''عفو'' کا ایک اور مظہر اس کے اسمائے حسنیٰ ''غفور، غفار اور غافر'' ہیں جن کے معنی بخشنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا اظہار نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں ہوتا ہے۔ ذیل میں درگزر اور برداشت کے حوالے سے آیات، احادیث اور سیرتِ طیبہ سے واقعات کو نقل کیا جاتا ہے۔

## 2- عفو و درگزر کے متعلق آیاتِ قرآنیہ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ اور ان کے اظہارِ ندامت پر انھیں اپنی بخشش سے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کی رحمت ان کے انتظار میں رہتی ہے۔ انسان کی توجہ کبھی قبولیت سے محروم نہیں ہوتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

(i) وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (الشوریٰ:25)

ترجمہ: ''اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اُن کے قصور معاف کرتا ہے اور جو تم کرتے ہو وہ سب جانتا ہے۔''

(ii) وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (طٰہٰ:82)

ترجمہ: ''اور میں بڑی بخشش کرنے والا ہوں، اس کے لیے جو توبہ کرے، ایمان لائے، نیک عمل کرے اور پھر سیدھے راستے پر چلے۔''

اللہ تعالیٰ کو صفت ''عفو'' اتنی عزیز ہے کہ وہ اس کا عکس اپنے بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اپنے حبیب ﷺ کو اس کی طرف توجہ دلاتا ہے اور اپنے بندوں کو اس کا حکم دیتا ہے۔ قرآن کی آیات ربّ کریم کی اس کھلی دعوت کی گواہ ہیں۔ وہ فرماتا ہے:

(iii) خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف:198)

ترجمہ: ''اے پیغمبر (ﷺ) عفو اختیار کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور جاہلوں سے کنارہ کرلیں۔''

لوگوں کے بُرے رویہ کے باعث حضور اکرم ﷺ کی طبیعت کبھی کبھی ملول ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کی تلقین ہوتی اور کام جاری رکھنے کا حکم ہوتا۔ جس طرح مندرجہ بالا آیت میں خاص ہدایت دی گئی ہے اسی طرح سورۃ مؤمنون میں بھی ایک اور اسلوب میں وہی بات فرمائی گئی۔

(iv) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ط نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ (المومنون:96)

ترجمہ: ''بُری بات کے جواب میں ایسی بات کہیں جو اچھی ہو اور یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔''

حضورِ اکرم ﷺ کی وساطت سے مؤمنوں کو بھی ''عفو'' کا رویہ اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

(v) وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور:22)

ترجمہ: ''ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بخش دے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

یہ آیت واقعہ اِفک پر تبصرے سے متعلق ہے۔ مفسرین کے مطابق ابوبکرؓ کے بعض رشتہ دار جن کی وہ مدد کرتے تھے اس مہم جوئی میں ملوث تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس پر عفوودرگزر کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے اور بڑے واضح انداز میں اللہ کی مغفرت وبخشش کا ذکر ہے اور لطیف اشارہ ہے کہ ہر انسان غلطی کرسکتا ہے اگر وہ اپنے ربّ سے بخشش کا طلب گار ہے تو اسے لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرنا چاہیے۔ گویا اسلامی معاشرے کی مجموعی فضا عفوودرگزر اور بخشش ورحمت کی ہے۔ اس اخلاقی فضا کی تشکیل واستحکام میں بنیادی کردار سرکارِ دوعالم ﷺ کا ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت اور حیاتِ طیبہ کے واقعات اس کی گواہی دیتے ہیں۔

### 3- عفوودرگزر اور برداشت کے متعلق احادیثِ نبویہ ﷺ

- حضرت معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوشخص اپنے غضب کے تقاضے کو پورا کرنے پر قادر ہو، اس کے باوجود وہ اپنے غصہ کو ضبط کرلے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور اس کو یہ اختیار دے گا کہ وہ جس بڑی آنکھوں والی حور کو چاہے لے لے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:4777)
- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم کس شخص کو پہلوان کہتے ہو؟ ہم نے کہا جو لوگوں کو پچھاڑ دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:4779)
- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی خادم کو مارا نہ عورت کو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث:4786)
- حضرت ''ابوتمیمہؓ'' بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی نیک کام کو حقیر نہ جاننا اور جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو، تو کشادہ جبیں اور مسکراتے ہوئے ملاقات کرو اور پانی مانگنے والے کو اپنے ڈول سے پانی دینا۔ اگر کسی شخص کو تمھارے کسی عیب کا علم ہو اور وہ تمھیں اس کے ساتھ برا کہے تو تمھیں اس کے جس عیب کا علم ہو تم اس کے عیب کے ساتھ برا نہ کہنا' تمھیں اس پر اجر ملے گا اور اسے اس کا گناہ ہوگا اور تم تکبر سے تہبند نہ لٹکانا کیونکہ اللہ عزوجل تکبر کو پسند نہیں کرتا اور کسی شخص کو گالی نہ دینا، میں نے اس کے بعد کسی کو گالی نہیں دی نہ بکری کو نہ اونٹ کو۔ (مسند احمد ج7' رقم الحدیث:20660)

### 4- درگزر اور برداشت، سیرت طیبہ کی روشنی میں

حضور اکرم ﷺ نے جن لوگوں میں دعوت کا کام شروع کیا تھا ان کی جاہلیت اور اکھڑپن مشہور تھا۔ انتقام ان کی انفرادی شخصیت اور اجتماعی تشخص کا حصہ تھا۔ وہ ہمیشہ جبر اور ظلم میں اقدام کرتے۔ ان کی لڑائیاں اور دشمنیاں فخر وغرور اور ظلم وجاہلیت ہی کی وجہ سے جاری رہتیں۔ اگر وہ کسی کے دشمن ہوتے تو پھر معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر کسی نے بےعزتی کی بات کی تو اس کا انتقام قتل کی صورت میں بھی ہوسکتا تھا۔ یہ تھی وہ معاشرت، جس میں آپ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا۔ اہل مکہ کا ردِعمل انکار تحقیر اور دشمنی کا تھا۔ مدینہ میں جن لوگوں سے واسطہ ہوا وہ یہودی تھے، ان کا انکار اور ان کی دشمنی کوئی ڈھکی چھپی شے نہ تھی اور منافقین کا گروہ اس پر مستزاد تھا۔ مخالفین اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ تحقیر وتکلیف کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ چھوڑتے۔ ان حالات میں ایک طرف آپ ﷺ کو دشمنوں کے دباؤ کا سامنا تھا اور دوسری طرف اہل ایمان کے اجتماعی استحکام کا مسئلہ تھا۔ ان کے چھوٹے بڑے اختلافات اور عملی کوتاہیاں اور کمزوریاں بھی درپیش تھیں اور ان کی کامیابی بھی پیش نظر تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات اور ارشادات کے ذریعے بھی درگزر وبرداشت کی تلقین کی اور اپنے عمل سے بھی ایک معیار قائم کیا۔ ایسا معیار جو آنے والی نسلوں کے لیے روشنی مہیا کرتا رہے گا۔ اس کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن سب آجاتے ہیں۔

## ۱۔ حضرت انسؓ کا بیان

آپ ﷺ کے خادم انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے اُنھیں کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا۔ میں نے کہا نہ جاؤں گا۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ اچانک حضور اکرم ﷺ نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ ہنس رہے تھے اور پھر پیار سے فرمایا:

**يَا أُنَيْسُ! اِذْهَبْ حَيْثُ اَمَرْتُكَ**

ترجمہ: ''انیس جس کام کے لیے کہا تھا اس کے لیے ابھی جاؤ۔''

میں نے عرض کیا اچھا جاتا ہوں۔ انسؓ اس واقعہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

**وَاللّٰهِ لَقَدْ خَدَمْتُ سَبْعَ سِنِيْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِيْنَ مَا عَلِمْتُ قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُ: ''لِمَ فَعَلْتَ كَذَا اَوْ كَذَا۔'' وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُ: ''هَلَّا فَعَلْتَ كَذَا او كَذَا''**

ترجمہ: ''میں نے سات برس یا نو برس آپ ﷺ کی خدمت کی۔ کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟''

## ۲۔ حاطبؓ بن بلتعہ کی مثال

آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کی غلطیوں کو نظر انداز فرماتے اور بعض اوقات تو شدید کوتاہیوں کو بھی ان کے دینی و اخلاقی مرتبے کے پیش نظر معاف فرماتے۔ اس کی ایک مثال حاطبؓ بن بلتعہ کی ہے۔ حاطبؓ بدری صحابی تھے اور اسلام کے ساتھ ان کے اخلاص میں شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی لیکن انھوں نے ایسا کام کیا جو پوری مسلم کمیونٹی کو نقصان پہنچانے والا تھا۔ حضور اکرم ﷺ جس زمانہ میں فتح مکہ کی تیاریاں کر رہے تھے اور حسب معمول جنگی حکمت عملی کے تحت ہر بات کو مخفی رکھ رہے تھے تاکہ کفار کو پتا نہ چلے۔ حاطبؓ بن بلتعہ نے قریش کو ان تیاریوں کی اطلاع دینا چاہی۔ اُنھوں نے ایک خط لکھ کر ایک عورت کے ذریعہ مکہ روانہ کیا۔ رسول اکرم ﷺ کو اس کا علم ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو پیچھے بھیجا جو عورت کو خط سمیت گرفتار کر لائے۔ جب حاطبؓ سے پوچھا گیا تو اُنھوں نے اپنے قصور کا برملا اعتراف کیا۔ وجہ بتائی اور غلطی کی معافی چاہی۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی کو بھی معاف فرمایا اور اس عورت سے بھی کوئی تعرض نہ کیا۔ یہ کوئی معمولی خطا نہ تھی۔ اپنی قوم کے خلاف ایک طرح کی مخبری تھی اور مسلمانوں کو اس سے شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ کوئی اور حکمران ہوتا تو سزا کچھ اور ہوتی۔ حضرت عمرؓ کے شدید ردِعمل کے جواب میں جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ آپ ﷺ کے درگزر و برداشت کرنے کی روشن دلیل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

**اِنَّهٗ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى مَنْ شَهِدَ بَدْرًا فَقَالَ: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ**

ترجمہ: ''بے شک یہ بدری صحابی ہیں، اللہ تعالیٰ بدر میں شریک ہونے والوں کو جانتا ہے، فرمایا: تم جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخش دیا۔''

## ۳۔ قریش کے قتل کا منصوبہ

انسان کے درگزر کرنے اور برداشت کے حامل ہونے کی صفت کا صحیح پتا اس وقت چلتا ہے جب اسے اپنے دشمنوں اور تکلیف دینے والوں پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ چھوٹی موٹی غلطیاں معاف ہوسکتی ہیں۔ عزیزوں اور دوستوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن دشمن پر جب غلبہ حاصل ہو جائے تو پھر اسے معاف کرنا اخلاقی معیار کی معراج ہے۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی کا یہ پہلو بے مثال طور پر اجاگر ہوتا ہے۔ کتب حدیث میں متفقہ طور پر روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے سلسلے میں کبھی انتقام نہیں لیا۔ قریش نے طے کر لیا تھا کہ محمد ﷺ کو ختم کر دیا جائے اور قتل کا یہ منصوبہ اسی شب تکمیل پذیر ہوتا جس رات آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بحفاظت وہاں سے نکالا۔ پھر ایک وقت آیا جب آپ ﷺ ان سے انتقام لینے پر قادر تھے لیکن کسی شخص کو عملی طور پر شریک ہونے کے باوجود سزا نہ ملی۔

## ۴۔ حضور ﷺ کے سر کی قیمت لگانا

ہجرت ہی کے موقعہ پر قریش مکہ نے حضور اکرم ﷺ کے سر کی قیمت لگائی اور اس شخص کو سو اونٹ دینے کا اعلان کیا جو حضور اکرم ﷺ کو زندہ پکڑ لائے یا آپ ﷺ کا سر لے آئے۔ ''سراقہ بن مالک'' نے اپنے تیز رفتار گھوڑے کی مدد سے یہ کام انجام دینے کی ٹھانی۔ رسول اکرم ﷺ کو دیکھ کر قریب پہنچنے کی کوشش کرتا تو گھوڑا زمین میں دھنس جاتا۔ دو تین دفعہ کوشش کے بعد ارادہ ترک کر دیا اور آپ ﷺ سے سند امان حاصل کرنے کی درخواست دی۔ آپ ﷺ نے اس کو سند امان لکھ دی۔ آٹھ سال بعد فتح مکہ کے موقعہ پر جب ''سُراقہ'' حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو اس کے سابقہ جرم کا ذکر تک نہ ہوا۔

## ۵۔ بدو کا تلوار سونت لینا

عروہ بن زبیرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کسی غزوہ سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا اور تیز دھوپ کی وجہ سے لوگ درختوں کے نیچے آرام کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے بھی ایک درخت کی شاخ پر تلوار لٹکائی اور آرام فرمانے لگے۔ ایک بدو نے غافل سمجھ کر تلوار پکڑ لی اور سونت کر بولا: محمد ﷺ آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ۔ اس آواز کی تاثیر تھی کہ اس نے تلوار نیام کر لی۔ اتنے میں صحابہؓ آ گئے تو آپ ﷺ نے سارا واقعہ بیان کیا لیکن اس شخص کو کسی قسم کی سزا نہ دی۔

## ۶۔ صلح حدیبیہ میں قتل کی سازش

صلح حدیبیہ کے زمانے میں اسی (80) آدمیوں کا دستہ تاریکی میں ''جبل تنعیم'' سے اتر آیا تاکہ چھپ کر حضور اکرم ﷺ کو قتل کر دیں۔ مسلمان ہوشیار تھے اُنھیں گرفتار کر لیا لیکن آپ ﷺ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور انھیں چھوڑ دیا۔ مفسرین کے مطابق قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت اسی موقع پر اُتری۔

''وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم'' (الفتح:24)

ترجمہ: ''وہی اللہ ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک لیے۔''

## ۷۔ خیبر کی یہودیہ کو معاف کرنا

خیبر کی جس یہودیہ نے آپ ﷺ کو کھانے میں زہر دیا تھا اور یہودیوں کے اقرار کے باوجود آپ ﷺ نے کوئی تعرض نہ کیا حالانکہ اس زہر کا اثر آپ ﷺ کو آخری دم تک محسوس ہوتا رہا۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کا خیال تو نہ کیا لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی فوت ہوا تو آپ ﷺ نے اسے قصاص کی سزا دی۔

## ۸۔ فتح مکہ پر اعلانِ معافی

مشرکینِ مکہ نے آپ ﷺ سے جو سلوک کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ تکلیف واذیت کی جو صورت بھی اختیار کر سکتے تھے کی گئی اور تحقیر و تذلیل کا جو حربہ بھی استعمال کر سکتے تھے کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جب آپ ﷺ کو ان پر فتح عطا فرمائی اور آپ ﷺ سیاسی اور عسکری طور پر غالب آئے تو آپ ﷺ نے جو رویہ اختیار فرمایا وہ بھی تاریخ انسانی میں اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ ﷺ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ سراپا عفو و درگزر تھے۔ امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر انصار کے لشکر کا جھنڈا مشہور صحابی سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ میں تھا اور وہ ایک قائد کی حیثیت سے ایک جملہ کہہ بیٹھے جو حضور ﷺ کی عفو و درگزر کی پالیسی کے خلاف تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جھنڈا ان سے لے لیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ جب فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے تو قریش اپنے جرائم اور مخالفانہ کارروائیوں کی وجہ سے ڈرے ہوئے تھے۔ اُنھیں ہر دم یہ خیال تھا کہ جانے اب کیا ہونے والا ہے؟ لیکن اس سراپہ رحمت وعفو نے ایک ہی اعلان سے سب اندیشوں کو ختم کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا:

''لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ اِذۡهَبُوا فَأَنۡتُمُ الطُّلَقَاءُ''۔

ترجمہ: ''تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

## ۹۔ عکرمہ بن ابی جہل کے لیے اعلانِ معافی

مکہ میں آپ ﷺ کی مخالفت وعناد میں سرفہرست ابوجہل اور ابوسفیان کا گھرانہ تھا۔ ابوجہل تو غزوہ بدر میں مارا گیا لیکن اس کا بیٹا عکرمہ جو بعد کی جنگوں میں حصہ لے چکا تھا اس خوف سے بھاگ گیا کہ فتح مکہ کے بعد اس کے لیے موت کے سوا کچھ نہیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ اس کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی وہ یمن گئی اور عکرمہ کو حضور ﷺ کے عفوو درگزر اور اسلام کی عظمت کا احساس دلایا اور خاوند کو مسلمان کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں لائی۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں کو آتے دیکھا تو خوشی سے اُٹھے اور اتنی تیزی سے اُن کی طرف بڑھے کہ جسد اطہر پر چادر کا خیال بھی نہ کیا اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

''مَرۡحَبًا بِالرَّاكِبِ الۡمُهَاجِرِ''

ترجمہ: ''اے ہجرت کرنے والے سوار تمھارا آنا مبارک ہو۔''

## ۱۰۔ ہند کے لیے اعلانِ معافی

ابوسفیان کی بیوی ''ہند'' نے حضور اکرم ﷺ کے محبوب چچا سیّد الشھداء حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا تھا اور جگر کے ٹکڑے کیے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اطاعت کے سوا چارہ نہ پا کر بارگاہِ رسالت ﷺ میں نقاب پہن کر بیعت کے لیے حاضر ہوئی تا کہ پہچانی نہ جا سکے۔ آپ ﷺ نے پہچان لیا، لیکن عفوورحم کے باعث محسوس نہ ہونے دیا۔ ''ہند'' نے آپ ﷺ کے اخلاق سے متاثر ہو کر کہا:

يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا كَانَ عَلٰى ظَهۡرِ الۡاَرۡضِ اَهۡلُ خِبَاءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ اَنۡ يَذِلُّوا مِنۡ اَهۡلِ خِبَائِكَ ثُمَّ مَا اَصۡبَحَ الۡيَوۡمَ عَلٰى ظَهۡرِ الۡاَرۡضِ اَهۡلُ خِبَاءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ اَنۡ يَعِزُّوا مِنۡ اَهۡلِ خِبَائِكَ

ترجمہ: ''یارسول اللہ! میری نگاہ میں آپ ﷺ کے خیمے سے زیادہ مبغوض کوئی خیمہ نہ تھا لیکن آج آپ ﷺ کے خیمے سے محبوب تر کوئی خیمہ نظر نہیں آتا۔''

## ۱۱۔ وحشی کے لیے اعلانِ معافی

حمزہؓ کے قاتل وحشی کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ طائف چلا گیا۔ جب طائف بھی آپ ﷺ کے زیر نگیں ہو گیا تو حضور ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور امان پائی۔ آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا:

''هَلۡ تَسۡتَطِيۡعُ اَنۡ تُغَيِّبَ وَجۡهَكَ عَنِّيۡ''۔

ترجمہ: ''ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو''

## ۱۲۔ ابوسفیان کے گھر کے لیے ''دارالامن'' کا اعلان

ابوسفیان ہی کو لے لیجیے حضور اکرم ﷺ اور اسلام کا بدترین دشمن۔ بدر سے فتح مکہ تک تمام جنگوں اور تصادم کی سرگرمیوں میں وہ کسی نہ کسی طور پر شریک رہا لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب عباسؓ اُس کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے مشورہ قتل کے برعکس نہ صرف معاف کیا بلکہ اُس کے گھر کو امان کی جگہ قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہو گا۔''

○ فتح مکہ کے موقع پر جو بڑے مجرم اپنے جرائم کی وجہ سے مطلوب تھے ان میں ہبار بن الاسود بھی تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی زینبؓ کو ہجرت کے وقت اونٹ سے گرایا تھا جس سے سخت چوٹ بھی آئی تھی اور حمل بھی ساقط ہوگیا۔ وہ ایران کی طرف بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن حضور ﷺ کے حلم وعفو کے باعث بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو دامن رحمت نے پناہ دے دی۔ کتب سیرت وحدیث میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جو آپ ﷺ کے عفوودرگذر کا شاندار نمونہ پیش کرتے ہیں۔ عفوودرگزر کی اس صفت سے دوست دشمن، مسلم، کافر سب فائدہ اٹھاتے رہے۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ انسانیت نے عفوودرگزر کی ایسی مثال مشکل سے ہی دیکھی ہوگی۔

## ۱۳۔ ہبار بن اسود کے لیے اعلانِ معافی

حضرت جبیر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ ''جعر انہ'' سے واپسی پر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اچانک دروازہ سے ''ہبار بن اسود'' داخل ہوا۔ مسلمانوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ یہ ہبار بن اسود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اس کو دیکھ لیا ہے۔ ایک شخص اس کو مارنے کے لیے کھڑا ہوا۔ نبی ﷺ نے اس کو اشارہ کیا کہ وہ بیٹھ جائے۔ ہبار کھڑا ہوا اور اس نے کہا 'السلام علیک یا نبی اللہ! **اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ**'۔ یارسول اللہ! میں آپ سے بھاگ کر کئی شہروں میں گیا اور میں نے سوچا میں عجم کے ملکوں میں چلا جاؤں، پھر مجھے آپ ﷺ کی نرم دلی، صلہ رحمی اور دشمنوں سے آپ ﷺ کا درگزر کرنا یاد آیا' اے اللہ کے نبی ﷺ ہم مشرک تھے اللہ نے آپ ﷺ کے سبب سے ہمیں ہدایت دی، اور ہم کو ہلاکت سے نجات دی۔ آپ ﷺ میری جہالت سے درگزر فرمائیں اور میری ان تمام باتوں سے جن کی خبر آپ ﷺ تک پہنچی ہے' میں اپنے تمام برے کاموں کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تم کو اسلام کی ہدایت دے دی اور اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (الاصابہ ج ۶' ص ۴۱۳' رقم: ۸۹۵۱)

## 5- خلاصہ بحث

غرضیکہ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو معاف کر دیا جس نے متعدد بار مدینہ پر حملہ کیا۔ وحشی کو معاف کر دیا جس نے آپ ﷺ کے عزیز چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کو شہید کیا تھا۔ ہند کو معاف کر دیا جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا تھا۔ فتح مکہ کے بعد تمام ظالموں کو معاف کر دیا۔ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا جو آپ ﷺ کو ہمیشہ اذیتیں پہنچاتا رہا، جس نے کہا تھا آپ ﷺ کی سواری سے بدبو آتی ہے، جو غزوہ احد میں عین لڑائی سے پہلے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام سے نکل گیا تھا، جس نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے، جس نے آپ ﷺ کے حرم محترم اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت باندھی اور آپ ﷺ کو رنج پہنچایا۔ اس نے بھی جب مرتے وقت آپ ﷺ کی قمیص اپنے کفن کے لیے منگوائی تو آپ ﷺ نے عطا کر دی۔ آپ ﷺ سے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس کی درخواست کو قبول فرما لیا۔ صفوان بن امیہ، عمیر اسدی، اور عکرمہ بن ابوجہل کو معاف کر دیا۔ سراقہ کو امان لکھ دی اور بہت سے ظالموں اور ستم شعاروں کے مظالم اور ان کی جفاؤں سے اعراض کر کے انھیں معاف کر دیا۔ غرض آپ ﷺ کی پوری زندگی عفوودرگزر اور تحمل و برداشت سے عبارت تھی۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بحیثیت قوم اور بحیثیت اُمت آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزاریں۔

سلام اُس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اُس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اُس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دُعائیں دیں

سوال 3

# سفارت کار کے لیے نمونہ عمل

## اہم نکات

1- تعارف

2- زمانہ جاہلیت کی سفارتی تاریخ

3- عہد رسالت ﷺ کی سفارتی تاریخ

4- رسالت مآب ﷺ کی سفارت کے مقاصد

(۱) دعوت توحید

(۲) عالمگیر دعوت رسالت

(۳) دفاع ریاست

(۴) امن عالم

(۵) معاہدات کا احترام

(۶) التوائے جنگ یا صلح

(۷) بلاوجہ تنازعہ سے پرہیز

(۸) حق کی معاونت اور ظلم سے اجتناب

(۹) اندرونی استحکام

(۱۰) جنگی سامان میں ترقی

(۱۱) بین الاقوامی اُصولوں کی پاسداری

(۱۲) قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

(۱۳) غیر مسلموں کے حقوق

5- خلاصۂ بحث

؎ نجاتِ اُخروی و فوزِ دنیوی کے لیے
وہ ایک نور کا جادہ ہیں ہر کسی کے لیے

## 1- تعارف

مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان باہمی تعلقات اور دوطرفہ معاہدات کے لیے قدیم زمانے سے سفارتی سرگرمیاں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ جنگی معاملات اور تجارتی امور پر بھی اس ادارہ کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ خارجہ معاملات کے لیے کوئی باقاعدہ سفارتی سرگرمیاں موجود نہ تھیں، نہ ہی سفارت خانوں کے متعلق دفاتر مختلف ممالک میں قائم ہوتے تھے، لیکن سیاسی طور پر اسے نمایاں مقام حاصل تھا۔ جب سفارتی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو ایسے افراد کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا جو زیر غور مسئلے کے ہر پہلو کو خوب سمجھتے ہوں، ذہین اور سمجھ دار ہوں، اپنی بات کو مؤثر انداز میں پیش کرسکیں اور دوسرے فریق سے اپنی بات منوا سکیں۔ جہاں تک نبی کریم ﷺ کی سفارت کا تعلق ہے تو آپ ﷺ کی سفارت کے مقاصد میں سے دعوتِ توحید، عالمگیر ریاست، امن عالم کا قیام اور معاہدات کا احترام تھا۔ آج ضرورت اِس امر کی ہے کہ آپ ﷺ کی سفارت کاری سے نمونہ عمل لیتے ہوئے دُنیا میں امن کے قیام کی کوشش کی جائے۔

## 2- زمانہ جاہلیت کی سفارتی تاریخ

زمانہ جاہلیت کی سفارتی تاریخ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

### (۱) قریش مکہ کی یہود سے سفارت

جب حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو قریش مکہ نے علماء یہود سے سفارتی رابطہ قائم کیا۔ قریش نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی مُعَیط کو مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ علماء یہود سے حضور ﷺ کے دعویٰ کی سچائی کی حقیقت معلوم کرسکیں۔

### (۲) شاہ حبشہ کے پاس قریش کی سفارت

مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ بعض مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اہل مکہ نے شاہ حبشہ کے پاس سفارتی نمائندے بھیجے تاکہ سفارتی ذریعہ سے شاہ حبشہ پر دباؤ ڈالا جائے کہ شاہ حبشہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کردے یا کم از کم اپنی حکومت سے انھیں نکلنے پر مجبور کردے۔ قریش مکہ کی جانب سے سفارت کے فرائض عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے انجام دیے۔

## 3- عہد رسالت ﷺ کی سفارتی تاریخ

عہد رسالت ﷺ کی سفارتی تاریخ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

### (۱) ریاست مدینہ میں پہلے سفیر کی تقرری

اسلامی ریاست میں کسی سفیر کی پہلی تقرری عسکری یا نیم عسکری مہموں کے دوران ہوئی تھی۔ 4ھ/ 625ء میں غزوۂ بنونضیر کے دوران رسول کریم ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ اوسیؓ کو سفیر بنا کر بنونضیر کے یہودیوں کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے آخری فیصلہ سے آگاہ کریں جو آپ ﷺ بنونضیر کے بارے میں کرنے جا رہے تھے۔

### (۲) غزوہ احزاب کے وقت سفارت

دو برس بعد جب ریاست مدینہ احزاب (مختلف لشکروں) کے محاصرہ میں گھر چکی تھی تو تین مسلم سفیروں حضرت سعدؓ بن معاذ اوسی، سعدؓ بن

عبادہ خزرجی اور عبداللہؓ بن رواحہ خزرجی کی تقرری ہوئی تھی۔ ان کو بنوقریظہ کے پاس بھیجا گیا تھا تا کہ ان کو ان کے معاہدات یاد دلائیں جو انھوں نے اسلامی ریاست کے ساتھ کیے تھے اور ان کو احزاب (قریش کے لشکروں) میں شامل ہونے سے روکیں۔

## (۳) صلح حدیبیہ کے وقت سفارت

صلح حدیبیہ کے دوران تین مسلمان سفیروں کو مکہ بھیجا گیا تھا۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ قریش کی جانب سے بھی متعدد سفیر آئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ نے متعدد سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں کے علاوہ بعض پڑوسی ملکوں کے حکمرانوں کے پاس بھی بھیجا تھا۔

## (۴) مختلف ممالک میں سفارتیں

روایات کے مطابق درج ذیل سفیروں کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لیے مختلف ملکوں میں روانہ کیا تھا:

(i) حضرت دحیہ کلبیؓ ........ رومی شہنشاہ ہرقل کے پاس

(ii) حضرت عبداللہؓ کو ........ خسرو پرویز، شاہ ایران کے پاس

(iii) حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو ........ نجاشی، شاہ حبشہ کے پاس

سیاسی طور پر ان سفارتوں کا مقصد یہ تھا کہ پڑوسی مملکت کے بادشاہان کو اسلامی دعوت کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے ساتھ مفاہمت اور صلح کے لیے آمادہ کیا جائے، تا کہ ایک طرف تو اسلام کی عالمگیر تبلیغ کا دروازہ کھلے تو دوسری طرف تصادم و جارحیت کے امکانات یا خطرات میں کمی پیدا ہو۔ نتیجتاً ان سفارتوں نے اپنے اپنے علاقہ کے حکمرانوں میں خیر سگالی کے جذبات پروان چڑھانے میں کافی مؤثر کردار ادا کیا تھا۔

## (۵) جزیرہ عرب میں سفارتیں

ان کے علاوہ حضرت علاء بن حضرمیؓ، عمرو بن عاصؓ اور حضرت مہاجر بن امیہ مخزومیؓ کو بالترتیب بحرین، عمان اور حمیر (یمن) بھیجا گیا تھا۔ 6ھ/ 31۔630ء میں کئی سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حکمرانوں اور قبیلوں کے پاس بھیجا گیا۔

## (۶) حیات نبوی ﷺ کے آخری برس کی سفارتیں

حیات نبوی ﷺ کے آخری برس مختلف علاقوں کو بھیجے جانے والے سفیروں کی تعداد سولہ تھی۔ غیر مسلم حکمرانوں اور قبیلوں کے پاس جو سفیر بھیجے گئے ان کا مقصد متعلقہ علاقوں یا قبیلوں کو اسلامی ریاست کا مطیع بنانا یا انھیں حلیف بنانا تھا۔ عموماً ایسی سفارتیں کامیاب ہوئیں سوائے **مسیلمہ کذاب** اور شاہ بصریٰ کے نام کی سفارت کے۔ مسیلمہ کذاب نے مسلمان سفیر حضرت حبیبؓ کو شہید کر ڈالا جب کہ شاہ بصریٰ حارث غسانی نے سفیر نبوی ﷺ حضرت حارث بن عمیر ازدی کو قتل کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اسلامی ریاست کو فوج کشی کرنی پڑی تھی۔

- صلح حدیبیہ اور اندرون عرب کی تمام قابل ذکر مزاحمتوں کے ختم ہو جانے کے بعد ایک مسئلہ تو ان علاقوں کا تھا جو ابھی تک ریاست نبوی ﷺ کے مطیع نہ ہوئے تھے۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ بیرون عرب اسلام کے پیغام کو پہنچایا جائے اور وہاں بھی حاکمیت الٰہی کی طرح نو ڈالی جائے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا واضح حصہ تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے 7 ہجری میں ایک ہی دن میں چھ سفیروں کو مختلف مملکتوں کے بادشاہوں اور امیروں کے نام مراسلات دے کر روانہ کیا۔ اس کے علاوہ بعض عرب رُؤسا اور بڑی طاقتوں کے طفیلی سربراہوں کے نام بھی خطوط بھیجے گئے۔ ان دعوتی و تبلیغی خطوط کا

سلسلہ 10 ہجری کے اواخر تک جاری رہا۔ سربراہان ریاست کو مکتوب لکھتے وقت نبی کریم ﷺ نے ایسے بین الاقوامی آداب کو ملحوظ خاطر رکھا جن کو جدید سفارتی آداب میں بھی شامل کیا گیا ہے۔ جو سفیر جس علاقے میں بھیجا گیا وہ وہاں کی زبان پر دسترس رکھتا تھا تا کہ اسے کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ اہم سربراہان مملکت اور رُؤساء کے نام بھیجے گئے خطوط کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

### (i) قیصر روم، ہرقل کی طرف سفارت

جن حکمرانوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کے خطوط لے کر سفراء گئے ان میں سب سے زیادہ اہم حکمران روم کا بادشاہ قیصر تھا۔ قیصر کے پاس حضرت دِحیہ کلبیؓ کو بھیجا گیا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب روم کو اپنے زمانہ کی دوسری بڑی طاقت فارس کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ روم اس دور کی سب سے بڑی طاقت ور سلطنت تھی۔ آپ ﷺ نے اس بڑی سلطنت کے بادشاہ قیصر (ہرقل) کو اپنے مکتوب میں فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''یہ خط اللہ کے بندے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے بادشاہ روم کی طرف ہے۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایات کی اطاعت کرے۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں تمھیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کر و گے تو بچ جاؤ گے اور تمھیں دوہرا ثواب ہوگا، اور اگر تم منہ پھیر و گے تو تمام رعیت کا گناہ تم پر ہوگا اور اے اہل کتاب ایک ایسی بات مان لو جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے یعنی یہ کہ ہم تم سب خدا کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور نہ ہم سے کوئی کسی کو سوائے خدا کے پروردگار بنائے۔ پس اگر اہل کتاب اس سے اعراض کریں تو تم کہہ دینا کہ اس بات کے گواہ رہو، کہ ہم خدا کی اطاعت کرنے والے ہیں۔''

### (ii) شہنشاہ فارس خسرو پرویز کی طرف سفارت

فارس روم ہی کی طرح دوسری بڑی طاقت تھی۔ دُنیا کے بہت بڑے حصے پر کسریٰ کی حکمرانی تھی۔ حضرت محمد ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو سفیر کی حیثیت سے شہنشاہ فارس کسریٰ کے پاس بھیجا تا کہ اس کو دعوتی خط پہنچایا جا سکے۔ آپ ﷺ نے خط میں تحریر فرمایا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بادشاہ فارس کے نام۔ سلام اس پر جو سیدھی راہ پر چلتا ہے، خدا اور رسول پر ایمان لاتا اور یہ شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے خدا کے پیغام کی دعوت دیتا ہوں اور میں خدا کا رسول ہوں۔ مجھے بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے تا کہ جو کوئی زندہ ہے اسے عذابِ الٰہی کا خوف سنا دیا جائے اور جو منکر ہیں ان پر خدا کا قول پورا ہو۔ تو مسلمان ہو جا۔ سلامت رہے گا۔ ورنہ مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔''

اوپر خطوط سے واضح ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفیر دحیہ کلبیؓ کے ذریعہ قیصر روم کو مکتوب روانہ کیا تو اس کے ساتھ ساتھ سلطنت روم کے حلیف اور ماتحت تمام علاقوں کے سربراہوں کو بھی خطوط روانہ کیے۔ ان میں حبشہ کے حاکم نجاشی، اسکندریہ کے حاکم مقوقس اور حاکم دمشق، حارث غسانی کے نام خطوط قابل ذکر ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے روم اور اس کے زیر اثر تمام خطے کو اپنی دعوت کا ہدف بنایا۔ دوسری جانب سلطنت فارس اور اس کے ماتحت تمام امراء اور رُؤسا کو بھی مخاطب کیا۔

## 4- رسالت مآب ﷺ کی سفارت کے مقاصد

### (۱) دعوت توحید

رسول اللہ ﷺ کی سفارتی پالیسی کا اوّلین اور بنیادی مقصد وہی تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا یعنی دعوت توحید۔ آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیا تشریف لائے ان سب نے لوگوں کو یہی دعوت دی کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں توحید کی دعوت دی: ''اے قید کے ساتھیو! (تم خود ہی سوچو کہ) بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟'' (یوسف:1)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ''اے حبیب (ﷺ)! کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔'' (اخلاص:1)

### (۲) عالمگیر دعوت رسالت

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جتنے انبیا و رسل اس دُنیا میں تشریف لائے ان کی رسالت خاص تھی، ان کی رسالت اپنی قوم اور قبیلے تک محدود تھی۔ لیکن یہ امتیاز صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کے لیے ہوئی۔ تمام انسانوں کے لیے اور تمام دنیا کے لیے ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ پوری دُنیا کو دعوت اسلام دینے پر مامور کیے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے آغاز کار سے ہی اپنی دعوت کو محدود و مخصوص نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ کی دعوت ہر قوم، ہر نسل، ہر قبیلے اور ہر مقام اور زمانے کے لئے تھی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (......)

''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر''

آپ ﷺ کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد شروع سے ہی اچھی خاصی رہی ہے جن کا نسبی و نسلی تعلق عرب سے نہ تھا اور رنگ، زبان اور وطن کے لحاظ سے بھی وہ مختلف تھے۔ اس سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ اور عداسؓ نینوائی کا نام روشن ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

ؔ وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

### (۳) دفاع ریاست

رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں قائم پہلی اسلامی ریاست شدید بیرونی خطرات سے دوچار تھی۔ مسلمانوں کو خطرہ رہتا تھا کہ مکہ والے کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں۔ ان خطرات میں اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے اقدامات ضروری تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر قبائل سے رابطہ کیا۔ بالخصوص ان قبائل سے جن کے علاقوں سے مکہ والوں کے تجارتی قافلے گزر کر ملک شام یا مصر کی طرف جاتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ بیرونی حملوں کے خلاف باہمی فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔

## (۴) امن عالم

آپ ﷺ کی سفارت کے مقاصد میں سے ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم کرنا تھا جو امن وسلامتی پر مبنی ہو کیونکہ اسلام امن کے فروغ اور سلامتی کی ترویج کو عزیز رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، وہی لوگ امن میں ہیں اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' آپ ﷺ نے مکی زندگی میں حجر اسود کی تنصیب (قریش مکہ کے درمیان جھگڑا کہ کون حجر اسود کو اپنی جگہ پر نصب کرے گا۔ حضور ﷺ نے چادر بچھائی اور سب سے کہا کہ چادر کے کنارے پکڑ لیجیے اور خود حجر اسود کو اپنی جگہ پر نصب کیا) اور حلف الفضول کے معاہدہ کے ذریعے امن قائم کیا، جب کہ مدنی زندگی میں میثاقِ مدینہ اور صلح حدیبیہ جیسے معاہدات کے ذریعے اپنی بے مثال سفارت کاری سے دُنیا کو امن کا تحفہ دیا۔

## (۵) معاہدات کا احترام

اسلام نے معاہدات کے پورا کرنے کے اُصول پر خاص زور دیا ہے کہ معاہدات کا پورا پورا احترام کیا جائے۔ معاہدہ پر عمل درآمد میں خیانت اور خلاف ورزی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے اور عہد توڑنے کو کو بدترین عمل قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو۔'' دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا'' (اور تم عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں جواب دہی ہوگی)۔ آپ ﷺ نے اپنی سفارت کے ذریعے معاہدات کے احترام کو روزِ روشن کی طرح واضح کیا۔

## (۶) التوائے جنگ یا صلح

آپ ﷺ کی سفارت کی ایک خوبی یہ تھی کہ آپ ﷺ ہمیشہ جنگ سے گریز کرتے اور ان راستوں کو پسند فرماتے جو صلح کی طرف مائل تھے۔ آپ ﷺ کا یہ طرزِ عمل قرآن کے اس ارشاد کے بالکل عین مطابق تھا: ''اے محمد ﷺ اگر دشمن مائل بہ صلح ہوں تو آپ بھی ایسا ہی کریں اور اللہ پر بھروسا رکھیں۔ یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے اور اگر وہ دھوکا دینے کی تدبیر کریں گے تو اللہ کافی ہے، وہ خدا ہی ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے تمھاری تائید کی۔''

## (۷) بلاوجہ تنازعہ سے پرہیز

تمام بنی نوع انسان بحیثیت مخلوق آپس میں برابر اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کوئی شخص یا کوئی قوم، رنگ یا علاقہ کی بنیاد پر دوسرے سے برتر نہیں ہوسکتی۔ ارشاد خداوندی ہے: ''إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ'' (اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا)۔

آپ ﷺ کی سفارت میں انسانی وحدت کا پیغام تھا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ ''رحمت اللعالمین'' بن کر تشریف لائے تھے۔

## (۸) حق کی معاونت اور ظلم سے اجتناب

رسول اللہ ﷺ کی سفارت کاری کا ایک اُصول یہ بھی تھا کہ ہمیشہ حق کی حمایت کی جائے اور ظلم کی مخالفت کی جائے۔ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ ظلم کو روکا جائے۔ جہاں جنگ کی اجازت دی ہے وہاں انتقام اور کمزوروں پر ظلم سے منع کیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ''بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو، جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے، اور ہمارے اپنی طرف سے حمایتی اور کارساز مقرر کر اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مدد بنا۔''

## (۹) اندرونی استحکام

کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو کر اکثر قلیل اور کمزور دشمنوں تک مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تاریخ عالم اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ پہلی اسلامی ریاست اپنے قیام کے وقت یہود و نصاریٰ اور انصار کے دو گروہوں اوس اور خزرج کی پرانی عداوت کی وجہ سے عدم استحکام کا شکار تھی۔ دفاعِ مدینہ کے لیے ضروری تھا کہ ان تمام فرقوں اور گروہوں کو ایک سیاسی وحدت میں اکٹھا کر دیا جائے، چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے سب سے پہلے اس کی کوشش کی اور تمام فریقوں کو ایک معاہدہ پر متفق کیا۔ اس معاہدہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ مدینہ میں امن سے زندگی بسر کرنے اور فوجی قوت بڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ معاہدہ میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ جو آپ ﷺ کی سفارت کاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

## (۱۰) جنگی سامان میں ترقی

اگر کسی ملک کے پاس مضبوط فوج نہ ہو تو دشمن کے لیے اس کا شکار کرنا آسان ہوتا ہے۔ دشمن اس کی قوت اور شان سے خائف نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس مضبوط فوج ہو تو دشمن اس کی بات سنتا ہے اور اس کا احترام کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کو تیار رکھنے کی کہ تم اس سے اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے علاوہ جن کو تم نہیں جانتے۔''

جنگ کے سلسلہ میں اسلام نے ایک تو قوت و طاقت کا مظاہرہ اور دوسرے فوجی ساز و سامان پر زور دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی سفارت کاری میں جنگی ساز و سامان کی ترقی کی طرف بھی توجہ دی۔

## (۱۱) بین الاقوامی اُصولوں کی پاس داری

اسلام کا بین الاقوامی قانون قاصدوں اور سفیروں کو امن دینے کی ضمانت پر مشتمل ہے۔ انھیں کسی حالت میں کوئی اذیت نہیں پہنچائی جا سکتی۔ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' انھوں نے کہا! ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے (نعوذ باللہ)۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اگر میں کسی قاصد کو قتل کرنے والا ہوتا تو تمھیں قتل کر دیتا۔'' (لیکن سفیر ہونے کی بنا پر انھیں قتل نہیں کیا۔) سفارتی آداب کا لحاظ اِس سے بڑھ کر کیسے ممکن ہے؟

## (۱۲) قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

اسلام سے قبل قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہ اذیت ناک تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے جہاں مگر لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی وہاں قیدیوں کے بارے میں بھی تاکید فرمائی کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ غزوہ بدر میں جو قیدی آئے ان کی تعداد ستر تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا اور ساتھ ہی ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر اس طرح عمل کیا کہ دُنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خود بھوکے رہتے لیکن قیدیوں کو کھلاتے۔ چنانچہ مصعب بن عمیرؓ کے بھائی قید ہو کر آئے، جن انصار کے ہاں وہ قید تھے وہ غریب تھے۔ قیدی کا بیان ہے کہ جب وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر ندامت ہوتی۔ چنانچہ روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ روٹی مجھے ہی واپس کر دیتے۔ قیدیوں سے حسن سلوک، یہ اسلام کی سفارت تھی۔ اس لیے کہ جب یہ لوگ واپس گئے تو انھوں نے اسلام کا روشن چہرہ پیش کیا۔

## (۱۳) غیر مسلموں کے حقوق

رسول اللہ ﷺ کے دور اور بعد میں غیر مسلموں کے حقوق کا پوری طرح تحفظ کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے قاتل کے قتل کا حکم دیا اور فرمایا (انا احق من ذمی بذمتہ) ''میں ذمی سے زیادہ اس کے ذمہ کا حق دار ہوں''۔ غیر مسلم اسلامی ریاست میں سفیروں کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ حسن سلوک اسلامی ریاست کے چہرے کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

## 5- خلاصہ بحث

مختلف سلاطین کے نام مکتوبات اور آپ ﷺ کی سفارت کے اثرات عالمی سیاسی حالات پر بہت گہرے پڑے۔ حضور ﷺ کی یہ سفارتی حکمت عملی یقینی طور پر کامیاب رہی۔ مثلاً عمان، بحرین اور یمن کے امراانہی سفارتوں کے نتیجے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ علاقے اپنی زرخیزی اور دولت وثروت کے لحاظ سے دیگر تمام عرب علاقوں سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ پھر حضور ﷺ سے برسر پیکار عرب قبائل کو ان ہی علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ جب تک دشمن قبائل کو ان علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم ہوتا رہے گا، جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس لیے ان ریاستوں کے ریاست نبوی ﷺ کے زیر اثر آجانے سے رسول اللہ ﷺ کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی حدود پھیلتے ہوئے پُرامن طور پر عمان، بحرین اور یمن تک جا پہنچیں۔ جہاں تک سلطنت روما اور سلطنت فارس کا تعلق ہے تو اُن پر آپ ﷺ کے خطوط کی وجہ سے دھاک بیٹھ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ چند سالوں کے بعد دونوں ریاستوں کے بڑے حصے کو مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ نیز آپ ﷺ کی سفارتی خوبیاں جن میں غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ، اندرونی استحکام، بین الاقوامی اُصولوں کی پاس داری، امن کے معاہدات (حلف الفضول، میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ)، حق کی معاونت اور عالمگیر دعوت اسلام کو اگر آج کے مسلم سفراء (Ambassdors) پیش نظر رکھیں تو یقیناً اسلام کا روشن چہرہ دُنیا کے سامنے اور واضح ہوگا۔ بقول اقبالؒ:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں<br>
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سوال 4

# معلم انسانیت کے لیے نمونہ عمل

## اہم نکات

1- تعارف

2- معلم انسانیت ﷺ کے اوصاف

(۱) بے مثل کردار (۲) باوقار شخصیت

(۳) علمی ذوق (۴) متوازن جذبات

(۵) تدریس سے محبت (۶) اسلامی جذبہ سے سرشاری

(۷) محبت اور شفقت (۸) سادہ انداز بیان

(۹) حکیمانہ گفتگو (۱۰) مختصر اور جامع خطاب

(۱۱) اندازِ دعوت (۱۲) انداز بیان

(۱۳) خوش بیانی (۱۴) علوم نافع کی تلقین

(۱۵) تعلیمی اداروں کا قیام

3- نصاب تعلیم اور طریقہ تدریس

4- علم کی فضیلت کے حوالے سے احادیث رسول ﷺ

5- آپ ﷺ کے طریقہ تعلیم کی خصوصیات

6- خلاصۂ بحث

؎ حقیقت بندگی کی راہیں، مدینہ طیبہ سے گزریں
ملے نہ اُس شخص کو خدا بھی، جو تیری دہلیز پر نہ ٹھہرے

## 1- تعارف

نبی کریم ﷺ نے آغاز نبوت سے ہی جو پہلا اور بنیادی کام کیا وہ اشاعت علم کا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے اندر علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ علم کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی، علم کی طرف راغب کیا۔ اُس کی فضیلت کو بیان کیا۔ پہلی آیات خود اِس پر گواہ ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' آپ ﷺ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بھی ارشاد فرمایا: ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' دارِارقم مکہ میں پہلی درس گاہ تھی جب کہ صفہ مدینہ میں مرکزِ علم تھا۔ آپ ﷺ کے طریقۂ تعلیم کی کئی خوبیاں تھیں۔ آپ ﷺ نے علم کو چھپایا نہیں، کبھی اُجرت نہیں طلب کی، اپنے طلبا سے حسنِ سلوک سے پیش آتے۔ آپ ﷺ بہت بلند حوصلہ اور پُرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ علم آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھی جس کو آپ ﷺ نے انسانوں تک پہنچایا۔ آپ ﷺ طالب علم کی نفسیات سے سب زیادہ واقف تھے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں کے اندر بھی علم کے حصول کا جذبہ پیدا کیا۔ آپ ﷺ کا نصاب قرآن وسنت تھا۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ آپ ﷺ کی طریقۂ تعلیم کی خوبیوں کو نہ صرف اجاگر کیا جائے بلکہ اساتذہ کے لیے ایسی ٹریننگ ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے جن میں عملاً آپ ﷺ کے طریقۂ تعلیم کو اُجاگر کیا جائے۔

## 2- معلم انسانیت ﷺ کے اوصاف

حضرت محمد ﷺ دُنیا میں معلم بن کر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کا اپنا ارشادِ گرامی ہے:

''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا''

ترجمہ: ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

اگر سیرت النبی ﷺ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ بنیادی طور پر معلم تھے۔ آپ ﷺ کا کام لوگوں کے دامن کو علم کے موتیوں سے بھرنا تھا۔ ذیل میں تعلیم و تعلّم (Education and teacing) کے حوالے سے آپ ﷺ کے چند نمایاں اوصاف کو بیان کیا جاتا ہے:

### (۱) بے مثل کردار

رحمت عالم ﷺ ایک مثالی کردار کے حامل تھے۔ آپ ﷺ کے کردار کی تعریف دشمن بھی کیا کرتے تھے۔ اسوہ رسول ﷺ کے پیش نظر معلم کا کردار اچھا ہونا چاہیے۔ اُس کو اخلاق کا عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ اس کا چال چلن اچھا، سچائی، انصاف، مساوات، اخوت، پابندی وقت اور نظم وضبط جیسی اسلامی اقدار کا پابند ہو۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر بچے اپنے کسی استاد کو اپنا آئیڈیل بنا لیتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ وہ بری عادات سے پرہیز کرے۔

### (۲) باوقار شخصیت

رحمت عالم ﷺ باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ جو بھی آپ ﷺ سے ملتا تھا آپ ﷺ کا گرویدہ ہو جاتا۔ استاد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی دلکش شخصیت اور حسن سلوک سے دوسروں کو متاثر کرے تاکہ طلبہ نہ صرف اُس کی باتوں کو سنیں بلکہ اُن پر عمل بھی کریں۔

### (۳) علمی ذوق

رسالت مآب ﷺ علم کا شہر تھے۔ آپ ﷺ حکمت و دانش کا سمندر تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں علم کا شہر ہوں، علیؓ اس کا دروازہ

ہیں۔" ہر معلم کو چاہئے کہ وہ علمی اور ادبی ذوق رکھنے والا ہو۔ نصابی کتب کے علاوہ دیگر مذہبی اور سائنسی کتب کا مطالعہ بھی کرے تاکہ وہ طلبہ کی بہترین رہنمائی کر سکے۔

### (۴) متوازن جذبات

نبی کریم ﷺ انتہائی متوازن جذبات کے حامل تھے۔ ہر معلم کو چاہیے کہ وہ آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلے۔ اپنے قول و فعل میں مطابقت پیدا کرے اور اپنے جذبات پر قابو رکھے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ الجھنے کے بجائے ان سے اشتراک و تعاون کرے۔

### (۵) تدریس سے محبت

معلّمِ کائنات ﷺ بڑی لگن عقیدت اور محبت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ ہر معلم کو چاہیے کہ وہ پیشہ تدریس سے محبت کرے اور پوری دیانت داری کے ساتھ نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کا انعقاد کرے۔

### (۶) اسلامی جذبہ سے سرشاری

ہادی عالم ﷺ قرآن پاک اور اسلامی تعلیمات کے سب سے بڑے مفسر تھے۔ آپ ﷺ صحیح معنوں میں اسلامی جذبہ سے سرشار تھے۔ آپ ﷺ کا اٹھنا' بیٹھنا' سونا' جاگنا غرضیکہ ہر کام اسلام کے لیے تھا۔ معلّم کو چاہیے کہ وہ سنت نبوی ﷺ کے مطابق اسلامی جذبہ سے اپنے تمام کام سرانجام دے۔

### (۷) محبت اور شفقت

رسول خدا ﷺ محبت اور شفقت کے پیکر تھے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (الانبیا:107)

''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہانوں کے لیے سراسر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

آپ ﷺ سب کے ساتھ محبت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ہر معلم کو چاہیے کہ وہ اپنے رفقائے کار، طلباء اور بچوں کے والدین کے ساتھ محبت کے ساتھ پیش آئے تاکہ تعلیمی ادارہ کا ماحول خوشگوار رہے۔

### (۸) سادہ انداز بیان

نبی کریم ﷺ اپنے خطبات کے دوران عام فہم انداز اختیار کرتے تھے۔ اظہار خیال کے لیے وہ آسان الفاظ استعمال کرتے تھے جو کہ سننے والوں کی سمجھ میں فوراً آجاتے تھے۔ استاد کو بھی اپنے لیکچر میں سادہ اسلوب اور آسان زبان استعمال کرنی چاہیے۔

### (۹) حکیمانہ گفتگو

آپ ﷺ کی ذات پر قرآن پاک نازل کیا گیا۔ آپ ﷺ کا سینہ علم کی روشنی سے منور تھا۔ آپ ﷺ حکمت و دانش کے سمندر تھے۔ آپ ﷺ کی گفتگو نہایت حکیمانہ ہوتی تھی۔ استاد کو بھی چاہیے کہ وہ غیر ضروری افکار و نظریات کو چھوڑتے ہوئے حکمت پر مبنی گفتگو کرے۔

### (۱۰) مختصر اور جامع خطاب

آپ ﷺ مختصر مگر جامع الفاظ میں اپنا مفہوم واضح کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ کا خطاب اول سے لے کر آخر تک دلکش اور دلچسپ ہوتا تھا۔ سننے والے کسی مرحلہ پر تھکاوٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔

## (۱۱) اندازِ دعوت

ہادیٔ برحق ﷺ کا اندازِ دعوت نہایت مؤثر تھا۔ آپ ﷺ حکمت، عمدہ نصیحت اور بہترین انداز میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔ سورۃ النمل میں اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کا یہ انداز ان الفاظ میں سکھلایا ہے:

ترجمہ: ''اے نبی ﷺ! آپ لوگوں کو حکمت اور عمدہ نصیحت سے اپنے رب کی طرف دعوت دیں اور بہترین انداز میں ان کے ساتھ مباحثہ کریں۔'' (النحل:125)

آپ ﷺ دعوت کے لیے مندرجہ ذیل طریقے استعمال کیا کرتے تھے:

(الف) بات چیت کا طریقہ (ب) خطابت کا طریقہ (ج) بیانیہ طریقہ (د) سوال جواب کا طریقہ

## (۱۲) اندازِ بیان

خطابت یا وعظ کے طریقے کے ذریعے رسول اللہ ﷺ اپنے ارشادات دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ وعظ کے دوران وہ استقرائی (Inductive) اور استخراجی (Deductive) طریقے بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ فصاحت و بلاغت کا پیکر تھے۔ جب آپ ﷺ وعظ شروع کر دیتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہر طرف الفاظ کے موتی بکھرتے جا رہے ہیں۔

## (۱۳) خوش بیانی

آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ ہمیشہ کھلتے ہوئے چہرے سے پیش آتے تھے۔ خوش کلامی اور خوش اخلاقی آپ ﷺ کا نمایاں وصف تھا۔ تاجدار عرب ہونے کے باوجود آپ ﷺ عجز و انکساری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے۔ ان اوصاف نے آپ ﷺ کی شخصیت کو مزید پرکشش بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ کی باتوں کا سننے والوں پر فوراً اثر ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی امت کے اساتذہ کو بھی ایسے اوصاف اختیار کرنے چاہییں۔

## (۱۴) علوم نافع کی تلقین

معلم انسانیت ﷺ نے ہر اس علم کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اس کے حصول کی تلقین فرمائی کہ جس میں انسانیت کی فلاح و بہبود ہو، جس سے انسان سدھرتا ہو۔ ترقی کے زینے طے کرتا ہو اور آفاق کی بلندیوں پر پہنچتا ہو۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعلیم کا مرکز و محور قرآن و سنت تھا تو پھر وہ کون سا علم ہے جو قرآن و سنت میں نہیں؟ قرآن مجید نے جس بات کو مجمل بیان کیا سنت نبوی نے اس کی تشریح فرما دی۔ قرآن مجید کے بارے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ
تَقَاصَرُ عَنْہُ اَفْھَامُ الرِّجَالِ

''قرآن میں تمام علوم پائے جاتے ہیں لیکن عام لوگوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہے۔''

## (۱۵) تعلیمی اداروں کا قیام

### (i) دارِ ارقم

آپ ﷺ نہ صرف خود ان اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے بلکہ آپ ﷺ نے ایسے ادارے بھی بنائے جہاں پر درج بالا اوصاف کے حامل افراد تیار ہو سکیں۔ بقول شاعر

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

مکہ اور مدینہ میں تعلیم کا ماحول نہیں تھا۔ دونوں جگہ حالات ابتر تھے۔ خاص کر مکہ مکرمہ کی علمی حالت تو کافی خراب تھی۔ مگر آپ ﷺ نے حکمت ودانش سے نہ صرف یہ کہ تعلیمی ماحول بنا دیا بلکہ تعلیم کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ مکہ مکرمہ میں دارارقم سے علم کی کرنیں پھوٹیں جن کی بدولت بہت سے سینے روشن ہوئے۔ اُن کے بخت نے انگڑائی لی اور انھوں نے سرورِ دو عالم ﷺ کے آستانہ پر پہنچ کر اور اپنے سینوں کو انوارِ نبوت سے روشن کیا۔

**(ii) صفہ**

مدینہ منورہ پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے مشکل حالات کو ساز گار بنایا۔ تعلیم و تعلم کا باقاعدہ آغاز فرمایا۔ کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ تعلیم کے بغیر کسی قوم کا مستقبل روشن نہیں ہوسکتا۔ تعلیم ہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جو انسان کے قلب کو روشن اور دماغ کر جلا بخشتی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی سے تعلیم کا آغاز فرمایا۔ وہاں کا طریقہ یہ تھا کہ مسلمان نماز فجر کے بعد حضور پاک ﷺ کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ یہ جگہ مسجد نبوی میں اسطوانہ کے قریب ہے۔ یہ منبر اور حجرہ شریف کے درمیان چوتھے ستون کی جگہ ہے۔ یہاں لوگ بصورت حلقہ آپ ﷺ کے آس پاس ادب کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ معلّم انسانیت ﷺ عام فہم مسائل بیان فرماتے۔ لوگ غور سے سنتے اور بوقت ضرورت سوالات بھی کرتے۔ نبی کریم ﷺ بڑے پیار ومحبت سے جواب دیتے تاآنکہ ہر شخص اپنے دل میں اطمینان ومسرت کے جذبات لے کر جاتا۔ مسجد نبوی میں تعلیم کا یہ عمومی طریقہ کار تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ایک درس گاہ کا انتظام کیا۔ یہ درس گاہ مسجد نبوی کی شمالی جانب ایک چبوترا تھا جسے ''صفہ'' کہتے ہیں۔ یہ درس گاہ، ہاسٹل کا درجہ رکھتی تھی۔ یعنی بیرونی طلبا یہاں قیام کرتے تھے اور علم بھی سیکھتے تھے۔ پھر وہ واپس جا کر علوم اسلامیہ کی اشاعت کرتے تھے۔ یہاں رحمت دو عالم ﷺ حقائق ومعارف کا درس دیتے تھے جن سے اصحاب صفہؓ فیض یاب ہوتے تھے۔ اس درس گاہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی تعینات تھے۔ آپؓ کے ذمہ لکھائی اور کتابت کا کام تھا۔ یہاں سے فارغ شدہ ایک ایک طالب علم نے اپنے اپنے علاقے میں جا کر علم وہدایت کے چراغ روشن کیے۔

## 3- نصاب تعلیم اور طریقۂ تدریس

اس حوالے سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ ان درس گاہوں کا نصاب کیا تھا؟ ان درس گاہوں میں آج کل کی طرح دو دو، چار چار، دس دس، سال کا نصاب نہ تھا۔ بلکہ جس شخص کو جتنی فرصت ہوتی وہ اتنی ہی فرصت میں اپنے لئے کافی علم حاصل کر لیتا اور اپنے علاقہ کے لئے پورا مبلغ اور مُعلّم بن جاتا۔ حضور ﷺ باتوں ہی باتوں میں اپنے شاگردوں کو بڑے بڑے علمی نکات سمجھا دیتے۔ اخلاقی اسباق دیتے۔ تمدن کے اُصول بتاتے۔ تجارت کے گُر سکھا دیتے۔ تجارت کی خوبیاں گنواتے۔ ڈاکٹر حمید اللہ خطاب بہاولپور میں رقم طراز ہیں:

''آپ ﷺ طبابت سے ناواقف شخص کو اِس کی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ طبیب بن جائے۔ حدیث میں ہے کہ ''جس شخص کا علم طب سے واقفیت نہیں وہ علاج کرے تو اُسے سزا دی جائے گی۔'' دوسرا علم ہیت تھا۔ قرآن کے مطابق اس سے لوگ راستوں کا تعین کرتے۔ خود آنحضرت ﷺ نے مسجد قبا کے قبیلے کا سو فیصد درست تعین فرما کر اس کی عملی سرپرستی فرمائی۔ تیسرا علم الانساب کے بارے حدیث میں سیکھنے کی ترغیب ہے۔ اس کی افادیت یہ ہے کہ محرم سے نکاح نہ ہو، قبائل سے تعارف اور خاندانی نظام بھی قائم رہے۔ علاوہ ازیں سپہ گری، نیزہ بازی، تیر اندازی، شمشیرزنی، Swimming، میراث (Inheritance)، علم وتجوید، کشتی اور دوڑیں وغیرہ علوم وفنون ثابت ہیں۔ جنگی مشقیں بھی کراتے اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔''

ذیل میں بطور نمونہ حضور اکرم ﷺ کے چند اسباق نقل کیے جاتے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوسکے کہ حضور اکرم ﷺ چھوٹے چھوٹے جملوں میں کس قدر اہم چیزیں بیان فرمایا کرتے تھے اور ایک ایک سبق میں کتنے کتنے علمی خزانے چھپے ہوتے تھے جو اشاروں ہی اشاروں میں سمجھا دیے جاتے۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

؎ جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

نصابِ رسول ﷺ سے چند منتخب نکات ملاحظہ کیجیے:

### (۱) سعادت مند، (جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے)

صحابہ کرامؓ موجود ہیں۔ حضور ﷺ نے اُنھیں آج یہ سبق دے رہے ہیں کہ جب کوئی تمھیں تمہاری غلطی پر توجہ دلائے۔ تو تبھی اس کی اصلاح نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ جب کوئی تمھارے سامنے کسی کو کسی غلطی سے خبردار کر رہا ہو تو تمھیں بھی اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنی اصلاح اسی وقت کر لینی چاہیے۔ حضور ﷺ ان تمام مطالب کو نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ۔"

ترجمہ: ''سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔''

### (۲) مسلمان، مسلمان کے لیے آئینہ

ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے اپنے شاگردوں کو ذہن نشین کرایا کہ ایک دوسرے کو غلطی پر خبردار کرتے رہنا چاہیے اور اِس حکمت سے کرنا چاہیے کہ اُسے ناگوار بھی نہ گزرے۔ آپ ﷺ نے ان الفاظ کے ساتھ یہ سبق دیا:

اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰةُ الْمُسْلِمِ

ترجمہ: ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے آئینہ ہے۔''

آئینہ اُسی شخص کے خوب صورتی اور بدصورتی دکھاتا ہے جو اُس کے سامنے آتا ہے۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص آئینے کے سامنے اپنا چہرہ لے کر گیا ہے تو وہ پہلے کے عیوب ظاہر نہیں کرتا، اِسی طرح مومن دوسرے مومن کے عیوب بیان نہیں کرتا۔

### (۳) قوم کے سردار کی تکریم

ایک موقعہ پر یہ سبق دیا کہ:

اِذَاجَآءَ كَرِيْمُ قَوْمٍ فَاَكْرِمُوْهُ۔

ترجمہ: ''جب کسی قوم کا بزرگ تمھارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔''

غور کرو! اس سبق میں مختلف اقوام کے باہمی تعلقات کو کس خوبی سے استوار رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے طریقۂ تعلیم میں دوسروں کو عزت دینے کے حوالے سے کیسی خوب صورت رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔

### (۴) قوم کا سردار، قوم کا خادم

ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ۔

ترجمہ: ''قوم کا سردار گویا قوم کا خادم ہوتا ہے۔''

دیکھو کس خوبی سے حضور ﷺ نے اس چھوٹے سے جملے میں فرائض ریاست و حکومت کو واضح کر دیا ہے کہ جو شخص کسی قوم یا گاؤں یا شہر یا علاقہ کا سردار ہو وہ اُتنا ہی زیادہ ذمہ دار ہے۔ اُتنی ہی قوم کی خدمت اور قوم کی پاس داری اس کے ذمہ زیادہ عائد ہوتی ہے۔

## (۵) بزرگوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ:

"لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا۔

ترجمہ: ''وہ ہم میں سے نہیں جو بزرگوں کا احترام نہ کرے اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے۔''

مقامِ غور ہے کہ اس ایک ہی سبق میں حضور ﷺ نے کتنے تمدنی اور معاشرتی مسائل کو حل کر دیا ہے۔ جب ہر چھوٹا بڑے کا ادب کرے گا اور ہر بڑا اپنے سے چھوٹے کو شفقت کے ساتھ پیش آئے گا تو دُنیا میں کبھی کوئی جھگڑا اور فساد نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے اس ایک ہی جملہ سے ہماری تمام آئے دن کی خانہ جنگیوں اور لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا۔ کیونکہ لڑائی ہمیشہ اس صورت میں ہوا کرتی ہے کہ چھوٹے بڑوں کے ادب کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ یا بڑے چھوٹوں پر بجائے شفقت و مہربانی کے ظلم و ستم ڈھاتے ہیں۔ پس لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔ فرمایا کہ حفظِ مراتب کا لحاظ رکھو۔ ورنہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے۔

## (۶) عقل مند کی تعریف

ایک دفعہ عقل مندوں کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ سب سے زیادہ عقل مند کون ہے؟

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْعَاقِلُ مَنْ عَقَلَ لِسَانَهٗ اِلَّا عَنْ ذِكْرِ اللهِ۔

ترجمہ: ''عقل مند وہ ہے جو سوائے ذکرِ الٰہی کے اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔''

اب غور فرمائیے کہ حضور ﷺ نے کس خوب صورت انداز میں عقل مند کی تعریف کی ہے تا کہ ہر وہ شخص جو عقل و ہوش کا دعویدار ہو زبان بندی کے اسرار کو سمجھ لے اور صحیح طور پر اپنی عقل مندی کا ثبوت پیش کرے۔ چونکہ انسان کی جہالت کا پتا اس کی گفتگو ہی سے چل سکتا ہے۔

## (۷) چغل خور کے لیے وعید

ایک دفعہ حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یوں درس دیا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔

ترجمہ: ''چغل خور (اِدھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کرنے والا) جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

چونکہ چغل خوری ایک بہت بُرا فعل ہے، جس سے مسلمانوں میں نفاق کے علاوہ عداوت بڑھ جانے کا بھی احتمال ہے۔ دو بھائیوں کا ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے الگ ہو جانا یقینی ہے۔ اس لئے اس معلم اعلیٰ نے اسے بہت بڑا جرم قرار دیا اور فرمایا کہ اس کی سزا جہنم ہی ہے۔

## (۸) اپنے بھائی کی مدد کرنا

ایک دفعہ رحمتِ عالم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللهُ فِيْ حَاجَتِهٖ۔

ترجمہ: ''جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت میں کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔''

غور کیجیے! اس سبق میں حضور ﷺ نے کس خوب صورت انداز سے ایک دوسرے کی معاونت پر توجہ دلائی ہے۔ اگر تم اپنی حاجت روائی کے لیے خداوند عالم کی امداد کے خواہاں ہو۔ تو عند الضرورت اپنے دوسرے بھائیوں کے کام آؤ۔ اور وقت پر ان کی معاونت کرو۔

ے کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

الغرض، یہ کلمات طیبہ آپ ﷺ کے ان دروس کا نمونہ ہیں، جو آپ ﷺ نے اہل عرب کو دیے اور جن سے وہ جاہل اور اجڈ قوم ایک متمدن اور تعلیم یافتہ قوم بن گئی۔ اسی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ وہ غلامی کے تختہ سے اُٹھ کر حکومت کے تخت پر جا بیٹھے۔ اور اس قدر ممتاز ہوئے کہ دُنیا کی تمام قومیں ان کی نظروں میں گر گئیں۔

### (۹) رزق حلال کی فضیلت

ایک موقعہ پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا خَيْرَ فِيْ اُمَّتِيْ لَا يُحِبُّ جَمْعَ الْمَالِ فَكَيْفَ بِهٖ وَجْهُهٗ وَيَقْضِيْ بِهٖ دَيْنَهٗ وَيَصِلُ بِهٖ رَحِمَهٗ۔

ترجمہ: ''جو شخص حلال طریقے سے مال جمع کرنا پسند نہ کرے، وہ مال جس سے اپنی آبرو رکھ سکے، اپنا قرضہ ادا کر سکے اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کر سکے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔''

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بے روزگاری کا کس قدر مخالف ہے۔ حضور ﷺ مسلمانوں کو کسب حلال اور تجارت سے مال جمع کرنے کی کس انداز سے تلقین فرما رہے ہیں۔ بلکہ خود بھی تجارت کرتے ہیں اور تجارت ہی کے مال سے اپنے کنبہ کی پرورش کرتے ہیں۔ زائد از ضرورت سب کا سب راہِ خدا میں بیواؤں اور بے کسوں کی نذر کر کے ہمیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ خود کماؤ اور دوسروں کو کھلاؤ۔ نہ کہ دوسرے کمائیں اور تم کھاؤ۔

## 4- علم کی فضیلت کے حوالے سے احادیثِ رسول ﷺ

آپ ﷺ کی احادیث بھی اِس ضمن میں بہت واضح ہیں:

### (۱) علم کی طلب گویا جہاد کا راستہ

مَنْ خَرَجَ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔

ترجمہ: ''جو شخص تحصیل علم کے لیے نکلے وہ گویا خدا کی راہ (جہاد) میں نکلا ہے۔ جب تک کہ واپس نہ آجائے۔'' (ترمذی، دارمی)

### (۲) فرشتوں، اہل دُنیا اور مچھلیوں کی اہل علم کے لیے دعا

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور اہل آسمان اور اہل زمین سب کے سب یہاں تک کہ چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی علم پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لیے دعا کرتی رہتی ہیں۔''

### (۳) عالم اور متعلم لعنت سے مستثنیٰ

ترجمہ: ''دُنیا ملعون ہے اور جو چیز اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے۔ مگر ذکرِ الٰہی، یا جس سے وہ پیار کرے۔ اور عالم اور متعلم اس لعنت سے مستثنیٰ ہیں۔''

### (۴) حصول علم گناہوں کا کفارہ

ترجمہ: ''علم کا حاصل کرنا سابقہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔''

### (۵) تحصیل علم ہر مرد اور عورت کے لیے فرض

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ''تحصیلِ علم ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ضروری (فرض) ہے۔''

### (۶) علم کی تحصیل عبادت سے بہتر

ایک دفعہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ دو جماعتیں الگ الگ بیٹھی تھیں۔ ایک ذکر الٰہی میں منہمک تھی۔ یعنی وہ صوفی لوگ تھے۔ دوسری جماعت درس و تدریس میں مصروف تھی۔ حضور ﷺ کے تشریف لانے پر دونوں جماعتیں چشم براہ تھیں کہ حضور ﷺ ہمارے ہاں قدم رنجہ فرمائیں۔ مگر آپ ﷺ کو چونکہ درس و تدریس اور علم سے زیادہ محبت تھی اس لیے حضور ﷺ اس علمی ادارہ میں تشریف لے گئے جہاں کتاب و سنت کی تعلیم دی جا رہی تھی۔ بعض صحابہؓ حضور ﷺ سے علم حاصل کرنے کے بعد مسجد نبوی میں ہی بحیثیت مدرس بیٹھ جاتے تھے اور لوگوں کو اپنے علمی فیضان سے مستفیض فرمایا کرتے تھے۔

### (۷) آپ ﷺ کی علم کے لیے دعا

آپ ﷺ کو علم اور علمی اداروں سے بڑا شغف تھا۔ آپ ﷺ عموماً یہ دُعا کیا کرتے تھے اور اسی دعا کی امت کو تلقین کیا کرتے تھے:

''رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا''

ترجمہ: ''اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

اب غور فرمایئے کہ جس معلّم نے اپنے حلقہ اثر میں تحصیل علم کے لیے ایسی ایسی تقریریں کی ہوں اور ان کے سامنے علم کی ایسی ایسی خوبیاں بیان کی ہوں وہ کیوں کر پھر تحصیل علم کے لیے بیتاب نہ ہوں گے اور ہمہ تن تحصیل علم کے لیے تیار نہ ہو گئے ہوں گے۔ روایات سے پتا چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے ان ارشادات پر پروانہ وار لپکے اور تحصیل علم کے لیے آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔

## 5- آپ ﷺ کے طریقہ تعلیم کی خصوصیات

آپ ﷺ کا طریقہ تعلیم منفرد تھا۔ اس کی متعدد خصوصیات ہیں جن کا احاطہ آسان نہیں۔ مگر چند ضروری خصوصیات بیان کر دی جاتی ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ کے دل میں علم پھیلانے اور عام کرنے کا بیکراں جذبہ تھا۔ اس پر آپ ﷺ کو اجرت یا معاوضے کی کبھی خواہش نہ ہوئی۔

۲۔ آپ ﷺ نے علم چھپا کر نہ رکھا۔ یہ امانت من وعن آگے پہنچا دی۔

۳۔ آپ ﷺ کی تعلیم کبھی زبان سے ہوتی تھی اور کبھی عمل سے اور کبھی خاموشی سے اور کبھی اشارے سے۔ غرض آپ مُجسم تعلیم تھے۔

۴۔ آپ ﷺ بلند اخلاق، نیک کردار اور پُرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ تلامذہ سے بڑے حسن سلوک اور مروت سے پیش آتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی طالب علم کو نہ تو ڈانٹا اور نہ ہی مارا، یہاں تک کہ اس کے لیے سست الفاظ بھی استعمال نہیں کیے۔

۵۔ آپ ﷺ نہایت حلیم، متحمل اور بلند حوصلہ تھے۔ آپ ﷺ چھوٹی موٹی باتوں کا نوٹس نہ لیتے تھے۔ البتہ خلاف شرع بات پر ٹوک دیتے تھے۔

۶۔ آپ ﷺ توحید کے علم بردار اور احکام الٰہی کے حد درجہ پابند تھے۔ جس کا طلبا پر گہرا اثر ہوتا تھا۔

۷۔ آپ ﷺ تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی ضروری جانتے تھے بلکہ اولیت دیتے تھے۔

۸۔ آپ ﷺ ماہر نفسیات تھے۔ مخاطب کے مزاج، جذبے اور زبان کا خیال فرماتے۔

۹۔ آپ ﷺ مشکل الفاظ، پیچیدہ اور طویل باتوں سے احتراز فرماتے اور مخاطب کے معیار کے مطابق بات کرتے تھے۔

۱۰۔ جُدا جُدا سنائی دیتا اور کبھی بات کو بوقت ضرورت دہراتے تاکہ بات سمجھ میں بھی آجائے اور حفظ بھی ہوجائے۔

۱۱۔ آپ ﷺ تعلیم کو عام کرنے کا ہر مناسب طریقہ اختیار فرماتے۔ اگر اس مقصد کے لیے کہیں کوئی عالم بھیجنا ہوتا تو بھیجتے۔ وفد بھیجنا ہوتا تو وہ بھیجتے۔

۱۲۔ آپ ﷺ قرآن وحدیث کے علاوہ دیگر جائز اور مفید علوم سیکھنے کی اجازت دیتے۔

۱۳۔ آپ ﷺ میل جول اور آپس کے تعلقات پر زور دیتے۔

۱۴۔ آپ ﷺ لوگوں کے دل میں ہمیشہ اسلام کی عظمت کا سکہ بٹھاتے۔

۱۵۔ آپ ﷺ توحید، سنت، فکر آخرت اور تقویٰ پر بہت زور دیتے۔ آپ ﷺ کا کوئی درس ان باتوں سے خالی نہ ہوتا۔

۱۶۔ آپ ﷺ بچوں کی تعلیم وتربیت کا بہت خیال فرماتے۔

۱۷۔ آپ ﷺ خواتین کو بھی زیورِ علم سے آراستہ ہونے کی تلقین فرماتے۔

۱۸۔ آپ ﷺ علم دوست، خوش اخلاق آدمی کو محبوب جانتے۔

۱۹۔ آپ ﷺ علمی مباحثہ کو برا نہ جانتے بشرطیکہ اس میں موعظت وحکمت ہو۔

## 6- خلاصہ بحث

حضورِ اکرم ﷺ جب مبعوث ہوئے تو بہت کم لوگ پڑھے لکھے تھے۔ عرب کے مرکزی شہر مکہ مکرمہ کا یہ حال تھا کہ علامہ بلاذری کے بقول: ''مکہ میں صرف 18,17 افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔'' ان حالات میں ان لوگوں کا علم سے آراستہ ہونا کس قدر کٹھن تھا!!! تعلیم کے بغیر ترقی یقیناً ناممکن تھی۔ رحمت عالم ﷺ اس سے خوب آگاہ تھے۔ رسالت مآب ﷺ نے سب سے زیادہ زور قرآن وسنت کی تعلیم پر دیا۔ قلب ونظر کی پاکیزگی قرآن وسنت کے بغیر ناممکن تھی۔ آپ ﷺ نے علم نافع کی تلقین فرمائی۔ غیر نفع بخش علم سے منع فرمایا۔ یعنی آپ ﷺ نے ہر زبان اور فن سیکھنے کی ترغیب دی لیکن آپ ﷺ نے تعلیم کا مرکز ومحور کتاب وسنت کو قرار دیا۔ ضرورت اِس امر کی ہے آپ ﷺ کے بحیثیت معلم اوصاف، جن میں بے مثل کردار، باوقار شخصیت، سادہ اندازِ بیان اور علمی ذوق کو آج کے اساتذہ اپنی ذات کا حصہ بنائیں۔ آپ ﷺ کے طریقہ تدریس اور نصاب تعلیم کے مرکزی نقطہ قرآن وسنت کو اپنے طریقہ تدریس (Teaching methadology) میں اولین مقام دیں۔ آپ ﷺ کے طریقہ تعلیم کی خصوصیات، حلم، مخاطب کے مزاج، شائستگی، علمی بحث اور خواتین کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں۔ پاکستان شرح خواندگی کے حوالے سے اقوام عالم میں کوئی نمایاں مقام نہیں رکھتا، کروڑوں بچے سکولوں سے باہر ہیں۔ وجوہات تو کئی ہو سکتی ہیں۔ لیکن ایک وجہ استاد کا کردار بھی ہے۔ عصرِ حاضر کا معلم اگر اپنے اندر نبوی ﷺ خصوصیات کو پیدا کرلے تو یقیناً سالوں کا کام مہینوں میں ہوسکتا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ پورے نظامِ تعلیم کے اندر اسوہ رسول ﷺ کو مرکزی حیثیت دی جائے۔ اسوہ رسول ﷺ کا ایک اہم اُصول گفتار سے زیادہ کردار ہے جو موجودہ نظامِ تعلیم میں مفقود ہوتا جارہا ہے۔ بقول حالی:

ے مِسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب، جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اِک آن میں اس کی کایا

سوال 5

# سپہ سالار اور جنگی منصوبہ ساز کے لیے نمونہ عمل

1- سیرت طیبہ محمد ﷺ کی روشنی میں عظیم سپہ سالار کی خوبیاں بیان کیجیے۔ (2016ء)

2- میدان جنگ میں ایک سپہ سالار کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ کے کردار کا جامع خاکہ پیش کریں۔ (2019ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- رسالت مآب ﷺ کے جنگی اُصول
3- جدید جنگی صفات
4- جدید جنگی صفات اور اسوۂ رسول کریم ﷺ
5- رسالت مآب ﷺ کی جنگی حکمت عملی
6- رسالت مآب کی بہادری کے چند واقعات
7- رسالت مآب ﷺ ایک فاتح کی حیثیت میں
8- غزوات رسول ﷺ کا مختصر تعارف
9- رسالت مآب ﷺ کا طریقہ جنگ
10- خلاصہ بحث

؎ یہ ریت اور پہاڑوں کے سلسلے
صدیوں رُکے جہاں پہ محبت کے قافلے

## 1- تعارف

حضور ﷺ دُنیا کے جرنیلوں میں سب سے بڑے جرنیل تھے۔حضور ﷺ کے صبر، قوتِ ارادی، جنگی مہارت، ماتحتوں سے ہمدردی جیسے اوصافِ سپہ گری آپ ﷺ کو باقی جرنیلوں پر فائق کرتے ہیں۔آپ ﷺ کو ۲ ھ سے ۹ ھ تک یعنی صرف ۸ سال کے عرصہ میں تقریباً ۲۶ جنگوں میں حصہ لینا پڑا۔آپ ﷺ کے غزوات کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اِس میں بہت کم تعداد میں انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔صرف 1018 افراد قتل ہوئے، جن میں مسلمانوں کی تعداد صرف 259 تھی۔جبکہ اس کے مقابلے میں جنگ عظیم اول اور دوئم میں کروڑوں افراد لقمہ اجل بنے۔آپ ﷺ کے جنگی اُصولوں میں بوڑھوں، بچوں اور خواتین کے قتل کی ممانعت، عبادت گاہوں کا تحفظ، لاش کا مثلہ کرنے کی ممانعت، لوٹ مار کی ممانعت، ذمی اور سفیر کے قتل کی ممانعت نمایاں ہیں۔ضرورت اِس امر کی ہے نہ صرف مسلمان جرنیل بلکہ تمام مذاہب کے جرنیلوں کو آپ ﷺ کے اوصاف سپہ گری کا نہ صرف مطالعہ کرنا چاہیے بلکہ جنگی پالیسیاں رسالت مآب ﷺ کے اسوہ کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کرنی چاہییں۔

## 2- رسالت مآب ﷺ کے جنگی اُصول اور حکمت عملی

رسالت مآب ﷺ کے جنگی اُصولوں اور جنگی حکمت عملیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے انتہائی نامساعد حالات اور فوجی طاقت وقوت کی قلت کے باوجود دشمن کی کثیر تعداد پر غلبہ حاصل کیا۔آپ ﷺ دشمن کی ہر حرکت اور سرگرمی پر نظر رکھتے تھے۔جہاں کہیں دشمن کی حرکت کی اطلاع ملتی، حضور اقدس ﷺ چھوٹے چھوٹے لشکر ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کر دیتے۔ان سفروں کی وجہ سے ایک طرف جہاں فوج کی تربیت ہوتی رہتی وہاں دوسری طرف ماتحت افسروں اور جوانوں کو جغرافیائی معلومات حاصل ہوتیں اور موسمیاتی اثرات کے مقابلہ کی صلاحیت پیدا ہوتی رہتی تھی۔مزید برآں کمانڈروں میں خود اعتمادی پیدا ہونے کے علاوہ مملکت مدینہ کی قانونی حدود کا تعین ہوتا رہتا۔ان مہموں (Adventures) کے ذریعے مملکت کی حدود میں اضافہ بھی ہوتا رہا نیز مختلف قبائل معاہدوں کے ذریعے منسلک بھی ہوتے رہے۔جہاں تک جنگ کا تعلق تھا آپ ﷺ آغاز مدافعانہ کارروائی سے کرتے مگر آپ ﷺ ''مکمل دفاع'' کے ہرگز قائل نہ تھے۔جونہی حملہ آور کے ابتدائی حملے کی شدت ختم محسوس ہوتی آپ ﷺ اپنی فوج کو جوابی حملے کا حکم دے دیتے۔

آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر رقم طراز ہیں:

''حضور اقدس ﷺ کے غزوات کے مطالعہ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جنگ کثرتِ افراد کے ذریعے سے نہیں لڑی جاتی اور نہ کثرت وسائل سے بلکہ جنگ انسانوں کی قوت ارادی، ہتھیاروں اور وسائل کے صحیح استعمال پر منحصر ہوا کرتی ہے اور حضور ﷺ نے یہ مثال قائم کی ہے کہ ملت کی تمام تر روحانی اور مادی قوتوں کو یک جا کر کے انھیں جنگ کو کامیاب طور پر لڑنے کے لیے استوار کر دیا تھا۔دُنیا نے حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے میں صدیاں لگا دیں مگر چونکہ ایمان ویقین اور تقویٰ کا عنصر شامل نہ تھا اس لیے جنگ میں اکیسویں صدی کے وسائل کے باوجود ان میں طرح طرح کی خامیاں رہ گئیں۔جہاں جنگ میں قوم کی پوری مادی اور افرادی طاقت لگا دی وہاں ایمان وایقان کی کمی اور تقویٰ کے فقدان کی وجہ سے ظلم وتشدد کی طرف ہاتھ بڑھ گئے۔اس ظلم وتشدد نے دشمن کے ارادوں کو مزید تقویت دی اور یوں جیتے ہوئے میدان ہاتھوں سے نکل گئے۔آج اگر کوئی فتح چاہتا ہے تو حضور ﷺ کی حکمت عملی پر اُسے عمل کرنا ہوگا۔'' (اُسوۂ کامل، ص618، نشریات لاہور)

ذیل میں آپ ﷺ کے جنگی اُصولوں کو درج کیا جاتا ہے:

## (۱) صلح کرنے اور جنگ ختم کرنے کی تعلیم

سپہ سالارِ اعظم ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ دشمن اگر صلح کرنا چاہے تو صلح کر لینی چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (القرآن)

ترجمہ: ''اگر وہ صلح کی طرف راغب ہوں تو آپ بھی ان سے صلح کر لیں۔''

ہادیِ اعظم ﷺ کا عمل بھی اسی تعلیم کے تحت رہا چنانچہ جب کبھی دشمن نے صلح کی خواہش کی تو رسول اللہ ﷺ اس طرف مائل ہو گئے۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ آپ ﷺ کی حکمت کا شاہکار تھی۔ آپ ﷺ نے بعض ایسی شرائط منظور فرمائیں جو مسلمانوں کے لیے ظاہری طور پر بہت نقصان دہ معلوم ہوتی تھیں۔ صلح کے بجائے تصادم کی صورت میں کتنی ہی جانیں ضائع ہو جاتیں۔

## (۲) غیر اہلِ قتال کے حقوق

غیر اہلِ قتال وہ ہیں جو عملاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً نہیں لیا کرتے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، مجنون، خانقاہ نشین، زاہد، معبدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ۔ ایک مرتبہ میدان جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کی لاش پڑی دیکھی تو ناراض ہو کر فرمایا: ''یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی۔'' پھر اپنے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ کو کہلا بھیجا: ''عورت اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرو۔''

نبی اکرم ﷺ نے بلا وجہ کسی پر جنگ مسلط نہیں کی بلکہ آپ ﷺ کے طرزِ عمل سے ہمیں ان صورتوں کا پتا چلتا ہے جب اللہ کے راستے میں قتال ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں آپ ﷺ نے غیر اہلِ قتال کے لیے درج ذیل ہدایات جاری فرمائیں:

> ''قیام اس جگہ کرنا جہاں بستی والوں کو تمھاری وجہ سے تکلیف نہ ہو، جو مقابلہ پر آئے صرف اس سے لڑنا۔ بوڑھوں بچوں اور عورتوں پر ہرگز تلوار نہ اٹھانا، گوشہ نشینوں، عبادت خانوں میں بیٹھنے والوں کو بھی نہ چھیڑنا، جو امان مانگیں انھیں امان دینا، باغوں اور کھیتوں کو خراب نہ کرنا۔ جب وہ زکوٰۃ اور صدقات دیں تو ان کے باقی مال سے تعرض نہ کرنا۔ ان کی زکوٰۃ اور صدقات کو انھیں کے امیروں سے لے کر غرباء میں تقسیم کر دینا۔''

جو قوم اعلیٰ اخلاقی مقاصد کے حصول کے لیے جان لینے اور دینے کا اقدام کرے اس سے یہ توقع بھی ہونی چاہیے کہ میدانِ جنگ میں اس کا طرزِ عمل ان اقوام سے مختلف ہوگا جو اخلاقی مقاصد کے بجائے تجارتی مقاصد کے لیے میدان میں اترتی ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی پیش رو اور ہم عصر دُنیا کے جنگ کے طریقوں میں بنیادی اور دور رس اصلاحات کیں اور آنے والی دُنیا کے لیے راستہ ہموار کر دیا، مثلاً: آپ ﷺ نے درج ذیل قدیم جنگی طریقوں کے ایسے پہلوؤں کو ایک آرڈر کے ذریعے منسوخ کر دیا جو سر تا سر غیر منصفانہ اور نقصان دہ تھے۔

۱۔ بوڑھوں، عورتوں، بچوں، معذوروں، گوشہ نشین راہبوں اور ان لوگوں کو جو کسی اور وجہ سے جنگ میں حصہ لینے کے قابل نہ ہوں قتل کرنا منع ہے۔ اسی اُصول کے مطابق ایٹم بم کے ذریعے ہیروشیما کی تباہی نہ صرف حرام بلکہ قابلِ تعزیر جرم ہے۔

۲۔ تمام عبادت گاہیں قانوناً جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہیں۔

۳۔ مقتول دشمن کا چہرہ بگاڑنا یا اس کے اعضا کاٹنا ممنوع ہے۔

۴۔ عہد کی پابندی مسلمان پر لازم ہے اور کسی بھی مصلحت کسی بھی بہانے اور کسی بھی چال سے عہد سے روگردانی جائز نہیں۔

۵۔ اسیرانِ جنگ (جنگی قیدی) کو قتل کرنے کی ممانعت ہے۔ حکم ہے کہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔

اس دور کے معاشرتی حالات کے پیشِ نظر بعض جنگی قیدیوں کو غلام اور لونڈی بنائے بغیر چارہ نہ تھا۔ سپہ سالارِ اعظم ﷺ نے جنگ کے نتیجہ میں

پیدا ہونے والے اس معاملہ کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائی اور اس عمل کے نقصان دہ اور غیر منصفانہ پہلو ختم کر دیے۔ آپ ﷺ نے غلاموں کے حقوق متعین فرمائے۔

## (۳) اہلِ قتال کے حقوق

سیرت النبی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ قتال وہ ہیں جن پر تلوار اٹھانا جائز ہے، ان پر بھی دست درازی کا غیر محدود اختیار حاصل نہیں ہے بلکہ اس کے لیے بھی کچھ حدود ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ جن میں چند ایک درج ذیل ہیں:

### (i) غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز

اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ راتوں کو اور خصوصاً آخر شب میں جب کہ لوگ بے خبر سوتے تھے اچانک حملہ کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طریقے کو ختم کر دیا اور قاعدہ مقرر کیا کہ صبح سے پہلے کسی دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔ انس بن مالک ؓ غزوۂ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: **''کان رسول اللہ ﷺ اذا غزا قوما لم یغر حتی یصبح''** (نبی کریم ﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے تھے)۔

### (ii) آگ سے جلانے کی ممانعت

حضور ﷺ سے پہلے لوگ شدت انتقام میں دشمن کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وحشیانہ حرکت کو بھی ممنوع قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: **''لا ینبغی ان یعذب بالنار الا رب النار''** (آگ کا عذاب دینا سوائے آگ پیدا کرنے والے کے کسی اور کو سزاوار نہیں)۔

### (iii) قتل صبر (باندھ کر مارنے) کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے دشمن کو باندھ کر قتل کرنے اور تکلیفیں دے دے کر مارنے کی بھی ممانعت فرمائی۔ عبید بن یعلی کا بیان ہے کہ ہم عبدالرحمن بن خالد ؓ کے ساتھ جنگ پر گئے تھے۔ ایک موقع پر دشمن لشکر میں سے چار آتش پرست پکڑے ہوئے آئے اور انھوں نے حکم دیا کہ انھیں باندھ کر قتل کر دیا جائے۔ اس کی اطلاع جب حضرت ابوایوب انصاری ؓ کو ہوئی تو انھوں نے فرمایا:

> ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے قتل صبر (باندھ کر مارنے) سے منع فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اس کو باندھ کر اس طرح نہ مارتا۔ اس کی خبر جب عبدالرحمن بن خالد بن ولید کو پہنچی تو انھوں نے چار غلام آزاد کر دیے (یعنی اپنی غلطی کا کفارہ ادا کیا)۔''

### (iv) لوٹ مار کی ممانعت

ایک دفعہ سفر جہاد میں اہل لشکر نے کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا۔ رحمت عالم ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے آکر دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا: **''ان النھبة لیست بأحل من المیتة''** (لوٹ کھسوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں)۔

### (v) تباہ کاری کی ممانعت

جب فوجیں کسی علاقے پر چڑھائی کرتی ہیں تو فصلوں کو خراب کرنا، کھیتوں کو تباہ کرنا، بستیوں میں قتل اور آتش زنی ان کے معمولات میں سے ہوتا ہے مگر اسلام اس کو فساد سے تعبیر کرتا ہے، سختی کے ساتھ اس سے منع کرتا ہے اور اسے ناجائز قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

''وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ'' (البقرۃ:205)

ترجمہ: ''جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے زمین میں فساد پھیلائے، فصلوں اور نسلوں کو برباد کرے مگر اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

### (vi) مثلہ کی ممانعت

دشمن کی لاشوں کو بے حرمت کرنے اور ان کے اعضا کے کاٹنے کو بھی اسلام نے سختی سے منع کیا ہے: **نهی رسول اللّٰہ عن النهبة والمثلة** ''عبداللہ بن یزید الانصاریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے لوٹ کے مال اور مُثلہ (اعضا کاٹنے) سے منع فرمایا ہے۔''

نبی کریم ﷺ فوجوں کو بھیجتے وقت جو ہدایات دیا کرتے تھے ان میں تاکید فرماتے: ''بدعہدی نہ کرنا، غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور مثلہ نہ کرنا۔''

### (vii) قتل اسیر کی ممانعت

اسیروں کو قتل کرنا انتقامی کارروائی کا ایک حصہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قتل اسیر سے منع فرمایا۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ جب شہر میں داخل ہونے لگے تو فوج میں اعلان کرادیا تھا ''کسی مجروح پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ امان میں ہے۔''

### (viii) قتل سفیر کی ممانعت

سفراء اور قاصدوں کے قتل سے تاجدارِ کائنات ﷺ نے منع فرمایا۔ مسیلمہ کذاب کا قاصد عبادہ بن حارث جب اس کا گستاخانہ پیغام لے کر حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تیری گردن ماردیتا۔''

اسی سے فقہا نے یہ استنباط کیا ہے کہ کوئی شخص اگر اسلامی سرحد پر پہنچ کر یہ بیان دے کہ وہ فلاں حکومت کا سفیر ہے تو اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ الا یہ کہ وہ اپنا سفیر ہونا ثابت نہ کرسکے۔

### (ix) بدعہدی کی ممانعت

بدعہدی بدترین جرم ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی معاہد (وہ غیر مسلم جو اسلامی ریاست کا شہری ہے) کو قتل کرے اسے جنت کی خوشبو تک نصیب نہ ہوگی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔''

### (x) بدنظمی وانتشار کی ممانعت

اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب جنگ کو نکلتے تو راستہ میں جو ملتا اسے تنگ کرتے اور جب کسی جگہ اترتے تو ساری زمین پر پھیل جاتے، یہاں تک کہ راستوں پر چلنا مشکل ہو جاتا تھا۔ داعیٔ اسلام ﷺ نے اس کی بھی ممانعت کردی۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے جارہے تھے تو آپ ﷺ کے پاس شکایت آئی کہ فوج میں عہد جاہلیت کی سی بدنظمی ہے اور لوگوں کو تنگ کیا جارہا ہے، اس پر آپ ﷺ نے اعلان کرایا:

**أنَّ مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا او قَطَعَ طَرِيقًا فَلا جَهَادَ له** (جو کوئی منزل کو تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا اس کا جہاد نہیں ہوگا)۔

### (xi) وحشیانہ اعمال کے خلاف عام ہدایات

فوجوں کے نظم وضبط کے ساتھ انھیں شائستہ رہنے کی ہدایات کا سلسلہ بھی نبی ﷺ کا ایجاد کردہ ہے۔ مغربی دُنیا تو انیسویں صدی کے وسط تک اس طریق سے ناآشنا تھی۔ داعیٔ اسلام ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب آپ ﷺ کبھی کسی سردار کو جنگ پر بھیجتے تو اسے اور اس کی فوج کو پہلے تقویٰ اور خوف خدا کی نصیحت کرتے، پھر فرماتے ''جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں لڑو، ان لوگوں سے جو اللہ سے کفر کرتے ہیں، مگر جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرو، غنیمت میں خیانت نہ کرو، مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔''

## 3- جدید جنگی صفات

عصر حاضر میں جرنیل کے لیے کئی صفات بیان کی گئی ہیں۔ ماہرین جنگ نے چند ایسی صفات کا تذکرہ کیا ہے جن کے بغیر کوئی شخصیت جنگی قیادت کے بلند مقام پر فائز نہیں ہوسکتی۔ ان میں سے درج ذیل اہم ہیں:

۱۔ جنگ میں جدید حکمتِ عملی۔
۲۔ دشمن کی ناکہ بندی اور اقتصادی دباؤ۔
۳۔ عزم کا پختہ اور ارادے کا پکا ہونا۔
۴۔ جسمانی اعتبار سے قوی اور مضبوط۔
۵۔ زیادہ سے زیادہ شجاعت و دلیری۔
۶۔ فوری طور پر صحیح اور واضح احکام دینے کی صلاحیت۔
۷۔ جنگی مہارتوں سے آگاہی۔
۸۔ فتح وشکست ہر حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھے اور حد سے باہر نہ نکلے۔
۹۔ حد درجہ دور اندیش اور صاحب فکر ہو۔
۱۰۔ اسے فوج پر کامل اعتماد ہو اور فوج کو اس پر کامل بھروسا ہو۔
۱۱۔ فوجی افسروں اور سپاہیوں کی نفسیات، استعداد اور اہلیت سے واقفیت رکھتا ہو۔
۱۲۔ فوج اور سپہ سالار کے مابین محبت وخلوص کا رشتہ ہو۔

مندرجہ بالا تمام صفات آپ ﷺ میں اپنے کمال کے ساتھ موجود تھیں۔ ذیل میں آپ ﷺ کی بعض اُن صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو آپ ﷺ کی جنگی حکمت عملی سے ہمیں معلوم ہوتی ہیں:

## 4- جدید جنگی صفات اور اسوۂ رسول کریم ﷺ

ذیل میں اس حوالے سے چند اہم نکات کو ملاحظہ کیجیے۔

### (۱) امیر لشکر کی حکمت عملی

بدر کی جنگ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کی صف بندی کا خاکہ رات ہی تیار کر لیا تھا۔ میدان کی صورت حال اور اپنی افرادی قوت کی کمی کے باوجود آپ ﷺ نے صف بندی کا وہ طریقہ اپنایا جو عربوں نے کبھی اختیار نہیں کیا تھا۔ جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں کے ساتھ رہنے والے ایرانی اور رومی جس طریقے سے لڑائی کے میدان میں اپنی سپاہ کو ترتیب دیتے تھے، آپ ﷺ نے مکمل طور پر وہ طریقہ بھی نہیں اپنایا۔

### (۲) دشمن کی ناکہ بندی اور اقتصادی دباؤ

حضور ﷺ نے مدینہ منتقل ہو جانے کے بعد مجاہدین کے چھوٹے چھوٹے تیز رفتار دستے مدینہ اور مکہ کے درمیانی علاقوں میں بھیجنے شروع کیے۔ جب اہل مکہ کے ساتھ اعصابی جنگ کا زور تھا ابھی تلوار کی جنگ نہ چھڑی تھی، ان عقابوں کا مقصد قریش کے تجارتی قافلوں پر ہی نہیں بلکہ اُن کے گھروں میں بھی ہراس پھیلانا تھا۔ اسلامی دستوں کی پیہم نقل وحرکت کے سامنے دشمن کے اعصاب آہستہ آہستہ جواب دینے لگے۔ جنگ بدر کے بعد قریش پر شام کی شاہراہ بند ہوگئی جو مدینہ کے قریب سے گزرتی تھی۔ قریش نے اب عراق کی راہ سے شام کے ساتھ تجارت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہا، لیکن اسلامی جانبازوں نے ان پر یہ راہ بھی بند کر دی۔ فتح مکہ تک قریش تین اطراف سے ناکہ بندی کے حصار میں تھے۔ اس صورت حال نے ان پر کسب معاش کا دائرہ تنگ کر دیا۔ انھوں نے تکبیر میں آ کر خندق تک کی جنگوں میں اپنا کثیر سرمایہ جھونک دیا تھا اور اب افلاس میں گرفتار تھے۔

### (۳) پختہ ارادہ

داعیٔ اعظم ﷺ نے تنِ تنہا مشرکین ومنافقین کے غیظ وغضب اور مخالفتوں کا مقابلہ کیا۔ نزول وحی سے لے کر آخری دم تک آپ ﷺ ذرا بھر بھی متزلزل نہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے مضبوط ارادے نے خوف ناک سے خوف ناک صورت حال پر بھی قابو لیا۔ آپ ﷺ نے مصائب اور خطرات کو صبر سے برداشت کیا۔ ہجرت سے پہلے مکہ میں اذیتوں اور تکلیفوں کا سامنا کیا۔

یہ آپ ﷺ کا عزم راسخ ہی تھا جس میں آپ ﷺ نے مدینہ کے اندر یہودیوں اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں کو ختم کیا اور مدینہ سے باہر اسلام کے بدترین دشمنوں مشرکینِ مکہ کی قوت کو توڑا۔ آپ ﷺ تمام مشکل حالات میں ثابت قدم رہے۔ گردوپیش کی تمام قوتوں سے مقابلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کو غالب کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ دشمنوں کی بے پناہ فوجی قوت کو کبھی خاطر میں نہ لائے اور نہ کبھی اپنا ارادہ بدلا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی عزم راسخ کی بہترین مثال ہے۔

### (۴) واضح اور فوری احکام

سپہ سالار کے لیے ضروری ہے کہ وہ حسب ضرورت فوراً احکام صادر کرے تا کہ انھی احکام کی بنا پر اپنی پالیسی استوار کر سکے اور گھمسان کی جنگ میں وہ اسی پالیسی کے مطابق عمل کر سکے۔ احکام کے صحیح اور واضح ہونے کا انحصار دو امور پر ہے۔

(i) سپہ سالاروں کی قابلیت وبصیرت (ii) معلومات کا حصول

#### (i) سپہ سالار کی عقلی قابلیت وبصیرت:

دُنیا کا کوئی انسان رسول اللہ ﷺ کی عقلی قابلیت اور بصیرت کا منکر نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو بشارت سنا کر مائل کیا، انجام بد سے آگاہ کیا، ناپسندیدہ کاموں کی ممانعت کی، بڑے بڑے دانش وروں سے بحثیں کیں اور ایک امت کو تیار کیا۔ آپ ﷺ کی بصیرت اور عقل مندی کی بے شمار مثالیں ہیں۔ غزوۂ اُحد میں تیراندازوں کو جس جگہ متعین فرمایا وہ آپ ﷺ کی حسن تدبیر کی عمدہ مثال ہے اور آپ ﷺ کی بصیرت کا کھلا ثبوت ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ابوسفیان کو مکہ کے پہاڑ کی کسی تنگ جگہ پر کھڑا کیا جائے یہاں تک کہ مسلمانوں کے تمام لشکر اس کی نگاہوں کے سامنے گزر جائیں تا کہ وہ جا کر اپنی قوم کو چشم دید حالات سے آگاہ کر سکے اور جو کچھ بیان کرے وہ دلیل اور یقین کی بنا پر بیان کرے۔

#### (ii) معلومات کا حصول:

آپ ﷺ مختلف طریقوں سے معلومات حاصل کرتے تھے:

(الف) جاسوسوں کے واسطہ سے۔ (ب) شخصی اطلاعات سے۔

(ج) قیدیوں سے۔ (د) عقل مند لوگوں کے مشورے کے ذریعے۔

بدرِ کبریٰ کے معرکے میں آپ ﷺ نے ابوسفیان کے قافلے کی واپسی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دستہ بھیجا۔ اپنی فوج کا ایک دستہ بدر میں جانے سے قبل اس علاقے کی معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ پھر دو دستے اپنی فوجوں کے بدر پہنچنے سے قبل روانہ فرمائے، بلکہ رسول اللہ ﷺ خود بھی اطلاعات حاصل کرنے کے لیے باہر نکل گئے اور قریش کی طاقت اور ان کی فوجوں کے پڑاؤ کے حالات لے کر واپس لوٹے۔

## (۵) مسئولیت کا تحمل

جرنیل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تمام فیصلوں کی مسئولیت کا بوجھ اٹھائے۔ مسلمانوں میں کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام جنگی وغیر جنگی اعمال میں عظیم ذمہ داری کو برداشت کر سکتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے اعمال واحکام اتنے عظیم تھے کہ انھوں نے تاریخ کا رُخ بدل کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری ابتدائے وحی سے لے کر آخر تک نبھائی۔ مثلاً سریہ عبداللہ بن جحش میں آپ ﷺ کی ہدایت کے برعکس ایک آدمی قتل ہو جاتا ہے تو آپ ﷺ اس کا خون بہا ادا کرتے ہیں۔ الغرض، یہ کہ ہادیٔ برحق ﷺ تمام معلومات کی ذمہ داری قبول فرماتے۔ وہ معاملات جن کا فیصلہ آپ ﷺ نے کیا اور وہ بھی جن کا مشورہ صحابہؓ نے دیا۔

## (۶) مستقل مزاجی

آپ ﷺ کی طبیعت میں قدرتی طمانیت تھی۔ آپ ﷺ کو اپنے اعصاب پر بہت قابو حاصل تھا۔ آپ ﷺ کی طبیعت میں فتح وشکست دونوں حالتوں میں کبھی تغیر وتبدل نہیں ہوا۔ غزوۂ اُحد میں جب مشرکین نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو گھیرے میں لے لیا اس وقت آپ ﷺ نے حواس پر قابو برقرار رکھا اور مسلمانوں کی کشتی کو سلامتی سے ساحل عافیت سے جالگایا۔ غزوۂ خندق کے موقع پر بھی اسی طرح کی کیفیت کا مظاہرہ کیا۔ یہودیوں کی غداری نے صورت حال کو اور خراب کر دیا تھا۔ مگر آپ ﷺ اپنے حواس پر غالب رہے۔ لشکروں کا مقابلہ کیا اور یہود کا خاتمہ کیا۔

## (۷) دور اندیشی

جرنیل کی دُور اندیشی اس کی جنگی صلاحیتوں کی حقیقی بنیاد ہے۔ اچھے اور برے حالات کا صحیح احساس اور ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بہت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہؓ کے تردد کو نظر انداز کرتے ہوئے صلح حدیبیہ کی شرائط قبول کر لینے پر اصرار کیا، کیونکہ آپ ﷺ نے صلح کی شرائط کو بغور دیکھا اور اپنی روشن رائے سے معلوم کر لیا کہ ان شرائط کو قبول کر لینا مسلمانوں کی فتح ہے اور یہ شرائط مسلمانوں کے لیے مفید رہیں گی۔ پھر اس امر کا نتیجہ یہ نکلا کہ فتح مکہ میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

## (۸) نفسیات اور صلاحیتوں کی معرفت

رسول اللہ ﷺ اپنے رفقاء کی نفسیات اور اُن کی صلاحیتوں سے واقف تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ آپ ﷺ انھی میں ایک فرد کی طرح زندگی گزارتے تھے، اور رنج وراحت میں ان کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے جن لوگوں کے ذمہ معلومات حاصل کرنے کی خدمت سپرد کی انھوں نے اسے پورا کیا، جس کو گورنر بنایا اس نے اپنے فرائض کو پوری کوشش سے ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُحد کے دن ایک تلوار ہاتھ میں پکڑی اور فرمایا: ''اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ کون پکڑے گا۔'' کئی آدمی آپ ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ نے تلوار کسی کو نہ دی یہاں تک کہ ابودجانہؓ اٹھے اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ اس تلوار کا کیا حق ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو دشمن پر اتنی ضربیں لگا کہ تلوار ٹیڑھی ہو جائے۔'' ابودجانہؓ نے اس تلوار سے نہایت شدید لڑائی کی۔ جب مسلمان محاصرے میں آ گئے تو ابودجانہؓ نے اپنے جسم کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ اپنی پیٹھ آپ ﷺ پر جھکا دی اور تیر پر تیر برستے رہے۔

## (۹) باہمی اعتماد

سپہ سالار کے لیے ضروری ہے کہ اس کی فوج کا اس پر کامل اعتماد ہو۔ صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر پورا بھروسا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ ﷺ کو اپنے صحابہؓ پر اعتماد تھا۔ اس کے لیے ہم حدیبیہ، بدر اور اُحد بطور مثال پیش کر سکتے ہیں۔

## (۱۰) دوطرفہ محبت

صحابہؓ اور آپ ﷺ کے درمیان اعتماد کے ساتھ ساتھ باہمی محبت بہت زیادہ تھی اور صحابہ کرامؓ کے لیے یہ محبت ایمان کا درجہ رکھتی تھی اور اگر یہ محبت دین نہ بھی ہوتو بھی صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے محبت کرتے۔ اس لیے آپ ﷺ واقعی محبت کیے جانے کے قابل تھے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بے شمار ایسے واقعات مشہور ہیں جن سے باہمی محبت کے رشتے واضح ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر غزوۂ اُحد میں رحمت عالم ﷺ کو مشرکین نے ہر طرف سے گھیر لیا اور آپ ﷺ پر تیر بارش کی طرح برسنے لگے تو مسلمانوں نے اپنے جسموں کو آڑ بنا کر ان تیروں کو روکا۔

## (۱۱) جسمانی قابلیت و بدنی قوت

ایک اچھے سپہ سالار کے لیے قوی جسم اور مضبوط بدن کا ہونا ضروری ہے۔ ہادئ برحق ﷺ کی جسمانی قابلیت بھی حد سے زیادہ تھی۔ صحابہ کرامؓ خندق کھودنے کے دوران آپ ﷺ سے مدد کے طالب ہوتے۔ جب کوئی پتھر کھودنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا تو اسے توڑنے کے لیے آپ ﷺ کی طرف دوڑتے اور پھر آپ ﷺ کے ہتھوڑے کی ضرب سے وہ پتھر ٹوٹ جاتا۔

## (۱۲) بے داغ شخصیت

رسول اللہ ﷺ کو جس چیز نے دُنیا کے تمام سپہ سالاروں سے ممتاز کیا وہ آپ ﷺ کی بے داغ شخصیت ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کو ماضی اور حال کے جس پیمانے سے ناپیں گے وہ آپ کو بے مثال نظر آئے گی۔ اس بے داغ شخصیت کی صداقت کو اپنوں بیگانوں سب نے تسلیم کیا۔ ابوسفیان کو ہرقل کے دربار میں آپ ﷺ کی سیرت کی صداقت بیان کرنا پڑی۔

## (۱۳) اشاعتِ اسلام اور تلوار

سپہ سالارِ اعظم نے کبھی بھی تلوار کا بے جا استعمال نہیں کیا کیونکہ جبراً اشاعتِ اسلام کی ممانعت قرآن مجید نے کی ہے۔ **لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ** (دین میں کوئی جبر نہیں)۔ اگر غزوات میں فریقین کی تعداد پر غور کریں تو یہ بات سامنے آئے گی کہ ہر لڑائی میں کفار کی تعداد مسلمانوں سے دوگنی اور چوگنی ہوتی تھی۔ مسلمان صرف تعداد میں ہی قلیل نہیں ہوتے بلکہ اسلحہ اور سواریوں کے لحاظ سے بھی کمزور تھے اور کبھی تاریخ عالم میں ایسا بھی ہوا ہے کہ کمزور نے اپنے ہاتھ میں تلوار لی ہو اور گھر سے باہر نکل پڑا ہو کہ تلوار کے ذریعے لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرے ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ ہاں ایسا ضرور ہوا ہے کہ طاقت ور قوم کا کمزور قوم نے قومی زندگی کی بقا کے لیے دلیری سے مقابلہ کیا ہو اور طاقت ور قوم کو نیچا دکھایا ہو۔ یہ تمام حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ سپہ سالارِ اعظم نے تلوار کو اشاعت اسلام کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ان تمام حقائق پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دُنیا کے سب سے بڑے سالار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہیں:

بقول نپولین:

> ''میں پندرہ سال کے محدود عرصے میں فرزند صحرا کی نمایاں کامیابیوں پر انگشت بدنداں ہوں یہ ایسا کارنامہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام پندرہ سو سالوں میں بھی انجام نہ دے سکے۔''

بقول پروفیسر لاراو یکشیا ویگلیری:

> ''آپ ﷺ نے جنگ جیسی حیات انسانی کی ضرورت کو عملاً کم ظالمانہ بنا دیا۔''

بقول V.C Badley: ''محمد ﷺ نے باوجود عسکری معاملات سے عدم واقفیت کے بحیثیت ایک جرنیل کے ہر جنگی معرکہ اور جھڑپ میں حصہ لے کر اعلیٰ مہارت اور صلاحیت کا مظاہر کیا۔''

### (۱۴) فوج سے ہمدردی

دُنیا کے مشہور جرنیلوں کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی جرنیل سب سے زیادہ کامیاب ہوا ہے جو اپنے فوجیوں کے ساتھ نہایت فراخدلی سے پیش آتا رہا ہو۔ ہر کام میں اُن کا شریک حال اور ہر معاملہ میں اُن سے ہمدردی کرتا رہا ہو۔ جرنیل ہنیڈن برگ جو جرمنی کا سب سے بڑا جرنیل تھا اس کی خوبی یہی بیان کی جاتی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں سے نہایت ہی خندہ پیشانی سے پیش آیا کرتا تھا۔ نپولین اعظم کا سلوک بھی اپنے ماتحتوں سے اس قدر اعلیٰ تھا کہ وہ اس پر جانیں فدا کرتے تھے۔

(i) آپ ﷺ غزوات میں ہمیشہ سپاہیوں کی طرح کام کیا کرتے تھے۔ غزوہ خندق میں جس جگہ تمام فوجی خندق کھود رہے تھے تو آپ ﷺ بھی برابر ان کے ساتھ شریک کار تھے اور اپنے حصے کی خندق کھودتے رہے۔

(ii) غزوہ بدر میں اسلامی فوج کے پاس سواریاں کم تھیں۔ اس لیے تین تین صحابہؓ کو ایک ایک اونٹ ملا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ حضور ﷺ بھی باوجود سپہ سالار اعظم ہونے کے دیگر صحابہؓ کی طرح دو اور صحابہؓ کے ساتھ ایک اُونٹ میں شریک تھے۔

(iii) فتح خیبر کے موقعہ پر جو زمین مسلمانوں کے حصہ میں آئی وہ اٹھارہ سو سپاہیوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہوئی۔

(iv) مدینہ منورہ میں جب اسلامی فوج مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں مصروف تھی۔ کوئی گارا دیتا تھا تو کوئی اینٹیں دے رہا تھا۔ ایسی حالت میں حضور ﷺ ان کے ساتھ برابر اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ حتیٰ کہ یہ تمیز ناممکن تھی کہ ان میں سردار کون ہے اور مزدور کون؟

## 5- رسالت مآب ﷺ کی جنگی حکمت عملی

ضبط، انتظام، تدبر، قوت ارادی کی پختگی اور فنون جنگ کی مہارت کامل کے علاوہ سب سے آخری صفت جس کا ایک جرنیل میں پایا جانا نہایت ضروری ہے وہ اس کی حکمت عملی ہے۔ کسی جرنیل کی حکمت عملی کا یہ بہت بڑا ثبوت ہے کہ وہ کم سے کم خونریزی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ملک فتح کرے۔ سخت خونریزی کے بعد جو فتوحات ہوں وہ فوج کی جانبازی پر تو دلالت کرتی ہیں مگر جرنیل کی کوئی خوبی ان میں نظر نہیں آتی.... سیرت رسول ﷺ میں اس حوالے سے کئی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً

آپ ﷺ حدیبیہ کے موقعہ پر صلح نہ فرماتے تو لڑائی میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ مگر رحمت دو عالم ﷺ نے اس موقعہ پر بھی اِسی حکمت عملی کا ثبوت دیا۔ اس صلح کی شرائط میں اگرچہ بعض شرائط ایسی تھیں جو بظاہر مسلمانوں کے لیے نقصان دہ معلوم ہوتی تھیں مگر تاجدارِ کائنات ﷺ نے ان سب کو منظور فرمالیا۔ جس سے لاکھوں جانیں بچ گئیں۔ بقول عابد نظامی:

؎ سرکار کے صدقے میں بنے فاتح عالم
تھا کام شب و روز جنہیں بنتِ عنب^۱ سے
تاجِ جم و قیصر ہیں میرے پاؤں کے نیچے
حاصل مجھے پابوسی سرکار ہے جب سے

(۱) شراب (۲) شہنشاہِ ایران وروم

رسالت مآب ﷺ کے زمانہ حیات میں کم وبیش 80 لڑائیاں شمار کی جاسکتی ہیں۔ اگر 80 غزوات اور سرایا کے مقتولین کی تعداد کو جمع کیا جائے تو کل تعداد 1018 ہوتی ہے۔ جو فریقین کی مجموعی تعداد ہے۔ جب 1018 کو 80 پر تقسیم کیا جاتا ہے تو فی جنگ ۱۳ سے بھی کم اوسط نکلتی ہے۔ جو عرب جیسے وسیع ملک کو فتح کرنے کے لحاظ سے بالکل صفر کے برابر ہے۔ جان ڈیون نے اپنی کتاب ''اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن'' میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکت نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے جو عیسائیوں کے ہاتھوں سے عیسائیوں کی ہوئی تھی۔ اکیلے ملک سپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو ہلاک کیا تھا جن میں سے 32 ہزار آدمی زندہ آگ میں جلا دیے گئے تھے۔

## 6- رسالت مآب ﷺ کی بہادری کے چند واقعات

ایک جرنیل یا سپہ سالار کے لیے جس قدر شجاع اور بہادر ہونا ضروری ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ مگر شجاعِ اعظم ﷺ کی شجاعت اور بہادری پر جب نگاہ کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سارے عرب میں آپ ﷺ کا لوہا مانا جاتا تھا۔ قرب و جوار میں بھی آپ ﷺ سا کوئی بہادر نہیں تھا۔

(i) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب کبھی گھمسان کا رن پڑتا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تو اس وقت ہم نبی اکرم ﷺ کی اوٹ لیا کرتے تھے اور ہم میں سب سے آگے دشمن کی جانب نبی اکرم ﷺ ہی ہوتے تھے۔ (سنن نسائی)

(ii) جنگ حنین میں جب دشمنوں نے پہاڑ کے درہ میں بیٹھ کر تیروں کی ایسی بارش برسائی کہ مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج کا منہ موڑ دیا۔ اس وقت بھی صرف حضور ﷺ ہی تھے جو دُشمن کی جانب بڑھے جاتے تھے۔ چنانچہ اُس وقت آپ ﷺ نے فوجی جرنیلوں کا سادہ کام کیا جو رہتی دُنیا تک یادر ہے گا۔ آپ ﷺ نے تیروں کی بارش میں اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ اور فرمایا:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ترجمہ: میں سچا نبی ﷺ ہوں اور عرب کے مشہور بہادر عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ (بھلا پیچھے کیوں ہٹوں؟)''

(iii) جنگ اُحد میں بھی جب کفار نے پیچھے سے حملہ کیا اور اسلامی فوج میں کچھ ابتری سی پھیل گئی تو آپ ﷺ ہی تھے جو نہایت تیزی کے ساتھ دشمن کی طرف بڑھتے جارہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس موقعہ پر بھی دل شکستہ فوج کو ''اللہ کے بندو! میری طرف، میں اللہ کا رسول ہوں'' کے آوازے دے کر جمع کیا۔ پھر سنبھل کر ایسا مقابلہ کیا کہ دُشمن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا۔

## 7- رسالت مآب ﷺ ایک فاتح کی حیثیت میں

جب ہم دُنیا کے مختلف فاتحین کی سیرت پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں تو صرف نبی کریم ﷺ ہی کی ایک ذات بابرکات ایسی دکھائی دیتی ہے جو صحیح معنوں میں اپنے اندر فاتحانہ شان رکھتی ہے اور جملہ عیوب و نقائص سے مبرا نظر آتی ہے۔ جب آپ ﷺ شہر مکہ کو فتح کرتے ہیں جس سے بڑے جور و ستم کے بعد نکالے گئے، حضور ﷺ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ شہر میں داخل ہو کر اپنا پورا تسلط اور قبضہ جمالے اور مندرجہ ذیل احکام کو ضرور ملحوظ رکھے:

(i) جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

(ii) جو شخص خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے اسے قتل نہ کیا جائے۔

(iii) جو شخص اپنے گھر کے اندر بیٹھ جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

(iv) جو شخص ابوسفیان کے گھر جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔

(v) جو لوگ بھاگ جائیں ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔

(vi) بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے۔

(vii) قیدیوں کو بھی قتل نہ کیا جائے۔

کیا آج تک کسی فاتح، کسی حملہ آور اور کسی ایسے شخص کی طرف سے فوج کو ایسی ہدایات جاری ہوئی ہیں جو بیس سال تک مسلسل ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا ہو؟ یقیناً ایک مثال بھی تاریخ عالم میں ایسی پیش نہیں کی جاسکتی۔ ''وحشی بن حرب'' جس نے حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کیا تھا۔ ہند زوجہ ابوسفیان جس نے شہید چچا کا گوشت چبایا تھا۔ ہبار جس نے سیدہ زینبؓ کو نیزہ مارا اور حمل گرا دیا تھا سب معاف کر دیے گئے۔

معافی کے حوالے سے اِس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔ بقول شاعر:

ازل اس کے پیچھے، ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے، نہ حد سامنے

''ڈین پول'' آپ ﷺ کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جب آپ ﷺ مکہ پر حملہ آور ہوئے اور مکہ والوں نے اطاعت قبول کرلی، پیغمبر ﷺ کے لیے یہ وقت خونخواری دکھانے کا تھا۔ آپ ﷺ کے مخالف دشمن آپ ﷺ کے قبضہ میں تھے۔ اور پوری طرح اُن سے انتقام لیا جاسکتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ نے قریش کے تمام قصور معاف کردیے۔ اور فوج اس قدر سکون کے ساتھ شہر میں داخل ہوئی کہ گویا کوئی نئی بات ہی نہ تھی۔ اور نہ ہی کوئی گھر لوٹا گیا۔''

سلام اُس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اُس پر کہ گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اُس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اُس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں

## 8- غزوات رسول کا مختصر تعارف

(ا) غزوہ بدر میں نبی اکرم ﷺ کے ماتحت صرف 313 صحابہؓ کا لشکر تھا اور مخالفین ابوجہل جیسے سپہ سالار کی سرکردگی میں ایک ہزار کی تعداد میں نبرد آزما تھے۔ مگر آپ ﷺ کی فنون جنگ سے کمال مہارت کی وجہ سے دشمن کو سہ چند ہونے کے باوجود شکست فاش ہوئی۔ مسلمان صرف 14 شہید ہوئے۔ نہ کوئی زخمی ہوا، نہ اسیر ہوا اور دشمن 70 کی تعداد میں مقتول اور 70 کی تعداد میں اسیر ہوئے۔

(۲) غزوۂ احزاب یا خندق میں حضور ﷺ کے ساتھ صرف 3000 مسلمان تھے۔ مگر کفار دس ہزار کی تعداد میں حملہ آور ہوئے۔ حضور ﷺ کے تدبر کی بدولت ناکامی کی خاک چاٹنی پڑی۔

(۳) غزوہ بنو قریظہ میں محض سرورِ دوعالم ﷺ کی مہارت سپہ گری کی وجہ سے یہود کو شکست فاش ہوئی۔ اور اُن کے ''400'' آدمی قتل اور 1200 قیدی ہوئے۔

(۴) غزوۂ خیبر میں حضور ﷺ کے زیر کمان صرف 1400 فوجی تھے۔ یہود کنانہ بن ابوالحقیق کی قیادت میں دس ہزار کی تعداد میں مقابلے پر نکلے تھے مگر انھیں شکستِ فاش ہوئی۔

(۵) غزوہ حنین میں بارہ ہزار لشکر کے ساتھ آپ ﷺ نے عرب کے قبائل کا مقابلہ کیا۔ جس میں آپ ﷺ کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔ دشمن کے 71 کی تعداد میں مقتول اور چھ ہزار کی تعداد میں اسیر ہوئے۔

(۶) غزوہ طائف میں حضور ﷺ کی زیر کمان بارہ ہزار فوج تھی۔ بنو ثقیف پر محاصرہ کیا گیا۔ دشمن ایک مہینہ کے بعد خود بخود دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔

(۷) غزوہ تبوک میں حضورﷺ قیصر روم کے مقابلہ میں 30,000 فوج لے کر نکلے۔ جس سے دُشمن پر رُعب چھا گیا۔ اس نے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا۔

(۸) ''غزوہ فتح مکہ'' میں حضورﷺ کے زیر کمان دس ہزار (۱۰۰۰۰) ہزار قدوسی تھے۔ قریش مکہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ اس لیے حضورﷺ نے لشکر کو حکم دے دیا کہ مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہو۔ جب تک کوئی مسلح دستہ مزاحم نہ ہو ہتھیار کا استعمال نہ کیا جائے۔ صرف ایک دستہ کی مزاحمت ہوئی اور مکہ فتح ہو گیا۔

## 9- رسالت مآبﷺ کا طریقہ جنگ

زمانہ جاہلیت کی جنگوں میں عمومی طور پر فوج میں صف بندی نہیں کی جاتی تھی۔ نبی کریمﷺ نے فوج کے اندر صف بندی کا طریقہ متعارف کروایا۔ نبوی طریقہ کے مطابق اسلامی فوج کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

مقدمہ (Front)................

میمنہ (Right)................ قلب (Middle)................ میسرہ (Left)

ساقہ (Back)................

قلب (Centre) درمیان میں جنگ کرنے والی فوج کو کہا جاتا ہے۔ میمنہ دائیں طرف والی فوج جب کہ میسرہ بائیں طرف والی فوج کو کہتے ہیں۔ مقدمہ سب سے آگے فرنٹ پر لڑنے والی فوج کو جب کہ ساقہ پشت پر رہنے والے فوجی دستے کو کہتے ہیں۔ اسلامی فوج کی تقسیم کچھ یوں تھی:

- پیدل فوج (Infantry)
- سوار فوج (Cavalry Regiment)
- تیر انداز دستہ
- اصحاب رسد (سامان منتقل کرنے والی فوج)
- محافظ فوج (آپﷺ جنگ پر جاتے ہوئے اپنے بعض محافظین کو شہر پر مقرر کرتے تھے)

## 10- خلاصہ بحث

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ حضورﷺ کے زمانہ میں جس قدر جنگیں ہوئیں اُن میں مسلمانوں کے کل 259 آدمی شہید، ایک قیدی اور صرف 127 زخمی ہوئے۔ مگر برخلاف اس کے دُشمن کے 759 آدمی مقتول اور 6564 آدمی قیدی ہوئے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان بے سروسامان ہونے کے باوجود محض حضورﷺ جیسے جرنیل اور عظیم سپہ سالار کی قیادت کی وجہ سے محفوظ رہے۔ دُنیا کی حفاظت اور امن جیسے ماضی میں رسولِ کریمﷺ کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی وجہ سے تھا، آج بھی آپﷺ کے اسوہ حسنہ کی وجہ سے ممکن ہے۔ اگر اقوام متحدہ مشترکہ طور پر رسالت مآبﷺ کے جنگی اُصولوں کو نافذ کر دے تو دُنیا کم سے کم نقصان کے ساتھ امن کی دولت حاصل کر سکتی ہے۔

سوال 6

# پیغمبر امن ﷺ

1- واضح کریں کہ کیسے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے مفاہمت کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے عظیم ترین پیغمبرِ امن ہونے کی مثال قائم کی؟ (2017ء)

2- نبی کریم ﷺ پیغمبر امن و سلامتی ہیں۔ دلائل سے واضح کریں۔ (2018ء)

## اہم نکات

1- تعارف

2- زمانہ جاہلیت میں امن کی صورت حال

(۱) دولت کا ارتکاز (۲) قوم پرستی (۳) عدم مساوات

(۴) مذہبی عدم رواداری اور فرقہ واریت (۵) تصورِ حیات

3- امن کے لیے رسول اکرم ﷺ کے اقدامات

(۱) عقیدۂ توحید کے ذریعے امن (۲) خاندان کی اصلاح کے ذریعے امن

(۳) معاشی عدل کے ذریعے امن (۴) انسانی حقوق کے ذریعے امن

(۵) وسعت نظر اور عدم برداشت کے ذریعے امن (۶) انسانی مساوات کے ذریعے امن

(۷) نظامِ انصاف کے ذریعے امن (۸) عفو و درگزر کے ذریعے امن

(۹) خدمتِ خلق کے ذریعے امن (۱۰) انسانی اخوت کے ذریعے امن

(۱۱) مذہبی رواداری کے ذریعے امن (۱۲) غزوات کے ذریعے امن

4- خلاصۂ بحث

؎ دے تبسم کی خیرات ماحول کو، ہم کو درکار ہے روشنی یا نبی

ایک شیریں ڈھلک، ایک نوریں ڈلک، تلخ و تاریخ ہے زندگی یا نبی

رُوح ویران ہے، آنکھ حیران ہے، ایک بحران تھا، ایک بحران ہے

گلشنوں، شہروں، قریوں پہ ہے پُرفشاں، ایک گھمبیر افسردگی یا نبی

## 1- تعارف

ریاست مدینہ سے بڑھ کر مثالی امن دُنیا کی تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتا۔ داعی امن ﷺ کا تعارف ہی اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعالمین'' کی صفت سے کروایا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اِس پر گواہ ہے: ''ہم نے آپ کو عالمین کے لیے سراسر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (الانبیا) آپ ﷺ سے پہلے کا عرب جس بدامنی کا شکار تھا اُس کی وجوہات واضح تھیں، دولت کا ارتکاز، قوم پرستی، مذہبی جبر، تعصب اور عدم رواداری نے ہر سطح پر انسانوں کو تباہ کر دیا تھا۔ ہادی عالم ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کے حسن تدبر، مساوات، معاشی عدل، انسانی حقوق کے تحفظ، خواتین کے احترام اور قانون کی حکمرانی نے دُنیا کو امن کا تحفہ دیا۔ آپ ﷺ کے بعد آج تک کی تاریخ میں ہزاروں جنگیں ہوئیں اور کئی مرتبہ دُنیا کا امن غارت ہوا، آج ضرورت اس امر کی ہے کہ انسانیت بحیثیت مجموعی داعی امن ﷺ کے پیغام کو قبول مسلم معاشروں اور حکومتوں کی ذمہ داری اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں امن کے قیام کے لیے اپنی پالیسیاں مرتب کریں۔

## 2- زمانہ جاہلیت میں امن کی صوت حال

زمانہ جاہلیت میں بدامنی کی وجوہات درج ذیل تھیں:

### (ا) دولت کا ارتکاز

جس معاشرے میں دولت کی گردش رک جائے اور وہ چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے تو اس معاشرے میں امیر و غریب کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے سبب ایک محدود طبقہ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن دیگر عوام غربت و افلاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک مؤرخ نے روم و فارس کی اقتصادی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ صحیح اور حقیقت پسندانہ ہے۔ اس کے مطابق:

''جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور اُنھوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد بنالیا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطانیت ان پر غالب آگئی تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش کے دن گزاریں۔ ان کے اس طرز زندگی کو دیکھ کر دُنیا کے ہر گوشہ سے علما اور سائنس دان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لئے سامان عیش مہیا کرنے لگے۔''

جان بی۔ فرتھ اسکوائر نے اپنی کتاب ''قسطنطین اعظم'' میں رومی بازنطینی (Byzantine) سلطنت کے نظام محصول بندی (Taxation System) کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''خلاصہ یہ ہے کہ اس سخت محصول بندی (Tax collection) سے صوبہ جات کے زمین دار اور چھوٹے کاشت کار بالکل ہی فنا ہو گئے۔ قسطنطین کے آخری دور حکومت میں اس بات کی شہادت بکثرت موجود ہے کہ صوبہ جات کے گورنر جس طرح چاہتے تھے رعایا پر جبر کرتے۔ ظاہر ہے کہ اس ٹیکس نے رعایا پر بڑی سختیاں پیدا کی تھیں۔ ہر ایک علاقے میں جس قدر سرمایہ لوگوں کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور کاشت کار بالکل تباہ ہو گئے۔''

### (۲) قوم پرستی

تورات کی گرمی، زبور کی شاعری اور انجیل کی نرمی بھی دُنیا میں آچکی تھی۔ وید کی ذات پات کی تقسیم کا تجربہ بھی انسان کر چکا تھا۔ کنفیوشس کی تعلیم بھی رائج ہو چکی تھی۔ کاوٹیلیا کی ''ارتھ شاستر''، ارسطو کی ''پالیٹکس'' اور مہابھارت جیسی کتابیں بھی لکھی جا چکی تھیں، لیکن دُنیا میں امن قائم نہ

ہو سکا تھا۔ کیونکہ یہ تمام کوئی ایسا نظریہ ہی نہ دے سکے جو انسان کی عظمت پر پورا اترتا۔ بلکہ مختلف قسم کے طبقات اور عصبیتیں پیدا کر کے رکھ دیں جن کی بنا پر ہمیشہ انسانوں کے درمیان نفرتیں ہی پیدا ہوئیں اور امن عالم تباہ ہوا۔ ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں اور ہندوؤں کو کوے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی ساخت اور مفہوم کی ادائیگی کی صلاحیت پر اتنا فخر تھا کہ اپنے سوا ساری دُنیا کو گونگا سمجھتے تھے اور اسی بنا پر عربی عجمی کا فرق پیدا ہوا۔

## (۳) عدم مساوات

معاشرہ میں وہ طبقے ہمیشہ باغیانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں جن کے ساتھ غیر مساویانہ اور ظلم وستم کا سلوک روا رکھا جائے۔ نتیجتاً بدامنی، انتشار اور بغاوت جنم لیتی ہے۔ نبوت محمدی ﷺ کے وقت پورے عالم میں کسی نہ کسی طرح سے ایک ہی آدم وحوا کی اولاد کو مختلف درجات میں تقسیم کر کے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ ہندوستان میں جب آریہ حملہ آور پنجاب سے آگے بڑھے تو ان کے مذہبی طبقات نے مفتوحہ آبادی کو الگ تھلگ رکھنے کے لیے نہایت سخت قواعد وضع کئے۔ بقول اقبال:

؎ تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
تو نے گدائے راہ کو بخشا شکوہ قیصری

## (۴) مذہبی عدم رواداری اور فرقہ واریت

عہد نبوی ﷺ کے آغاز کے وقت مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کے رجحانات غلبہ حاصل کر چکے تھے۔ اس بنا پر وہ اپنے سوا باقی تمام مذاہب اور فرقوں کو جھوٹے سمجھتے تھے۔ ''قسطنطین'' پہلا بازنطینی رومی فرماں روا تھا جس نے عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ اس بادشاہ نے یہودیوں کے متعلق یہ قانون وضع کیا کہ اگر کوئی یہودی کسی ایسے شخص کو پتھر سے مارے یا اس کی زندگی خطرے میں ڈالے جس نے یہودی مذہب ترک کر کے عیسائیت قبول کی ہو تو ان تمام لوگوں کو زندہ جلایا جا سکتا ہے۔

## (۵) تصور حیات

دُنیا میں امن وسلامتی اور مسرت وکامرانی کا دارومدار اس پر ہے کہ انسان اپنی تخلیق اور زندگی کے منشاء ومقصد کو صحیح طور پر جانے۔ کیونکہ حقیقی امن اور خوشی اسی کے مقصد تخلیق کے حاصل ہونے پر ہی ہے جس کے لیے فی الحقیقت قدرت نے اسے پیدا کیا ہے۔

## 3- امن کے لیے رسالت مآب ﷺ کے اقدامات

حضور ﷺ کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے ہی دراصل روشنی کے راستے اور صراط مستقیم ہیں۔ ان کے سوا تمام وہ راستے جو بدامنی، بے چینی، فتنہ وفساد، ظلم وجور، زبردستی وزیادتی، خونریزی وسفاکی اور استحصال کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اندھیروں اور ظلمتوں کے راستے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ امن وسلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمھارا حامی ومددگار ہوگا کہ گھر کی چاردیواری میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خاتون تنہا کسی محافظ ومعاون کے بغیر مدینہ سے الحمرا کا یا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر سکے گی۔ اور کوئی چور اور رہزن اسے خوف زدہ نہ کر سکے گا۔''

## (۱) عقیدہ توحید کے ذریعے امن

امن وسلامتی کے قیام کی اس منزل تک پہنچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے انسانیت کو ایک اللہ کی طاقت کو تسلیم کرنے، اسی کی عبادت کرنے اور اسی کے قوانین وضوابط پر عمل پیرا ہونے کا نظریہ دیا۔ کیونکہ یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر انسان بے شمار مصنوعی آقاؤں کے ظلم وستم اور غلامی سے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مشرک طاقتوں کو جو کہ دُنیا میں فتنہ وفساد کا باعث بنی ہوئی تھیں اللہ کا یہ پیغام دے کر باطل کر دیا' آپ ﷺ نے اعلان کیا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (اخلاص)

ترجمہ: ''(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجیے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔''

غرض رسول اللہ ﷺ عقیدہ توحید کے تحت عرب کے اندر ایک ایسی جماعت تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے جس کے ارکان خود بھی امن میں آگئے تھے اور دوسروں کو بھی فتنہ وفساد اور بدامنی پھیلانے سے روکنے میں کامیاب ہوئے۔ رسالت مآب ﷺ کا مقصد چونکہ پورے عالم میں امن کا قیام تھا اس لئے آپ ﷺ نے امن وسلامتی کا پیغام روم وفارس، یمن، حبشہ اور دیگر سلطنتوں تک بھی پہنچایا۔ ان ممالک کے فرماں رواؤں کے نام آپ ﷺ کے خطوط اسی مقصد کے لیے تھے۔

## (۲) خاندان کی اصلاح کے ذریعے امن

داعی امن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانوں کے اندر دائمی امن کے قیام کے لیے یہ طریقہ استعمال فرمایا کہ ابتدائی طور پر ہر فرد کے ضمیر میں امن وسلامتی برپا کرنے کی کوشش کی۔ پھر میاں بیوی، والدین، اولاد اور رشتہ داروں کے باہمی حقوق وفرائض کا تعین کر کے اس کا دائرہ کار ایک خاندان کے اندر تک پھیلا دیا۔ پھر ایک گروہ کے دوسرے گروہ، افراد کے حکومت اور ایک سلطنت کے دوسری سلطنتوں سے تعلقات کے ایسے اُصول وضع فرمائے کہ امن کا پھیلاؤ پورے عالم تک ہو جائے۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم اور جنس کے بنیاد پر عدم مساوات کے خاتمے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کی پیدائش کو رحمت قرار دیا۔ لڑکیوں پر ظلم کے حوالے سے قرآن کریم نے کچھ یوں نقشہ کھینچا:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (النحل:59-58)

ترجمہ: ''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصے سے بھر جاتا ہے۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (بزعم خویش) اس بُری خبر کی وجہ سے جو اسے سنائی گئی ہے، (اب یہ سوچنے لگتا ہے کہ) آیا اسے ذلت ورسوائی کے ساتھ (زندہ) رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے (یعنی زندہ درگور کر دے)، خبردار! کتنا برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

اس کے مقابلے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے دو بیٹیوں کی پرورش کی، اُنھیں اچھا ادب سکھایا اور بیٹوں کو ان پر ترجیح نہیں دی تو وہ کل میرے ساتھ یوں ہوگا' آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا دیا۔''

- اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا،

عورت کو وراثت میں حصہ دار بنا کر عورت کو ظلم سے آزادی دلائی۔ دور جاہلیت کے رواج کے برعکس آپ ﷺ نے عورت کے قتل کے قصاص میں مرد قاتل کے قتل کے قانون نافذ کیا اور یہ بھی طے فرمایا کہ اگر ایک عورت اپنے عزیز مقتول کے قاتل کو معاف کرنا چاہے اور رشتہ داروں میں اس پر اختلاف ہو اور وہ قصاص لینے پر مصر ہوں تو عورت قریبی عزیزہ ہونے کی وجہ سے اسے معاف کر سکتی ہے اور اس صورت میں قاتل کو قتل کی سزا نہیں دی جائے گی۔

○ حضور پاک ﷺ نے بنی اسد، بنی عامر، بنی تمیم، بنی عدی، بنی مخزوم، بنی امیہ، بنی خزیمہ، بنو مصطلق، یہود عرب، بنو کلاب، بنو کلب و سلیم اور بنو کندہ کے قبائل میں نکاح فرمائے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کے حوالے سے ہر بڑے قبیلے کی نمائندگی تھی۔ اہل مکہ سے باہر بی بی زینب ؓ بنت خزیمہ اور بی بی میمونہ ؓ بنت حارث دونوں کا تعلق یمن کے زبردست قبیلہ عامر بن صیحہ سے تھا۔ حضرت میمونہ ؓ سردار نجد کی اہلیہ کی بہن تھیں۔ حضور ﷺ سے نکاح کے بعد اہل نجد مدینہ کے زیر اثر ہوتے گئے جو متعدد بار اسلام کے خلاف فتنہ انگیزیاں کر چکے تھے۔ ام المومنین حضرت جویریہ ؓ بنو مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ حضرت جویریہ ؓ قیدیوں میں آئی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تو صحابہ کرام نے پورے قبیلہ کے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ پورا قبیلہ رہزنی چھوڑ کر امن پسند اور مطیع ہو گیا۔ ام حبیبہ ؓ قریش کے سردار ابو سفیان کی صاحبزادی تھیں۔ اس نکاح کے بعد ابو سفیان، حضور ﷺ کے مقابلے پر میدان میں آنے سے کتراتا رہا۔ بی بی ماریہ قبطیہ ؓ مصر کی تھیں اور پہلے عیسائی رہ چکی تھیں۔ ان کا ایرانی الاصل ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ بی بی صفیہ ؓ کا تعلق خیبر کے یہود سے تھا۔ اس مختصر سے مطالعہ سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ نکاحوں کے ذریعے سے مسلمانوں میں پرانی عصبیتوں کو دور کرنے کی نبی کریم ﷺ نے کتنی وسیع کوششیں فرمائیں بلکہ نتائج بتاتے ہیں کہ یہ کوششیں بے کار نہ رہیں۔

## (۳) معاشی عدل کے ذریعے امن

دولت، انسانی معاشرہ کے لیے خون کا درجہ رکھتی ہے۔ خون جسم کے کسی ایک حصہ میں رک جائے، گردش نہ کرے تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اسی طرح دولت پورے معاشرہ میں گردش نہ کرے اور مخصوص لوگوں کے پاس جمع ہو جائے تو یہ بھی صحت مند زندگی کی علامت نہیں۔ اس سے طرح طرح کے نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔ عرب جیسے کم پیداوار ملک میں دولت بہت تھوڑے لوگوں کے پاس تھی۔ اس سمٹی ہوئی دولت کو عوامی طبقوں میں پھیلانا ہی سب سے مشکل مسئلہ تھا۔ حضور ﷺ نے اسلام کے معاشی قوانین کے تحت ایسے اقدامات فرمائے جو دولت کو گردش میں رکھنے کے لیے کافی ثابت ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ (الحشر:7)

ترجمہ: ''ایسا نہ ہو کہ دولت تمھارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کھاتی رہے۔''

اسلام سے پہلے کے مذاہب نے خیرات کی ترغیب تو بہت دی لیکن اس کے لیے نظام وضع نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں میں عموماً جو کنجوسی اور بے رحمی ہوتی ہے اُس کا کوئی مؤثر علاج نہ ہو سکا۔ افراد کی آزادی کے باعث حصول دولت پر عموماً کوئی روک نہیں رہی اور مال دار مال دار ہوتے چلے گئے اور مفلس مفلس تر۔ حضور ﷺ نے اس طرح کے اقتصادی اقدامات اُٹھائے کہ کسی پر ظلم ہوئے بغیر ارتکاز دولت کی جڑوں کو کاٹ دیا جائے۔ چنانچہ ہر قسم کے سود کی ممانعت کر دی گئی۔ وصیت پر پابندی عائد کی گئی کہ کوئی شخص اپنی پوری دولت کسی ایک شخص کو نہ دے دے بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی وصیت کی جا سکتی ہے۔ پھر وراثت میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ رکھا گیا تا کہ ایک سے زیادہ خاندانوں میں دولت بٹتی رہے اور دس بارہ ایسے قریبی رشتہ دار نامزد کیے جو لازمی طور پر ترکے میں حصہ پائیں۔ پھر دولت مندوں کو صدقہ و خیرات کرنے کی ترغیب فرمائی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے اپنے بھائی کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اور پانی سے اس کی پیاس بجھائی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جہنم سے سات خندقوں کے فاصلے پر رکھے گا اور ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے۔''

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

(البقرۃ:271)

ترجمہ: ''اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھا ہے (اس سے دوسروں کو ترغیب ہوگی) اور اگر تم مخفی رکھو اور محتاجوں کو پہنچا دو تو یہ تمھارے لیے (اور) بہتر ہے، اور اللہ (اس خیرات کی وجہ سے) تمھارے کچھ گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا، اور اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔''

## (۴) انسانی حقوق کے ذریعے امن

دُنیا میں بدامنی اور انتشار کی ایک بڑی وجہ طاقت ور لوگوں کا کمزوروں کے حقوق غصب کرنا ہے۔ کمزور طبقات جب اپنے حقوق کے لیے اٹھتے ہیں تو تصادم اور جنگ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر انسانی حقوق کو یقینی بنا دیا جائے، تو دُنیا امن کا گہوارا بن جائے۔ نبی امن ﷺ کی حیات و تعلیمات سے، ہمیں انسانی حقوق کی فراہمی سے متعلق مکمل رہنمائی میسر آئی ہے۔ آپ ﷺ کی آمد سے قبل کمزور طبقات مثلاً عورتوں اور بچوں وغیرہ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے۔ آپ ﷺ نے سب طبقات پر ظلم کا خاتمہ کیا، اور انھیں باعزت مقام دلوایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔۔۔۔۔الخ (النساء:7)

ترجمہ: ''والدین اور قریبی رشتہ جو ترکہ چھوڑ کر جائیں مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے۔''

غلاموں کی آزادی کو آپ کی پیش کردہ شریعت میں گناہوں کا کفارہ اور بہت بڑی نیکی ٹھہرایا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا۔ زید بن حارثہؓ کو نہ صرف آزاد کیا اور اپنا بیٹا بنایا، بلکہ اپنی پھوپھی زاد بہن زینب کا نکاح بھی ان کے ساتھ کر دیا۔ آپ ﷺ کے قائم کردہ معاشرے میں انسانی حقوق کے اعتبار سے ایک عام آدمی اور سربراہِ ریاست میں مطلق کوئی فرق نہیں۔ ایک عام آدمی بلا جھجک سربراہِ مملکت کا احتساب کر سکتا ہے؛ اسے غلط کام پر ٹوک سکتا اور اس کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ ہر فردِ معاشرہ اپنی اہلیت اور تقوے کی بنیاد پر بڑے سے بڑے عہدے پر پہنچ سکتا ہے۔ کوئی حبشی غلام بھی سربراہِ مملکت بن سکتا ہے، اور اگر شریعت کے مطابق حکومت چلائے، تو بلا کسی رنگ، نسل اور قوم قبیلہ کی تفریق کے، سب مسلمان اس کی اطاعت کے پابند ہیں۔

## (۵) وسعت نظر اور برداشت کے ذریعے امن

امن عالم کے لیے ضروری ہے کہ انسان دوسرے مذاہب اور ان کی محترم شخصیات کے حوالے سے برداشت اور عدمِ تشدد کا رویہ اپنائے۔ آپ ﷺ کی حیات و تعلیمات سے وسعت نظر کا غیر معمولی رویہ سامنے آتا ہے، جو امن عالم کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اسلام مذہب اور عقیدہ کے معاملے میں کسی جبر کو پسند نہیں کرتا۔ ارشاد خداوندی ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:256) ''دین میں کوئی جبر نہیں۔'' اسلام انسان کے اس حق کو نہ صرف تسلیم کرتا بلکہ اسے یقینی بنانے کے لیے اقدامات کرتا ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے جو بھی عقیدہ رکھنا چاہے رکھے اور جو بھی مذہب اختیار کرنا چاہے اختیار کرے۔ ارشاد ربانی ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف:29) ''پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔'' دیگر

مذاہب میں عموماً دوسرے مذاہب کی محترم شخصیات کے احترام پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی؛ بلکہ ان کی توہین کی جاتی ہے۔ جب کہ اسلام اس کے برعکس دیگر مذاہب کی محترم شخصیات کے احترام کو ایمان کا حصہ سمجھتا ہے۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو بھی کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام پر بھی معترض ہوتے تھے۔ لیکن اسلام ان کے نبیوں اور کتب کو نہ صرف مانتا، بلکہ انھیں نہ ماننے والوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا۔ وہ اہل اسلام سے اقرار کرواتا ہے کہ: لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (البقرہ:۲۸۵) ''ہم اس کے رسولوں میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے۔''

## (٦) انسانی مساوات کے ذریعے امن

اللہ کے نزدیک سب انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ جب انسان اپنے مصنوعی معیارات بنا کر انسانیت میں تقسیم اور اُونچ نیچ پیدا کرتے ہیں، تو وہ تصادم اور جنگ و جدل پر ختم ہوتی ہے۔ اگر لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ ان میں کوئی شخص کسی برادری یا رنگ و نسل وغیرہ کی بنیاد پر بڑا چھوٹا نہیں، اور سب سے برابری کی بنیاد پر معاملہ کیا جائے گا، تو دُنیا سے بدامنی کا خاتمہ ہو جائے۔ حضور ﷺ کی تعلیمات اور سیرت سے ہم پر واضح ہوتا ہے کہ کس طرح لوگوں میں مساوات قائم کر کے بدامنی و انتشار، احساسِ محرومی اور فخر و غرور کا خاتمہ کیا جاتا، اور امن و آشتی کی راہ ہموار کی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے معاشرتی اونچ نیچ کو یکسر ختم کر کے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں رنگ و نسل، قوم و قبیلہ، زبان، وطن، غرضیکہ کسی بنیاد پر بھی کوئی شخص کسی سے برتر و اعلیٰ نہیں۔ آپ ﷺ نے اس حقیقت کو اپنے مخاطبین کی زندگی میں جاری و ساری کر دیا کہ سب اللہ کی مخلوق اور آدم کی اولاد ہیں۔ کائنات میں اللہ کے فراہم کردہ اسباب سے استفادہ کا سب کو مساوی حق حاصل ہے۔ قانون کی نظر میں حاکمِ وقت اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ محض مال و متاع اور حکومت و اقتدار کسی فرد کے افضل اور بڑا ہونے کی دلیل نہیں اور محض ان چیزوں سے محرومی کسی کے کم تر اور چھوٹا ہونے کی علامت نہیں۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ ولا لعجمی عَلٰی عَرَبِیٍّ وَّلَا لِاَحْمَر عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔ (مسند احمد)

ترجمہ: ''اے لوگو! بے شک تمھارا پروردگار ایک ہے اور بے شک تمھارا باپ ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے۔''

حضور ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل دیا، وہ اُصولِ مساوات میں بالکل منفرد و ممتاز نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں اسوۂ حسنہ سے اخذ کردہ چند نکات ملاحظہ ہوں۔ اِس حوالے سے ڈاکٹر شہباز منج رقم طراز ہیں:

> ''ایک عام سے رہنما اور لیڈر کے لیے بھی اپنے پیروکاروں میں گھل مل کر انھی کی طرح رہنا انتہائی مشکل ہوتا ہے، لیکن حضور ﷺ نے سرورِ کائنات، امام الانبیا نبی آخر الزمان اور خدا کے بعد سب سے عظیم تر ہستی ہونے کے باوصف اپنے لیے کوئی خصوصی امتیاز پسند نہ کیا۔ صحابہ کے ساتھ مل جل کر انھی کی طرح رہتے۔ آپ ﷺ کے بیٹھنے کے لیے کوئی الگ جگہ مخصوص نہ تھی۔ باہر سے آنے والا کوئی اجنبی آپ ﷺ کو صحابہ کے درمیان سے الگ شناخت نہ کر سکتا۔ مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی میں مزدوروں کی طرح صحابہ کے ساتھ برابر کا کام کیا۔''

### (i) قانون کی نظر میں سب کا یکساں ہونا

حضور ﷺ نے جو قانون نافذ فرمایا اس میں آقا و غلام، حاکم و محکوم اور امیر و غریب میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کا اطلاق تمام لوگوں پر یکساں ہوتا۔ ایک دفعہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کر لی۔ چوری کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹا جانا تھا۔ قریش کو اپنی بدنامی اور رسوائی کی فکر لاحق

ہوئی۔ سزا میں تخفیف کی خاطر حضرت اُسامہ بن زیدؓ کو بھیجا گیا۔ حضورﷺ کو اُسامہؓ سے بہت پیار تھا۔ مگر جب انھوں نے قریش کی طرف سے فاطمہ کی سفارش کی تو حضورﷺ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ فرمانے لگے ''اُسامہ! تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو! تم سے پہلی قومیں اسی لیے برباد ہوئیں کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اُسے چھوڑ دیا جاتا، اور جب کوئی ادنیٰ آدمی جرم کرتا تو اس کی سزا دی جاتی۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمدﷺ بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا!''

### (ii) نسلی اور قبائلی تفاخر کا خاتمہ

حضورﷺ سے پہلے عربوں میں نسل و رنگ اور قوم و قبیلے کی بنیاد پر لوگوں کو اعلیٰ و ادنیٰ میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپﷺ نے یہ سارے امتیازات یکسر مٹا ڈالے۔ آپﷺ نے فرمایا: ''اے قوم قریش! اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا غرور اور نسلی تفاخر مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔'' آپﷺ نے جو سوسائٹی قائم فرمائی اس میں سلمان فارسیؓ، بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ، قریش کے معززین سے کسی طرح کم نہ تھے۔

### (iii) مرد اور عورت میں مساوات

حضورﷺ سے پہلے عورت بھی غلاموں کی طرح انتہائی مغلوب اور پسی ہوئی تھی۔ حضورﷺ نے عورت کو بحیثیت انسان مرد کے برابر درجہ عطا کیا۔ بارگاہِ رسالتﷺ میں اس آزادی اور بے باقی سے صحابہ سوال نہ کر سکتے، جس آزادی اور بے باکی سے صحابیات سوال پوچھتیں۔ آپﷺ کا فرمان ہے کہ جس طرح تمھارے عورتوں پر حقوق ہیں، ایسے ہی عورتوں کے تم پر حقوق ہیں؛ جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو ان کو بھی پہناؤ۔

## (۷) نظامِ انصاف کے ذریعے امن

قیامِ امن کے لیے عدل انصاف قائم کرنا ناگزیر ہے۔ آپﷺ نے عدل و انصاف کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ آپﷺ کی عطا کردہ اخلاقیات میں عدل و انصاف سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس حق صحیح صحیح ملے اور کسی پر کسی طرح کا ظلم اور زیادتی نہ ہو۔ قانون کی نظر میں چھوٹے بڑے، غریب امیر اور حاکم و محکوم سب برابر ہوں۔ جس جرم کی جو سزا مقرر ہو اس کا نفاذ جس طرح ایک عام آدمی پر ہو اسی طرح سرمایہ داروں، افسروں اور وقت کے حکمرانوں پر بھی ہو۔ کسی رنگ و نسل، قوم و وطن اور مذہب و ملت کا فرق بھی کسی کے حق کی صحیح صحیح ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے۔

## (۸) عفو و درگزر کے ذریعے امن

اگر لوگ باہم دشمنی اور انتقام کے جذبات سے لبریز رہیں تو امن و امان کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس عفو و درگزر اور معاف کر دینے کا رویہ امن و آشتی کی ضمانت ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلامﷺ نے دشمنی و انتقام کے بجائے عفو و درگزر پر زور دیا اور امن عالم کے لیے ایک بہترین لائحہ عمل اور نمونہ فراہم کیا۔ آیات قرآنی، احادیث نبوی اور سیرت طیبہ کی چند مثالیں دیکھیے:

**خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ** (الاعراف:199)

ترجمہ: ''(اے نبیﷺ) عفو و درگزر سے کام لیجیے، نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیے۔''

حضورﷺ دعوتِ اسلام کے لیے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے سرداروں نے نہایت تکبر سے آپﷺ کی دعوت مسترد کر دی، اور اوباش لڑکوں اور غنڈوں کو آپﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انھوں نے آپﷺ پر شدید سنگ باری کی۔ آپﷺ لہولہان ہو گئے، اور آپﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: اگر آپﷺ کہیں تو اہل طائف کو دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں۔'' مگر انتقام کی اس قدرت کے باوجود حضورﷺ نے نہ صرف اہل طائف کو معاف کر دیا بلکہ ان کی ہدایت کی دعا کی۔

## (۹) خدمت خلق کے ذریعے امن

ایثار وتعاون اور خدمتِ خلق بھی بدامنی کے خاتمے اور امن وآشتی کو یقینی بنانے کے ضامن ہیں۔ رسالت مآب ﷺ کی حیات وتعلیمات میں اس حوالے سے بھی بہترین رہنمائی ملتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی** (المائدہ:2) ''اور نیکی وتقویٰ میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔'' آپ ﷺ کے فرامین ہیں: ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کو مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے، جو اس کے کنبے سے بھلائی کرتا ہے۔'' (بیہقی) مولانا حالی نے اپنے انداز میں اس حدیث کے پیغام پر یوں متوجہ کیا ہے:

یہ پہلا سبق ہے کتاب ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

## (۱۰) انسانی اخوت کے ذریعے امن

اسلامی وانسانی اخوت و بھائی چارے کے حوالے سے رحمت عالم ﷺ کی تعلیمات اور اسوہ بھی امنِ عالم کا بہترین ذریعہ ہے۔

قرآن وحدیث میں تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے، اور تعلیم دی گئی ہے کہ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو ہر لحاظ سے اپنے مساوی سمجھے اور اس کے لیے ویسے ہی حقوق تسلیم کرے، جیسے اپنے لیے چاہتا ہے۔ قرآن وحدیث نے نہ صرف اہلِ اسلام کو بھائی بھائی بن کر رہنے اور ان کے باہمی حقوق پر زور دیا ہے، بلکہ اخوت ومساوات کے مختلف تقاضوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔ مثلاً اخوت ومساوات اور اس کو قائم ودائم رکھنے کے حوالے سے فرمایا: ''**اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ**'' (الحجرات:10) ''بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' ''**وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا**'' (آل عمران:103) ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو! اور تفرقے میں نہ پڑو۔''

## (۱۱) مذہبی رواداری کے ذریعے امن

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت عالمی امن کو تباہ وبرباد کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ مختلف قوموں کے افراد کے اندر مذہبی رواداری نہیں تھی۔ ایک مذہب اپنے اندر دوسرے مذاہب کے افراد کا داخلہ روکتا ہے تو دوسرے مذہب کے پیروکار دیگر مذاہب کو برداشت نہ کرتے ہوئے قتل وغارت تک اتر آتے ہیں۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے جس دین کی تبلیغ فرمائی وہ پرامن بقائے باہمی اور مذہبی رواداری کے اُصول کا قائل تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔

> ''اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمھارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمھارے تمھارے لیے' ہماری کچھ بحث نہیں، اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اس کے پاس جانا ہے۔'' (الشوریٰ)

حضور ﷺ نے لوگوں کو زبردستی دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کے ارشاد سنایا لا اکرہ فی الدین (دین قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں) کے اُصول کے تحت ہمیشہ رواداری کا مظاہرہ کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ** (العنکبوت:46)

ترجمہ: ''اور اہل کتاب کے ساتھ صرف احسن طریقے سے بحث کرو، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں، اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور تم پر اتارا گیا اور ہمارا اور تمھارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

قرآن حکیم میں رواداری کی یہی وہ تعلیم ہے جو احترام آدمیت کو ہمیشہ اہمیت دیتی ہے۔ نجران کے عیسائیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انھیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور اس کا خیال نہیں کیا کہ یہ توحید کے بجائے تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایک یہودیہ کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ ایک صحابی نے گزارش کی "یارسول اللہ! یہ تو ایک یہودیہ کا جنازہ تھا۔" تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "کیا یہ ایک انسانی جان نہ تھی؟ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔" پھر حضور ﷺ نے بتوں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع فرمایا کہ کہیں مشرکین ناسمجھی کی وجہ سے اللہ رب العزت کی شان میں گستاخی نہ کر بیٹھیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الانعام:108)

ترجمہ: "اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنھیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر فرقہ (وجماعت) کے لیے ان کا عمل (ان کی آنکھوں میں) مرغوب رکھا ہے (اور وہ اسی کو حق سمجھتے رہتے ہیں) پھر سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ انھیں ان اعمال کے نتائج سے آگاہ فرما دے گا جو وہ انجام دیتے ہیں۔"

یہی نہیں حضور ﷺ نے دعوت اسلام کی غرض سے جو خطوط عیسائی اور یہودی حکمرانوں کے نام ارسال فرمائے ان کے آغاز میں عموماً یہ آیت تحریر فرمائی۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (آل عمران:64)

ترجمہ: "آپ فرمادیں! اے اہل کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو اللہ کے تابع فرمان (مسلمان) ہیں۔"

## (۱۲) غزوات کے ذریعے امن

امن کے لیے جنگ ناگزیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جنگیں اکثر دفاعی تھیں، ان کا مقصد دائمی طور پر امن وعافیت کو قائم رکھنا تھا۔ ان کا مقصد انسانیت کا احترام تھا، نہ کہ بے گناہوں کی جان کو نقصان پہنچانا، جنگوں میں اسیران جنگ کے ساتھ عمدہ سلوک روا رکھا جاتا گیا۔ جنگ ایک استثنائی (Excptional) حالت ہے۔ اسلام صلح وسلامتی کا علم بردار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس قبیلہ سے صلح کی جس نے بھی صلح کے لیے رغبت کا اظہار کیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے "بنوضمرہ" کے ساتھ غزوہ ودان میں معاملہ کیا اور "بنومدلج" سے غزوہ عشیرہ میں اور "قریش" سے صلح حدیبیہ میں۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر جنگ سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس سفر میں عام راستہ چھوڑ کر ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا جو نہایت مشکل اور دشوار تھا تاکہ آپ ﷺ جنگ سے بچ سکیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنا لشکر حدیبیہ لے آئے اور یہاں پہنچ کر بھی امن کو قائم رکھنے کے مقصد پر مصر رہے۔ آپ ﷺ نے گفتگو کا میدان بڑا فراخ کر دیا۔ جب مشرکین کے کچھ آدمیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا تو پھر بھی آپ ﷺ قریش سے جنگ نہ کرنے کے مقصد پر قائم رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کا معاملہ پورا کر لیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کے بعض صحابہ اس صلح کی بعض شرائط کو ناپسند کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے تمام غزوات کے اسباب کا حقیقی اور غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے والا

ہمیشہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آپ ﷺ کی تمام جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں۔ پیش بندی کے طور پر دشمن پر پہلے حملہ کرنے میں مقصد دشمن کو خود چھیڑنا نہ تھا بلکہ یہ داعیٔ امن ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا ایک اہم اُصول تھا جس میں دشمن پر اس کے حملے کرنے سے پہلے غلبہ حاصل کر لینے کی روح مضمر ہوتی ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا
اس سے پہلے کا جو ماضی تھا، ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

## 4- خلاصۂ بحث

نبی کریم ﷺ نے مختصر اور مشکل حالات میں جس طرح ریاست مدینہ میں امن قائم کیا اور پھر خلفائے راشدین نے اُس طریقے کو جاری رکھا، یہ اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن افسوس! کہ خلفائے راشدین کے بعد عرب ملوکیت نے اسلام کے سیاسی نظام کو تباہ کر دیا، شورائیت کی جگہ ملوکیت (Dictatorship) نے لے لیں۔ بدامنی کی زیادہ تر وجوہات کا تعلق اسلام کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی نظام کی شکست کی وجہ سے ہے۔ اسلام کے جملہ نظاموں کو شکست یورپ میں نہیں بلکہ خود مسلم ممالک میں ہوئی ہے، مسلم حکمرانوں اور عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے جملہ نظاموں کو زمان ومکان کی تبدیلی کے ساتھ اپنے اپنے ممالک میں نافذ کریں۔ اِس سے دُنیا کے سامنے عہدِ رسالت اور خلفائے راشدین کے عہد کی یاد تازہ ہو جائے گی۔

# انسانی حقوق اور اسلام میں خواتین کا مقام و مرتبہ

- اسلام میں انسانی حقوق کی اہمیت
- اسلام میں عورت کا مقام
- اسلام میں عورت کے حقوق و فرائض
- اسلام میں عورتوں کا حقِ وراثت

# اسلام میں انسانی حقوق کی اہمیت

1- اہلِ مغرب کے تصورِ بنیادی حقوق کا ذکر کرتے ہوئے انسانی بنیادی حقوق کو خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں واضح کریں۔ (CSS-2011)

2- خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں اسلام میں انسانی حقوق واضح کریں۔ (2012)

3- دنیا میں انسانی حقوق کی شعوری بیداری کے لیے "خطبہ حجۃ الوداع" اہم اور بنیادی دستاویز۔ بحث کریں۔ (2020)

4- میثاق مدینہ کا معاہدہ عمرانی (سوشل کنٹریکٹ) کی حیثیت سے مفصل تجزیہ پیش کریں۔ (2020)

## اہم نکات

1- تعارف
2- حقوق کا مفہوم
3- بنیادی انسانی حقوق، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں
4- مغربی دنیا میں انسانی حقوق کا آغاز و ارتقا
5- اسلام میں انسانی حقوق کا ارتقا
6- اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق
7- غیر مسلموں کو حقوق عطا کرنے میں میثاقِ مدینہ کی اہمیت
8- حاصل بحث

## 1- تعارف

انسانی حقوق کے بارے میں اسلام کا تصور بنیادی طور پر بنی نوع انسان کے باہمی احترام، وقار اور مساوات پر مبنی ہے۔ قرآن مجید کی رو سے انسان باقی سب مخلوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **ولقد کرمنا بنی آدم** (بنی اسرائیل: 70) ''اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت عطا کی۔'' حقوق، حق کی جمع ہے جب کہ اِس کے مقابلے میں فرائض ہیں۔ اسلام اپنے بنیادی نقطہ نظر سے حقوق سے زیادہ فرائض کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ اس لیے کہ جب ہر شخص اپنے فرائض ادا کر دے گا تو دوسرے حقوق خود بخود ادا ہو جائیں گے۔ اسلام میں حقوق و فرائض کے حوالے سے تین دستاویزات اہم ہیں۔ میثاق مدینہ، اعلانِ مکہ اور خطبہ حجۃ الوداع۔ مغرب میں حقوق کی دستاویز میگنا کارٹا سے شروع ہوتی ہے۔ حقوق کی بحث آج تک جاری و ساری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کے تصور حقوق و فرائض اور مغرب کے تصور حقوق و فرائض کے درمیان مشترکات کو اکٹھا کر کے انسانیت کے لیے کوئی لائحہ عمل دیا جائے۔

## 2- حقوق کا مفہوم

حقوق ''حق'' کی جمع ہے۔ انگریزی میں اس کے لیے ''Right'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ حقوق کے متبادل فرائض (Duties) ہیں۔ بالفاظ دیگر ایک کا حق دوسرے کا فرض، دوسرے کا حق پہلے پر فرض ہوگا۔ اسلام میں بنیادی حقوق کا تصور ''تکریم انسانیت'' سے شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ رسول ﷺ ہے:

**النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ** (حدیث شریف)

ترجمہ: ''تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔''

## 3- بنیادی انسانی حقوق، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

### (ا) تکریمِ انسانیت

انسانیت کا پہلا بنیادی حق انسانی تکریم ہے۔ جب تک اِس حق کا احترام نہ کیا جائے انسانیت بلندی کی معراج تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

**وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ** (بنی اسرائیل: 70)

ترجمہ: ''اور ہم نے اولادِ آدم کو عزت عطا کی۔''

### (۲) آزادی

نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اِس طرح اللہ تعالیٰ کی غلامی میں دیا کہ انسان آزاد ہو گئے۔ اسلام میں ہر شخص اپنے حقوق کا پوری آزادی کے ساتھ دفاع کر سکتا ہے۔ اس حوالے سے حضرت عمرؓ کا مشہور قول ہے:

**مَتٰى اسْتَعْبَدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا**

ترجمہ: ''تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے حالانکہ اُن کی ماؤں نے اُنھیں آزاد پیدا کیا ہے۔''

## (۳) مساوات

تکریم انسانیت کی تعلیم کا لازمی نتیجہ معاشرتی مساوات ہے۔ نبی کریم ﷺ کے عطا کردہ انسانی حقوق کی وجہ سے ہر طرح کے نسلی، قبائلی اور لسانی بت پاش پاش ہو گئے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات:13)

ترجمہ: ''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے طبقات اور قبیلے بنا دیے تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔''

## (۴) عدل

عدل کے بغیر کوئی معاشرہ صحت کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی اُس میں معاشی اور معاشرتی سرگرمیاں فروغ پا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِس حوالے سے کئی مقامات پر حکم دیا ہے۔ جب کہ سورۃ اعراف میں اِس طرح ارشادِ باری ہے:

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ (الاعراف: 29)

ترجمہ: ''آپ ﷺ فرما دیجیے کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔''

## (۵) رواداری

جس معاشرے میں برداشت نہیں، وہاں پر انسانی حقوق کا تصور بھی محال ہے۔ دینِ اسلام تمام مذاہب کے ماننے والوں کو نہ صرف برداشت کرتا ہے بلکہ اُنھیں حقوق بھی فراہم کرتا ہے یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔ واضح ارشادِ ربانی ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ: 256)

ترجمہ: ''دین میں کوئی جبر (اکراہ) نہیں ہے۔''

## (٦) جان، مال اور عزت کے تحفظ کا حق

اسلام ہر شخص کو جان، مال اور عزت کے تحفظ کا حق دیتا ہے۔ اس حوالے سے آیات آگے خطبہ حجۃ الوداع کے تناظر میں درج کی جائیں گی۔

## (۷) تعلیم کا حق

دین اسلام کا آغاز ہی ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ '' سے ہوتا ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے دنیا کو اُس وقت آگاہی بخشی جب انسانیت گھٹا ٹوپ اندھیرے میں رہ رہی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اِس حوالے سے اِنقلابی اقدامات فرمائے۔ یہاں تک کہ غزوۂ بدر کے موقع پر کافر اساتذہ سے مسلمان بچوں کو تعلیم دِلوائی۔

## (۸) صحت کا حق

صحت ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ کوئی معاشرہ اس حق کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسلام انسانوں کے اِس بنیادی حق کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ حفظانِ صحت کے بہت سارے اُصول عطا کرتا ہے۔

## 4- مغربی دنیا میں انسانی حقوق کا آغاز و ارتقا

''حقوق انسانی کی تاریخ کو یونان اور روم میں دریافت کیا گیا ہے۔ ایتھنز میں شہریوں کو پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں شرکت کی اجازت تھی۔ عصرِ جدید کی تاریخ میں انگلستان، امریکہ اور فرانس نے اس حوالے سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ برطانیہ میں 1215ء کے میگنا کارٹا (Magna Carta) کو شہری آزادیوں کے فروغ میں ایک سنگِ میل تصور کیا جاتا ہے۔ اِن حقوق میں 1639ء کے بل آف رائٹس کے ذریعے توسیع کی گئی۔ امریکہ میں 1791ء کے قانونی حقوق کے بل کے ذریعے قانونی تحفظ فراہم کیا گیا جس کے ذریعے امریکی آئین میں پہلی دس ترامیم منظور کی گئیں۔ فرانس میں شہریوں کے بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کی فراہمی کا اعلان 26 اگست 1789ء کو انقلاب فرانس کے ساتھ ہی فرانس کی قومی اسمبلی کے مجریہ ڈیکلریشن (اعلامیہ) برائے شہری و انسانی حقوق میں کر دیا گیا تھا جس میں اس امر پر زور دیا گیا کہ انسان آزاد پیدا ہوتے ہیں اور وہ 'اپنے حقوق' میں آزاد اور برابر ہیں۔''

ان حقوق کی شناخت، آزادی وحریت، جائداد، مساوات، اُخوت، تحفظ اور ظلم وجبر کی مزاحمت کے حوالے سے کی گئی۔ ''حریت'' کی تعریف میں بلا روک ٹوک تقریر، اجتماع، مذہبی آزادی اور یک طرفہ گرفتاری اور حراست سے آزادی کو شامل کیا گیا۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (Universal Declaration of Human Rights) اتفاق رائے سے منظور کیا جب کہ شہری اور سیاسی حقوق کا بین الاقوامی معاہدہ (International Charter on Civil and Political Rights) 23 مارچ 1979ء کو نافذ العمل ہوا۔ انسانی حقوق کے حوالے سے دیگر اہم معاہدات جو اقوام متحدہ کی وساطت سے کیے گئے، درج ذیل ہیں:

(i) جرم نسل کشی کی روک تھام اور سزا کا کنونشن (1948ء)
(Convention on the Prevention and Punishment of the Crime of Genocide)

(ii) خواتین کے سیاسی حقوق کا کنونشن (1952ء)
(Convention on the Political Rights of Women)

(iii) انسدادِ غلامی کا سپلیمنٹری کنونشن (1956ء)
(Supplementary Convention on the Abolition of Slavery)

(iv) رضامندی سے شادی کا کنونشن، شادی کے لیے زیادہ سے زیادہ عمر، شادی رجسٹریشن
(Convention on Consent to Marriage, Minimum Age for Marriage and Registration of Marriages)

(v) تمام اقسام کے نسلی امتیازات کے خاتمہ کا بین الاقوامی کنونشن (1965ء)
(International Convention on the Elimination of All Forms of Racial Discrimination)

## 5- اسلام میں انسانی حقوق کا ارتقا

برطانیہ، امریکہ، فرانس اور اقوام متحدہ میں بنیادی انسانی حقوق کی تاریخ آپ پڑھ چکے ہیں جہاں 1215ء کے میگنا کارٹا سے پہلے انسانی حقوق کے حوالے سے کوئی قانونی دستاویز نہیں ملتی۔ اگر ہیں بھی تو صرف چند ایک باتیں جب کہ 1948ء میں اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر کافی حد

تک جامع ہے۔اس کے برعکس رسول کریم ﷺ نے جو انسانی حقوق انسانیت کو عطا فرمائے وہ نہ صرف انتہائی جامع بلکہ ان سب دستاویزات سے بہت پہلے کے ہیں۔آپ ﷺ کی پوری زندگی انسانیت نوازی اور تکریمِ انسانیت سے عبارت ہے۔اس حوالے سے دو دستاویزات بہت اہم ہیں:

## (الف) خطبہ فتح مکہ

### ۱- اللہ کی وحدانیت اور حاکمیت اعلیٰ کا اعلان

**(Declaration of Allah's Oneness and Supreme Sovereignty)**

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا و تنہا ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا وعدہ سچا ثابت ہوا۔اس نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی اور محض اسی نے تمام گروہوں کو شکست دی۔"

### ۲- نسلی تفاخرات کا خاتمہ (Eradication of Ancestral Superiority)

"سن لو! ہر موروثی اِستحقاق، ہر خون اور مال جس کا دعویٰ کیا جائے وہ میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہے۔"

### ۳- اِنسانی جان کی حرمت کا اعلان (Declaration of Human Life`s Sanctity)

"سن لو! جو خطأ (غلطی سے) قتل ہوا ہو وہ کوڑے اور لاٹھی سے عمداً قتل (جان بوجھ کر قتل کرنا) کیے جانے والے کے مشابہ ہے۔پس اس میں دیت ہے یعنی سو اونٹ، جن میں سے چالیس ایسے اونٹ ہوں گے جن کے پیٹ میں بچے ہوں (گابھن ہوں)۔"

### ۴- مساوات انسانی کا اعلان (Declaration of Human Equality)

"اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء و اجداد پر فخر و غرور زائل کر دیا۔سب انسان آدم سے پیدا ہوئے اور آدم مٹی سے بنائے گئے۔"

### ۵- عزت و شرف کے معیار کا اِعلان (Declaration of Criterion for Dignity)

"اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے گروہ اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔بے شک تم میں سب سے زیادہ شریف اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔یقیناً اللہ خبیر و علیم ہے۔"

### ۶- اِنسانیت کے لیے اعلان آزادی (Declaration of Liberty)

اس کے بعد فرمایا:

"اے گروہِ قریش! میں تمھارے بارے میں جو کچھ کرنے والا ہوں اس کے متعلق تم کیا رائے رکھتے ہو؟"

سب نے کہا:

"بہتر رائے رکھتے ہیں، آپ شریف بھائی ہیں، شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔"

فرمایا:

"جاؤ! اب تم آزاد ہو۔"

## (ب) خطبہ حجۃ الوداع

دوسری دستاویز 9 ذی الحج کو حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا وہ حجۃ الوداع (الوداعی حج) کے نام سے موسوم ہے۔

''حج کے دن حضور ﷺ عرفہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ ﷺ نے (اپنی اونٹنی) ''قَصوَا'' لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کر کے حاضر کی گئی تو آپ ﷺ (اس پر سوار ہو کر) بطن وادی میں تشریف فرما ہوئے اور اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔''

'' آپ ﷺ نے خدا کی حمد وثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی: خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اس نے اپنے بندے (رسول ﷺ) کی مدد فرمائی اور تنہا اس کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔''

''لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یک جا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں گا)۔''

۱- مساواتِ انسانی کا تصور (Equality of Humanity)

''لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظر میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔'' چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں! بزرگی اور فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔''

''انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت (Supervision) اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات پہلے کی طرح باقی رہیں گی۔''

۲- حقوق کی ادائیگی کا حکم (Observance of Rights)

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ اللہ کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمھاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامانِ آخرت لے کر پہنچیں اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمھارے کچھ کام نہ آ سکوں گا۔''

۳- نسلی تفاخر کا خاتمہ (Eradication of Ethnicism)

''قریش کے لوگو! خدا نے تمھاری جھوٹی نخوت (تکبر) کو ختم کر ڈالا اور باپ دادا کے کارناموں پر تمھارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔''

۴- زندگی کا حق (Right of Life)

''لوگو! تمھارے خون و مال اور عزتیں ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئی ہیں۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی اس دن کی اور ماہ مبارک (ذی الحجہ) کی اور خاص اِس شہر مکہ کی۔ تم سب خدا کے حضور جاؤ گے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔''

''دیکھو! کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ہی کشت و خون کرنے لگو۔''

۵- مال کے تحفظ کا حق (Rigth of Property)

''اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔''

۶- اَفرادِ معاشرہ کا حق (Right of Society Members)

''لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

۷- خادموں کا حق (Right of Workers and Servants)

''اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو، انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔''

۸- لاقانونیت کا خاتمہ (No to Lawlessness)

''دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں تلے روند دیا۔ زمانۂ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں، میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن حارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔''

۹- معاشی اِستحصال سے تحفظ کا حق (Economic Rights)

''اب دورِ جاہلیت کا سود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبدالمطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہو گیا۔''

۱۰- وراثت کا حق (Right of Inheritance)

''لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے حق کے لیے وصیت نہ کرے۔''

۱۱- نومولود کے تحفظِ نسب کا حق (Newborn's Right of Anscestral Sanctity)

''بچہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو، اس کی سزا پتھر ہے اور ان کا حساب وکتاب خدا کے ہاں ہوگا۔''

۱۲- معاشرتی شناخت کا حق (Right of Social Identity)

''جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا تو اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔''

۱۳- قرض کی وصولی کا حق (Right to Recieve the Debts)

''قرض قابلِ ادائیگی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے، وہ تاوان ادا کرے۔''

۱۴- ملکیت کا حق (Right of Ownership)

''کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔''

''عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔ دیکھو! تمھارے اوپر تمھاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمھارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمھارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اجازت ہے کہ تم انھیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انھیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔''

۱۵- قانون کی اِطاعت (Obedience of Law)

'میں تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اگر اس پر قائم رہے اور وہ خدا کی کتاب ہے۔ اور ہاں دیکھو! دینی معاملات میں غُلُوّ (Cross the Limitation) سے بچنا کہ تم سے پہلے لوگ انھی باتوں کے سبب ہلاک کر دیے گئے۔''

۱۶- شیطان کے راستے پر چلنے کی ممانعت (Prohibition on going Satan's Way)

''شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی کہ اب اس کی اس شہر میں پوجا کی جائے گی لیکن اس بات کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں، جنھیں تم کم اہمیت دیتے ہو، اس کی بات مان لی جائے اور وہ اس پر راضی ہے اس لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔''

### ۱۷- اللہ کے حقوق

''لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو، مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے ''اہلِ اَمر'' (حکمرانوں) کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

''آگاہ ہو جاؤ! اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا، آگاہ ہو جاؤ! اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔''

### ۱۸- عوام الناس کا پیغامِ ہدایت سے آگہی کا حق (Right of Awareness for Future Generations)

''سنو! جو لوگ یہاں موجود ہیں انھیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتادیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔''

### ۱۹- حضور نبی اکرم ﷺ کا حق [Right of the Holy Prophet (PBUH)]

''اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم سب اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت (دین) پہنچادی اور آپ نے حقِ رسالت ادا فرمادیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔''

یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنی اُنگشتِ شہادت آسمان کی جانب اُٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ دعا فرمائی ''اے اللہ! گواہ رہنا! اے اللہ! گواہ رہنا! اے اللہ! گواہ رہنا۔'' تلخیص: (اسلام میں انسانی حقوق، ص: 45-679)

## 6- اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق

دینِ اسلام نے پہلی اسلامی ریاست ''مدینہ منورہ'' میں غیر مسلموں کو جو حقوق عطا کیے وہ آج کی جدید دنیا کے لیے روشن مثال ہیں۔ اس حوالے سے خود قرآن مجید میں واضح ارشاد موجود ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ: 256)

ترجمہ: ''دین کے معاملے میں جبر روا نہیں۔''

اس حوالے سے سیرتِ طیبہ میں کئی روشن مثالیں موجود ہیں۔ اہلِ نجران سے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ کیا، اس کی چند شقیں درج ذیل ہیں:

- ان کے پادریوں، گوشہ نشینوں اور کاہنوں پر گرفت نہ ہوگی۔
- ان کی ماتحتی کی وجہ سے انھیں حقیر نہیں سمجھا جائے گا۔
- وہ قبل از اسلام کے قتل کے مواخذے سے بری ہیں۔
- وہ ہماری جنگوں میں شرکت سے مستثنیٰ ہیں۔
- ہمارا لشکر ان پر حملہ نہ کرے گا۔
- ہماری عدالت میں دعویٰ پیش کرنے پر ان سے انصاف کیا جائے گا۔
- ان میں سے جو شخص اپنے خاندان سے سود لے گا وہ ہماری ذمہ داری سے محروم ہے۔
- کسی فرد کی دوسرے فرد کے عوض میں گرفت نہ ہوگی۔ (اسلام میں انسانی حقوق، ص 558)

قرآن مجید، حدیثِ رسول ﷺ اور سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کے حوالے سے چند بنیادی پہلو درج ذیل ہیں:

## (۱) زندگی کے تحفظ کا حق

جس طرح ایک مسلمان کی زندگی محفوظ ہے، اُسی طرح اسلامی ریاست ایک غیر مسلم شہری کو بھی زندگی کا تحفظ فراہم کرے گی۔ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ واضح ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (المائدہ:32)

نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حضور ﷺ نے قصاص کے طور پر اُس مسلمان کے قتل کیے جانے کے لیے حکم دیا اور فرمایا:

''غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت میرا سب سے اہم فرض ہے۔'' (بیہقی، السنن الکبریٰ)

حضرت علیؓ نے ایک مقدمے کے فیصلے میں اسلامی ریاست کا اُصول بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''جو ہماری غیر مسلم رعایا میں سے ہے اس کا خون اور ہمارا خون برابر ہے اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔'' (ابو یوسف، کتاب الخراج، ص 187)

ایک دوسری روایت میں آپؓ نے فرمایا:

''اگر کسی مسلمان نے عیسائی کو قتل کیا تو مسلمان (عوضا) قتل کیا جائے گا۔'' (شافعی، الام، 320:7)

امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

''یہودی، عیسائی اور مجوسی کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔'' (ابن ابی شیبہ، المصنف، رقم 27448)

## (۲) نجی زندگی کے تحفظ کا حق (عزت کے تحفظ کا حق)

اسلام میں ہر شخص کی پرائیویسی (نجی زندگی) کی اہمیت ہے۔ کوئی دوسرا شخص اُس کے گھر میں اُس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ حق ایک مسلمان اور غیر مسلم دونوں کے لیے برابر ہے۔

## (۳) مال کے تحفظ کا حق

ایک غیر مسلم شہری کا مال بھی اتنا ہی محفوظ ہوگا جتنا ایک مسلمان شہری کا۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے:

اموالھم کاموالنا

ترجمہ: ''ان کے مال ہمارے مالوں کی طرح ہیں۔'' (ابن قدامہ، المغنی 9:289)

اگر کسی غیر مسلم نے شراب کی دکان کھولی ہے یا وہ خنزیر کے گوشت کا کاروبار کرتا ہے اور کوئی مسلمان اُس کے کاروبار کو لوٹ لیتا ہے تو اس مسلمان پر قانونی طور پر لازم ہوگا کہ وہ اس کی قیمت واپس کرے۔ فقہ حنفی کی کتاب ''الدُرُّ المختار'' میں درج ہے:

''مسلمان اُس کی شراب اور اُس کے سود کی قیمت ادا کرے گا، اگر وہ اُسے تلف کر دے۔''

## (۴) مذہبی آزادی کا حق

اسلام نے غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کو تسلیم کیا ہے۔اس حوالے سے اہلِ نجران سے آپ ﷺ کا جو معاہدہ ہوا اُس کو ایک بار دیکھنے سے اُن کی مذہبی آزادی کے تحفظ کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔

## (۵) معاشی آزادی کا حق

غیر مسلم شہری پر رزق کمانے میں کوئی پابندی نہیں۔وہ ہر کاروبار کر سکتا ہے جو مسلمان کرتے ہوں سوائے اُس کاروبار کے جو ریاست کے لیے اجتماعی طور پر نقصان کا سبب ہو، جیسے منشیات، جسم فروشی اور سودی کاروبار وغیرہ۔

وہ ہر طرح کا پیشہ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

## (٦) معاشرتی آزادی کا حق

اسلامی ریاست میں اقلیتیں عائلی قوانین (نکاح، طلاق) میں اپنے عقیدے کے مطابق عمل کریں گی۔

## (۷) عسکری خدمات سے استثنا کا حق

اسلامی ریاست میں اقلیتیں فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہیں۔ملک کی حفاظت تنہا مسلمانوں کے فرائض میں شامل ہے۔ہاں اگر وہ اپنی مرضی سے یہ خدمت سرانجام دینا چاہیں تو یہ علیحدہ بات ہے۔

## (۸) اقلیتوں سے معاہدے کی پاس داری، اسلامی ریاست کا فرض

اسلامی ریاست پر فرض ہے کہ وہ معاہدے کی پاس داری کرے گی۔اس حوالے سے مشہور فقیہہ علامہ کاسانی رقم طراز ہیں:

''عقد ذمہ مسلمانوں کے لیے لازم ہے یعنی وہ اُسے توڑنے کا اختیار نہیں رکھتے جب کہ دوسری جانب ذمیوں (غیر مسلموں) کو اختیار ہے کہ جب تک چاہیں اُس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں۔'' (کاسانی، بدائع الصنائع، 113:7)

جدید تصورِ ریاست میں جب کوئی غیر مسلم ایسا کرنا چاہے گا تو اُسے اسلامی ریاست کی شہریت ختم کرنا ہوگی۔

## (۹) اقلیتوں کی حفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے

اسلامی ریاست غیر مسلموں سے کوئی فوجی خدمت نہیں لیتی اس لیے وہ مالیاتی طور پر حصہ ڈالتے ہیں جیسے جزیہ دیا جاتا ہے۔اس جزیے کے بدلے میں اسلامی ریاست اُن کی جان، مال، عزت و آبرو کی محافظ ہوتی ہے۔جزیے میں بھی اُن پر سختی نہیں کی جائے گی۔حضرت عمرؓ نے ایک ذمی (non-Muslim) کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیوں بھیک مانگ رہے ہو۔اُس نے کہا ''بوڑھا اور ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے۔'' حضرت عمرؓ نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے اُسے اپنے گھر سے کچھ دیا۔بیت المال کے فنانس سیکرٹری کو حکم دیا اس جیسے افراد سے جزیہ ختم کر دو کیونکہ یہ کوئی انصاف کی بات نہیں کہ جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا جائے اور بڑھاپے میں ان کو رُسوا۔(ابن قدامہ، المغنی 509:8)

## ایک مشہور مستشرق کا اعتراف

اقلیتوں کو اسلامی حکومت میں جو حقوق حاصل تھے اس حوالے سے مشہور مستشرق ولیم واٹ رقم طراز ہے:

"The Christians were probably better off as Muslims under Muslim Arab rulers than they had been under the Byzantine Greece." (William M. Watt, Islamic Political Thought, p. 151)

ترجمہ: ''(مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں) عیسائی، عرب مسلم حکمرانوں کے اقتدار میں بطور ذمی اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں رہنے سے زیادہ محفوظ اور بہتر سمجھتے تھے۔''

## 7- غیر مسلموں کو حقوق عطا کرنے میں میثاقِ مدینہ کی اہمیت

اسلام نے غیر مسلموں کو ہر طرح کے حقوق دیے ہیں۔ جیسا کہ درج بالا سوال سے واضح ہے۔ نیز اس سلسلے میں میثاقِ مدینہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے اِس لیے اُس کے بنیادی مشمولات ملاحظہ کیجیے۔

### (ا) بنیادی اُصول (Fundamental Principles)

**i- ریاست کی حاکمیت اعلیٰ (Supreme Authority of the State)**

''اور جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف ہو تو اسے اللہ اور محمد (ﷺ) کی طرف لوٹایا جائے گا (کیونکہ حتمی حکم اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کا ہی ہے)۔'' (آرٹیکل نمبر 28)

**ii- دِفاعی اُمور کی نگرانی وقیادت (Supervision and Leadership of Defence Affairs)**

''اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر (فوجی کارروائی کے لیے) نہیں نکلے گا۔'' (آرٹیکل نمبر 41)

**iii- اُمت مسلمہ کا اِمتیازی تشخص (Distinguished Status of Muslim Ummah)**

''اور ایمان والے بقیہ لوگوں کے مقابل باہم بھائی بھائی ہیں۔'' (آرٹیکل نمبر 19)

**iv- بین الاقوامی معاہدوں کی پاس داری (Observance of International Treates)**

''اسی طرح مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر انھیں کسی معاہدۂ امن میں شرکت کی دعوت دی جائے تو وہ اس کی مکمل پابندی کریں بجز اس کے کہ کوئی دین کو بنیاد بنا کر جنگ کرے۔'' (آرٹیکل نمبر 56)

### (۲) آئینی حقوق (Constitutional Rights)

**i- ریاستی معاملات تابع دستور کرنے کا حق (Right to Constitutionalize the State Matters)**

''یہ اللہ کے نبی (اور رسول) محمد ﷺ کی طرف سے دستوری تحریر (دستاویز) ہے۔'' (آرٹیکل نمبر 1)

**ii- آئینی مساوات کا حق (Right of Constitutional Equality)**

''اور (قبیلہ) اوس کے یہودیوں کو...... موالی ہوں یا اصل...... وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور والوں کو حاصل ہیں، اور وہ بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفاشعاری کا برتاؤ کریں گے۔'' (آرٹیکل نمبر 58)

**iii- دستور کی مخالفت کی ممانعت (Prohibition to Violate Constitution)**

''اور وفاشعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی، جو جیسا کرے گا ویسا ہی خود بھرے گا۔'' (آرٹیکل نمبر 59)

''اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس دستور کے مندرجات کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفاشعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔'' (آرٹیکل نمبر 60)

## (۳) قانونی حقوق (Legal Rights)

-i حقوق میں برابری (Equality in Rights)

''اور بنی نجار کے یہودیوں کو بھی بنی عوف کے یہودیوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔'' (آرٹیکل نمبر 31)

''اور یہودیوں کی ذیلی شاخوں کو بھی اصل کے برابر حقوق حاصل ہوں گے۔'' (آرٹیکل نمبر 40)

-ii قانون کی اِطاعت ونفاذ میں برابری کا حق (Right of Equality in Obedience to Law)

''ہر گروہ اپنے قیدیوں کا زرِفدیہ ادا کر کے انھیں رہائی دلائے گا اور اس ضمن میں مسلمانوں کے درمیان قانون و انصاف کا بلا امتیاز اِطلاق یقینی بنائے گا۔'' (آرٹیکل نمبر 13)

-iii قانون کی بلاتفریق اِطاعت (Obedience to Law without Discrimination)

''اور اگر ان (یہودیوں) کو کسی صلح میں مدعو کیا جائے تو وہ بھی صلح کریں گے اور اس میں شریک رہیں گے اور اگر وہ کسی ایسے ہی اُمر کے لیے بلائیں تو مومنین کا بھی فریضہ ہوگا کہ ان کے ساتھ ایسا ہی کریں۔'' (آرٹیکل نمبر 55)

-iv عدل وانصاف پر مبنی قوانین کے تحفظ کا حق (Right to Continue Just Laws)

''قریش میں سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائیں گے مزید یہ کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف پر مبنی ہوگا۔'' (آرٹیکل نمبر 4)

-v ناکردہ جرائم سے برأت کا حق (Freedom from the Penalty of Undone Crimes)

''اور جو خوں ریزی کرے تو اس کی ذات اور اس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا سوائے اس کے کہ اس پر ظلم ہوا ہو۔ اور خدا اس کے ساتھ ہے جو اس (دستور العمل) کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔'' (آرٹیکل 43)

## (۴) ریاستی حقوق (Rights of State Citizens)

-i سیاسی وریاستی تشخص کا حق (Right of Political State Identity)

''اہل ایمان تمام (دنیا کے دیگر) لوگوں کے بالمقابل ایک علیحدہ سیاسی وحدت (قومیت) ہوں گے۔'' (آرٹیکل نمبر 3)

-ii اِسلامی ریاست کے دشمنوں کی بیخ کنی (Eradication of State Enemies)

''اور قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔'' (آرٹیکل نمبر 53)

-iii دشمن سے ساز باز وتعاون کی ممانعت (Prohibition of Conspiracy against Islamic State)

''اور (مدینہ کی غیر مسلم رعیت میں سے) کوئی مشرک قریش کی جان ومال کو پناہ دے گا نہ ان کی خاطر کسی مومن کے آڑے آئے گا۔'' (آرٹیکل نمبر 25)

-iv ریاست کے دِفاع کا حق (Right of State Defence)

''کسی بیرونی حملہ کی صورت میں ریاستِ مدینہ کا دفاع اِمدادِ باہمی کے تحت ان (یہودیوں اور مسلمانوں) کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی۔'' (آرٹیکل نمبر 54)

-v اَقلیتوں کا دِفاعی کردار (Role of Minorities in State Defence)

''اور یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ (جنگی) اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ مل کر جنگ کرتے رہیں۔'' (آرٹیکل نمبر 48)

## (۵) انفرادی حقوق (Individual Rights)

### i- زندگی کے تحفظ کا حق (Right of Life)

''اور کوئی ایمان والا، کسی ایمان والے کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔'' (آرٹیکل نمبر 17)

### ii- غیر مسلموں کے لیے زندگی کے تحفظ کا حق (Right of Life for Minorities)

''اور یہودیوں میں سے جو ہماری (ریاستِ مدینہ کی) اتباع کرے گا اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی، جب تک وہ اہلِ ایمان پر ظلم کا مرتکب نہ ہو یا ان کے خلاف (کسی مخالف کی) مدد نہ کرے۔'' (آرٹیکل نمبر 20)

### iii- امن و سلامتی کا حق (Right of Security)

''اور ایمان والوں کی صلح (معاہدۂ امن) ایک ہی ہوگی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی کے دوران کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا جب تک کہ (یہ صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔'' (آرٹیکل نمبر 21)

### iv- خوں ریزی کے بدلہ کا حق (Right to Retaliate the Bloodshed)

''اور ایمان والے راہِ خدا میں اپنی ہونے والی خوں ریزی کا ایک دوسرے کے لیے (دشمن سے) انتقام لیں گے۔'' (آرٹیکل نمبر 23)

### v- قصاص کا حق (Right of Qisas)

''اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اور ثبوت پیش ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے۔ اور تمام ایمان والے اس (قصاص) کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا انھیں کوئی اور چیز جائز نہ ہوگی۔''

### vi- غیر منصفانہ حمایت و تائید سے تحفظ کا حق (Right of Protection from Unjust Favouritism)

''اور یہ کہ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولا (معاہداتی بھائی) سے اس کی مرضی کے بغیر معاہدہ نہیں کرے گا۔'' (آرٹیکل نمبر 14)

### vii- خواتین کے لیے تحفظ کا حق (Right of Protection for Women)

''اور کسی عورت کو اس کے خاندان (اہلِ خانہ) کی رضامندی سے ہی پناہ دی جائے گی۔'' (آرٹیکل نمبر 51)

## 8- حاصل بحث

اسلام نے تمام طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ چاہے اُن حقوق کا تعلق خواتین سے ہو، بنیادی انسانی حقوق سے ہو، غیر مسلموں کے حقوق سے ہو یا عام افرادِ معاشرہ کے حقوق ہوں۔ مغرب میں انسانی حقوق کا آغاز 1215ء کے میگنا کارٹا سے ہوتا ہے۔ جب کہ اسلام میں انسانی حقوق کا تحفظ پہلی وحی سے ہوتا ہے۔ اور پھر خطبۂ حجۃ الوداع میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس تفصیل کے ساتھ تمام انسانی طبقات کے حقوق کو بیان کیا ہے اُس کی مثال انسانی تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتی۔

# اسلام میں عورت کا مقام

1- قرآن وحدیث کے مطابق خواتین کے لیے پردہ لازمی ہے مگر بدقسمتی سے ہمارے ملک میں مسلمان خواتین کی غالب اکثریت ان قرآنی احکامات کی پروانہیں کرتی۔ اس کی وجوہات کیا ہیں اور اصلاح احوال کے لیے کون سے طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں؟ (2005ء)

2- اسلام کی رو سے خواتین کا حق تعلیم اُجاگر کریں۔ (2006ء)

3- اسلامی شریعت کا اطلاق مرد اور عورت پر مساویانہ ہے البتہ کچھ احکامات کا تعلق محض عورتوں سے ہے، وضاحت کریں۔ (2007ء)

4- یورپی یونین اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے مطابق اسلام عورتوں کو مناسب حقوق عطا نہیں کرتا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ (2008ء)

5- گلوبل ویلج کی ضروریات اور مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمان عورت کی آزادیوں اور پابندیوں کی حدود کا تعین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیجیے۔ (2010ء)

6- اسلام میں حق وراثت پر ایک تفصیلی شذرہ قلم بند کریں۔ (2017ء)

7- تحریک حقوق نسواں کی موجودہ لہر کے تناظر میں اسلام میں خواتین کے حقوق بیان کیجیے۔ (2019ء)

### اہم نکات

1- تعارف
2- قرآن مجید میں عورت کا مقام
3- احادیث رسول ﷺ میں عورت کا مقام
4- اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام
   (۱) عورت بحیثیت ماں
   (۲) عورت بحیثیت بیوی
   (۳) عورت بحیثیت بیٹی
   (۴) عورت بحیثیت بہن
5- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

اسلام کی آمد عورت کے لیے غلامی، ذلت اور ظلم واستحصال کے بندھنوں سے آزادی کا پیغام تھی۔ اسلام نے ان تمام بری رسوم کا خاتمہ کیا جو عورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں۔ عورت کو وہ حقوق عطا کیے جس سے وہ معاشرے میں اس عزت وتکریم کی مستحق قرار پائی جس کے مستحق مرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے درجے میں عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں رکھا ہے۔ اسی طرح انسانیت کی تخلیق میں عورت مرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا (النساء:۱)

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا فرمایا، پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا۔ پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔''

اسلام نے عورت سے دائمی گناہ کی لعنت کو ختم کیا۔ عیسائی تعلیمات کی رو سے عورت نے آدم علیہ السلام کو بہکایا، جب کہ اسلام کی رو سے شیطان نے دونوں کو بہکایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''پھر شیطان نے اُنھیں اس جگہ سے ہلا دیا اور اُنھیں اُس (راحت کے) مقام سے، جہاں وہ تھے، الگ کر دیا۔'' (البقرہ:36)

اسلام نے عورت اور مرد دونوں کو اجر میں برابر کیا جیسا کہ خود قرآن مجید اس پر گواہ ہے:

ترجمہ: ''ان کے رب نے ان کی التجا کو قبول کر لیا (اور فرمایا) کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔''
(آل عمران:195)

اسلام کے ذریعے عورت کو زندگی کا تحفظ ملا۔ اسلام نے عورت کے معاشی حقوق، روٹی، کپڑا، مکان، تعلیم اور علاج کے حوالے سے تحفظ فراہم کیا۔ عورت کی تذلیل کرنے والے زمانۂ جاہلیت کے قدیم نکاح جو درحقیقت زنا تھے، اسلام نے ان سب کو باطل کر کے عورت کو عزت بخشی۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان معاشرہ بھی عورت کو وہی مقام عطا کرے جس کی وہ حق دار ہے۔

## 2- قرآن مجید میں عورت کا مقام

- مسلمان عورت کے حقوق و فرائض کیا ہیں، اِس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ:228)

ترجمہ: ''عورتوں کے لیے اِسی طرح کا حق ہے جیسے ان پر فرض ہے، معروف طریقے سے۔''

- عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید عورتوں کے مقام و مرتبہ کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج (النسا:19)

ترجمہ: ''عورتوں کے ساتھ معاشرت میں نیکی اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔''

- نبی کریم ﷺ جس طرح مردوں سے بیعت لیتے تھے، اِسی طرح آپ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لے کر ان کو عزت عطا کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ (الآیہ) (الممتحنہ:12)

ترجمہ: ''اے نبی (ﷺ)! جب آپ ﷺ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں، آپ ﷺ ان سے بیعت لیں اس پر کہ وہ اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ ٹھہرائیں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور نہ کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی۔''

- اسلام نے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق عطا کرتے ہوئے عورت کو تحفظ فراہم کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (النساء:8-7)

ترجمہ: ''ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکوں کا حصہ ہے اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکیوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ ہیں۔''

- اللہ تعالیٰ نے جہاں مردوں کے اسلام، ایمان اور قنوت وغیرہ کی خصوصیات کو بیان کیا وہاں پر عورتوں کی صفات کو بھی متصل بیان کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ○ (الاحزاب:35)

ترجمہ: ''بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور مومن مرد اور مومن عورتیں، اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، اور صدق والے مرد اور صدق والی عورتیں، اور صبر والے مرد اور صبر والی عورتیں اور عاجزی والے مرد اور عاجزی والی عورتیں، اور صدقہ وخیرات کرنے والے مرد اور صدقہ وخیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور عظیم اجر تیار فرما رکھا ہے۔''

- اللہ تعالیٰ مرد اور عورت دونوں کے نیک عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔ اعمال کے ثواب میں برابری کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ (آل عمران:195)

ترجمہ: ''پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی (اور فرمایا) یقیناً میں تم میں سے کسی محنت والے کی مزدوری ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے میں سے (ہی) ہو۔''

- عورتوں کے معیارِ زندگی (Living standard) کے حوالے سے اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ (الطلاق:6)

ترجمہ: ''تم اُن (مطلقہ) عورتوں کو وہیں رکھو جہاں تم اپنی وسعت کے مطابق رہتے ہو اور انہیں تکلیف مت پہنچاؤ کہ اُن پر (رہنے کا ٹھکانا) تنگ کر دو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو اُن پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جن لیں، پھر اگر وہ تمھاری خاطر (بچے کو) دودھ پلائیں تو اُنھیں اُن کا معاوضہ ادا کرتے رہو، اور آپس میں (ایک دوسرے سے) نیک بات کا مشورہ (حسبِ دستور) کر لیا کرو۔''

- عورت کو لباس قرار دے کر اُسے عزت کا تاج پہنایا گیا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ:187)

''وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔''

## 3- احادیث رسول ﷺ میں عورت کا مقام

حصولِ علم میں مرد اور عورت برابر ہیں۔علم زمانہ جاہلیت میں ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ اُمرا کے لیے خاص تھا۔عورتوں کے لیے تو زندگی کا تحفظ نہیں تھا، کجا کہ ان کے لیے تعلیم کا بندوبست ہوتا۔آپ ﷺ نے جاہلیت کے پورے تاثر کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ (الحدیث)

ترجمہ: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ". (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا ساز و سامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔''

- ''یہ دنیا عارضی چیز ہے جس سے ہمیں وقتی فائدہ حاصل ہوتا ہے اور دنیاوی اشیا میں نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔'' (ابن ماجہ، حدیث 1855)

ترمذی اور نسائی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کامل مومن وہ ہے جس کا کردار اچھا ہو اور جو اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔''

- وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ، وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ، دَخَلَتِ الْجَنَّةَ". (الترمذی)

ترجمہ: حضرت اُم سلمہ ؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت کا انتقال اس حال میں ہوا کہ اس کا خاوند اس سے خوش تھا تو وہ جنت میں جائے گی۔''

- ''آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی (یہ چیزیں) میرے نزدیک محبوب کی گئی ہیں، عورتیں، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بتائی گئی ہے۔''
- حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو، اس لیے کہ عورت کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر کا حصہ ہے۔اگر تو اسے سیدھا کرنے لگے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا۔اور اگر اسے چھوڑے گا تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، چنانچہ تم عورتوں کا خیال رکھا کرو۔'' (بخاری، مسلم)
- حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن مرد، ایمان دار عورت (بیوی) سے نفرت نہ کرے۔اگر اس کی کوئی ایک عادت یا صفت اسے ناپسند ہو گی تو اس کی کسی دوسری صفت سے وہ خوش بھی ہو گا۔'' (مسلم)
- حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔اور تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں سب سے بہتر ہے۔'' (ترمذی)

## 4- اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام

اسلامی معاشرے میں آغاز سے ہی عورت کو عزت دی گئی ہے۔عورت ماں کے روپ میں ہو یا بہن کے روپ میں، بیٹی کے روپ میں ہو یا بیوی کے روپ میں، اسلام ہر حیثیت سے اس کو قدر و منزلت عطا کرتا ہے۔یہ علیحدہ بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں جب عورت بیوی ہے تو اُس کے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوتا جو ماں اور بیٹی کے روپ میں ہوتا ہے۔ذیل میں اسلام کے چند زریں اصولوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

## (۱) عورت بحیثیت ماں

اسلام میں ماں کو بلند درجہ عطا کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ ''جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔'' بخاری کی روایت ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ کون سا عمل ہے جو اللہ کی سب سے زیادہ خوشنودی کا باعث بنتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز مقررہ وقت پر ادا کرنا۔'' ''اور اس کے بعد؟'' (کون سا عمل اللہ کو محبوب ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے ماں باپ سے حسن سلوک کرنا۔'' قرآن مجید میں متعدد بار یہ ذکر آیا ہے اور انسان کو یاد دلایا گیا کہ اسے اس کی ماں نے اپنی کوکھ سے جنم دیا ہے۔ اس عمل کے دوران بڑی تکالیف برداشت کی ہیں اور دن رات محبت اور قربانیوں سے اسے پال پوس کر بڑا کیا ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَضٰى رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل:24)

ترجمہ: ''اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔''

## (۲) عورت بحیثیت بیوی

اس سلسلہ میں سب سے پہلی حقیقت جس کی پردہ کشائی کی گئی ہے، یہ ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔ (الذّٰریٰت:49)

''اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پید کیے۔''

اس آیت کی تفسیر میں سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اس آیت میں قانون زوجی (Law Sex) کی ہمہ گیری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کارگاہِ عالم کا انجینئر خود اپنی انجینئری کا یہ راز کھول رہا ہے کہ اُس نے کائنات کی یہ ساری مشین قاعدۂ زوجیت پر بنائی ہے۔ یعنی اس مشین کے تمام کل پرزے جوروں (Pairs) کی شکل میں بنائے گئے ہیں اور اس جہان خلق میں جتنی کاری گری تم دیکھتے ہو، وہ سب جوڑوں کی تزویج کا کرشمہ ہے۔'' (پردہ، ص:174)

اب ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ عورت اور مرد کا وجود محض ایک مادی وجود ہی نہیں ہے بلکہ یہ وہ ایک حیوانی وجود بھی ہے۔ اس حیثیت سے ان کا زوج ہونا کس چیز کا مقتضی ہے؟ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ (الشوریٰ:11)

ترجمہ: ''اللہ نے تمھارے لیے خود تمہی میں سے جوڑے بنائے اور جانوروں میں سے بھی جوڑے بنائے۔ اس طریقہ سے وہ تمھیں روئے زمین پر پھیلاتا ہے۔''

اس سے پہلے جس آیت میں انسان اور حیوان دونوں کے جوڑے بنانے کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا وہاں تخلیق زوجین کا مقصد صرف بقائے نسل بتایا گیا تھا۔ اب حیوان سے الگ کر کے انسان کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ اس میں زوجیت کا ایک بالاتر مقصد بھی ہے اور وہ یہ کہ ان کا تعلق محض شہوانی تعلق نہ ہو بلکہ محبت اور انس کا تعلق ہو، دل کے لگاؤ اور روحوں کے اتصال کا تعلق ہو، یہ ایک دوسرے کے راز دار اور شریکِ رنج و راحت ہوں، ان کے درمیان ایسی دائمی وابستگی ہو جیسی لباس اور جسم میں ہوتی ہے۔ دونوں صنفوں کا یہی تعلق انسانی تمدن کی عمارت کا سنگِ بنیاد ہے۔ یہ صنفی تعلق صرف زوجین کی باہمی محبت ہی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ اس امر کا بھی تقاضا کرتا ہے کہ اس تعلق سے جو اولاد پیدا ہو اس کے ساتھ بھی ایک گہرا روحانی تعلق ہو۔ فطرتِ الٰہی نے اس کے لیے انسان کی اور خصوصاً عورت کی جسمانی ساخت اور حمل و رضاعت کی طبعی صورت ہی میں ایسا انتظام کر دیا ہے کہ اس کی رگ رگ اور ریشے ریشے میں اولاد کی محبت پیوست ہو جاتی ہے۔ نیز قرآن مجید میں بیوی کو سکون کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (الروم:21)

ترجمہ: ''اور یہ (بھی) اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کی طرف سکون پاؤ اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی، بے شک اس (نظام تخلیق) میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔''

○ ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔''

حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں آپ ﷺ نے عورتوں کا ذکر تفصیل سے فرمایا: آپ ﷺ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

''ہاں: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے، اور اللہ کے حکم کے ذریعے حلال کیا ہے۔ ان کے حقوق تم پر ہیں اور تمھارے حقوق ان پر ہیں۔ ان پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی دوسرے کو نہ آنے دیں اور نہ اپنے گھروں میں کسی ایسے شخص کو داخل ہونے کی اجازت دیں جن کی آمد تم کو پسند نہیں۔ اُنھیں بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے اگر وہ باز نہ آجائیں تو پھر اللہ نے آپ کو (مردوں کو) حق دیا ہے کہ ان کی سرزنش کرو (اور پھر بھی باز نہ آئیں تو) ان کے بستر اپنے سے الگ کر دو (اور پھر بھی باز نہ رہیں تو) تو اُنھیں مار بھی سکتے ہو مگر ہلکی مار مارنا۔ اس کے بعد اگر وہ (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں اور تمھاری فرماں بردار بن جائیں تو پھر حسب دستور اُنھیں نان ونفقہ دو اور میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ عورتوں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ کیونکہ وہ گھروں میں تمھاری دست نگر ہیں اور ان کے پاس اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ گواہ رہنا کہ میں نے ان تک سب کچھ پہنچا دیا۔'' (ابن ہشام)

○ آپ ﷺ اپنی ازواج سے سب سے زیادہ حسن سلوک کرنے والے تھے۔ ایک دفعہ ازدواج مطہرات سفر میں تھیں، اونٹ چلانے والے اُونٹ کو تیز ہانکنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھنا یہ شیشے ہیں۔'' یعنی اپنی ازواج کو آبگینوں سے تشبیہ دی کہ کہیں ٹوٹ نہ جائیں)۔

○ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نبی کریم ﷺ سے برہم ہو کر بلند آواز میں باتیں کر رہی تھیں اتفاقاً حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے اور اُنھوں نے تھپڑ مارنا چاہا۔ حضرت عائشہؓ نے فوراً آپ ﷺ سے مدد کی درخواست کی۔ آپ ﷺ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درمیان آگئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ غصے سے واپس چلے گئے تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''کیوں؟ کس طرح میں نے تم کو بچا لیا'' چند روز کے بعد حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، تو وہ حالت بدل چکی تھی۔ بولے ''مجھ کو بھی صلح میں شریک کیجیے۔'' جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں ہاں۔'' (ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح)

○ حضرت معاویہ بن حیدہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو کھائے تو اسے کھلا، جب تو لباس پہنے تو اسے بھی پہنا اور اس کے چہرے پر مت مار، نہ اسے برا بھلا (یا بدصورت) کہہ اور اس سے (بطور تنبیہ) علیحدگی اختیار کرنی ہو تو گھر کے اندر ہی کر۔'' (ابوداؤد)

## (۳) عورت بحیثیت بیٹی

جہاں تک عورت کے بحیثیت بیٹی ہونے کا تعلق ہے اس حوالے سے اسلام کے رویہ کا اندازہ قرآن کی اس سرزنش سے لگایا جاسکتا ہے جو کافروں کو قبل از اسلام کے بیٹیوں سے ان کے سلوک پر کی گئی۔ قرآن کی سورہ النحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور یہ لوگ اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (اور) وہ ان سے پاک ہے اور اپنے لیے (بیٹے) جو (دل پسند) ہیں۔ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے اور (اس کے دل کو دیکھو تو) وہ اندوہ ناک ہو جاتا ہے۔ اور اس خبر بد سے (جو وہ سنتا ہے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور) سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بری ہے۔'' (النحل:59-57)

اس کے مقابلے میں اسلام نے بیٹی کو ایسے عزت دی کہ آپ ﷺ سیدہ فاطمہ الزہراؓ کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اپنی نواسی حضرت امامہؓ کو آپ ﷺ نماز میں اس حال میں لے آئے کہ وہ آپ ﷺ کے کندھوں پر سوار تھیں۔ آپ ﷺ کے ارشادات بھی اس حوالے سے واضح ہیں:

- حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت اس حال میں آئی کہ اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ وہ سوال کر رہی تھی۔ اس نے میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ پایا۔ چنانچہ وہ کھجور میں نے اسے دے دی۔ اس نے اس کے دو حصے کر کے اپنی دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دی اور خود اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ پھر کھڑی ہوئی اور چلی گئی۔ پھر جب نبی اکرم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کو یہ بات بتلائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جسے ان بیٹیوں میں سے کسی معاملے کے ساتھ آزمایا جائے اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تو وہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم کی آگ سے پردہ بن جائیں گی۔'' (بخاری و مسلم)
- حضرت انسؓ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے دو بچیوں کی پرورش و تربیت کی حتیٰ کہ وہ بالغ ہو گئیں، قیامت والے دن وہ اس حال میں آئے گا کہ میں اور وہ ان دو انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہوں گے۔'' آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں ملائیں (یعنی ملا کر دکھایا کہ اس طرح ہم دونوں ساتھ ساتھ ہوں گے۔) (مسلم)

## (۴) عورت بحیثیت بہن

عورت بحیثیت بہن کا مقام و مرتبہ دیکھنا ہو تو آپ ﷺ کا حضرت شیماءؓ سے حسن سلوک کا مطالعہ کرنا چاہیے:

''ابن اسحاق سے مروی ہے کہ اُنھیں بنی سعد کے کسی شخص نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ ہوازن کے موقع پر کہا، اگر 'نجاد' تمھارے قابو میں آئے تو اسے بھاگ جانے کا موقع نہ دینا۔ یہ بنی سعد کا ایک شخص تھا جس نے کوئی نازیبا حرکت کی تھی۔ مسلمانوں نے اُس کو پکڑ لیا۔ اس کو اور اس کے اہل و عیال کو لے چلے۔ انھوں کے ساتھ شیماء بنت حارث بھی تھی جو حضور اکرم ﷺ کی رضاعی بہن تھی۔ مسلمان جب ان کو لا رہے تھے تو اُنھوں نے شیماء پر سختی کی تو اس نے کہا، ''تم جانتے نہیں کہ بخدا! میں تمھارے صاحب کی رضاعی بہن ہوں؟'' انھوں نے اس کی یہ بات تسلیم نہ کی یہاں تک کہ ان سب کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس نے عرض کی، یارسول اللہ! میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن ہوں۔'' حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی نشانی پیش کرو۔ اس نے وہ کاٹنے کا نشان دکھایا، حضور ﷺ نے پہچان لیا۔ اس کے لیے اپنی چادر بچھائی، اس کو اوپر بٹھایا اور اس کو اختیار دیا کہ مرضی ہو تو ہمارے پاس ٹھہرو، ہم تمھیں بڑی محبت و عزت سے اپنے پاس رکھیں گے اور اگر تمھاری مرضی ہو تو تمھیں انعام و اکرام سے مالا مال کر کے اپنی قوم کی طرف واپس بھیج دیں۔ اس نے عرض کی مہربانی فرما کر مجھ پر لطف و کرم فرمائیں اور مجھے اپنی قوم کے پاس بھیج دیجیے۔ اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے اس کو انعام اکرام سے نوازا اور اسے اپنی قوم کی طرف واپس بھیج دیا۔''

(پیر محمد کرم شاہ الازہری، ''ضیاء النبی ﷺ''، ص 552-553)

## 5- خلاصۂ بحث

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام نے عورتوں کو اپنے سے پہلے موجود تمام تہذیبوں اور معاشروں سے بہتر مقام و مرتبہ عطا کیا۔ اسلام سے پہلے عرب کی جاہلی تہذیب ہو یا ایرانی و رومی تہذیب ہو، عورت کو کسی جگہ پر ایسا مقام و مرتبہ حاصل نہیں جیسا اسلام نے دیا۔ جہاں تک مغربی معاشرے کا تعلق ہے تو اُس نے عورت پر برابری کی سطح پر جس طرح ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا ہے تو اِس سے عورت کے مقام میں اضافہ نہیں بلکہ کمی ہوئی ہے۔ 2019ء میں برطانیہ کے شہر آکسفرڈ میں نیشنل ہیلتھ سروسز کے ایک سروے کے مطابق، جب عورتوں سے یہ سوال کیا گیا کہ اگر اُنھیں کوئی ایسا شریک حیات پارٹنر ملے جو ان کی تمام ضروریات کا نگہبان ہو، تو 98 فیصد خواتین کا جواب یہ تھا کہ وہ ایسے شریک حیات کو زیادہ پسند کرتی ہیں بہ نسبت خود کمانے اور مشکلات برداشت کرنے کے۔ یہ جواب اُس مایوسی کو ظاہر کرتا ہے جو اِس وقت مغرب و مشرق کے تمام معاشروں میں موجود ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اسلام نے حقوق و فرائض کا جیسے تعین کیا ہے وہ حقیقی اور فطرت کے عین مطابق ہے جسے اختیار کیے بغیر چارہ کار نہیں۔

سوال 3

# اسلام میں عورتوں کے حقوق و فرائض

1- تحریک حقوق نسواں کی موجودہ لہر کے تناظر میں اسلام میں خواتین کے حقوق بیان کیجیے۔ (2019ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- مسلمان عورت کے عمومی حقوق
3- مسلمان عورت کے ازدواجی حقوق
4- مسلمان عورت کے سیاسی حقوق
5- مسلمان عورت کے فرائض
6- مسلمان عورت کا دائرہ کار
7- پردہ کے احکامات
8- حقوق نسواں کی موجودہ تحریک اور عورت کے حقوق
9- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

جس طرح سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، اسی طرح سب کی ماں بھی اصلاً ایک ہی حضرت حوا ہیں۔ ایک ہی ماں باپ سے یہ پورا گھرانا وجود میں آیا ہے۔ حضرت حواؑ حضرت آدمؑ علیہ السلام ہی کی جنس سے تخلیق فرمائی گئی ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ عورت مرد کے مقابل میں کوئی حقیر اور فروتر مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ بھی اُس شرف میں برابر کی شریک ہے جو انسان کو بحیثیت اولادِ آدم حاصل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا ان دونوں میں سے بہت سے مرد و عورت (دنیا میں) پھیلا دیے اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مدد چاہتے ہو اور رشتوں کے بارے میں بھی خبردار رہو، بے شک اللہ تم پر نگران ہے۔'' (النساء:1)

انسانی معاشرے میں تعاون کی بنیاد وحدت الٰہ، وحدت آدم اور اشتراکِ باہمی کے عقیدے اور جذبے پر ہے۔ ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اس اشتراک کا حق پہچانے اور اس کو ادا کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور آئین پاکستان عورتوں کو تمام بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے۔ جہاں تک پاکستانی معاشرے کا تعلق ہے تو عورت کو بہت سارے مقامات پر عزت، وقار اور تحفظ حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جبراً شادی، تشدد اور وراثت میں حق نہ ملنے کے حوالے سے سنگین مسائل کا بھی سامنا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے اسلام اور آئین پاکستان کے اندر جو بنیادی حقوق دیے گئے ہیں ان کو نافذ کیا جائے۔

## 2- مسلمان عورت کے عمومی حقوق

اسلام کی آمد سے عورت کو امن کے ساتھ ساتھ بُری رُسومات سے آزادی کا پیغام بھی ملا۔ اسلام نے عورت کو وہ حقوق عطا کیے جو اُس وقت دُنیا میں عورت کو کہیں حاصل نہیں تھے۔ ذیل میں عورتوں کے حوالے سے چند اہم حقوق کو نقل کیا جاتا ہے:

### (ا) زندگی کے تحفظ کا حق

اسلام سب سے پہلے عورت کو زندگی کے تحفظ کا حق دیتا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب کی جاہلی معاشرت میں عورتوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ جب کہ اسلام نے انسانی جان کی حرمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے، اللہ تعالیٰ کا اُس پر غضب اور لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' (النساء:93)

### (۲) مال کے تحفظ کا حق

اسلام سے پہلے عورتوں کو وراثت میں حقوق حاصل نہیں تھے۔ اسلام نے انھیں سب سے پہلے حق ملکیت عطا کیا۔ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''مردوں کے لیے اس میں سے ہے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اُس میں سے ہے جو اُنھوں نے کمایا۔'' (النساء:32)

### (۳) عزت کے تحفظ کا حق

مسلمان مردوں کو حکماً یہ بات کہی گئی کہ وہ کسی بھی غیر محرم عورت کی طرف بُری نظر نہ اُٹھائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے حبیب (ﷺ) مومن مردوں سے یہ ارشاد فرما دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔'' (النور:30)

اِسی طرح مومن عورتوں کو بھی یہی حکم دیا گیا جو اس مضمون کے آغاز میں بیان کر دیا گیا ہے۔

ترجمہ: ''مومن عورتوں سے ارشاد فرمائیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔'' (النور:31)

## ○ گھر میں موجود خواتین کے تحفظ کا حق

انسان کو گھر میں بھی اگر تحفظ حاصل نہ ہو تو اُس کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ عرب معاشرے میں گھر میں آنے سے پہلے اجازت لینے کا کوئی رواج نہ تھا۔ اسلام نے گھر میں موجود خواتین کی عزت اور رازداری کے حق کو محفوظ کرتے ہوئے حکم دیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ الخ (النور:27)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں اُس وقت تک داخل نہ ہوا کرو جب تک (اُس امر کی) اجازت نہ لے لو اور اہل خانہ پر سلام کہو۔''

سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرمایا:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (الاحزاب: 53)

ترجمہ: ''اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز طلب کرو تو اُن سے پردے کے باہر سے مانگ لو۔ یہ تمھارے دلوں کے لیے اور اُن کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔''

## (۴) تعلیم و تربیت کا حق

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے فرائض میں شامل ہے۔ حدیث شریف ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ (الحديث)

ترجمہ: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

علم کی اہمیت کے حوالے سے اوّلین وحی ہی کافی ہے جس کا آغاز ہی ''اِقْرَاْ'' سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (العلق:1)

ترجمہ: ''پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔''

جب کہ اسی سورۃ کی آیت 4 میں ارشاد فرمایا:

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (العلق:4)

ترجمہ: ''جس نے انسان کو قلم کے ذریعے علم سکھایا۔''

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر:9)

ترجمہ: ''آپ فرما دیجیے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟''

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ احادیث میں بھی خواتین کی تعلیم کے حوالے سے ارشاداتِ رسول ﷺ موجود ہیں:

الرَّجُلُ تَكُوْنُ لَهُ الْاَمَةُ فَيُعَلِّمُهَا الخ (بخاری شریف، رقم الحدیث 2849)

ترجمہ: ''اگر کسی شخص کے پاس ایک لونڈی ہو پھر وہ اُسے تعلیم دے اور یہ اچھی تعلیم ہو اور اُس کو آداب مجلس سکھائے اور یہ اچھے آداب ہوں، پھر آزاد کر کے اُس سے نکاح کرے تو اُس شخص کے لیے دوہرا اجر ہے۔''

سنن ترمذی میں بھی آپ ﷺ کا ارشاد موجود ہے:

اَلْکَلِمَةُ الْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (سنن الترمذی، رقم، 2687)

ترجمہ: ''حکمت کی بات مومن کی گم شدہ میراث ہے۔ پس جہاں بھی اُسے پائے اُسے حاصل کرنے کا وہ زیادہ حق دار ہے۔''

اس حدیث میں گویا مرد اور عورت کے درمیان یہ امتیاز ہی ختم کر دیا اور تنگ نظری کو مٹا دیا گیا کہ علم کس کو حاصل کرنا چاہیے اور کس کو نہیں بلکہ ہر مومن، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، یہ اُسی کی میراث اور اُسی کا حق ہے۔ قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں مسلمانوں کی تہذیب وثقافت جیسے جیسے پروان چڑھی تو خواتین نے زندگی کے ہر شعبے میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ اُمہات المومنین بالخصوص اُم المومنین حضرت خدیجہؓ اپنے وقت میں نہایت کامیاب کاروباری خاتون تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ اس کی روشن مثال ہیں جن کے ذریعے سے اُمت تک احادیثِ رسول ﷺ کا بڑا ذخیرہ پہنچا۔ علوم شرعیہ کے ساتھ ساتھ میڈیکل سائنسز اور علم جراحی وسرجری میں حضرت رفیدہؓ اور حضرت اسلمہؓ کا نام معتبر تھا۔ دست کاری اور صنعت وحرفت میں اُم المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کا نام نمایاں ہے۔ اِسی طرح سلائی (Tailoring) میں حضرت فاطمہ بنت شیبہؓ اور دباغت (Leather dying) میں حضرت سودہؓ کے کارہائے نمایاں سے کون واقف نہیں۔ ان فنون کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے دور میں بعض خواتین ایڈمنسٹریشن کے مناصب پر فائز رہیں۔

## (۵) انتظامی عہدے حاصل کرنے کا حق

خواتین انتظامی عہدوں پر فائز ہوسکتی ہیں۔ ذیل میں خلافت راشدہ اور اُس کے بعد خواتین کے مختلف انتظامی عہدوں پر فائز ہونے کا مختصر سا خاکہ ملاحظہ کریں:

- ''حضرت عمرؓ نے شفاء بنت عبداللہ مخزومیہ کو عدالتی ذمہ داری قضاء الحسبہ (Accountability Court) اور قضاء السوق (Market Administration) پر فائز کیا۔
- خلفائے راشدین کے بعد کے ادوار میں ''اُم خلیفہ مقتدر'' محکمہ استیناف (Appellant Court) بغداد کی سربراہ رہیں۔
- سلطان صلاح الدین ایوبی کی بھتیجی سیدہ حنیفہ حلب کی والیہ رہیں۔
- سیدہ شریفہ فاطمہ یمن صنعاء اور نجران کی والیہ رہیں۔
- ازرہ بنت حارث نے اہل بیسان سے لڑائی میں لشکر کی قیادت کی۔
- اُم عطیہ انصاریہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی۔
- اُم حرام بنت ملحان کے بارے میں ہے کہ وہ پہلی بحری مجاہدہ تھیں۔ (اسلام میں انسانی حقوق، ص 468 تا 470)

مختلف شعبوں میں خواتین کے ان کارہائے نمایاں سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام نے زندگی کے ہر اہم شعبہ میں خواتین کے کردار، علم وہنر اور صلاحیتوں کی قدر کی ہے۔ ہاں یہ بات اہم ہے کہ مسلمان خاتون زندگی کے جس شعبے میں بھی جائے عفت وعصمت اور حیا کی چادر کو داغ دار نہ کرے ورنہ اسلام جو ایک خوب صورت معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اس کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔

## (۶) حسن سلوک کا حق

سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (النساء: 19)

ترجمہ: ''عورتوں کے ساتھ معاشرت میں نیکی اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔''

## 3- عورت کے ازدواجی حقوق

### (ا) شادی کا حق

اسلام سے قبل عورتیں مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھیں۔ اُنھیں اپنی مرضی سے نکاح کا حق حاصل نہ تھا۔ اگر کسی عورت کو طلاق مل جاتی تب بھی وہ اپنی مرضی سے نکاح نہیں کرسکتی تھی۔ قرآن مجید میں اس حوالے سے ارشاد ہے:

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (البقرۃ:232)

ترجمہ: ''(طلاق کے بعد) اپنی عورتوں کو نہ روکو کہ وہ شوہر والی سے نکاح کرسکیں۔''

### (۲) حرمتِ نکاح کا حق

زمانۂ جاہلیت میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا سوتیلی ماں سے نکاح کرسکتا تھا۔ اِسی طرح بہت سارے رشتوں میں تمیز نہیں تھی جب کہ اسلام نے اس حوالے سے سورۃ النساء میں واضح قوانین بیان کیے۔

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ الخ (النسا:23)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں حرام کردی ہیں۔''
(اسی طرح اسی آیت میں اور بھی رشتے ہیں)

### (۳) خیارِ بلوغ کا حق

نابالغ لڑکی کا ولی (Guardian) اُس کا نکاح کردے تو لڑکی کے پاس بالغ ہونے کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو وہ پہلے نکاح کو بحال رکھے اور چاہے تو ختم کردے۔ اسلام نے خواتین کو سب سے پہلے خیار بلوغ کا حق دیا۔

### (۴) مہر کا حق

زمانۂ جاہلیت میں مہر ملکیت کی صورت میں رائج نہ تھا۔ اسلام نے اس حوالے سے ارشاد فرمایا کہ تم بہت مال بھی دے چکو تو واپس نہ لو۔

ترجمہ: ''اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اُسے ڈھیروں مہر دے چکے ہو تب بھی اس سے نہ لو۔'' (________)

### (۵) نان ونفقے کا حق

اسلام نے مردوں کو عورتوں کا کفیل بنایا۔ عورتوں کے نان و نفقے کی ذمہ داری مردوں پر ہے۔ اِس حوالے سے سورۃ النسا میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (النساء:34)

ترجمہ: ''مرد عورتوں پر محافظ اور منتظم ہیں......''

### (۶) خلع کا حق

اگر مرد سے نباہ نہ ہوسکے تو عورت کے پاس خلع کا حق ہے۔ اگر وہ قاضی یا جج کے پاس جاکر کیس دائر کرے تو اسے خلع مل جائے گا۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرۃ:229)

ترجمہ: ''اور ان (مرد اور عورت) پر کوئی حرج نہیں کہ بیوی کچھ بدلہ دے کر آزادی حاصل کرے۔''

### (۷) مہر کا حق

مباشرت سے قبل طلاق ہونے کی صورت میں مہر نصف ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اگر تم انھیں چھونے سے قبل طلاق دو اور ان کے لیے مہر مقرر کیا ہو تو مقرر کیے ہوئے مہر کا آدھا ادا کرو۔ (البقرہ:237)

### (۸) میراث کا حق

میراث کا حق اسلام کی بہت بڑی خوبی ہے۔ رشتے کے لحاظ سے خواتین کا وراثت میں حق ملکیت بیٹی کی حیثیت سے، بہن کی حیثیت سے اور بیوی اور ماں کی حیثیت غرض ہر حیثیت میں اس کے حق کو محفوظ رکھا گیا ہے۔

## 4- عورت کے سیاسی حقوق

اسلام سے قبل عورت کے عائلی حقوق اُسے نہیں ملتے تھے۔ سیاسی حقوق کا تو تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ ذیل میں چند اہم سیاسی حقوق کو ملاحظہ کیجیے:

### (۱) رائے دہی کا حق

''برطانیہ کے House of Commons نے 1918ء میں عورت کو ووٹ کا حق دیا۔ امریکہ میں 1920ء کے بعد انیسویں آئینی ترمیم میں عورت کو ووٹ کا حق ملا۔ فرانس میں 1944ء میں جب کہ نیوزی لینڈ میں سب سے پہلے 1893ء میں خواتین کو ووٹ کا حق دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت مبارکہ سے عورت کے حق رائے دہی کو قانونی بنیاد فراہم کی۔''

''آپ ﷺ کی سنت پر خلافت راشدہ میں ایسے عمل ہوا کہ حضرت عمرؓ نے جب چھ صحابہؓ کی کمیٹی بنائی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو الیکشن کمشنر بنایا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مدینہ کے گھر گھر جا کر خواتین سے رائے لی۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں ووٹ دیا۔''

### (۲) مقننہ میں نمائندگی کا حق

حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ میں خواتین کو بھی نمائندگی حاصل تھی۔ ایک موقع پر جب آپؓ نے عورتوں کے مہر کی مقدار متعین کرنے پر رائے لی تو مجلس شوریٰ میں ایک عورت اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہا کہ یہ آپ کو اختیار نہیں کہ آپ مہر کی مقدار متعین کریں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا (النساء:20) (اور اگر تم اُنھیں بہت سارا مال بھی دے چکے ہو تو واپس نہ لو) اس پر آپ نے اپنی تجویز واپس لے لی۔

### (۳) سفارتی مناصب پر فائز ہونے کا حق

حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں 28ھ میں حضرت اُم کلثوم بنت علیؓ کو ملکہ روم کے دربار میں سفارتی مشن پر بھیجا۔ اُن کے استقبال کے لیے ہرقل کی زوجہ آئی اور اُس نے روم کی خواتین کو جمع کیا اور کہا یہ تحفۂ عرب کے بادشاہ کی بیوی اور اُن کے نبی ﷺ کی بیٹی لے کر آئی ہیں۔ اس طرح آپ نے سفارتی مناصب پر عورتوں کی تقرری کی نظیر قائم فرمائی۔ (تلخیص: اسلام میں انسانی حقوق: ص443 تا 445)

## 5- مسلمان عورت کے فرائض

مسلمان عورت کے فرائض کیا ہیں، اِس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ:228)

ترجمہ: ''عورتوں کے لیے اسی طرح کا حق ہے جیسے ان پر فرض ہے، معروف طریقے سے۔''

عورت پر فرض ہے کہ مرد کی عدم موجودگی میں اس کے گھر کی حفاظت کرے، پردہ کرے، غیر محرم مردوں کے ساتھ بغیر ضرورت گفتگو نہ کرے، جسم فروشی نہ کرے، شرم گاہوں کی حفاظت کرے، فیشن شوز، ماڈلنگ وغیرہ جیسے اخلاق باختہ پروگرامز میں شرکت نہ کرے، بچوں کو قتل نہ کرے۔ اِسی طرح جن چیزوں پر رسول اللہ ﷺ بیعت لیتے تھے جیسا کہ سورۃ الممتحنہ میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْــًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ (الایۃ) (الممتحنہ:12)

ترجمہ: ''اے نبی (ﷺ)! جب آپ ﷺ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں، آپ ﷺ ان سے بیعت لیں اس پر کہ وہ اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور نہ کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی۔''

عورت کے فرائض کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں:

''مذہبی معاملات میں اس کا اولین فرض اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنا ہے اور یہی فرض مرد کا بھی ہے اور یہی آخرت میں نجات کا واحد راستہ ہے۔ یہ بات سب کے علم میں ہے کہ اسلام نے کسی کو بھی جبراً دین میں داخل کرنے کی باضابطہ ممانعت کی ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ کسی مسلمان کی غیر مسلم بیوی کو اپنے مذہب پر کاربند رہنے اور اس کے مطابق عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ جب کہ یہ بات بھی سب کے علم میں ہے کہ مسلمان کی زندگی ایک کڑے نظم وضبط کی متقاضی ہوتی ہے جس میں ارتداد قابل سزا جرم ہے تاہم خلافت راشدہ کے دوران ایسی مثالیں ہیں کہ عورتوں کے لیے مرتد ہونے کی سزا مردوں کی نسبت کم ہے۔'' (اسلام کیا ہے؟ص:213)

## (۱) فریضہ نماز و روزہ اور عورت

جہاں تک عبادات کا تعلق ہے نماز مرد و عورت پر یکساں فرض ہے مگر چند رعایتوں کے ساتھ۔ ماہانہ ایام (پیریڈز) میں عورت کو نماز کی ادائیگی سے استثنا حاصل ہے جب کہ نماز جمعہ مرد پر فرض اور عورت کے لیے اختیاری ہے کہ چاہے تو مسجد میں جا کر ادا کرے اور چاہے تو گھر کے اندر نماز ادا کرے۔ رمضان کے روزوں میں بھی اس پر بوجھ کم رکھا گیا ہے کہ ماہانہ پیریڈز اور بچے کی پیدائش کے دنوں میں اسے روزے مؤخر دینے کی اجازت ہے کہ معمول کے ایام میں وہ ان کی قضا ادا کر سکتی ہے۔ فریضہ حج کے بعض ارکان میں بھی اسے مخصوص نسوانی وجوہ کی بنیاد پر استثنا حاصل ہے۔ مختصراً یہ کہ اسلام عورت کے حوالے سے لچک دار اور نرم رویہ ظاہر کرتا ہے۔

## (۲) فریضہ زکوٰۃ اور عورت

اسلام کے چار بنیادی ارکان میں سے آخری یعنی ادائیگی زکوٰۃ میں دونوں برابر ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اسلام دولت کی مسلسل گردش کی حوصلہ افزائی اور جمع کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے حالانکہ جمع شدہ دولت پر ٹیکس (زکوٰۃ) کا فائدہ بھی ہے مگر وہ سرمایہ کی گردش کے حق میں ہے تا کہ اس میں اضافہ ہو اور لوگوں کو روزگار کے زیادہ مواقع حاصل ہوں تاہم عورت کے لیے نرم گوشے کا اظہار کے طور پر اور اس کے شوق کی تسکین کے لیے اسے سونے کی شکل میں سرمایہ جمع کرنے کی اجازت دی ہے۔

## (۳) سماجی ذمہ داریاں اور عورت

کچھ سماجی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ قومی دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے ارتکاز دولت کا باعث بننے والے حربوں کی ممانعت کر دی گئی ہے مثلاً سود اور جوا وغیرہ۔ اس حوالے سے مسلمان عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں اور ان پابندیوں کا اطلاق دونوں پر ایک جیسا ہوگا۔ لاٹریاں اور ریس وغیرہ شرطیں لگانا معاشرے کے اقتصادی توازن کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے یہ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ممنوع ہیں۔

### (۴) فریضہ شادی اور عورت

شادی کے لیے ہمیشہ اس فرد کا انتخاب کیا جاتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے مگر مردوں کی دنیا میں محبت کی تاریخ اتنی خوشگوار نہیں۔ محبت کا آغاز خصوصاً نوجوانوں میں بہت پرجوش انداز میں ہوتا ہے۔ ایک میٹھی آواز، دلفریب مسکراہٹ، خوبصورت آنکھیں، چاند رنگت، بل کھاتے بالوں کی چوٹی، نوجوان کھنچے چلے جاتے ہیں مگر بہت جلد محبت کا یہ بھوت اتر جاتا ہے۔ کامیاب ازدواجی زندگی کا نسخہ یہ نہیں بلکہ اور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں ہمیں بہت قیمتی مشورہ دیا ہے:

> ''خوب صورتی کی خاطر شادی مت کرو، شائد خوب صورتی اخلاقی گراوٹ کی وجہ نہ بن جائے۔ دولت کے لیے شادی نہ کرو کہ ممکن ہے یہ (بیوی کی) نافرمانی کی وجہ بن جائے، بلکہ دین سے تعلق کی بناء پر شادی کرو۔'' (یعنی بیوی کے طور پر ایسی عورت کا انتخاب کرو جس کی وابستگی دین اسلام سے مسلمہ ہو۔) (ابن ماجہ، حدیث 1859)

چوں کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کو ایک نظم کے تحت لے آتا ہے اس لیے جو (عورت) دین اسلام کی سچے دل سے پیروکار ہو گی وہ گھر کو امن اور راحت کا گہوارہ بنا دے گی۔

### (۵) فریضہ اخلاق اور عورت

ایک بہت جامع فرض اخلاقیات کا ہے۔ اسلام برائی کے سرچشموں کو ہدف بنانے کا حامی ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے بعض اقدامات بطور قانون لاگو کر دیے جب کہ بعض اعمال کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کیا اور بعض کی حوصلہ افزائی کی جن کے اثرات بعض اوقات حیران کن ہوتے ہیں۔

### (۶) بدکاری سے اجتناب اور عورت

زنا اور بدکاری کو تمام مذاہب جرم قرار دیتے ہیں مگر اسلام اس سے آگے جا کر ایسے اقدامات تجویز کرتا ہے جن سے اس کی ترغیب کے مواقع کم سے کم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تصور کر لینا یا امید رکھنا بہت آسان ہے کہ ہر کوئی اپنے اندر اخلاقی جذبہ اتنا قوی کرے کہ اس میں ترغیب کی مزاحمت کی قوت پیدا ہو جائے، لیکن بہترین حکمت یہ ہے کہ ایسے مواقع ہی نہ پیدا ہونے دیے جائیں جن میں کمزور کردار کے انسان جن کی معاشرے میں اکثریت ہے ایک ایسی جنگ میں الجھ جائیں جس میں ہارنا ضروری ہوتا ہے۔

### (۷) نشہ آور اشیا سے اجتناب اور عورت

اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ''لامتناعی تباہی اور بدنصیبی کا ایک اور ذریعہ نشہ آور اشیا ہیں اور یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان خبائث سے اجتناب کرے۔ قرآن نے اسے کار شیطان قرار دیا ہے۔ صحت، معاش اور اخلاق پر مرتب ہونے والے بداثرات کے علاوہ بھی نشہ آور اشیاء کے بہت سے نقصانات ہیں جو سب کو معلوم ہیں۔ شراب کے عورتوں پر اثرات خاص طور پر دوررس ہیں۔ عورت اپنے بچے کو پیٹ میں خون سے پالتی ہے اور بعد از پیدائش اسے دودھ پلاتی ہے اور اس طرح اس کی صحت اور بیماری کے اثرات براہ راست بچے کو منتقل ہوتے ہیں گویا وہ اس حوالے سے اچھائی یا برائی نئی نسل کو اور انسانیت کے مستقبل کو منتقل کر رہی ہے۔'' (اسلام کیا ہے؟ ص:221)

## 6- مسلمان عورت کا دائرہ کار

عورت کے دائرہ کار کے حوالے سے چند ضروری امور کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

عورت کو گھر کی ملکہ بنایا گیا ہے۔ مال کمانے کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہے اور اس مال سے گھر کا انتظام کرنا اس کا کام ہے۔ اِرشادِ رسول ﷺ ہے:

**المراۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وھو مسئولۃ۔** (بخاری)

''عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے۔''

اسے ایسے تمام فرائض سے الگ کیا گیا ہے جن کا تعلق گھر کی چار دیواری سے باہر ہے جیسے:

- اس پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ (ابوداؤد)
- اس پر جہاد بھی فرض نہیں، اگر چہ بوقتِ ضرورت وہ مجاہدین کی خدمت کے لیے جا سکتی ہے۔
- اس کے لیے جنازوں کی شرکت بھی ضروری نہیں، بلکہ اس سے روکا گیا ہے۔ (بخاری)
- اس پر نماز باجماعت اور مسجدوں کی حاضری بھی لازم نہیں کی گئی۔ اگر چہ چند پابندیوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت ضرور دی گئی ہے، لیکن اسے پسند نہیں کیا گیا۔
- اسے محرم کے بغیر سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ (ترمذی)

غرض ہر طریقہ سے عورت کے گھر سے نکلنے کو ناپسند کیا گیا ہے اور اس کے لیے قانونِ اسلامی میں پسندیدہ صورت یہی ہے کہ وہ گھر میں رہے، جیسا کہ آیت وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ (الاحزاب: 23) کا صاف منشا ہے لیکن اس باب میں زیادہ سختی اس لیے نہیں کی گئی کہ بعض حالات میں عورتوں کے لیے گھر سے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے خاندان کی غربت، بیماری، معذوری یا اور ایسے ہی وجوہ سے عورت باہر کام کرنے پر مجبور ہو جائے۔ ایسی تمام صورتوں کے لیے قانون میں کافی گنجائش رکھی گئی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

**قد اذن اللہ لکن ان تخرجن لحوائجکن۔** (بخاری)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے تمھیں اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے گھر سے نکل سکتی ہو۔''

گھر سے باہر نکلنے کے حوالے سے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''مگر اس قسم کی اجازت جو محض حالات اور ضروریات کی رعایت سے دی گئی ہے، اسلامی نظامِ معاشرت کے اس قاعدے میں ترمیم نہیں کرتی کہ عورت کا دائرہ عمل اس کا گھر ہے۔ یہ تو محض ایک وسعت اور رخصت ہے اور اسے اسی حیثیت میں رہنا چاہیے۔''

**(پردہ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ص192۔194)**

## 7- پردہ کے احکامات

پردہ کے حوالے سے سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ** ؕ (الاحزاب: 59)

ترجمہ: ''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں یہ پردہ اُن کی شناخت کے لیے بہت قریب ہے۔''

سورۃ الاحزاب میں یہ بھی ارشاد موجود ہے:

ترجمہ: ''اور جب ان سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے (مانگو)۔'' (الاحزاب: 53)

پہلی آیت میں حجاب کا لفظ ہے۔اس حوالے سے مفسر قرآن غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں:

''حجاب سے مراد وہ وسیع وعریض چادر ہے جس سے عورت تمام جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔'' (تبیان القرآن: ج9،ص558)

مسلمان عورتیں سخت پریشانی کے عالم میں بھی حجاب کا اہتمام کرتی تھیں۔اس حوالے سے سنن ابوداؤد میں حدیث پاک ہے:

''ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی۔وہ نقاب میں تھی۔اُس کا بیٹا شہید ہو گیا تھا، وہ اُس کے متعلق پوچھنے آئی تھی۔بعض صحابہ کرامؓ نے اُن سے کہا کہ تم اپنے بیٹے کے متعلق پوچھ رہی ہو اور اس حال میں بھی تم نے نقاب پہنی ہوئی ہے۔اُنھوں نے کہا کہ میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے، اپنی حیا نہیں۔''

## (الف) حجاب اور ستر میں فرق

اس کے ساتھ یہ پیشِ نظر رہے کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے۔ستر فرض ہے جس کے تحت عورت کے لیے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا سارے جسم کا ڈھانپنا لازم ہے جب کہ چہرے اور ہتھیلیوں کا ڈھانپنا حجاب میں سے ہے۔آج کل خواتین جو نقاب لیتی ہیں وہ علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے جسے سکارف یا سٹالر بھی کہا جاتا ہے جب کہ باقی جسم کسی اور چادر یا قمیص سے ڈھانپا گیا ہوتا ہے۔عہدِ رسالت ﷺ میں خواتین ایک بڑی چادر لیتی تھی جس سے سر کے بال، چہرہ اور جسم ڈھانپا جاتا تھا۔گاؤں کے اندر بہت ساری خواتین تقریباً ایک بڑی چادر ہی لیتی ہیں۔شہروں میں اس طرح بڑی چادر کا لینا گاؤں کی نسبت کم ہے۔ستر کے لیے خاص طرح کی چادر ضروری نہیں، بس یہ ضروری ہے کہ شریعت نے بدن کے جتنے حصے کو چھپانا ضروری قرار دیا ہے وہ اس سے چھپ جائے اور بہت باریک چادر نہ ہو جس سے جسم نظر آئے۔

## (ب) احکامِ پردہ پر بے عملی اور اصلاح کے طریقے

خواتین کی غالب اکثریت کا پردہ کے احکامات پر عمل نہ کرنا اور اصلاح کے طریقوں کے حوالے سے درج ذیل نکات اہم ہیں:

- **دینی علوم سے عدم واقفیت**

مسلم معاشرے میں خواتین کی دینی تعلیم کا بندوبست جس اعلیٰ درجے پر کیا جانا چاہیے تھا اس میں کمی رہی، ہاں دینی تعلیم کے حوالے سے اب کافی ادارے کام کر رہے ہیں۔اس سے ان شاء اللہ صورت حال بہتر ہو گی۔

- **میڈیا کی یلغار**

عصر حاضر میں میڈیا کی اہمیت مسلم ہے۔میڈیا Trend-setter ہے۔اگر میڈیا پر ہر وقت بدن کی نمائش ہوتی رہے گی تو یقیناً اس کا اثر معاشرتی زندگی میں بھی نظر آئے گا۔علامہ نے درست فرمایا تھا:

؎ بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر

- **خواہشاتِ نفس کی پیروی**

انسانی نفس کی لذتوں سے چھٹکارا بہت آسان نہیں۔نفس طرح طرح سے انسان کو فریب زدہ کرتا ہے۔جیسے ایک مرد کے لیے خواہش نفس سے آزاد ہونا ممکن نہیں اِسی طرح عورت کے لیے بھی۔

○ مسلمانوں کا اجتماعی اخلاقی زوال

مسلمان انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر اخلاقی اعتبار سے زوال کا شکار ہیں۔ دین جن اعلیٰ اقدار کے لیے انسان کو تیار کرتا ہے وہ اقدار آہستہ آہستہ مفقود ہوتی جا رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے مرد و زن دونوں پردے کی اہمیت کے حوالے سے اپنی حساسیت کو برقرار نہیں رکھ سکے۔

○ ریاکاری

حسن اور دولت دونوں اظہار چاہتے ہیں۔ خواتین کی جبلت یہی ہے کہ نمائش حسن کو پسند کرتی ہیں۔ اِس جبلت کو اعتدال میں دین کی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے ہی رکھا جا سکتا ہے۔

○ جواب دہی کے احساس کا فقدان

مرد و زن دونوں نے ایک دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ اگر یہ احساس باقی رہے گا تو دینی تعلیمات پر عمل کرنا آسان ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے عورت کے حوالے سے درست فرمایا تھا:

؎ وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں

(عورت کی عزت ستاروں سے بڑھ کر ہے۔ اِس دنیا میں جو عظمت نظر آتی ہے وہ عورت کی ڈبیا کا چھپا ہوا موتی ہے۔)

؎ مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اِسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

## 8- حقوق نسواں کی موجودہ تحریک اور عورت کے حقوق

مغرب میں عورتوں کے حوالے سے جو تحاریک پیدا ہوئیں تو ان کا ایک خاص سماجی پس منظر ہے۔ قدیم زمانے میں مشرق اور مغرب عورتوں پر ظلم کے حوالے سے برابر تھے۔ ہندوستان کے معاشرے میں عورت کو مرد کے مرنے پر ساتھ ''ستی'' کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام کی روشن تعلیمات کے بعد پوری دنیا میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے آگاہی پیدا ہوئی۔ کچھ معاشروں میں اسلام کے عطا کردہ حقوق زیادہ پیمانے پر عورتوں کو حاصل ہوئے اور کچھ معاشروں میں صورت حال ابھی تک خراب ہے۔ مسلمان معاشروں کو مغرب کی طرف نہیں بلکہ اسلام کی طرف دیکھنا چاہیے۔ ذیل میں ہم اپنے سماج کا جائزہ لیتے ہیں جہاں تک ابھی بھی عورتوں کو مسائل کا سامنا ہے:

○ ہمارے سماج میں عورت کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں ایک بڑا مسئلہ غیرت کے نام پر قتل ہے۔ اگرچہ یہ ایک سماجی مسئلہ ہے، جس میں عورت اور مرد دونوں متاثر ہوتے ہیں، مگر یہ مسئلہ براہ راست عورت سے جڑا ہے، جس کا پہلا اور آخری شکار ہمیشہ عورت ہی ہوتی ہے۔

○ دوسرا بڑا مسئلہ جنسی زیادتی ہے۔ ایسی زیادتی کی کئی شکلیں اور روپ ہیں۔ اس جرم کا ارتکاب عورت کے خلاف گھر کی چار دیواری سے لے

کر دفاتر تک مختلف جگہوں پر ہوتا ہے۔اس میں جنسی طور پر ہراساں کرنے سے لے کر ریپ جیسا سنگین جرم شامل ہے۔اس معاملے کو دبا دینا اور عورت کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا یا مجبور کرنا اس جرم کی سنگینی کو بڑھا دیتا ہے۔

- عورت کو مختلف قسم کے ذہنی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنانا بھی ہمارے ہاں عام ہے۔اس طرح ہمارے سماج میں گھریلو تشدد سے لے کر عورتوں کے چہروں پر تیزاب پھینکنے تک جیسے سنگین ترین جرائم عام بات تصور کی جاتی ہے۔
- ہمارے سماج میں جنسی بنیاد پر ناانصافی کے عام مظاہر میں بچیوں کو اولاد نرینہ کے مقابلے میں تعلیم کے کم مواقع میسر ہونا ایک عام ناانصافی ہے۔کم عمری میں زبردستی بچیوں کی شادی کے بندھن میں باندھ دینے کا بھی عام چلن ہے۔مذہب اور ثقافتی روایات میں عورتوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے کافی مواد موجود ہے۔مگر اس مواد کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔دوسری طرف مذہب اور ثقافت کے نام پر عورت کو وراثت سے محروم کرنے میں کوئی دیر نہیں لگائی جاتی۔دوسرے سماجی اور قانونی معاملات میں بھی یہی رویہ اپنایا جاتا ہے۔سماج میں بڑے پیمانے پر سرکاری اور نجی ملازمتوں میں شدید نابرابری اور معاوضے میں وسیع فرق ایک ایسا موضوع ہے،جس پر ابھی بھی کافی کام کرنے کی ضرورت ہے۔

## 9- خلاصۂ بحث

اسلام نے عورتوں کو جان، مال، عزت، تعلیم، صحت اور روزگار کے حوالے سے حقوق عطا کیے ہیں۔ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت میں ان کے مقام کو نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ عملاً بھی عزت دی ہے،لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ ناانصافیاں اور سماجی ناہمواریاں ابھی تک موجود ہیں۔ان ناانصافیوں اور ناہمواریوں کا خاتمہ ضروری ہے۔''گلوریا سٹائنم'' نے کہا تھا''عورت کی مساوات کے لیے جدوجہد کی کہانی کسی ایک نسوانیت پرست یا کسی ایک تنظیم کی کہانی نہیں ہے، یہ ان سب کی اجتماعی کوشش ہے جو انسانی حقوق پر یقین رکھتے ہیں۔''مسلمان بڑے فخر کے ساتھ اس کو بیان کرسکتے ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ کی ذات اقدس ہی انسانی تاریخ میں وہ بے مثل اور بے مثال ذات ہے،جن کے ذریعے سے نہ صرف خواتین کو بلکہ معاشرے کے اندر کمزور اور پسے ہوئے تمام طبقات کو حقوق میسر آئے۔آج ضرورت اِس امر کی ہے کہ سیرتِ طیبہ کے مطالعہ کو عام کیا جائے اور خطبہ حجۃ الوداع کے انسانی حقوق کے چارٹر کو عملاً نافذ کیا جائے۔

# خواتین کا حق وراثت

1- اسلام میں حق وراثت پر ایک تفصیلی شذرہ قلم بند کریں۔ (2017ء)

## اہم نکات

1۔ تعارف
2۔ وراثت کا حق
3۔ والدین کے مال وراثت میں حق
4۔ شوہر کے مال وراثت میں حق
5۔ کلالہ کے مال وراثت میں حق
6۔ کلالہ کی وراثت کے پانچ اصول
7۔ اسلام کے قانون وراثت کی حکمتیں
8۔ خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

قرآن مجید نے لڑکیوں کو حصہ دلانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصہ کو اصل قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتلایا، اور بجائے ''دو لڑکیوں کو ایک لڑکے کے حصہ کے بقدر'' فرمانے کے یوں ارشاد ہوا: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصہ کے بقدر ملے گا۔ جو لوگ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے، اور وہ بادل ناخواستہ شرما شرمی معاف کر دیتی ہیں کہ ملنے والا تو ہے ہی نہیں تو کیوں بھائیوں سے بُرائی لیں، ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی، ان کا حق بھائیوں کے ذمّہ واجب رہتا ہے۔ یہ میراث دبانے والے سخت گناہ گار ہیں، ان میں بعض بچیاں نابالغ بھی ہوتی ہیں۔ ان کو حصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے، ایک گناہ وارث شرعی کے حصہ کو دبانے اور دوسرا یتیم کے مال کو کھانے کا۔

قرآن کریم میں جو حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا طے شدہ حکم ہے، اس میں کسی کو رائے زنی یا کمی بیشی کا کوئی حق نہیں۔ خالق و مالک کا یہ حکم بہترین حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ انسانوں کے نفع کا کوئی پہلو اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہے، اور جو حکم وہ کرتا ہے کسی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ انسانوں کو خود اپنے نفع و نقصان کی حقیقی پہچان نہیں ہو سکتی۔ اگر تقسیم میراث کا مسئلہ انسانوں کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا، تو انسان ضرور اپنی کم فہمی کی وجہ سے صحیح فیصلہ نہ کر پاتے، اور میراث کی تقسیم میں عدل و انصاف کی پوری پوری رعایت ملحوظِ خاطر نہ رکھتے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ عورت کا حصہ کم ہے، مسئلہ یہ ہے کہ جو حصہ اس کے لیے مقرر ہے وہ اُسے دیا نہیں جاتا۔ حکومت کو اس حوالے سے مزید قانون سازی کرنی ہوگی تاکہ حق وراثت کو محفوظ بنایا جا سکے۔ ذیل میں خواتین کے حق وراثت کو ملاحظہ کیجیے:

## 2- وراثت کا حق

اسلام نے عورتیں کو مردوں کے مساوی حقوق عطا کرتے ہوئے وراثت کا حق بھی عطا کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

ترجمہ: ''ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکوں کا حصہ ہے اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ لڑکیوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقررہ ہیں۔'' (النساء: 8-7)

یعنی اُصولی طور پر لڑکا اور لڑکی دونوں وراثت میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے کے حق دار ہیں اور کوئی شخص انہیں ان کے اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔

## 3- والدین کے مال وراثت میں حق

قرآن حکیم نے اولاد کے حق وراثت کا تعین کرتے ہوئے بھی خواتین کا حق وراثت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے:

''تمھاری اولاد سے متعلق اللہ کا یہ تاکیدی حکم ہے کہ ترکے میں لڑکے کے لئے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔ اگر اکیلی لڑکی ہو تو اُسے آدھا ترکہ ملے گا اور (میت کے) ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ وہ اپنے پیچھے اولاد بھی چھوڑے، اگر اُس کے کوئی اولاد نہ ہو اور وارث ماں باپ ہی ہوں تو ماں کے لئے ایک تہائی (ماں باپ کے ساتھ) بھائی بہن بھی ہوں تو اُس کی ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔'' (النساء: 11)

اس آیہ مبارکہ میں یہ امر قابلِ غور ہے کہ تقسیم کی اکائی لڑکی کا حصہ قرار دیا گیا ہے، یعنی سب کے حصے لڑکی کے حصے سے گنے جائیں گے۔ گویا تمام تقسیم اس محور کے گرد گھومے گی۔ جاہلیت میں لڑکیوں کو ترکے میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ اکثر دوسرے مذاہب میں اب بھی ہے لیکن اسلام کی نظر میں لڑکی کو ترکے کا حصہ دینا کتنا ضروری ہے، وہ اس سے ظاہر ہے کہ پہلے تو تقسیم وراثت کی عمارت کی بنیاد ہی لڑکی کے حصے پر رکھی پھر یوصیکم اللہ کہہ کر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نہایت تاکیدی حکم ہے۔ اس آیت مبارکہ سے تقسیم کے یہ اصول معلوم ہوئے:

(۱) اگر اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ایک لڑکے کو ایک لڑکی سے دگنا ملے گا و راسی اصول پر سب ترکہ لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم ہوگا، صرف لڑکوں کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

(۲) اگر اولاد میں لڑکا کوئی نہ ہو اور دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو ان کو بھی دو تہائی ہی ملے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے عمل مبارک سے ان معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ ایک صحابی ''سعد بن ربیع'' غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ اُنھوں نے اولاد میں صرف دو لڑکیاں چھوڑ دیں۔ سعد کے بھائی نے سارے ترکے پر قبضہ کر لیا اور لڑکیوں کو کچھ نہ دیا۔ اس پر سعد کی بیوہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ سعد کی دو لڑکیاں موجود ہیں، لیکن ان کے چچا نے انھیں ان کے باپ کے ترکے میں سے ایک جبہ بھی نہیں دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے سعد کے بھائی کو بلوایا اور اسے حکم دیا کہ مرحوم کی دونوں بیٹیوں کو اس کے ترکے میں سے دو تہائی اور بیوہ کو آٹھواں حصہ دے دو اور بقیہ خود رکھ لو۔ (السنن ترمذی، حدیث نمبر 2092)

(۳) اگر اولاد میں صرف ایک لڑکی ہو تو اسے ترکے کا نصف ملے گا اور باقی نصف دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہو گا۔

(۴) اگر اولاد کے ساتھ میت کے ماں باپ بھی زندہ ہوں تو پہلے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی دو تہائی مندرجہ بالا شرح سے اولاد کو ملے گا۔

(۵) اگر مُتوَفّی (مرنے والا) کے اولاد کوئی نہ ہو، صرف ماں باپ ہوں، تو اس صورت میں ترکے کا تہائی ماں کو اور باقی باپ کو ملے گا۔

(٦) آخری صورت یہ بیان کی کہ اگر متوفی کے ورثا میں ماں باپ کے ساتھ بھائی بہن بھی ہوں، تو ماں کا حصہ چھٹا ہو گا۔

ممکن تھا کہ کوئی شخص ماں باپ کو اولاد کا وارث قرار دینے پر اعتراض کرتا، کیونکہ اس سے پہلے دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اولاد ہی وارث قرار دی گئی تھی۔ اس لیے فرمایا:

ترجمہ: ''تمھارے باپ دادا (بھی ہیں) اور اولاد بھی، لیکن تم نہیں جانتے کہ ان میں سے نفع رسانی کے لحاظ سے کون تمھارے زیادہ قریب ہے۔ (یہ حصے) اللہ نے مقرر کیے ہیں۔ بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔'' (النساء:11)

یعنی یہ اعتراض کہ باپ دادا کیوں وارث بنائے گئے نادانی کی بات ہے۔ اس حکم کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ انسان کے لیے اوپر کے رشتے دار زیادہ اچھے ہیں یا نیچے کے۔ ہماری فلاح اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے میں ہی مضمر ہے۔

## 4- شوہر کے مال وراثت میں حق

قرآن حکیم نے شوہر یا بیوی میں سے کسی کے بھی انتقال کی صورت میں اس کے مال وراثت میں سے دوسرے فریق کا حصہ تفصیلاً بیان کیا ہے۔ بیوی کے انتقال کی صورت میں خاوند کا حصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''تمھاری بیویوں کے ترکے میں سے تمھارے لیے نصف ہے، اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کے اولاد ہو تو تمھارے لیے اُنھوں نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس کا ایک چوتھائی ہے (یہ تقسیم) ان کی وصیت (کی تعمیل) اور ان کے قرض (کی ادائیگی) کے بعد ہو گی۔'' (النساء:12)

اور شوہر کی وفات کی صورت میں بتایا:

''اور تمھارے ترکے میں سے تمھاری بیویوں کا ایک چوتھائی حصہ ہے۔ اگر تمھارے کوئی اولاد نہیں۔ اگر تمھاری اولاد بھی ہو، تو تمھارے ترکے میں سے ان کا حصہ آٹھواں ہے۔ (یہ تقسیم) تمھاری وصیت کی تعمیل اور تمھارے قرض (کی ادائیگی) کے بعد ہو گی۔'' (النساء:12)

## 5- کلالہ کے مال وراثت میں حق

کلالہ اس میت کو کہتے ہیں جس کے والدین ہوں نہ اولاد۔ ایسی عورت یا مرد فوت ہو جائے اور اس کے پیچھے نہ اس کا باپ ہو، نہ بیٹا، تو اس کی جائداد کی تقسیم کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

(الف) اعیانی یعنی سگے بھائی بہن ہوں۔

(ب) علاتی بھائی بہن ہوں، یعنی باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہوں۔

(ج) اخیافی بھائی بہن ہوں، ماں ایک اور باپ علیحدہ علیحدہ ہوں۔

ان تینوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

**(الف) اگر پہلی صورت یعنی سگے بھائی بہن موجود ہیں تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے:**

ترجمہ: ''لوگ آپ سے فتویٰ (یعنی شرعی حکم) دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ اللہ تمھیں (بغیر اولاد اور بغیر والدین کے فوت ہونے والے) کلالہ (کی وراثت) کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جو بے اولاد ہو مگر اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے اس (مال) کا آدھا (حصہ) ہے جو اس نے چھوڑا ہے اور (اگر اس کے برعکس بہن کلالہ ہو تو اس کے مرنے کی صورت میں اس کا) بھائی اس (بہن) کا وارث (کامل) ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو۔''

ظاہر ہے کہ اگر بہنیں دو سے زیادہ ہوں تو وہ سب اس دو تہائی میں برابر کی شریک ہوں گی۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ علاتی بھائی بہن ہوں، یعنی باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں تو اس صورت میں حکم دیا:

ترجمہ: ''اور اگر بہت سے بھائی بہن ہوں تو پھر (تقسیم یوں ہوگی کہ) ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔'' (النساء:176)

یعنی جیسے اولاد کے درمیان ترکے کی تقسیم کا اُصول ہے......ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر......وہی یہاں بھی استعمال ہوگا۔

(ج) تیسری اور آخری صورت یہ ہے کہ اخیافی بھائی بہن ہوں یعنی عورت نے ایک خاوند کی وفات کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور دونوں سے اولاد ہو۔ اگر ان میں سے کوئی مر جائے اور کلالہ ہو تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ کوئی اولاد اور اس کا ماں کی طرف سے ایک بھائی یا ایک بہن ہو (یعنی اخیافی بھائی یا بہن) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے پھر اگر وہ بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (یہ تقسیم بھی) اس وصیت کے بعد (ہوگی) جو (وارثوں کو) نقصان پہنچائے بغیر کی گئی ہو یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد۔'' (النساء:12)

## 6- کلالہ کی وراثت کے پانچ اصول

یعنی کلالہ کی وراثت کی تقسیم کے احکام میں بھی عورت کو حقِ وراثت کا مستحق قرار دیا گیا اور اس کے واضح احکام بیان کیے گئے جن کا خلاصہ ہم درج ذیل پانچ اُصولوں میں بیان کر سکتے ہیں:

(الف) جہاں صرف اولاد ہو، اور کوئی دوسرا وارث نہ ہو، اور اولاد میں بھی تمام لڑکے ہوں، تو ترکہ ان لڑکوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہوگا۔ لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا، اور اسی اُصول پر تمام ترکہ تقسیم ہوگا۔ اگر لڑکا کوئی نہ ہو، صرف ایک لڑکی ہو، تو اسے ترکے کا نصف ملے گا، اور اگر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں، تو اُنھیں دو تہائی ملے گا۔

(ب) جہاں اولاد ہو یا نہ ہو، لیکن ماں باپ موجود ہوں۔ اگر اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ اور باقی اولاد میں نمبر (ا) کے اُصول پر تقسیم ہوگا۔ اگر اولاد نہ ہو تو ماں کو ایک تہائی اور باقی دو تہائی باپ کو۔

(ج) اولاد نہ ہو، لیکن بھائی بہن ہوں تو ماں کو ایک تہائی کی جگہ چھٹا حصہ ملے گا۔ یہاں پھر اختلاف ہے کہ ان بھائی بہنوں کو کتنا ملے گا۔ بعض کے نزدیک ماں کو ایک چھٹا حصہ ملے گا، دوسرا چھٹا ان بھائی بہنوں میں تقسیم ہوگا، اور باپ کو حسب سابق بقیہ دو تہائی۔ بعض کے نزدیک یہاں بھی کلالہ کا اُصول جاری ہوگا، یعنی اگر ایک بھائی ایک بہن ہے، تو اسے چھٹا حصہ، ماں کو چھٹا حصہ، اور باپ کو دو تہائی۔ اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کو ایک تہائی، ماں کو چھٹا حصہ اور باقی نصف باپ کو۔

(د) زوجین (میاں بیوی) کی صورت میں، اگر بیوی اولاد چھوڑ کر مرے تو خاوند کو ترکے کا چوتھائی اور باقی تین چوتھائی اولاد میں نمبر (الف) کے اُصول پر تقسیم ہوگا۔ اگر اولاد نہ ہو، تو خاوند کو نصف اور بقیہ دوسرے رشتے داروں کو اُوپر کے قواعد کی رو سے۔ اگر خاوند اولاد چھوڑ کر مرے تو بیوی کا آٹھواں حصہ ہے۔ اگر اولاد نہ ہو، تو چوتھا اور بقیہ ترکہ دوسرے رشتہ داروں میں تقسیم ہوگا۔

(ھ) کلالہ جہاں اعیانی یا علاتی یا اخیافی بھائی بہن ہوں جیسے کہ اُوپر بیان ہوا۔ تقسیم میں یہ ترتیب مدنظر رکھی جائے گی۔ سب سے پہلے خاوند یا بیوی کو حصہ ملے گا، پھر والدین کو اور پھر اولاد کو۔ اگر اولاد نہ ہو یا اولاد یا والدین دونوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو، تو سب سے آخر میں بھائی بہن حق دار ہوں گے۔

## 7- اسلام کے قانون وراثت کی حکمتیں

اسلام کے قانون وراثت کا سرسری اور سطحی مطالعہ کرنے والوں کو یہ مغالطہ لگتا ہے کہ عورت کا مرتبہ مرد سے کم تر ہے۔ یہ مغالطہ قرآن حکیم کی درج ذیل آیت مبارکہ کی حکمت صحیح طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے:

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ (النساء:11)

ترجمہ: ''ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔''

تاہم اسلام کے قانون وراثت کو گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس مغالطہ کی نفی ہو جاتی ہے۔ اسلام کا قانون وراثت عورت کے حق کی تنصیف (نصف) یا تخفیف (کمی) نہیں بلکہ حُسنِ معاشرت و معیشت کے قیام کے تصور پر مبنی ہے۔ اسلام کا قانون وراثت عورت کے تقدس و عظمت کی پاسبانی کرنے والی درج ذیل حکمتوں پر مشتمل ہے:

### (۱) عورت کا حصہ تقسیم وراثت کی اکائی ہے

متذکرہ بالا آیت مبارکہ کے الفاظ پر غور تقسیم میراث کے بنیادی پیمانے کو واضح کرتا ہے۔ یہاں مرد و عورت کا حصہ وراثت بیان کرتے ہوئے عورت کے حصے کو اکائی قرار دیا گیا کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصوں کے برابر ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ایک عورت کا حصہ مرد کے نصف حصہ کے برابر ہے۔ بلکہ تقسیم میراث کے نظام میں عورت کے حصہ کو اساس اور بنیاد بنایا گیا اور پھر تمام حصوں کے تعین کے لیے اسے اکائی بنایا گیا۔ گویا میراث کی تقسیم کا سارا نظام عورت ہی کے حصہ کی اکائی کے گرد گھومتا ہے جو درحقیقت عورت کی تکریم و وقار کے اعلان کا مظہر ہے۔

### (۲) مرد و عورت کی حقِ وراثت میں برابری

اسلام کے قانون وراثت میں جن رشتہ داروں کو وارث قرار دیا گیا ہے وہ تین اقسام پر مشتمل ہیں:

۱۔ ذَوِي الْفُرُوض    ۲۔ عَصَبَات    ۳۔ ذَوِي الْأَرْحَام

ذوی الفروض وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے مقرر کر دیے گئے ہیں اور ان کے متعلق قرآنِ حکیم یا احادیث مبارکہ میں واضح احکام موجود ہیں۔ ترکہ کی تقسیم کا آغاز ذوی الفروض سے ہوتا ہے یعنی ترکہ میں سے پہلے ذوی الفروض'' کو حصہ ملے گا۔ اِس کے بعد عصبات اور پھر ذوی الارحام کو۔ ذوی الفروض درج ذیل مردوں اور عورتوں پر مشتمل ہیں:

ذوی الفروض مرد:

۱۔ شوہر    ۲۔ باپ    ۳۔ اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی
۴۔ جد صحیح (Real grand father)

ذوی الفروض عورتیں:

۱۔ بیوی    ۲۔ ماں    ۳۔ بیٹی    ۴۔ پوتی    ۵۔ سگی بہن
۶۔ علاتی (ماں کی طرف سے) بھائی    ۷۔ اخیافی بہن    ۸۔ جدہ صحیحہ (Real grandmother)

ذوی الفروض کا چار مردوں اور آٹھ عورتوں پر مشتمل ہونا مردوں اور عورتوں کی نفس وراثت میں مساوی شرکت کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ ذوی الفروض میں مردوں کی تعداد سے دوگنا عورتیں شامل کی گئیں اور ان خواتین میں کچھ ایسی بھی ہیں جو شاید براہ راست **متوفی** (مرنے والا) کی شرعی کفالت میں نہ آتی ہوں اس کے باوجود یہاں زیادہ عورتوں کو Accommodate کیا گیا۔ اس طرح فی الحقیقت تقسیم وراثت میں عورت اور مرد برابر ہو گئے یعنی قانونِ الٰہی میں عورت کو کسی طور بھی مرد سے کم درجہ نہیں گردانا گیا بلکہ مرد اور عورت کے حصہ وراثت کا "**لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ**" کے قانون کے تحت تعین در اصل ان پر عائد ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مناسب معاشی انتظام کا درجہ رکھتا ہے۔

## (۳) مرد و عورت کے مساوی حصہ کی نظیر

معاشرے میں بعض مرد و عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر عمر رسیدگی یا کسی اور سبب سے مالی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں رہتا یا کم از کم مرد پر عام حالات کی طرح عورت کے مقابلے میں زیادہ بوجھ نہیں ہوتا، یعنی وہ دونوں یکساں مالی ذمہ داریوں کے حامل ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام اس وقت آتا ہے جب مرنے والے کے والدین زندہ ہوں اور اس متوفی کی اولاد بھی ہو، جب اس صاحب اولاد متوفی کی وراثت تقسیم ہوگی تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ کا 1/6 حصہ ملے گا۔

**وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ** (النساء:12)

ترجمہ: "اور مورث کے ماں باپ کے لیے ان دونوں میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ (ملے گا) بشرطیکہ مورث کی کوئی اولاد ہو۔" دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

**وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ** (النساء:12)

ترجمہ: "اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی وراثت تقسیم کی جارہی ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ کوئی اولاد اور اُس کا ماں کی طرف سے ایک بھائی یا ایک بہن ہو (یعنی اخیافی بھائی یا بہن) تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے (برابر طور پر) چھٹا حصہ ہے۔"

اس طرح باوجود یہ کہ وراثت کی تقسیم مرد و عورت کے مابین ہو رہی ہے، یہ برابر ہوگی۔ اگر اسلام کے نظامِ وراثت میں محض مرد ہونے کی وجہ سے عورت کے حصہ سے دوگنا قرار پایا ہوتا یا عورت کا حصہ محض عورت ہونے کی وجہ سے نصف ہوتا تو پھر اس مقام پر جب وہ ماں باپ کی حیثیت سے وراثت لے رہے ہیں یہاں بھی ان کے حصہ کا فرق برقرار رہتا جب کہ یہاں ایسا معاملہ نہیں۔

## 8- خلاصۂ بحث

اللہ تعالیٰ نے عورت کی تمام ضروریات کا کفیل (ذمہ دار) مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مزید برآں عورت کے لیے روزگار اور معاشی مواقع سے ہر ممکن فائدہ اُٹھانے پر کوئی پابندی بھی نہیں لگائی گئی بلکہ عورت کمانے والی بھی ہو تو تب بھی کفالت کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہوگی اور وہ اپنی کمائی خصوصی حق کے طور پر محفوظ رکھ سکتی ہے۔ اگر وہ گھریلو ضروریات کے لیے خرچ کرنا چاہے تو اس کا یہ عمل احسان ہوگا، کیونکہ یہ اس کے فرائض میں شامل نہیں جب کہ مرد کی آمدن چاہے عورت سے کم ہی کیوں نہ ہو پھر بھی کفالت کا ذمہ دار وہی ہوگا۔ اندریں حالات ذمہ داریوں کے تناسب (Quantum and proportion of responsiblities) کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک متوازن، مستحکم اور معاشی عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مردوں کو وراثت میں زیادہ حصہ دیا جاتا تاکہ وہ اپنے اوپر عائد جملہ عائلی ذمہ داریوں سے بطور احسن عہدہ برآ ہو سکیں۔ گویا عورت کا حقِ وراثت مرد سے نصف نہیں کیا گیا بلکہ مرد کا حق وراثت اس کی اضافی ذمہ داریوں کی وجہ سے بڑھا دیا گیا ہے۔ اس طرح مرد اور عورت کی معاشرتی، سماجی اور عائلی (گھریلو) ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مالی توازن قائم کر دیا گیا ہے۔

باب نمبر 4

# اسلامی تہذیب وتمدن

- تہذیب وتمدن میں فرق، اسلامی اور مغربی تہذیب میں اتفاقات واختلافات
- اسلامی تہذیب وتمدن کی خصوصیات
- اسلامی تہذیب وتمدن کے علمی، فکری اور معاشرتی اثرات

## سوال 1

# اسلامی تہذیب وتمدن، مفہوم، خصوصیات اور انسانی زندگی پر اثر

1- جدید مغربی ثقافت کے درمیان اسلامی ثقافت کا تحفظ کیوں کر ممکن ہے؟ مسئلے کا تناظری مطالعہ کرنے سے پہلے اسلامی ثقافت کے اہم خدوخال اُجاگر کریں۔ (2006ء)

2- اسلام ایک جان دار اور متحرک تہذیب کا علم بردار ہے۔ مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کون سی تجاویز پیش کر سکتے ہیں۔ (2009ء)

3- جدید تہذیب وتمدن کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے مسلم اُمہ پر اس کے اثرات بیان کیجیے۔ (2012ء)

4- اسلام کے معاشرتی نظام اور جدید مغربی تہذیب کے درمیان بقائے باہمی اور اختلاف کے حدود کا تعین کیجیے۔ (2014ء)

5- تہذیب وتمدن سے کیا مراد ہے؟ اسلامی تہذیب کی خصوصیات بیان کیجیے۔ (2016ء)

6- اسلامی تہذیب کی بنیادی خصوصیات تفصیلاً بیان کریں۔ (2018ء)

7- اسلامی تہذیب کی اہم خصوصیت کے طور پر اسلام کے نظامِ اخلاق پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔ (2019ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- تہذیب کا مفہوم
3- تمدن کا مفہوم
4- تہذیب وتمدن کا فرق
5- دُنیا کی مشہور تہذیبیں
6- اسلامی تہذیب
7- اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں اخلاقی اُصولوں کی اہمیت کا تجزیہ
8- مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات کے مقابلہ کے لیے تجاویز
9- اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان موازنہ
10- اسلامی معاشرتی نظام اور جدید مغربی تہذیب کے درمیان بقائے باہمی اور اختلاف کی حدود
11- اسلامی معاشرتی نظام اور جدید تہذیب کے درمیان اتفاقات کی وضاحت
12- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

مغربی تہذیب کی یلغار اور اسلامی تہذیب کا دفاعی پوزیشن اختیار کرنا خود مسلمانوں کے لیے نہ صرف اہم ہے بلکہ ایک لمحۂ فکریہ ہے، کیونکہ یہ ان کی بقا کا سوال ہے...... مغرب کی مادی ترقی نے جہاں پوری دُنیا کو متاثر کیا وہاں اُمت مسلمہ بھی اِس کے مضر اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اسلام کے سوا باقی تہذیبوں کی بنیاد مستحکم نہ تھی جس کی وجہ سے اُنھوں نے مغربی تہذیب کو من وعن قبول کرلیا اور اگر کہیں انکار کرنے کا سوال پیدا ہوا تو وہ بھی محض رسم و رواج تک تھا۔ اعتقادی اعتبار سے کوئی تہذیب اِتنی مضبوط بنیادوں پر قائم نہ تھی جو اس سیلاب بلاخیز کا مقابلہ کرسکتی۔ یہ طاقت اور اِستدلال کی قوت صرف اسلامی تہذیب کے پاس تھی، جس کو دانش ورانِ مغرب اپنے ایجنڈے کی راہ میں رُکاوٹ سمجھتے تھے اور پھر سیموئیل پی ہنٹنگٹن کی کتاب "The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order" نے مغربی تہذیب کے خدوخال کو مزید واضح کردیا۔ مغربی تہذیب کے فرزند، کامل یک سوئی کے ساتھ اسلامی تہذیب پر حملہ آور ہو چکے ہیں جب کہ دوسری طرف صورت حال اِنتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ اُمت مسلمہ میں مغربی تہذیب کے ردو قبول میں تین گروہ موجود ہیں۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ مغربی تہذیب کو مکمل قبول کرلینا چاہیے۔ اِن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ مغربی تہذیب کو مکمل رد کردینا چاہیے۔ مسلمانوں کے روایتی "School of Thought" میں اِن کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ تیسری جماعت کا خیال ہے اچھی چیزوں کو لے لینا چاہیے اور بُری چیزوں کو چھوڑ دینا چاہیے (یعنی Pick and Choose والا معاملہ)۔ اعتدال پسند مسلمانوں کی اکثریت اِس کی طالب ہے لیکن مغربی تہذیب کے وارثان ایسا نہیں سوچتے اور نہ ہی وہ چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں لینا ہے تو پورا Package لو۔ یہ Pickand choose والا معاملہ ہم نہیں کرنے دیں گے۔ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے؟ یہ سوال نہ صرف اپنی نوعیت میں اہم ہے بلکہ اسلام کے درخشندہ مستقبل کے لیے بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اِس کے جواب کے لیے ضروری ہے کہ پہلے معلوم کیا جائے، تہذیب کیا ہے؟ تمدن کیا ہے؟ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں فرق کیا ہے؟ اسلامی تہذیب کی خصوصیات، باقی تہذیبوں پر اِس کے اثرات اور اِس کے اساسی عوامل کیا ہیں......؟ Pick and choose کی پالیسی کہاں پر کارگر ہے اور کہاں پر نہیں؟ اِس جیسے کئی سوالات کا حل معلوم کرکے اصل سوال کا جواب تلاش کیا جاسکتا ہے۔

## 2- تہذیب کا مفہوم

تہذیب کا لفظ عربی زبان میں ''ہ ذ ب'' مادہ سے باب ''تفعیل'' کا مصدر ہے۔ اِس کے لغوی معنی ہیں کاٹ چھانٹ کرنا، سنوارنا اور ترتیب دینا۔ درختوں کی شاخ تراشی اور قطع و برید اِن کی تہذیب ہے۔ کسی کمرے کو سنوارنا، سامان کو قرینہ سے رکھنا اور سجانا اِس کی تہذیب ہے۔ رفتہ رفتہ اِس کے معنی میں وسعت پیدا ہوگئی اور یہ لفظ طرزِ زندگی اور رہن سہن کے طور طریقوں کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اِصطلاح میں تہذیب سے کسی قوم کے بنیادی افکار و نظریات مراد ہوتے ہیں جو اُس کے افعال کو جنم دیتے ہیں۔ انسان کے ذہن میں پہلے فکر پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ فکر عمل کے لیے بنیاد بنتی ہے۔

سید مودودی کے نزدیک تہذیب کی تعریف درج ذیل ہے:

> ''فکر و عمل اور اخلاق و اطوار کے اِن تمام جوانب پر مشتمل ایک مکمل نظام کا نام ہے جو انسان اپنی انفرادی، خانگی، سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی میں اپنائے ہوئے ہیں۔''

تہذیب کے لیے انگریزی میں 'Culture' کا لفظ بولا جاتا ہے جس کے معنی ہیں زمین میں بیج بونا، اِس کی نشوونما کے لیے موافق حالات بنانا اور فصل پکنے پر کاٹ لینا۔ اِس لیے تہذیب کو کلچر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اِس میں دماغ کو زمین، عقائد و افکار کو بیج اور نظریات کے مطابق اعمال کو پھل پھول

کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کے اعمال وافعال اُس کے نظریات کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اُس کے اعمال کو دیکھ کر اُس کے افکار وعقائد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مشرک اور موحد کے طرزِ زندگی میں نمایاں فرق وامتیاز ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ عقیدہ اور ہو اور عمل اُس سے یک سر مختلف ہو۔ بالکل اُسی طرح جس طرح گندم بو کر چنے کی فصل نہیں کاٹی جاسکتی۔ صالح تہذیب اور فاسد تہذیب کا تصور تو روزِ اول سے ہی موجود ہے اور حق و باطل کی تہذیبی کش مکش تا حال جاری ہے۔ جیسے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور شعر ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

''حق اور باطل کی کشمکش شروع سے چلی آرہی ہے، جیسے نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کیا تو ابولہب نے مخالفت شروع کردی۔'' (ستیزہ کا معنی جھگڑا، اِمروز: حال کا زمانہ)

## 3- تمدن کا مفہوم

عربی میں مدینہ کے معنی شہر کے ہیں۔ اس کی جمع ''مُدُن'' ہے۔ تمدن اِس سے مصدر ہے جس کے معنی ہیں: شہر بسانا، شہری زندگی اختیار کرنا، قائم کرنا، مہذب اور خوش اخلاق بننا۔

چنانچہ تمدن کسی علاقے یا قوم کی طرز معاشرت کا نام ہے۔ اِس میں وہ تمام اُمور شامل ہیں جو ہماری معاشرت اور مادی زندگی کے متعلق ہوں۔ قدیم گاڑی کے معمولی پہیے سے لے کر جدید ٹیکنالوجی تک ہر چیز تمدن کا مظہر ہے۔ مادی ضروریات زندگی رفتہ رفتہ تمدن کو جنم دیتی ہیں۔ اِصطلاحاً تمدن سے مراد وہ سب باتیں ہیں جن کے لیے انگریزی میں Civilization کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

## 4- تہذیب وتمدن میں فرق

عام بول چال میں تہذیب اور تمدن میں فرق نہیں کیا جاتا لیکن اِصطلاحی اور لغوی لحاظ سے اِن میں بڑا فرق ہے۔ ہمارا ہر عمل اور فعل کسی فکر اور عقیدہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پہلے ہم سوچتے ہیں پھر اُس سوچ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ پہلے انجینئر بلڈنگ کا نقشہ بناتا ہے۔ بعدازیں اُس نقشے کے مطابق بلڈنگ تعمیر کی جاتی ہے، تہذیب نام ہے فکر، عقیدہ، سوچ اور خیالات کا اور اُس بنیادی فکر کے تحت جو اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں جو کردار اور سیرت تشکیل پاتی ہے، اسے تمدن کا نام دیا جاتا ہے۔ اِس طرح تہذیب وتمدن لازم وملزوم ہیں۔ اِن میں باہمی وہی رشتہ ہے جو رُوح اور جسم کا ہے۔ گویا تہذیب اصل ہے اور تمدن اس کا اظہار، تہذیب رُوح ہے تمدن اِس کا جسم، تہذیب جڑ ہے اور تمدن اُس کے درخت کی شاخیں جو مختلف سمتوں میں پھیلی ہوتی ہیں اور اُن کا رشتہ جڑ سے ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ غرضیکہ تمدن نام ہے معاشرتی، مادی اور فنی اِرتقا کا جب کہ رُوحانی اور ذہنی اِرتقا کا نام تہذیب ہے۔

الغرض تمدن نام ہے معاشرتی، مادی اور فنی ارتقاء کا جبکہ روحانی اور ذہنی ارتقاء کا نام تہذیب ہے۔

## 5- دُنیا کی مشہور تہذیبیں

شروع میں انسانی تہذیب ایک ہی تھی پھر نسل انسانی کے پھیلاؤ، قوموں کی تشکیل، باہمی میل جول اور ایک دوسرے کو متاثر کرنے سے مختلف تہذیبیں وجود میں آتی رہیں۔ مثلاً:

(الف) ایرانی تہذیب (ب) یونانی تہذیب (ج) مصری تہذیب (د) عرب کی جاہلی تہذیب (ھ) مغربی تہذیب (و) اسلامی تہذیب
یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اسلام نے بنی نوع انسان کی تہذیب وترقی میں کتنا اہم کردار ادا کیا، اسلام سے پہلے کی تہذیبوں کے مختصر احوال درج ذیل ہیں:

## (۱) ایرانی تہذیب

ایرانی تہذیب کی بنیاد ''زرتشت'' مذہب پر تھی۔ زرتشت ایک ہزار سال قبل از مسیح پیدا ہوا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک اُس کی تعلیمات فطرت کے کافی قریب تھیں، لیکن زرتشت کے ماننے والوں نے اُس کی تعلیمات میں تصرف کیا یہاں تک کہ آگ کی پوجا ہونے لگی۔ آگ کے پجاری قربان گاہ پر جب مذہبی رُسوم ادا کرنے لگتے تو اپنے منہ پر کپڑا لپیٹ لیتے تاکہ سانس لینے سے آگ آلودہ نہ ہو۔ آگ جب خدا بن گئی تو اُن کی تہذیبی روایت میں اُس کے ایسے آثار ظاہر ہوئے کہ وہ فطرت سے کوسوں دُور ہو گئے۔ اِس حوالے سے صرف ایک مثال یہ ہے کہ جب زرتشت کا ماننے والا کوئی شخص فوت ہوتا تو نہ اُسے دفن کیا جاتا کیونکہ اِس طرح کرنے سے زمین پلید ہوتی ہے اور نہ ہی اُسے آگ میں جلایا جاتا کیونکہ آگ اُس کی آلائشوں سے ناپاک ہوتی ہے بلکہ اُسے ایک گہرے کنویں میں لٹکا دیتے جہاں چیلیں اور گدھ اُسے کھا جاتے۔

## (۲) یونانی تہذیب

یونانی تہذیب کی بنیاد میں بھی مذہب تھا، لیکن ایسا مذہب جس کے اندر بے شمار بتوں کی حکومت تھی۔ سمندروں کا دیوتا پوسیڈن (Poseidon) جب کہ ہیفا اسٹس (Hephaestus) اسلحہ سازی کا دیوتا تھا۔ سورج کی حرکات کو اپولو (Apollo) سے منسوب کیا جاتا تھا۔ بے شمار بتوں پر یقین رکھنے والے لوگ عملاً بھی معاشرتی تقسیم سے دوچار تھے کیونکہ ایک خدا پر یقین ہونے کے سبب سے ہی معاشرتی تقسیم کے بجائے وحدت پیدا ہو سکتی ہے۔ یونانی تہذیب میں کئی فلسفی بھی پیدا ہوئے جن میں افلاطون کا بڑا چرچا تھا۔ اُس کے خیالات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

> ''وہ بچہ جو جسمانی طور پر ناقص ہو، وہ لڑکا جس کے اخلاق بگڑے ہوں، وہ کمزور مرد جس سے کوئی نفع نہیں، وہ بیمار جس کے تندرست ہونے کی کوئی اُمید نہیں، اِن سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے کیونکہ مقصد تو یہ ہے کہ اِس مثالی شہر کے باشندوں کی تعداد اُس سے اُوپر نہ ہو، جن کی سعادت مندی کی ذمہ داری اُٹھائی جا سکتی ہے۔'' (ضیاء النبی ﷺ، پیر کرم شاہ الازہری، 112/1)

## (۳) مصری تہذیب

مؤرخین کا اِس بات پر اتفاق ہے کہ دُنیا کی قدیم ترین تہذیب ''اہلِ مصر'' کی ہے۔ یہی وہ ملک ہے جہاں تمدن وثقافت کی پہلی شمع روشن ہوئی۔ قدیم مصری تہذیب میں بادشاہ کو دیوتا تصور کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی خدا تھے۔ ایسے کئی خدا تھے جو حیوانات کو کنٹرول کرتے تھے۔ انسانوں کے نظام کو درست کرنے کے لیے بھی کئی خدا تھے اور نظامِ شمسی چلانے کے لیے بھی خداؤں کا ایک گروہ تھا۔ مصر کے لوگوں کے مذہبی رُجحانات کا عکس جب عملاً اُن کی حکومت میں جھلکتا ہے تو وقت کا فرعون، بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا ہوا نظر آتا اور یہ اُس وقت ''ملک کا قانون'' (Law of the Land) تھا۔

## (۴) عرب کی جاہلی تہذیب

عرب کی جاہلی تہذیب کی بنیاد بھی مذہب تھا۔ تاریخی اِعتبار سے اِس تہذیب کی بنیاد جس دین (ابراہیمی) کی روایت پر تھی، وہ پیچھے چلی گئی اور

اُس کی جگہ کئی خداؤں نے لے لی یہاں تک کہ کعبہ مشرفہ کئی بتوں سے بھر گیا۔ بچیوں کو زندہ درگور کرنا، حلال وحرام کے خودساختہ نظام قائم کرنا، ناپ تول میں کمی، وعدے کو توڑ دینا اور عقیدۂ آخرت کے انکار کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی خرابیاں تہذیبی روایت کا حصہ بنتی چلی گئیں یہاں تک کہ قرآن مجید نے اِس تہذیب پر اس طرح تبصرہ کیا۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: 30) ''فساد خشکی اور تری ہر جگہ پھیل گیا۔''

مغربی تہذیب کے حوالے سے پروفیسر غلام احمد حریری رقم طراز ہیں:

''عیسائیوں نے دین و دُنیا کو الگ الگ کر رکھا ہے۔ دین کا دُنیا کی زندگی پر کوئی اثر نہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسرت ولذت کو زندگی کا مقصد قرار دیا گیا۔ وہ آخرت سے بے فکر ہیں اس لیے کہ اُن کے عقیدہ کے مطابق یسوع مسیح علیہ السلام تمام عیسائیوں کے گناہوں کو اُٹھا کر سولی چڑھ گئے۔ اب اُنھیں کھلی چھٹی ہے جو جی میں آئے کریں۔ زیبائش وآرائش اُن کا مقصد زندگی ہے۔ ہر عورت، مرد، بچہ، بوڑھا بناؤ سنگھار میں مشغول رہتا ہے۔ راگ رنگ، عیش وعشرت اور رقص وسرور اُن کی تہذیب کے ستون ہیں۔ شراب اور سور کے گوشت کی وجہ سے عریانی، بے حیائی اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ رُوحانیت اور آخرت کو پس پشت ڈال کر مادیت کی جانب آنکھیں بند کیے بھاگے جا رہے ہیں۔''

مغربی تہذیب بھی مذہبی عقیدہ ہی کی بدولت پروان چڑھی۔ اِس کے چشمے اِس عقیدۂ کفارہ سے پھوٹے کہ جناب یسوع مسیح علیہ السلام سولی چڑھ کر تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں اس لیے جتنی عیش کی جا سکے کیجیے، اِس وقت مغربی تہذیب، جمہوریت، انسان دوستی، سرمایہ دارانہ نظام اور مساوات کے خوب صورت دعوؤں کے ساتھ دُنیا میں موجود ہے۔

## 6- اسلامی تہذیب

اسلامی تہذیب کا آفتاب حبیب کبریا، سید الانبیا، تاجدارِ کائنات، نبی مکرم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے ساتھ طلوع ہوا۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد باقی تمام باطل تہذیبوں کے مقابلے میں کلمۂ حق ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' (نہیں معبود سوائے اللہ کے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) پر مبنی ہے۔ اِس تہذیب نے جاہلی، ایرانی، مصری، یونانی، ہندوستانی، مجوسی، یہودی اور نصرانی تہذیب کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ ایک خدائے واحد پر ایمان نے اِس تہذیب کو اِتنی قوت بخشی کہ ایرانی اور رومی تہذیبیں پھر اس کے سامنے ٹھہر نہ سکیں۔ وحیِ الٰہی پر مبنی اس تہذیب نے قدیم رسم ورواج پر مبنی تمام جاہلی تہذیبوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا۔ عقائد، عبادات، اعمال اور اخلاق کا ایسا کامل ضابطہ کسی کے پاس نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تہذیب غالب ہوتی گئی اور باقی تہذیبیں اِس کے مقابلے میں دم توڑتی چلی گئیں۔ ہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ ایرانی، رومی، کلدانی، عیسائی اور یہودی تہذیبوں کو تو اسلامی تہذیب نے متاثر کیا مگر جب مغربی تہذیب نے اپنے پر پرزے نکالے تو خود اسلامی تہذیب کو کٹہرے میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اِس سوال کے جواب کے لیے ضروری ہے کہ مغربی تہذیب کو اُس کی صحیح حیثیت میں سمجھا جائے اور اُس کی بنیادوں کا صحیح فہم حاصل کیا جائے۔

## 7- اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں اخلاقی اُصولوں کی اہمیت کا تجزیہ

مغرب کی مادی ترقی کی بنیاد جن چند اخلاقی اُصولوں پر قائم ہے، وہ اصل میں تو اسلامی تہذیب کا ورثہ تھے لیکن افسوس کہ ہم ان کو چھوڑ چکے ہیں۔ بالفاظِ دیگر عمدہ اخلاق ہمارے ہاں پروان نہ چڑھ سکے اور اخلاق رذیلہ (بُرے اخلاق) میں ہم بڑھتے چلے گئے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے اخلاقِ حسنہ کو بگاڑنے میں سب سے بڑا کردار مغرب کے گرے ہوئے اخلاقی اُصولوں کا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ مغرب اِس پر بضد ہے کہ اگر ہماری تہذیب کو اپنانا ہے تو پورا پیکج لینا پڑے گا۔ ہم Pick and choose نہیں کرنے دیں گے کہ اچھے اخلاقی اُصول تو دوسری تہذیبیں اپنا لیں اور بُرے اخلاقی

اُصول چھوڑ دیے جائیں اور یہ صرف کہنے کی بات نہیں وہ ایسا عملاً کر رہے ہیں۔ مسلمان معاشروں میں ''غیر ملکی سرمایہ سے چلنے والی NGOs'' اِن کے اِنہی منصوبہ جات میں معاون ہیں اور اسلامی تہذیب کے اِنہی دشمنوں سے مسلمانوں نے اپنے آپ کو محفوظ کرنا ہے۔ میڈیا کی آزادی کے نام پر جن فحش اشتہارات کو دکھایا جارہا ہے وہ اسی منصوبے کا حصہ ہیں کہ ہم اچھی اور بُری ہر چیز بیچیں گے۔

مغربی دانش وروں نے اپنی تہذیب کو فائق کرنے اور اسلامی تہذیب کو تباہ کرنے کے لیے ہر طرح سے غور وفکر کیا۔ وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچے کہ اُن کا تعلق قرآن اور صاحب قرآن ﷺ سے مضبوط ہوگا تو پھر یہ اخلاقی قباحتوں کا شکار نہیں ہوسکیں گے۔ اِسی طرح اگر مسلمانوں کے پاس محبت رسول ﷺ کا نسخۂ کیمیا اور اسوۂ رسول ﷺ اُن کی عملی زندگیوں کا حصہ بن جائے تو پھر ہماری تدبیریں ختم ہوجائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک ایسا نظام تعلیم دے دیا گیا ہے جہاں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کا وہ مقام نہیں جو ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کا تعلق جتنا رسالت مآب ﷺ کی سنت سے مضبوط ہونا چاہیے تھا وہ آج اصل کا دسواں حصہ بھی نہیں۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

؎ وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

## 8- مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات کے مقابلہ کے لیے تجاویز

آج کے تہذیبی معرکے میں رسالتِ محمدی ﷺ کے مسئلے کو جو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے، اِس کا پورا ادراک اُن سب کو ہونا چاہیے جو دین سے محبت رکھتے ہیں، جو غلبہ دین کی تمنا رکھتے ہیں یا اِس کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اِس ادراک کی روشنی میں اُنھیں اپنی ترجیحات پر بھی نظر ڈالنا چاہیے اور حکمت عملی پر بھی۔ بقول خرم مراد صاحب:

### (ا) نبی مکرم ﷺ اب بھی اُسی طرح نبی ﷺ ہیں جیسے چھٹی صدی عیسوی میں تھے

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہمارا یہ زمانہ اگرچہ عہدِ نبوی ﷺ سے چودہ صدیوں کے فاصلے پر ہے اور ہم جن تمدنی حالات میں اسلامی زندگی اور اُس کے غلبے کے لیے کوشاں ہیں، وہ اُس عہد سے بہت مختلف ہیں لیکن یہ ہے اُسی عہدِ نبوی ﷺ کا حصہ اور تسلسل ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کسی قوم کی طرف نہیں، ساری انسانیت کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اِس لیے آپ ﷺ ہماری اکیسویں صدی کے لیے بھی اُسی طرح رسول ہیں جس طرح چھٹی صدی کے لیے تھے اور آج کے سارے انسان اُسی طرح آپ ﷺ کی ''قوم'' ہیں اور آپ ﷺ کے مخاطب ہیں جس طرح اُس وقت کے اہلِ عرب اور ساری دُنیا والے تھے۔ اِس سیدھی سادی بات کے دُوررس اثرات ہیں۔ چنانچہ آج کے زمانے اور لوگوں تک آپ ﷺ کی رسالت کی دعوت اُسی طرح پہنچنا اور پہنچانا اُن کا حق ہے جس طرح آپ ﷺ نے پہنچائی۔

### (۲) رسولِ مکرم ﷺ اب بھی بحیثیت رسول ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بحیثیت رسول، آپ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب موجود ہے، آپ ﷺ کی

سیرت اور اسوہ موجود ہے، آپ ﷺ کا دین موجود ہے اور اِن امانتوں کی حامل آپ ﷺ کی اُمت موجود ہے۔ گویا اپنی رسالت کی طرف دعوت دینے کا جو مشن بحیثیت رسول آپ ﷺ نے ادا کیا، اب اُسے ادا کرنے کے لیے اُمت ذمہ دار ہے۔

### (۳) اسلام و جاہلیت کے درمیان تہذیبی کش مکش میں رسالت کا اوّلین درجہ

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ رسول کی موجودگی میں اسلام و جاہلیت کے درمیان جو تہذیبی کش مکش برپا ہوتی ہے، اُس میں رسالت کی طرف دعوت کو اوّلین اور فیصلہ کن مقام حاصل ہوتا ہے۔ درجے کے لحاظ سے ایمان بالرسالت کی حیثیت اوّلین اور فیصلہ کن ہے۔ انسان، محمد ﷺ کو اللہ کا رسول ﷺ مانتا ہے، تب ہی وہ اللہ اور ہر دوسری چیز تک پہنچتا ہے۔ ایمان باللہ وہی حق اور اُسی طرح معتبر ہے جس کی تعلیم حضور ﷺ نے دی اور یہ اِس لیے ہے کہ آپ ﷺ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ حلال و حرام، واجبات و منہیات اور عذاب و ثواب کے لیے کوئی عقلی یا تجرباتی دلیل، سوائے حکم نبوی ﷺ کے سند ناطق نہیں۔ پھر عمل کے لحاظ سے تو ایمان و اتباع رسالت، عین اطاعتِ الٰہی اور قرب الٰہی کے مترادف ہے: ''**من یطع الرسول فقد اطاع اللہ**'' (النساء:80) (جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اُس نے دراصل خدا کی اطاعت کی) اور ''**قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ**'' (آل عمران:31) (اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا)۔

### (۴) رسالت کے بغیر اللہ کا اقرار کوئی معنی نہیں رکھتا

آج اِس ضرورت کو سمجھنا نہایت اہم ہے کہ دعوت و جہاد میں، رسالت کی طرف دعوت کو یہی مقام حاصل ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کا ہے۔ اس کے بغیر اللہ کا اقرار بھی کوئی معنی نہیں رکھتا کجا جمہوریت اور انسانی حقوق جیسی سماجی اقدار پر اتفاق و اقرار ہو۔ ورنہ یہودی توحید الٰہی کا عقیدہ رکھتے تھے، عیسائیوں کو مواحد ہونے کا دعویٰ تھا اور اُن کی عبادات و اخلاق کی تعریف خود قرآن نے فرمائی ہے مگر وہ مغضوب اور ضالین ٹھہرے کہ ایمان بالرسالت سے انکاری تھے۔

### (۵) ایمان بالرسالت ہی فیصلہ کن ہے

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایمان بالرسالت اِس معنی میں بھی فیصلہ کن ہے کہ اللہ کی طرف سے نصرت، نجات اور غلبے کا وعدہ، رسولوں سے اور اُن لوگوں سے ہے جو رسول مبعوث پر حقیقی معنوں میں ایمان لائیں، تن من دھن سے اُس کے پیچھے چلیں اور اُس کے معاون و مددگار بنیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

**(الصافات: 173-171)**

ترجمہ: ''اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً اُن کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ازل سے جو معرکہ چراغِ مصطفوی ﷺ اور شرار بولہبی کے درمیان برپا ہے اور جو آج اسلام اور مغرب کے درمیان تہذیبی جنگ کی صورت اختیار کر چکا ہے، وہ دراصل انسانوں کے دل اور زندگیاں جیتنے کا معرکہ ہے۔ دل فتح ہوں گے تو غلبۂ دین حاصل ہوگا۔ قوت سے زمین فتح ہوسکتی ہے، اموال فتح ہوسکتے ہیں، سیاسی اقتدار پر قبضہ ہوسکتا ہے، مگر زندگیاں فتح نہیں ہوسکتیں اور دلوں پر قبضہ نہیں ہوسکتا۔ دلیل سے موافقت اور حمایت حاصل ہوسکتی ہے مگر یک سوئی، لگن، جان بازی اور سرفروشی نہیں۔ دل جیتنے کا راستہ صرف ایک ہے۔ لوگ رسالت

محمدی ﷺ کی صداقت پر ایمان لے آئیں، آپ ﷺ کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ دیں، اپنے دل آپ ﷺ کی محبت سے بھر لیں، آپ ﷺ کے آستانے پر سر رکھ لیں، آپ ﷺ کی اطاعت و محبت اور آپ ﷺ پر اعتماد و یقین سے سرشار ہو کر آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔ پہلے بھی لوگ اور دل اسی طرح فتح ہوئے تھے، تہذیبی جنگ اسی طرح جیتی گئی تھی۔ آج بھی اسی طرح فتح ہو گی اور اسی طرح جنگ جیتی جا سکے گی۔ چنانچہ ہمارے کرنے کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ ہم دعوت الی الرسالت کو اپنے ایجنڈے میں سرفہرست مقام دیں۔

(مغرب اور عالم اسلام، خرم مراد، منشورات، لاہور)

بقول اقبالؒ:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

## 9- اسلامی اور مغربی تہذیب کے درمیان موازنہ

| | اسلامی تہذیب | مغربی تہذیب |
|---|---|---|
| 1۔ | معبود برحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے | معبود خواہش نفس ہے۔ |
| 2۔ | وحیٔ الٰہی پر مبنی تہذیب ہے۔ | عقل پر مبنی تہذیب ہے۔ |
| 3۔ | مرنے کے بعد جزا و سزا پر یقین ہے۔ | جو کچھ ہے وہ اسی دُنیا میں ہے۔ |
| 4۔ | عبادات کا پورا نظام موجود اور نافذ العمل ہے۔ | چرچ کو عملاً دیس نکالا دیا جا چکا ہے۔ |
| 5۔ | اخلاقی اُصول ہمیشہ کے لیے ہیں۔ | اخلاقی اُصول تبدیل ہو سکتے ہیں۔ |
| 6۔ | مسلمان قرآن و سنت کے مخالف قانون نہیں بنا سکتے۔ | پارلیمنٹ کے پاس سارے اختیارات ہیں جو چاہے قانون سازی کر سکتی ہے۔ |
| 7۔ | بے حیائی کے کام ناجائز ہیں۔ | سب کچھ جائز ہے۔ |
| 8۔ | خواتین زندگی کے اُن شعبوں میں جا سکتی ہیں جہاں شرعی ممانعت نہیں، جہاں دین منع کرتا ہے وہاں نہیں جا سکتیں، مثلاً اداکاری، ماڈلنگ وغیرہ۔ | خواتین زندگی کے ہر شعبے میں جا سکتی ہیں۔ |
| 9۔ | حلال و حرام کے واضح تصورات موجود ہیں۔ | سب کچھ جائز ہے۔ |
| 10۔ | زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ | زندگی کا مقصد اپنے جسم کا آرام ہے۔ |
| 11۔ | اسلامی تہذیب دین و دُنیا کا خوب صورت امتزاج ہے۔ | مغربی تہذیب اس حسین امتزاج سے خالی ہے۔ |
| 12۔ | اسلامی تہذیب جسم کے ساتھ ساتھ رُوح کی تسکین کا سامان بھی فراہم کرتی ہے۔ | مغربی تہذیب صرف جسمانی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ |

## 10- اسلامی معاشرتی نظام اور جدید مغربی تہذیب کے درمیان بقائے باہمی اور اختلاف کی حدود

| اسلام کے معاشرتی نظام اور جدید مغربی تہذیب کے درمیان اتفاقات کی حدود | اسلام کے معاشرتی نظام اور جدید مغربی تہذیب کے درمیان اختلافات کی حدود |
|---|---|
| (Limitations of co-existence in Islamic and western social system) | ( Limitations of contradictions in Islamic and western social system) |
| 1- برداشت کو فروغ دینا | 1- اختلاطِ مردوزن |
| 2- تمام افرادِ معاشرہ کے ساتھ مساوی سلوک | 2- جنسی ملاپ کی آزادی |
| 3- صفائی کے کلچر کو فروغ دینا | 3- الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا پر بے حیائی |
| 4- عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک | 4- خاندانی نظام کی تباہی |
| 5- مظلوموں کے ساتھ حسنِ سلوک | 5- مرد کی مرد سے شادی، عورت کی عورت سے شادی |
| 6- کمزور طبقات کی نگہداشت | 6- مشرق اقوام سے معاندانہ رویہ |
| 7- بوڑھے افراد کا خیال | 7- رنگ اور زبان کی بنیاد پر فوقیت کا تاثر |
| 8- حفظانِ صحت کے اُصولوں کی پاس داری | 8- شعائرِ اسلام کا مذاق |
| 9- اوقات کی پابندی | 9- توہینِ انبیا پر مبنی فلمیں |
| 10- قانون کی پاس داری | 10- اسلام کے بارے میں تاثر، یہ دہشت گرد مذہب ہے۔ |
| 11- ٹیکس کلچر کا فروغ | 11- اسلام اقدار کو تبدیل کرنے کی بھرپور کوشش |
| 12- امانت و دیانت کا فروغ | 12- سماجی سطح پر مسلمانوں سے معاندانہ رویہ |
| 13- ایک دوسرے کے غم و خوشی میں شرکت | 13- خواہشِ نفس پر مبنی تہذیب |
| 14- مذہبی آزادی کا احترام | 14- اخلاقی اُصول تبدیل ہو سکتے ہیں |
| 15- معابد کا احترام | 15- قانون سازی میں پارلیمنٹ کو مکمل اختیار |
| 16- اہلِ کتاب کی خواتین سے شادی | 16- خواتین ہر شعبہ زندگی میں جا سکتی ہیں |
| 17- اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا حلال ہونا | 17- حلال و حرام کا کوئی تصور نہیں |
| 18- جان و مال کا تحفظ | 18- صرف جسمانی ضروریات پر توجہ |
| 19- جدید علوم سے استفادہ | 19- آخرت کا کوئی تصور نہیں |
| 20- نفرت انگیز رویوں سے اجتناب | 20- وجودِ باری تعالیٰ کا انکار |

## 11- اسلامی معاشرتی نظام اور جدید تہذیب کے درمیان اتفاقات کی وضاحت

معاشرہ مختلف اکائیوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ معاشرہ میں ایک اکائی کا حق دوسری اکائی کے لیے فرض تصور ہوتا ہے۔ اگر تمام افرادِ معاشرہ اپنے فرائض ادا کر رہے ہوں تو نتیجتاً حقوق خود بخود ادا ہو رہے ہوتے ہیں۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں حقوق کے مطالبے سے زیادہ فرائض کی ادائیگی پر زور دیا جاتا ہے، جب کہ جدید مغربی تہذیب نے فرائض سے زیادہ حقوق پر زور دیا ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام اور جدید مغربی تہذیب میں بعض چیزوں پر اتفاق اور بعض پر شدید اختلافات موجود ہیں۔ سوال میں بقائے باہمی (Co-existence) اور اختلاف (Contradictions) کی حدود کی تعیین مطلوب ہے۔ جو درج ذیل ہے:

### (۱) برداشت کو فروغ دینا

اسلام کے معاشرتی نظام میں بھی برداشت کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے اور مغربی تہذیب میں بھی اِس کی بہت اہمیت ہے۔ اس حوالے سے نبی کریم ﷺ کی پوری سیرت گواہ ہے، چاہے مکہ کی وادیاں ہوں یا طائف کے پہاڑ، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ پر کس قدر ظلم ہوا؟ لیکن مسلمانوں نے برداشت کیا۔

### (۲) تمام افرادِ معاشرہ کے ساتھ مساوی سلوک

اسلام کے معاشرتی نظام میں تمام افرادِ معاشرہ برابر ہیں۔ کسی کو رنگ، زبان اور نسل کی بنیاد پر کوئی فوقیت نہیں سوائے تقویٰ کے۔ آخری خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **الا لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعربی علی عجمی الا بالتقویٰ۔**

ترجمہ: ''کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔''

### (۳) صفائی کے کلچر کو فروغ دینا

مغربی تہذیب اور اسلامی معاشرتی نظام کی ایک مشترک قدر صفائی کو فروغ دینا ہے۔

### (۴) عورتوں کے ساتھ حسن سلوک

اسلام نے عورتوں کو اُس وقت حقوق دیے جس وقت پوری دُنیا میں اُن پر ظلم کیا جا رہا تھا، جدید مغربی تہذیب میں بھی عورتوں کے حقوق کے حوالے سے کافی چرچا ہے۔

### (۵) مظلوموں کے ساتھ حسن سلوک

اسلام دُنیا کے سارے مظلوموں کے ساتھ حسن سلوک کی بات کرتا ہے۔ مغربی تہذیب میں حکومتی پالیسیوں کے سوا عوام کی حد تک مظلوموں کے حق میں آواز بلند کی جاتی ہے۔

### (۶) کمزور طبقات کی نگہداشت

اسلام نے غلامی کے خاتمے کے لیے بہت سارے پہلوؤں سے کام کیا جب کہ اسلامی معاشرتی نظام بھی میں اُن کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید موجود ہے۔ مغربی تہذیب نے بھی پچھلی صدی میں اِس حوالے سے کافی قانون سازی کی ہے۔

### (۷) بوڑھے افراد کا خیال

بوڑھے افراد کی عزت و احترام مغربی تہذیب اور اسلامی معاشرتی نظام کی مشترک قدر ہے۔

### (۸) حفظانِ صحت کے اُصولوں کی پاس داری

حفظانِ صحت کے حوالے سے اسلامی معاشرتی نظام میں وضو کی کس قدر اہمیت ہے؟ اور پھر نماز کے لیے جگہ کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، بدن کا پاک ہونا، شرائط نماز میں سے ہے۔ مغربی تہذیب میں بھی اِس پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

## (۹) اوقات کی پابندی

نماز، روزہ اور حج جیسی عبادات خود پابندی وقت کا درس دیتی ہیں۔ بے وقت یہ عبادات ممکن ہی نہیں۔ یہ عبادات ہمارے معاشرتی نظام کا حصہ ہیں۔ پابندی اوقات جدید مغربی تہذیب کا بھی خاصہ ہے۔

## (۱۰) قانون کی پاسداری

اسلامی معاشرتی نظام میں قانون کی پاس داری، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں واضح ہے۔ مغربی تہذیب میں بھی یہ خصوصیت بدرجہ اتم موجود ہے۔

## (۱۱) ٹیکس کلچر کا فروغ

اسلام میں صدقات واجبہ (زکوٰۃ، عشر اور خمس) کے ساتھ ساتھ صدقات نافلہ کی اہمیت واضح ہے جب کہ جدید مغربی تہذیب نے بھی ٹیکس کے حوالے سے اپنے قوانین وضع کیے ہیں۔ دونوں کے درمیان اِس حوالے سے چند چیزیں مشترک ہیں۔

## (۱۲) امانت و دیانت کا فروغ

امانت و دیانت کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی پوری سیرت گواہ ہے۔ آپ ﷺ نے جو معاشرہ تشکیل دیا وہ پورے کا پورا ان بنیادی خوبیوں کا حامل تھا۔ مغربی تہذیب میں بھی یہ خوبیاں کسی حد تک موجود ہیں۔

## (۱۳) ایک دوسرے کے غم و خوشی میں شرکت

ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں شریک ہونا دونوں کے درمیان مشترک قدر ہے۔

## (۱۴) مذہبی آزادی کا احترام

اسلام نے اپنے دورِ عروج میں بھی دیگر مذاہب کے جان و مال کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اُنھیں مکمل مذہبی آزادی فراہم کی۔ یہاں تک نجران کے وفد کو آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔

## (۱۵) معابد (عبادت گاہوں) کا احترام

دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے احترام کے حوالے سے اسلام ایک روشن تاریخ رکھتا ہے۔ مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے دور میں جب شام کو فتح کیا تو ایک گرجا گھر میں حضرت عمرؓ نے صرف اِس لیے نماز نہ پڑھی، تا کہ مستقبل میں مسلمان اس گرجا گھر کو گرا کر مسجد نہ بنا دیں اور دلیل یہ دیں کہ یہاں تو خلیفۃ المسلمین نے نماز پڑھی تھی۔

## (۱۶) اہل کتاب کی خواتین سے شادی

اہل کتاب کی خواتین سے شادی جائز ہے اگر وہ اپنی کتاب پر عمل کرتے ہوں۔ ہاں اگر وہ خود ہی کتاب چھوڑ کر مشرکانہ عقائد اور رویوں کو اختیار کر چکے ہوں، تو پھر بہت سارے علما کے تحفظات ہیں۔

## (۱۷) اہل کتاب کے ذبیحہ کا حلال ہونا

اہل کتاب کا ذبیحہ بھی اُس وقت جائز ہے جب وہ خود کتاب پر عمل پیرا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں ورنہ نہیں۔ درج بالا چند اہم نکات اسلامی معاشرتی نظام اور مغربی تہذیب کے درمیان بقائے باہمی کی حدود کو متعین کر سکتے ہیں۔

## (۱۸) جان و مال کا تحفظ

جان و مال کی حرمت کے حوالے سے آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ تمھاری جان، مال اور اولاد تم پر اس طرح محترم ہیں جیسے آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر۔'' مغربی تہذیب میں بھی اِس پر بہت زور دیا گیا ہے۔

## (۱۹) جدید علوم سے استفادہ

پہلی وحی کا آغاز ہی ''اقرأ'' سے ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرتی نظام اور مغربی تہذیب علم کی وسعت کے حوالے سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔

## (۲۰) نفرت انگیز رویوں سے اجتناب

نبی کریم ﷺ کا حکم ہے ''کھلتے ہوئے چہرے کے ساتھ ملاقات کرو۔'' مغربی تہذیب میں بھی یہ اُصول ہے کہ مسکراتے ہوئے ملاقات کرنا اور نفرت انگیز رویوں سے اجتناب کرنا۔ ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات میں مسکراہٹوں کا تبادلہ معاشرے کو کئی نفسیاتی مسائل سے نجات دے سکتا ہے۔ اِس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ احساسات کو جلا ملتی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

؎ شورِ وحشت بھی نہیں، تنگیِ داماں بھی نہیں
مجھ پہ اُتری ہے محبت، بڑی تہذیب کے ساتھ

## 12- خلاصۂ بحث

مغربی تہذیب اپنی بنیاد میں کسی مستحکم نظریے پر موجود نہیں جب کہ اسلامی تہذیب عقائد، عبادات، اعمال اور اخلاق میں وحیٔ الٰہی کی روشنی میں محوِ سفر ہے۔ مغربی تہذیب اپنے ارتقا سے لے کر آج تک جس بنیادی نقطے پر کھڑی ہے وہ نقطہ صرف ''مادی ترقی'' ہے جب کہ اسلامی تہذیب ایک فرد کی صرف مادی ضروریات کو پورا نہیں کرتی بلکہ اِس کے اخلاقی اور رُوحانی وجود کی تعمیر کا بھی بیڑا اُٹھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب صرف مادی وجود کے مینار تعمیر کر رہی ہے جب کہ رُوحانی اور اخلاقی اعتبار سے شفا حفرۃ من النار (آگ کے کنارے) پر کھڑی اپنی قسمت پر نوحہ کناں ہے۔ اقبال نے درست کہا تھا:

؎ تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

یہ درست ہے کہ مغربی تہذیب اپنے اندر اچھائیاں بھی رکھتی ہے لیکن افسوس اِس بات کا ہے کہ اُس تہذیب میں کچھ بُرائیاں اِس طرح کی ہیں کہ وہ بُرائیاں دُنیا کی ہر تہذیب کو برباد کر دیں گی جیسے مرد کی مرد سے شادی اور عورت کی عورت سے شادی۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان اپنی تہذیب کی خصوصیات کو دُنیا کے سامنے لائیں اور انسانیت کو اِس بات سے آگاہ کریں کہ اسلامی تہذیب ہی وہ واحد تہذیب ہے جس کے پاس انسانوں کے دُکھوں کا مداوا ہے۔

سوال 2

# اسلامی تہذیب وتمدن کی خصوصیات

## اہم نکات

1- تعارف
2- عقیدۂ توحید
3- عقیدۂ رسالت
4- عقیدۂ آخرت
5- عبادات (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ)
6- سادگی
7- انسانی مساوات
8- امانت ودیانت
9- عدل وانصاف
10- انسانی عظمت اور وقار
11- اُخوت وبھائی چارہ
12- رواداری
13- توازن واعتدال
14- عدل اجتماعی
15- امر بالمعروف ونہی عن المنکر
16- اخلاقی اقدار
17- مسئولیت کا تصور
18- انسانی حقوق کی اہمیت
19- آفاقیت وعالمگیریت
20- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اسلامی تہذیب وتمدن اِبتدا سے ہی نمایاں مقام کی حامل ہے۔اسلامی تہذیب کی پہچان اور شناخت میں سب سے اہم تین عقائد ہیں۔عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت۔جہاں تک اسلام کے نظامِ عبادات کا تعلق ہے تو دُنیا کی کسی دوسری تہذیب میں عبادات کا ایسا جامع تصور نہیں جیسا اسلامی تہذیب میں ہے۔عبادات کے علاوہ انسانی وقار، اخوت، عدل اجتماعی، طہارت، باہمی تعاون، بنیادی انسانی حقوق، امن و بھائی چارہ، تحمل و بُردباری، صبر و برداشت، سماجی انصاف، قانون کی حکمرانی، شخصی آزادی جیسی خصوصیات اسلامی تہذیب وتمدن کو نمایاں مقام عطا کرتی ہیں۔ذیل میں اسلامی کی نمایاں خصوصیات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے:

## اسلامی تہذیب کی خصوصیات

## 2- عقیدۂ توحید

اسلامی تہذیب کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے جو کہ اسلامی تہذیب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ③ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④ (الاخلاص)

ترجمہ: ''فرما دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔نہ اُس نے کسی کو جنا نہ اُس کو کسی نے جنا۔اور کوئی بھی اُس کا ہم سر نہیں۔''

جب کہ مغربی تہذیب خواہش کو خدا بنائے ہوئے ہے۔ایسے لوگوں کی حقیقت کو بھی خدائے لم یزل نے بیان کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان: 43)

ترجمہ: ''اے حبیب ﷺ! کیا آپ نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہش کو خدا بنا لیا ہے۔''

مغربی تہذیب کے حامل افراد وحیٔ الٰہی کی روشنی میں زندگی نہیں گزارتے بلکہ تعلیمات شیطان کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر طے کرتے ہیں۔

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ارشاد ہوا:

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ (الانعام: 121)

ترجمہ: ''اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو (غلط باتیں) اِلقا کرتے ہیں۔''

## 3- عقیدۂ رسالت

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت عقیدۂ رسالت ہے۔مسلمان اپنی پوری زندگی نبی محتشم ﷺ کے طریقے کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں جب کہ فرزندانِ مغرب کسی ایک شخص یا ذات کو ہدایت کا روشن مینار تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ہر فیصلہ اپنی عقل کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں جب کہ مسلمان بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ: ''عقل بیش کن بمصطفیٰ'' (عقل کو مصطفیٰ کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر) کے مصداق زندگی گزارتے ہیں۔علامہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

؎ بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ او ست
گر باو نر سیدی تمام بولہبی است

(اپنا سارا ساز و سامان مصطفیٰ کریم ﷺ کی بارگاہ میں قربان کردے کیونکہ دین سارے کا سارا وہی ہے۔اگر تو وہاں تک نہیں پہنچا سکتا تو تیرا سب کچھ ابولہب کا ہے)

اِسی طرح علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور خوب صورت شعر:

؎ در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ماز نامِ مصطفیٰ است

(نبی کریم ﷺ کا حقیقی مقام مسلمان کے دل میں ہے اور ہماری عزت و آبرو بھی آپ ﷺ کے نام کی بدولت ہی ہے۔)

### -4 عقیدۂ آخرت

اسلامی تہذیب کی تیسری بڑی خصوصیت عقیدۂ آخرت ہے جو انسان کو جزا وسزا کا ایک مکمل نظام فراہم کرتا ہے جب کہ مغربی تہذیب جزا وسزا کے عقیدے سے بالکل ماورا ہے۔ اب اگر عقائد کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مغربی تہذیب خدا کے مقابلے میں خواہش، رسالت کے مقابلے میں عقل اور آخرت کے مقابلے میں جزا وسزا سے خالی زندگی کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ چیز واضح ہے کہ عقائد کے باب میں مغربی تہذیب نے اسلامی تہذیب کو کوئی زیادہ متاثر نہیں کیا۔

### -5 عبادات (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ)

اسلامی تہذیب میں عقائد کے بعد عبادات اہم خصوصیات کی حامل ہیں۔ عبادات میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمان چاہے مشرق میں ہوں چاہے مغرب میں اپنی اِن تہذیبی اقدار سے نہ صرف آگاہ ہیں بلکہ ممکن حد تک اِن پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ہاں! یہ بات درست ہے کہ اِس میں اہلیانِ اسلام کو کافی راغب کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ فرائض کی بجا آوری کو پوری تن دہی سے کریں۔ جب کہ مغربی تہذیب (جو اپنی بنیادوں میں عیسائی تہذیب ہے) چرچ میں جانے کو عملاً دیس نکالا دے چکی ہے۔

### -6 سادگی

سادگی اسلامی تہذیب کا طرۂ امتیاز ہے اور ایک بنیادی قدر ہے۔ خلفائے راشدین سے لے کر آج تک بہت سے مسلمان حکمران سادگی کو اپنا شعار سمجھتے تھے کیونکہ اُن سب کے سامنے اسوۂ مصطفیٰ ﷺ تھا۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے حکمران اپنی اِس تہذیبی قدر کو چھوڑ چکے ہیں۔ ہمارے حکمران بڑے بڑے محلات میں جب کہ یورپ کے بہت سارے حکمران آج بھی چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہتے ہیں۔ وہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتے ہیں اور ٹیکسوں سے جو پیسہ اکٹھا ہوتا ہے اُس میں بد دیانتی نہیں کرتے۔

### -7 انسانی مساوات

اسلامی تہذیب کی ایک بڑی خصوصیت مساوات ہے۔ اسلام طبقاتی تقسیم، قوم وقبیلہ، رنگ ونسل کے فرق وامتیاز کا قائل نہیں۔ اسلامی تہذیب میں امیر وغریب، آقا وغلام اور عربی وعجمی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ خلیفۂ وقت بھی نماز میں عام مسلمانوں کے برابر کھڑا ہوگا۔ اسلام میں عزت و عظمت کا مدار وانحصار خوف خداوندی پر ہے۔ ایک غلام بھی اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔ اِس کی مثالیں قرون اولیٰ میں بہت ہیں اور ہندوستان میں غلاموں کے ایک پورے خاندان نے حکومت کی ہے۔ جو تہذیب مساوات کی علم بردار نہ ہو وہ دیر پا ثابت نہیں ہوسکتی۔ اسلامی تہذیب کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مساوات، جو اسلامی تہذیب کی شناخت تھی، وہ آج خود مسلمان ممالک میں بھی غریب الغربا ہے۔ آج بہت سارے عرب ممالک اپنے عجمی مسلمانوں کو اپنے ہاں زمین کا حق ملکیت دینے کے لیے تیار نہیں۔ خود پاکستان میں لسانی اور علاقائی بنیادوں پر کئی تحریکیں موجود ہیں۔ مغرب میں بھی ایک وقت تک یہی صورت حال تھی لیکن آج وہ اُس صورت حال سے کافی حد تک نکل چکے ہیں۔ نیٹو (NATO) اور یورپین پارلیمنٹ کی صورت میں وہ عملاً مساوات کو فروغ دے رہے ہیں۔

### -8 امانت ودیانت

آپ ﷺ نے انسانی تہذیب کو جو معیار دیا، اس کے صلہ میں امانت ودیانت اور اخلاص کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس

کی نظیر نہیں مل سکتی۔ تاریخ طبری میں ہے کہ مسلمان جب مدائن پہنچے تو مالِ غنیمت لایا گیا اور خازن کے سپرد کیا گیا تو لوگوں نے کہا ''ہم نے اس قدر قیمتی سامان کبھی نہیں دیکھا۔'' لوگوں نے اُس شخص سے دریافت کیا ''کسی نے اس میں سے کچھ لیا بھی ہے؟'' اُس نے جواب دیا ''خدا کی قسم! اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہوتی۔'' اُنھوں نے پوچھا ''تم کون ہو؟'' اُس نے کہا ''میں یہ نہیں بتا سکتا اس لیے کہ تم تعریف کرو گے۔'' تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس کا نام عامر تھا اور وہ قبیلہ عبد قیس کا ایک فرد تھا۔ (تاریخ طبری:6/4)

امانت و دیانت کے ہزار ہا روشن واقعات سے بھری تاریخ، اسلام کی تہذیبی وراثت کی آئینہ دار ہے مگر پھر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج مسلمان اِسی حوالے سے بہت کمزور، کاہل اور سست واقع ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں بد دیانتی اور قومی خزانہ لوٹنا باعث افتخار سمجھا جاتا ہے۔ جو حرام کی دولت سے دادِ عیش دیتا ہے اُسی کو سلیوٹ کیا جاتا ہے۔ جس قوم میں امانت نہ رہے اور بد دیانتی اجتماعی وجود کا حصہ بن جائے پھر وہ اِس قابل نہیں ہوتی کہ خدائے لم یزل بھی اُسے دُنیا کی امامت کا امین بنائے۔

## 9- عدل وانصاف

قرآن کریم اور احادیث طیبات میں بار ہا عدل وانصاف کا حکم ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ:8)

ترجمہ: ''عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الحجرات:9)

ترجمہ: ''اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اور پھر خود تاجدارِ کائنات ﷺ کا ارشاد بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے:

''خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمد ﷺ اُس کے ہاتھ کاٹ دیتے۔''

قرآن وحدیث کے اِن ارشادات اور اسلام کی روشن تاریخ کے ہزاروں انصاف کے فیصلوں پر مبنی اسلامی تہذیب کی پُرشکوہ عمارت کے باوجود آج عدل وانصاف کی عمارت مسلمانوں کے ہاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر انصاف سر بازار ماتم کر رہا ہے اور وہ ماتم کیوں نہ کرے کیونکہ ہم نے بے انصافی کے آہنی پنجوں سے اِس کے چہرے کو لہولہان کر دیا ہے جب کہ اِس کے مقابلے میں مغربی ممالک میں بھی بے انصافیاں اور بے اعتدالیاں ہوتی ہیں مگر ایک تو اِن کا تناسب (Ratio) بہت کم ہے اور دوسرا عدل وانصاف کے حوالے سے ایسا سسٹم معرض وجود میں آچکا ہے جس سے ہر شخص قانون کا احترام کرتا ہے۔

## 10- انسانی عظمت اور وقار

اسلامی تہذیب کا ایک اہم وصف انسان کو محترم اور معزز ہستی قرار دینا ہے۔ جب کہ دیگر تہذیبوں میں کہیں انسان سے بتوں کو سجدہ کروایا جاتا ہے اور کہیں اُسے پیدائشی گناہ گار قرار دیا جاتا ہے۔ اِس کے برعکس اسلامی تہذیب میں انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی گئی ہے اور اِس کائنات کو انسان کے فائدے کے لیے مسخر کیا گیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت اور عظمت کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ ...... (القرآن)

ترجمہ: ''اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور اُنھیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور اُن پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اُنھیں فضیلت بخشی۔''

## 11- اُخوت و بھائی چارہ

اسلامی تہذیب کی ایک اہم صفت اُخوت ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اِسی جذبے نے مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک تمام مسلمانوں کو وحدت کی لڑی میں پرو رکھا ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (الحجرات)

ترجمہ: ''بے شک تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

حدیث میں آیا ہے کہ سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں، جس طرح جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اِسی طرح ایک مومن کی تکلیف دوسرے کو بے چین کر دیتی ہے۔

## 12- رواداری

اسلامی تہذیب کے خصائص میں سے ایک رواداری بھی ہے جو دوسری تہذیبوں میں مفقود ہے۔ رواداری سے مراد یہ ہے کہ دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے جیسا کہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسلامی تہذیب دیگر تمام مذاہب، اِن کی اِلہامی کتب اور اُن کے عقائد کا احترام کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ (البقرۃ)

ترجمہ: ''دین میں کوئی جبر نہیں۔''

اسلام میں طاقت کے زور پر غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ اِسی طرح اسلامی مملکت میں رہنے والے غیر مسلموں کو تمام بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ یوں اسلامی تہذیب کا نمایاں وصف غیر مسلموں کے لیے رواداری ہے۔

## 13- توازن و اعتدال

اسلامی تہذیب و ثقافت کی ایک اہم خصوصیت توازن و اعتدال ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں اعتدال پسندی، میانہ روی اور توازن کو فروغ دیا جائے تاکہ معاشرتی استحکام کے ساتھ ساتھ معاشی استحکام بھی میسر آئے اور انسانی فلاح و بہبود کو ترقی ملے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''بہترین معاملہ میانہ روی ہے۔'' تاریخ انسانی گواہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عہد میں توازن و اعتدال کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ اِسی خصوصیت کی بنا پر اسلامی معاشرہ مستحکم اور فلاحی درجہ اختیار کر گیا۔

## 14- عدل اجتماعی

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت عدلِ اجتماعی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ معاشرہ کے ہر فرد کو تمام حقوق مساوی بنیادوں پر حاصل ہوں اور اگر کوئی اُن حقوق کو سلب کرے تو عدالت اسے انصاف فراہم کرے۔ قرآن مجید کی سورۃ النساء میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء:58)

ترجمہ: ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔''

اسلامی تہذیب میں قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے تمام انسانوں پر ایک جیسے قوانین لاگو ہوتے ہیں۔ انصاف کے معاملے میں ادنیٰ و اعلیٰ، امیر و غریب اور آقا و غلام کی کوئی تمیز نہیں۔ عدل و انصاف سب کے لیے برابر ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ دشمن قوم سے بھی انصاف کرو۔ اسلامی تہذیب کی اِسی خصوصیت کی بنا پر قاضی نے خلیفہ وقت حضرت علیؓ کے خلاف ایک یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔

## 15- امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسلامی تہذیب کی ایک اہم خوبی جو اُسے دیگر تہذیبوں سے ممتاز کرتی ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔جس کا مطلب نیکی کا حکم دینا اور بُرائی سے روکنا ہے۔اسلامی تہذیب کی اِس خصوصیت کی بنا پر معاشرہ میں پاکیزہ ماحول جنم لیتا ہے اور انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے۔اس فریضے کی تکمیل کی بنا پر اِس اُمت کو ''خیرالامت'' کے لقب سے نوازا گیا۔

## 16- اخلاقی اقدار

اسلامی تہذیب کا ایک نمایاں پہلو اخلاقی اقدار کی پاس داری ہے۔ اِن اخلاقی اقدار میں سچائی، دیانت داری، ایفائے عہد، باہمی اُخوت، مساوات، صبر واستقلال، عفوودرگزر، عدل وانصاف، تواضع وانکساری، ایثار وقربانی اور تکریم انسانیت شامل ہیں۔اسلامی تہذیب میں مذکورہ تمام اقدار پر عمل کیا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے معاشرہ میں حسن ونکھار پیدا ہوتا ہے اور انسانی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔

## 17- مسئولیت کا تصور

اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت مسئولیت کا تصور ہے۔جس کا مطلب ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو ایک دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور اُسے اپنے اعمالِ دُنیا کے بارے میں جواب دینا ہوگا۔مسئولیت کا یہ تصور انسان کو گناہوں سے بچا کر نیکیوں کی جانب راغب کرتا ہے اور معاشرہ کا ایک ذمہ دار فرد بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مسئولیت کے اِسی تصور کا اثر تھا کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا ''اگر دریائے دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر گیا تو روزِ قیامت مجھ سے اُس کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

## 18- انسانی حقوق کی اہمیت

اسلامی تہذیب کا ایک نمایاں وصف انسانی حقوق کی ادائیگی ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں کے حقوق بغیر کسی رُکاوٹ کے ادا کیے جائیں اور کوئی بھی فرد یا ادارہ اِن حقوق کو سلب نہ کرے۔ حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں تمام انسانوں کے حقوق مقرر فرما کر انسانی حقوق کو تحفظ فراہم کیا۔اسلامی تہذیب کی اِس خصوصیت کی بنا پر اسلامی ریاست میں تمام شہریوں کو تمام حقوق مساوی اور یکساں بنیادوں پر حاصل ہوتے ہیں۔

## 19- آفاقیت وعالمگیریت

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت آفاقیت وعالمگیریت ہے۔اسلام کسی خاص قوم، خاص علاقے یا کسی خاص زمانے کا مذہب نہیں بلکہ اِس کی تعلیمات قیامت تک کے لیے پوری دُنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ اِس طرح یہ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب ہے اور اِس کی تہذیب جو ابدی اور آفاقی نوعیت کے عوامل وعناصر رکھتی ہے، چودہ سو سال سے قائم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک قائم ودائم رہے گی۔مختصر یہ ہے کہ اسلامی تہذیب ہر لحاظ سے فیض رساں، منفرد، پُرامن اور فلاح وبہبود کی حامل ہے۔

## 20- خلاصۂ بحث

اسلامی تہذیب وتمدن کی درج بالا خصوصیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب فکری اِعتبار سے اپنے اندر بہت مواد رکھتی ہے۔ جہاں تک عملی میدان کا تعلق ہے تو اسے اب بھی بہت سارے چیلنجز کا سامنا ہے۔اسلامی تہذیب کو اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کے چیلنجز کا سامنا ہے۔ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان اپنے عمل سے دونوں طرح کے چیلنجز کا مقابلہ کریں۔

سوال 3

# اسلامی تہذیب وتمدن کے علمی، دینی، فکری اور معاشرتی اثرات

## اہم نکات

1- تعارف
2- اسلامی تہذیب وتمدن کے علمی اثرات
3- اسلامی تہذیب وتمدن کے مذہبی وفکری اثرات
4- اسلامی تہذیب وتمدن کے معاشرتی اثرات
5- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اسلامی تہذیب وتمدن نے علمی ، مذہبی، فکری، معاشرتی اور اخلاقی ہر اعتبار سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن نے حصول علم کی رغبت ، مفت تعلیم ، مفید علوم کی اشاعت ، اخلاقی تربیت ، خدائے واحد کی بندگی ، غلامی سے نجات ، آزادئ فکر ، عظمت انسانی ، معاشرتی فلاح و بہبود ، کائنات میں غور وفکر کے ساتھ ساتھ کئی اِصلاحی تحاریکوں پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں ۔ ذیل میں اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات کو بیان کیا جاتا ہے:

## 2- اسلامی تہذیب وتمدن کے علمی اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن کے عالمی سطح پر جو علمی اثرات مرتب ہوئے ، اُن کے اہم نکات کا جائزہ درج ذیل ہے:

### (۱) حصول علم کی ترغیب

اسلام سے پہلے دُنیا جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھی ۔ لوگ ایک خدا کو چھوڑ کر سورج ، چاند ، ستاروں ، بتوں اور آگ کو پوجتے تھے ۔ کسی فلاسفر کے نظریات پر غور وخوض کرنا جرم تھا۔ اِن حالات میں اسلامی تہذیب کا ظہور ہوا جس نے لوگوں کو علم کی ترغیب دی ۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:
''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔'' اِسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''علم حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔'' (صحیح مسلم)

### (۲) اہل علم کی قدردانی

اسلام سے قبل اہل علم لوگوں کو کوئی خاص قدر ومنزلت حاصل نہ تھی ۔ اسلام نے اہل علم لوگوں کی قدر دانی کرتے ہوئے اُنھیں عزت و وقار عطا کیا، کثیر انعامات سے نوازا اور اُن کی آسائشوں اور ضروریات زندگی کا خیال رکھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اُن ارباب علم و دانش نے زندگی کے مختلف شعبوں میں تاریخی کارنامے انجام دیے جن سے آج بھی دُنیا مستفید ہو رہی ہے۔

### (۳) فروغِ علم

مسلمانوں کے عہد حکومت میں زبان وادب اور فنون لطیفہ کے بڑے بڑے مراکز قائم کیے گئے اور جگہ جگہ تعلیمی اِدارے وجود میں آئے جہاں مروجہ علوم کے علاوہ ریاضی ، طب ، منطق ، فلسفہ ، تاریخ ، قرآن و حدیث ، علم فلکیات ، کیمیا اور حیاتیات کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ اِس طرح اسلامی تہذیب نے فروغ علم میں بنیادی کردار ادا کیا۔

### (۴) تعلیمی اجارہ داری کا خاتمہ

اسلام سے قبل تعلیم پر مخصوص لوگوں کی اجارہ داری تھی ۔ مثلاً ہندومت میں برہمن اور عیسائیت میں پوپ وکلیسا کو مذہبی و تعلیمی اجارہ داری حاصل تھی ۔ اسلام نے مسلم وغیر مسلم ، امیر وغریب اور ادنیٰ واعلیٰ کے لیے تعلیم کو عام کر کے اِن مخصوص لوگوں کی تعلیمی اجارہ داری ختم کر دی ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم عہد حکومت میں غیر مسلموں میں بھی علم کے اِحیا کی رفتار مسلمانوں سے کم نہ تھی ۔

## (۵) مفت تعلیم کا اہتمام

مسلمانوں کے عہد حکومت میں تعلیم کو مفت کر دیا گیا تا کہ ہر خاص و عام زیور تعلیم سے آراستہ ہو۔ حکومت کے علاوہ علما کی سرپرستی میں چلنے والے مدارس میں بھی طلبا کو مفت تعلیم دی جاتی تھی بلکہ مستحق طلبا کے دیگر تمام اخراجات بھی مدارس برداشت کرتے تھے۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ عوام میں شرح خواندگی بڑھ گئی اور وہ سیاسی، سماجی اور معاشی شعور سے بہرہ ور ہوئے۔ اسلامی تہذیب کے اِس اقدام نے یورپ اور ایشیا کی اقوام کو بھی متاثر کیا اور وہاں بھی مفت تعلیم کا اہتمام کیا جانے لگا۔

## (٦) تعلیمی اداروں کا قیام

ہر خاص و عام کو علم کی روشنی سے معمور کرنے کے لیے مسلم عہد حکومت میں باقاعدہ تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اِس کی ابتدا حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں ''صفہ'' کا مدرسہ قائم کر کے کی۔ اس کے بعد مدارس کا لامتناہی سلسلہ معرض وجود میں آیا۔ اِس طرح اسلامی تہذیب نے تعلیم کو ایک باقاعدہ نظام کی شکل میں ڈھالا اور اِسے باقی دُنیا کے لیے مشعل راہ بنایا۔

## (۷) مفید علوم کی اشاعت

مسلم عہد حکومت میں دینی علوم، عمرانی علوم اور سائنسی علوم کی اشاعت پر زور دیا گیا اور غیر نافع علم مثلاً جادو، نجوم اور موسیقی سے منع کیا گیا تا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود عمل میں آئے اور غیر نافع علوم کے مضر اثرات سے انسان محفوظ رہ سکیں۔

## (۸) قدیم علوم کا اِحیا

اسلام سے قبل فلسفہ، منطق اور تاریخ جیسے مفید علوم گوشہ گمنامی میں جا چکے تھے۔ اسلام نے اِن کا احیا کیا۔ نیز قدیم علوم مثلاً طب، فلکیات اور ریاضی سے استفادہ کیا اور اِن کی اشاعت کے لیے بھرپور اقدامات کیے۔ اِس طرح سابقہ علوم ضائع ہونے سے بچ گئے اور مستقبل میں انسانی ترقی کے ضامن ثابت ہوئے۔

## (۹) علم کی تجرباتی بنیاد

مسلم عہد حکومت سے قبل سائنس صرف ایک نظریاتی علم تھا۔ اِس کا تجربات اور تحقیق سے کوئی سروکار نہ تھا۔ مسلمانوں نے سائنس کو نظریہ کے ساتھ ساتھ تجربات کا علم بنانے کے لیے تجربہ گاہیں، رسدگاہیں اور ہسپتال قائم کیے۔ اِس طرح مسلمانوں نے علم کی تجرباتی بنیاد ڈالی جس نے آگے چل کر انسانیت کی ترقی کے لیے مفید سائنسی آلات اور ایجادات میں معاون کردار ادا کیا۔

## (۱۰) اخلاقی تربیت کا اہتمام

اسلامی تہذیب نے علم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی اقدار کی انسانی تربیت کا بھی اہتمام کیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کے شہری سچائی، امانت داری، رواداری، ایفائے عہد، اُخوت، مساوات، عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق جیسے اوصاف کے مالک بن گئے۔ مسلمانوں کی اِس اخلاقی تربیت نے یورپ اور دیگر مغربی دُنیا کو بھی متاثر کیا۔

## 3- اسلامی تہذیب وتمدن کے مذہبی وفکری اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن نے دُنیا میں جو مذہبی وفکری اثرات مرتب کیے، اِس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

### (۱) خدائے واحد کی بندگی

اسلام سے قبل لوگ آگ، دریا، سورج، چاند، ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اسلام نے لوگوں کو اِن چیزوں کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا اور خدائے واحد کی بندگی کا درس دیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے اور اِن چیزوں کو انسان کی خدمت کے لیے پیدا ہوئی چیزیں تصور کرنے لگے۔

### (۲) آزادیِ فکر

اسلام سے قبل لوگوں کو تحریر وتقریر اور فکر ونظر کی آزادی حاصل نہ تھی۔ اسلام نے لوگوں میں حریت فکر کا جذبہ پیدا کرتے ہوئے اُنھیں تحریر وتقریر اور فکر ونظر کی آزادی عطا کی، جس کی بدولت لوگوں میں شعور پیدا ہوا اور اُنھوں نے ہندوستان میں برہمن اور یورپ میں پوپ کی باطل قوتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔

### (۳) مذہبی واصطلاحی تحریکیں

اسلام کی سنہری تعلیمات کی بدولت لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہو رہے تھے تو ہندومت اور عیسائیت کے کچھ صاحب بصیرت لوگوں کو اپنے مذاہب کا وجود خطرے میں نظر آنے لگا تو اُنھوں نے اصلاحی تحریکیں شروع کیں۔ اِن میں یورپ میں عیسائی پروٹسٹنٹ تحریک اور ہندوستان میں بھگتی تحریک قابل ذکر ہیں۔ عیسائی پروٹسٹنٹ کے پیروکاروں کا عقیدہ تھا کہ توبہ اور اِلتجا صرف خدا کے سامنے کرنی چاہیے، پادریوں کے سامنے ایسا کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اِسی طرح بھگتی تحریک کو ماننے والے بت پرستی، شراب نوشی، جوابازی اور ذات پات کے سخت مخالفت تھے اور توحید اور مساوات کے قائل تھے۔ اِس طرح اسلامی تہذیب نے دُنیا کے دیگر مذاہب میں بھی اِصلاحات کی داغ بیل ڈالی۔

### (۴) غلامی سے نجات

اسلامی تہذیب کی بدولت انسانوں میں یہ سوچ پیدا ہوئی کہ جب اللہ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے تو پھر انسان ہی انسان کو اپنا غلام کیوں بنالیتا ہے؟ چنانچہ اس چیز کو نفرت سے دیکھا جانے لگا کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اپنی غلامی میں جکڑ کر رکھے۔ اِس طرح غلامی سے نجات کی راہ ہموار ہوئی۔

### (۵) کائنات میں غور وفکر کی دعوت

اسلامی تہذیب نے انسان کو کائنات میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی۔ اِسی غور وفکر نے تجسس اور تحقیق کی بنیاد ڈالی جس نے آگے چل کر سائنس اور سماجی علوم کو ترقی دی اور انسان کی فلاح وبہبود میں معاون کردار ادا کیا۔

### (۶) یکساں عدل وانصاف

اسلامی تہذیب نے لوگوں میں یکساں عدل وانصاف کی فکر اور سوچ پیدا کی اور اُنھیں بتایا کہ جب سب انسان برابر ہیں تو سارے انسان قانون

کی نظر میں برابر کیوں نہیں؟ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بااثر قبیلے کی خاتون نے چوری کی تو اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوا۔ کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس اُس کی سزا میں کمی کی سفارش کے لیے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اُس کے بھی ہاتھ کاٹ دیے جاتے۔" اسلام کے اِس تصورِ عدل نے عرب معاشرے کے ساتھ ساتھ باقی دُنیا کو بھی متاثر کیا اور اُنھیں یکساں عدل و انصاف کی پالیسیاں اپنانے پر مجبور کیا۔

## 4- اسلامی تہذیب وتمدن کے معاشرتی اور سماجی اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن نے دُنیا پر جو معاشرتی اور سماجی اثرات مرتب کیے، اُس کے اہم نکات کا جائزہ درج ذیل ہے:

### (۱) عظمت انسانی کا تصور

اسلام سے قبل انسان کو کوئی عزت و وقار حاصل نہ تھا۔ عیسائیت میں انسان کو پیدائشی گناہ گار قرار دیا جاتا تھا اور مریم کی مورتی کی پوجا کی جاتی تھی۔ اِسی طرح ہندومت میں انسان کو پیدائشی طور پر غلیظ قرار دے کر گائے کے گوبر اور پیشاب سے اُس کو پاک کیا جاتا تھا اور بتوں کے آگے جھکایا جاتا تھا۔ اِس کے برعکس اسلامی تہذیب میں انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولقد کرمنا بنی آدم** "بے شک ہم نے انسان کو بزرگی بخشی ہے۔" عظمت انسانی کے اِس اسلامی تصور نے واضح کیا کہ انسان کوئی گھٹیا مخلوق نہیں جو مظاہر فطرت اور دیگر مخلوقات کی اِطاعت کرے بلکہ یہ تمام چیزیں انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

### (۲) عورت کی حیثیت میں اضافہ

اسلام سے پہلے عورت کی معاشرہ میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ اُسے ذلیل، کم تر اور منحوس تصور کیا جاتا تھا۔ نیز بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اِس کے برعکس اسلام نے عورت کے حقوق کا تحفظ کر کے اُس کی معاشرتی حیثیت میں اضافہ کرتے ہوئے اُسے بلند مقام عطا کیا۔ مثلاً عورت کو وراثت میں حصہ دار بنایا، خاوند سے گزارہ نہ ہونے کی صورت میں خلع کا حق دیا، حقوق زوجیت کے عوض حق مہر کا حق دار ٹھہرایا اور عورت کی مرضی کے بغیر نکاح کو حرام قرار دیا۔ ماں کی حیثیت سے اُسے جنت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا، بیٹی کی حیثیت سے اُسے دوزخ کی آگ سے نجات کا ذریعہ ٹھہرایا اور بیوی کی حیثیت سے اُسے قابل احترام اور دل کا سکون قرار دیا۔ مختصر یہ کہ اسلام نے عورت کو ہر قیمت میں قابل احترام اور معزز قرار دیا۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ باقی دُنیا میں بھی عورت کے عزت و وقار میں اضافہ ہوا اور اِس کے حقوق کا تحفظ ہوا۔

### (۳) طہارت و پاکیزگی

اسلام سے قبل لوگوں میں طہارت و پاکیزگی کا کوئی خاص تصور نہ تھا۔ اسلام نے لوگوں کو وضو، غسل اور تیمم کے ذریعے پاک صاف رہنے کی ترغیب دی اور کپڑوں کو پاک صاف رکھنے پر زور دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ترجمہ: "اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور گندگی سے دُور رہو۔"

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "پاکیزگی نصف ایمان ہے"۔ یوں اسلام نے طہارت و پاکیزگی کے ذریعے صحت وصفائی، ذوق جمالیت اور حسن معاشرت کو پروان چڑھایا۔

### (۴) معاشرتی فلاح و بہبود

اسلامی تہذیب نے اپنے مخصوص اوصاف جیسے عدل و انصاف، رواداری، حقوق کی فراہمی، محنت کی عظمت، اُخوت و مساوات اور آداب معاشرت کی بنا پر معاشرتی فلاح و بہبود کی بنیاد رکھی جس سے معاشرتی زندگی میں حسن اور رعنائی پیدا ہوئی اور معاشرتی تعمیر و ترقی کو فروغ حاصل ہوا۔

### (۵) رشتہ نکاح

اسلام سے قبل نکاح کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ایک مرد بیک وقت کئی بیویاں رکھ سکتا تھا اور اپنی جنسی ہوس پوری کرنے کے لیے بیویوں کے علاوہ دیگر عورتوں سے بھی تعلقات اُستوار کرسکتا تھا۔ اسلام نے اِس غیر مہذب رسم کا خاتمہ کرتے ہوئے میاں بیوی کے درمیان نکاح کے بندھن کو لازمی قرار دیا۔ اِس طرح ایک خاندانی نظام وجود میں آیا اور مرد و زن اخلاقی بُرائیوں سے محفوظ ہو گئے۔ اسلام کے اِس اقدام کا اثر دُنیا کے دیگر مذاہب پر بھی پڑا اور اُنھوں نے اپنی شادی بیاہ کی رُسومات میں اصلاحات کیں۔

## 5- خلاصۂ بحث

اسلامی تہذیب نے مغربی تہذیب پر کئی حوالوں سے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اِس کی واضح وجہ اخلاقی اُصول ہیں۔ جس وقت تک ہم اخلاقی اُصولوں کی پاس داری کرتے تھے ہم بحیثیت مسلمان دُنیا پر حکمران بھی تھے اور دُنیا علمی، فکری اور معاشرتی سطح پر ہمارے اثرات کو قبول بھی کر رہی تھی۔ لیکن آج ہم جس عہد میں زندہ ہیں وہاں پر مسلمانوں کی اخلاقی صورت حال کافی دگرگوں ہے۔ مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کی اصل جنگ اخلاقی اُصول ہیں۔ تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ بھی اصل میں اخلاقی اُصولوں کی فتح و شکست کا نظریہ ہے۔ اخلاقی اعتبار سے جو تہذیب جتنی زیادہ مضبوط ہوگی وہی پوری دُنیا پر حکمرانی کرے گی۔ وہی تہذیب دُنیا کو نیو ورلڈ آرڈر دے گی۔ وہی تہذیب دُنیا کی امامت کی مستحق ہوگی کیونکہ ریاستیں چند اخلاقی اُصولوں پر قائم ہوتی ہیں، نشوونما پاتی ہیں اور اپنا نظام تشکیل دیتی ہیں۔ مغرب اپنی مادی ترقی کی وجہ سے آج دُنیا پر حکمرانی نہیں کر رہا بلکہ حکمرانی کے باب میں چند اخلاقی اُصول ہیں جن کی وہ پاس داری کرتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس نے بہت سارے اخلاقی اُصولوں کی دھجیاں بھی بکھیری ہیں لیکن مغربی ممالک نے اِن اخلاقی اُصولوں کی خلاف ورزیاں اپنے ملکوں میں نہیں بلکہ باہر کی دُنیا کے حوالے سے کی ہیں۔

باب نمبر 5

# اسلام اور دُنیا

- اسلام کے مغرب پر اثرات
- مغرب کے اسلام پر اثرات
- اسلام اور عصرِ حاضر کے چیلنجز
- اسلام کا تصور جہاد اور دہشت گردی میں فرق
- اِنتہا پسندی، مفہوم، اسباب اور حل
- فرقہ واریت، اسباب، نقصانات اور حل

# اسلام کے مغرب پر اثرات

## اہم نکات

1- تعارف
2- انسانی علم کے حوالے سے اسلام کا نقطۂ نظر
3- مسلمانوں کا شوق علم
4- عیسائیوں کے کُتب خانے
5- اسلامی تہذیب کا یورپی تہذیب پر اثر
6- عربی زبان کا یورپی زبانوں پر اثر
7- عیسائیوں میں عربی علوم کا شوق
8- مسلم زراعت کے اثرات
9- مسلم فلسفے کے اثرات
10- صلیبی جنگوں کے اثرات
11- مسلم طب کے اثرات
12- مسلم تجارت کے اثرات
13- مسلم کیمیا کے اثرات
14- صنعت و حرفت کے اثرات
15- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

آٹھویں صدی قبل مسیح سے پہلے یورپ میں کیا ہورہا تھا۔ ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ قیاس یہ ہے کہ وہاں وحشی قبائل آباد تھے۔ جن کے سردار جُدا جُدا تھے۔ مذہباً ملحد یا بت پرست تھے اور پڑھنے لکھنے سے بالکل ناآشنا تھے۔ آٹھویں صدی قبل مسیح کے بعد تاریخ یورپ تین دوروں میں بٹ گئی۔ اول، دورِ قدیم، جو آٹھویں صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ زمانہ ہے جب رومہ کی عظیم سلطنت قائم ہوئی تھی اور یونان سے علوم وفنون کے دریا بہہ نکلے تھے۔ دوم، قرونِ وسطیٰ۔ یعنی وہ زمانہ جو زوالِ رومہ 476ء سے شروع ہو کر یورپ کی حیاتِ ثانیہ (سولھویں صدی) پر ختم ہوتا ہے۔ سوم، عصرِ حاضر جو سولھویں صدی سے شروع ہوا۔ گیارھویں صدی میں اسلامی تہذیب، تمدن اور علوم وفنون مختلف راستوں سے یورپ میں پہنچے اور وہاں کی تاریکیوں میں ہلچل سی پیدا ہوگئی۔ پانچ چھ صدیوں کے بعد وہاں اُجالا سا ہونے لگا۔ جا بجا مدارس کھل گئے۔ تالیف وترجمہ کے ادارے قائم ہوگئے۔ عربی علوم کے تراجم ہونے لگے۔ پاپائیت کا زور ٹوٹ گیا۔ مذہبی اوہام کے محل مسمار ہوگئے۔ جاگیردارانہ نظام مٹ گیا۔ اِسی دور میں برطانیہ (1688ء)، فرانس (1789ء) اور امریکہ (1776ء) میں انقلابات آئے اور انسانی فکر، شخصی حکومت اور کلیسائی بندشوں سے آزاد ہوگئی۔ مغرب کی اِس روشنی میں اسلام کے روشن علوم وفکر کا بھی کردار ہے، لیکن افسوس! ہمارا حال اُس شخص کی طرح ہے جو آواز لگا تا رہا لوگو! جاگ جاؤ۔ جب لوگ جاگ گئے۔ وہ خود سو گیا۔ آج ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان اپنے اسلاف کے کارناموں پر صرف فخر نہ کریں بلکہ عملاً بھی انسانی ترقی کے لیے کوشش کریں۔

## 2- انسانی علم کے حوالے سے اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام نے پہلی بار یہ انقلابی تبدیلی پیدا کی کہ مذہبی علم اور طبیعاتی علم کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ مذہبی علم کا ماخذ خدائی اِلہام قرار پایا جس کا مستند ایڈیشن ہمارے پاس قرآن کی صورت میں محفوظ ہے۔ مگر طبیعاتی علوم میں پوری آزادی دے دی گئی کہ آدمی ان میں آزادانہ تحقیق کرے اور آزادانہ طور پر نتائج تک پہنچ سکے۔ صحیح مسلم (جلد 4) میں ایک باب کا عنوان اِن الفاظ میں قائم کیا گیا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ شرعی طور پر کہا ہو اس کا ماننا لازم ہے۔ مگر معیشت دُنیا کے بارے میں آپ کا قول اِس سے مستثنیٰ ہے۔'' اِس باب کے تحت امام مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ موسیٰ بن طلحہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسے لوگوں پر گزرا جو کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟'' لوگوں نے بتایا کہ وہ تلقیح (Pollination) کا عمل کر رہے ہیں۔ یعنی مذکر کو مونث پر مار رہے ہیں تو اِس سے فصل زیادہ ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں گمان نہیں کرتا کہ اس سے کچھ فائدہ ہوگا۔'' یہ بات لوگوں کو بتائی گئی تو اُنھوں نے تلقیح کا عمل چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اِس سے ان کو نفع ہوتا ہو تو وہ ایسا کریں، کیوں کہ میں نے صرف ایک گمان کیا تھا تو تم میرے گمان کی پیروی نہ کرو۔ مگر جب میں تم سے اللہ کی کوئی بات کہوں تو اس کو اختیار کرلو۔ کیوں کہ میں اللہ عزوجل کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں کہتا۔'' (صحیح مسلم)

### (ا) فکری انقلاب کے ذریعے اثر

مولانا وحید الدین اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''غیر مقدس کو مقدس بنانا قدیم زمانہ میں تمام ترقیوں کا دروازہ رُوکے ہوئے تھا۔ چاند کو مقدس بنانا اِس میں مانع تھا کہ انسان اِس کے اُوپر اپنا پاؤں رکھنے کی بات سوچ سکے۔ دریا کو مقدس سمجھنا اِس میں مانع ہوگیا کہ انسان دریا کو مسخر کر کے اِس سے بجلی پیدا کرنے کا منصوبہ بنائے۔ گائے کو مقدس سمجھنا اِس میں مانع بن گیا کہ انسان اس کے گوشت کی پروٹینی اہمیت کو سمجھے اور اِس کو اپنی خوراک بنائے۔ اِس قسم کی تمام تحقیق

سے تسخیر کا کام صرف اُس وقت شروع ہو سکا جب کہ اشیا فطرت کو تقدس کے مقام سے ہٹایا گیا اور اس کو اُس سطح پر لایا گیا جہاں انسان ان کو ایک عام چیز کی حیثیت سے دیکھ سکے۔ اسلام سے پہلے ستاروں کو صرف پرستش کا موضوع سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی انقلاب کے بعد پہلی بار بڑے پیمانے پر انسان نے تجربہ گاہیں قائم کیں اور اُن کو مطالعہ کا موضوع بنایا۔ زمینی معدنیات کو اب تک تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اہل اسلام نے پہلی بار کیمسٹری کا فن دریافت کر کے مادہ کو تحقیق و تجزیہ کا موضوع بنایا۔ زمین کو اب تک خدائی چیز سمجھا جاتا تھا۔ (مثلاً یہ کہ آسمان مذکر دیوتا ہے اور زمین مونث دیوتا) مسلمانوں نے پہلی بار اس کی پیمائش کر کے اِس کا طول وعرض معلوم کیا۔ سمندر کو انسان اب تک صرف پوجنے کی چیز سمجھتا تھا، مسلمانوں نے پہلی بار اس کو وسیع پیمانہ پر آبی گزرگاہ کے طور پر استعمال کیا۔ طوفان اور ہوا کو انسان پُراسرار چیز سمجھ کر پوجتا تھا، مسلمانوں نے اِس کو ہوا چکی (Wind mill) میں تبدیل کر دیا۔ درختوں سے پُراسرار کہانیاں وابستہ کر کے اِن کو قابل تعظیم سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر تحقیق شروع کی، حتی کہ اُنھوں نے نباتات کی علمی فہرست میں مجموعی طور پر دو ہزار پودوں کا اضافہ کیا۔ جن دریاؤں کو لوگ مقدس سمجھتے تھے اور اُن کو خوش کرنے کے لیے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو زندہ حالت میں اِس کے اندر ڈال دیتے تھے، اِن دریاؤں سے نہریں کاٹ کر آبپاشی کے لیے استعمال کیا اور زراعت کو بالکل نئے دور میں داخل کر دیا۔'' **(اسلام دورِ جدید کا خالق، ص33)**

## (۲) توہم پرستی کے خاتمے کے ذریعے اثر

''اُس زمانہ میں مسلمان دوسری قوموں سے اتنا زیادہ آگے تھے کہ مسلمان جب اسپین سے ملک بدر کیے گئے تو اُنھوں نے وہاں تجربہ گاہیں چھوڑیں جن کے ذریعہ وہ آسمانی اجرام کا مطالعہ کرتے تھے۔ اِن چھوڑی ہوئی رصد گاہوں کا استعمال سپین کے عیسائی نہیں جانتے تھے چنانچہ اُنھوں نے اِن کو کلیسا کے گھنٹہ گھر میں تبدیل کر دیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قدیم زمانہ میں ساری دُنیا میں شرک اور توہم پرستی کا غلبہ تھا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی شرک اور توہم پرستی ہر قسم کی ترقی کی راہ میں رُکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اسلام کے ذریعہ توحید کا جو انقلاب آیا اُس نے تاریخ میں پہلی بار شرک اور توہم پرستی کے غلبہ کو عملاً ختم کیا۔ اُس کے بعد عین اس کے فطری نتیجہ کے طور پر انسانی تاریخ ترقی کے راستہ پر چل پڑی۔ قدیم زمانہ میں بعض ملکوں میں کچھ تخلیقی ذہن پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے ماحول سے الگ ہو کر سوچا۔ مگر ماحول کی مخالفت کی وجہ سے اُن کی کوشش آگے نہ بڑھ سکی۔ اُن کے علم کی کلی پھول بننے سے پہلے اپنی شاخ پر مرجھا کر رہ گئی۔ اسلامی انقلاب نے جب اس کے موافق ماحول پیدا کیا تو علم کا وہ سیلاب پوری تیزی سے بہہ پڑا جو ہزاروں سال سے توہمات کے بند کے پیچھے رُکا ہوا تھا۔'' **(اسلام دورِ جدید کا خالق، ص34)**

# 3- مسلمانوں کا شوقِ علم

یوں تو آغازِ اسلام میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ شاعرِ رسالت حضرت حسان بن ثابتؓ ۔۔۔ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ کے دیوان، ''حضرت عبداللہ بن عباسؓ'' کی تفسیر، حضرت کعب بن زُہیرؓ کا قصیدہ (بانَتْ سُعاد)، حضرت علیؓ کے خطبات و خطوط کا مجموعہ (نہج البلاغہ)، حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مجموعۂ احادیث، ابن العرام کا جغرافیہ عرب، ورقہ بن نوفل کا ترجمۂ تورات و انجیل اور درجنوں شعرا کا کلام اِس پر شاہد ہیں، لیکن جب ہمارے سلاطین و خلفا دُنیا کو فتح کرنے سے فارغ ہوئے تو اُنھوں نے علوم وفنون کی طرف خاص توجہ دی۔ دار الکتب قائم ہوئے۔ تصنیف و ترجمہ کے ادارے بنے۔ دُنیا بھر سے علما اور کتابیں دار الخلافہ میں آنے لگیں۔ یہ کام دورِ اُمیہ میں شروع ہوا تھا۔ یزید اول (680ء) کے بیٹے خالد نے ایک ''دار الترجمہ قائم'' کیا تھا۔ جس میں ایک پادری اُہرن نامی نگرانی پر مامور تھا۔ خود خالد بھی مصنف تھا۔ امیر معاویہؓ (661-680ء) کی خواہش پر ایک عیسائی عالم ''ابن آثال'' نے طب کی کچھ کتابیں عربی میں ترجمہ کیں۔ ہشام بن عبدالملک کے میر منشی ''سالم'' نے ارسطو کے بعض رسائل کا ترجمہ کیا۔ اِسی خلیفہ نے فارسی کا ایک شاہ نامہ بھی عربی میں منتقل کرایا تھا۔

## (۱) عباسی خلفا کی علم دوستی

عباسی خلفا نے دُنیا کے ہر حصے میں اپنے آدمی بھیجے جو کتابوں کے انبار لے کر واپس آئے۔ جہاں بھر کے حکما اور علما دربارِ خلافت میں اکٹھے ہوئے اور تصنیف و ترجمہ پر مامور ہوئے۔ ان لوگوں نے تھیلو سے لے کر بطلیموس تک کی تصانیف عربی میں منتقل کر ڈالیں۔ جالینوس اور ارسطو کی کتب کی شرحیں لکھیں۔ یونانیوں کی غلطیاں نکالیں، بطلیموس کے بعض مشاہدات پر تنقید کی۔ نہایت محنت سے ستاروں کے مقام و حرکت کی فہرستیں بنائیں۔ زمین کی جسامت معین کی۔ کئی قسم کے اُصطرلاب (زمینی پیمائش کے آلات) بنائے۔ علما کے ساتھ بعض وزرا، اُمرا اور سلاطین بھی کتب خانوں اور رصد گاہوں میں جا بیٹھے۔ حکومت یونان کو جسے دُنیا بھول چکی تھی، پھر زندہ کیا۔ قرطبہ سے سمرقند تک ہزاروں درس گاہیں قائم کیں۔

## (۲) سلطان محمود غزنوی کی علم دوستی

علم و ادب کی تخلیق کوئی آسان کام نہیں۔ اِس کے لیے برسوں کا مطالعہ، غور و خوض، ایثار اور یکسوئی چاہیے۔ جب تک ادیب فکرِ معاش سے آزاد نہ ہو وہ لکھ نہیں سکتا۔ تخلیق ادب کے لیے یا تو حکومت کی سرپرستی چاہیے اور یا اُمراء کی۔ یورپ میں ایک آدمی صرف ایک کتاب لکھ کر فکرِ معاش سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ انگلستان کی مشہور شخصیت چرچل کی کتاب ''دوسری جنگ عالمگیر کی تاریخ'' کو ایک پبلشر نے ایک پونڈ فی لفظ کے حساب سے خریدا تھا۔ لیکن ایشیا میں یہ صورت نہیں۔ یہاں ادیب کو روزی کا بھی دھندا کرنا پڑتا ہے۔ آج سے ہزار سال پہلے صورتِ حال مختلف تھی۔ اُس دور میں سلاطین اہلِ علم کا شکار کھیلتے تھے اور جس طرح بن پڑتا، اُنھیں اپنے ہاں بلا لیتے تھے۔

اُس حوالے سے ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے ایک اہم واقعہ نقل کیا ہے:

''جب سلطان محمود غزنوی کو معلوم ہوا کہ خوارزم شاہی دربار میں البیرونی (1048ء) اور ابن سینا (1037ء) جیسے فضلا موجود ہیں تو اُس نے خاص قاصد بھیج کر اُنھیں طلب کیا اور ساتھ ہی ''شاہ خوارزم'' کو دھمکی دی کہ اگر اُنھیں نہ بھیجا تو سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔ محمود غزنوی کے دربار میں چار سو علما و شعرا تھے۔ یہی حال سلجوقیوں، عباسیوں، سامانیوں، خوارزمیوں اور دیلمیوں کا تھا۔ پروفیسر براؤن (تاریخ ادب فارسی کا مصنف) محمود کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ اہلِ علم کو 'اِغوا' کیا کرتا تھا۔''

## (۳) عربوں کی درس گاہیں

دُنیائے اِسلام میں ہزارہا مساجد تھیں اور ہر مسجد سے درس گاہ کا کام لیا جاتا تھا۔ اِن مساجد کے علاوہ ہر بڑے شہر میں بڑے بڑے دار العلوم موجود تھے۔ مثلاً بغداد میں نظامیہ اور تیس دیگر کالجز تھے۔ جن میں ہزارہا طلبہ بیک وقت تعلیم پاتے تھے۔ جب سعدی (1291ء) نظامیہ میں داخل ہوا تو اُس وقت وہاں سات ہزار طلبہ زیرِ تعلیم تھے۔ مزید تین ہزار کی ابھی گنجائش تھی۔ مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''دار العلوم نظامیہ ایک شہر تھا۔ لاتعداد کمرے اور ایک وسیع ہال جس میں دس ہزار انسان سما سکتے تھے۔ کالج میں قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ، ریاضی، ہیئت اور دیگر علوم کی تدریس کا پورا انتظام تھا۔ ایک شعبہ اجنبی زبانوں کا تھا۔ جہاں یونانی، عبرانی، لاطینی، سنسکرت اور فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ تیر اندازی، تیغ بازی، اور گھڑ سواری کی بھی مشق کرائی جاتی تھی۔''

سپین میں حصولِ علم کے حوالے سے ڈاکٹر غلام جیلانی برق رقم طراز ہیں:

''جب گیارھویں صدی میں اٹلی کا ایک پادری ''پیٹر نامی'' حصولِ علم کے لیے سپین گیا تو اُس نے قرطبہ و غرناطہ میں ہر خطے کے طلبا دیکھے۔ جن میں چند ایک انگریز بھی تھے۔ اساتذہ کا سلوک بیرونی ممالک کے طلبہ سے بڑا ہی فیاضانہ اور مشفقانہ تھا۔ خلیفہ کے محل میں ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں کتب کی تعداد چار لاکھ تھی۔ وہاں کاتبوں، جلد سازوں اور نقاشوں کا بھی ایک بڑا گروہ تھا۔ جن کا کام کتابوں کو نقل کرنا اور جلد باندھنا تھا۔

خلیفہ کے درجنوں قاصد دُنیا بھر سے کتابیں جمع کرنے پر مامور تھے۔قرطبہ کے ایک پادری الوارو لکھتا ہے کہ تمام تعلیم یافتہ عیسائی نوجوان عربی مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ عربی زبان وادب سے آشنا ہیں۔عربوں کی کتابیں ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔مطالعہ کے لیے عربوں کے کتب خانوں میں جاتے ہیں۔اور شب وروز عربی ادب کے گن گاتے رہتے ہیں۔جب آرِی لک (فرانس) کا ایک معلم سپین سے ریاضی وہیئت سیکھ کر واپس گیا تو اس کے رُفقا وطلبا اُس کی معلومات سن کر حیرت زدہ ہو گئے۔جامعہ قرطبہ عربوں کی قدیم ترین یونیورسٹی تھی۔جس کی بنیاد عبدالرحمان سوم (912-961ء) نے ڈالی تھی۔اِس میں یورپ، افریقہ اور ایشیا تک سے طلبہ آتے تھے۔اِس کی لائبریری میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔اِس کی فہرست چوالیس جلدوں میں تیار ہوئی تھی۔جب مسلمانوں کو سپین سے نکال دیا گیا اور اِن کی کتابیں جلادی گئیں تو سپین کے بادشاہ فلپ دوم (1556-1598ء) کو لائبریری بنانے کا خیال آیا۔پوری تلاش کے بعد اُسے صرف اٹھارہ سو کتابیں ملیں۔جن میں اسلامی کتب صرف نوسو تھیں۔اِسی لائبریری کا نام اِسکوریل لائبریری ہے جو میڈرڈ میں قائم ہوئی تھی۔''

## (۴) عربوں کے کتب خانے

قرطبہ میں خلفائے اموی نے ستر ''دارالکتب'' قائم کیے تھے۔اِن میں سے ایک اِتنا بڑا تھا کہ اُس کی فہرست چوالیس جلدوں میں تیار ہوئی تھی۔اُس میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔طرابلس کی لائبریری میں تیس لاکھ کتابیں تھیں۔وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ کتابوں کا شوق حدِ جنون تک پہنچا ہوا تھا۔ہر لکھا پڑھا آدمی کتابوں کو نشانِ تہذیب سمجھ کر جمع کیا کرتا تھا۔ہر مکتب ومسجد کے ساتھ لائبریری ہوتی تھی۔علما، وزرا، اُمرا اور سلاطین کے ذاتی وسرکاری کتب خانے اِن کے علاوہ تھے۔

ابن ندیم رقم طراز ہے:

> ''میں نے بغداد میں ایک کتب خانہ دیکھا، اِس میں شعرائے عرب کے قصائد، کتب حکایات، امام حسنؓ وحسینؓ اور امیر المومنین حضرت علیؓ کی تحریرات، دستاویزات ومعاہدات تھے۔ابن خلکان کی روایت ہے کہ ابن العلاء نے عربی اشعار اور خطبات کے اِس قدر مجموعے جمع کیے تھے کہ اُن کا مکان چھت تک بھر گیا تھا۔''

علامہ نے اپنے بیٹے کو درست وصیت کی تھی۔

ع دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

## 4- عیسائیوں کے کتب خانے

یہ تو مسلمانوں کی حالت تھی۔رہے عیسائی تو 1300ء میں اِن کی سب سے بڑی لائبریری کینٹربری میں تھی۔جس میں صرف 5000 کتابیں تھیں۔دوسری کلونی (فرانس) میں جہاں 570 کتابیں تھیں۔یورپ کی کسی اور لائبریری میں سو سے زیادہ کتابیں نہیں تھیں۔بارہویں صدی کے ایک پادری عالم برنارڈ (1153ء) کی وفات پر اُس کی لائبریری کو کھولا گیا تو اُس میں سے صرف چوبیس کتابیں نکلیں۔کتابوں کی کم یابی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ عیسائیوں میں لکھنے والے بہت کم تھے اور دوسری یہ کہ اُن کے ہاں کاغذ نہیں تھا۔وہ چمڑے کی جھلی پر لکھتے تھے جو اِس حد تک مہنگی تھی کہ ایک معمولی کتاب دوسو ڈالر میں آتی تھی۔اُسی دور کا واقعہ ہے کہ یورپ کی ایک امیر خاتون کو پندونصائح کی ایک کتاب دوسو بھیڑوں اور پانچ من غلہ دے کر خریدنا پڑی۔اِن تفاصیل کا ماحصل یہ کہ عیسائی یورپ نے بارہ سو برس میں اندازاً دوسو کتابیں لکھیں اور ساٹھ لاکھ سے زیادہ جلادیں۔

## 5- اسلامی تہذیب کا یورپی تہذیب پر اثر

اِسلامی تہذیب نے حیاتِ مغرب کے ہر پہلو پہ اثر ڈالا۔ اُن لوگوں کے لباس بدل گئے۔ طور طریقے تبدیل ہو گئے۔ تعمیرات میں مشرقیت آ گئی۔ عورتوں کا احترام بڑھ گیا۔ اُنھوں نے حریص نگاہوں سے بچنے کے لیے نقاب اوڑھ لیے۔ باقی کیا کچھ ہوا؟ تفاصیل ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

(i) سسلی کا پہلا نارمن بادشاہ راجر اوّل (1091-1101ء) مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ لیکن اُس کا لباس اِسلامی تھا۔ اُس کے دربار میں مسلم علما اور حکما بھرے ہوئے تھے۔ اُس کے احکام عربی، یونانی اور لاطینی میں نکلتے تھے۔ یورپ میں کاغذ پر پہلی تحریر راجر اول کی بیوی کا ایک حکم تھا جو 1109ء میں عربی اور یونانی میں جاری ہوا تھا۔

(ii) راجر دوم (1105-1154ء) کے اسلامی لباس پر عربی آیات و امثال لکھی ہوئی تھیں۔ مشہور جغرافیہ دان اَلادریسی (1166ء) اُسی کے دربار میں رہتا تھا۔ مسلم سلاطین کی طرح اُس کے ہاں بھی ایک حرم تھا۔ جس میں متعدد بیویاں اور کنیزیں تھیں۔ اِس کے سکے پر یہ عبارت کندہ تھی:

اَلْمُعْتَزُّ بِاللهِ الْمَلِكُ الْمُعَظَّم ..... لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

راجر دوم کے بعد ولیم اول (1154-1166ء) تخت نشین ہوا۔ اُس کے سکے پر یہ عبارت لکھی تھی:

اَلْهَادُوْنُ بِاَمْرِ اللهِ الْمَلِكُ الْمُعَظَّم۔

(iii) سپین کا مشہور جغرافیہ دان ابن جبیر 1184ء میں سسلی پہنچا۔ وہاں کے بادشاہ کے متعلق لکھتا ہے:

> ''سسلی کا بادشاہ (ولیم دوم) حیرت انگیز انسان ہے۔ اِس کے خواجہ سرا، باورچی، تمام خدمت گار، وزراء اور دربان سب کے سب مسلمان ہیں۔ اِس کا سرکاری نشان ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَقَّ حَمْدِهٖ'' (تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جیسے اُس کی تعریف کا حق ہے) ہے اور اِس کا باپ (ولیم اول) کا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شُكْرًا لِاَنْعُمِهٖ'' (خدائی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے ہم اُس کی حمد کرتے ہیں) تھا۔ اِس کے محل کے زرکار (کپڑے پر طلائی کا کام کرنے والا) ''یحییٰ بن فتیان'' نے مجھے بتایا کہ جو عیسائی لڑکیاں شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں وہ مسلم کنیزوں کی نیکی، پاکیزگی اور نماز سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتی ہیں۔''

(iv) مَرسیہ (برطانیہ) کے ایک بادشاہ اوفا (Offa) (757-796ء) کا سکہ اِسلامی دینار کی شکل کا تھا۔ جس پر عربی حروف میں ایک عربی مثل کندہ تھی۔ یہ سِکہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

(v) اِسی میوزم میں نویں صدی کی ایک صلیب رکھی ہے جس پر کوفی خط میں لکھا ہے: بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

(vi) میلان (اٹلی) کے ایک کلیسا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سر کے گرد عربی حروف کا ایک ہالہ بنا ہوا ہے اور پطرس و پال کی تصاویر میں اُن کے لباس پر عربی عبارات ہیں۔

(vii) جرمنی کے ایک شہر نرن برگ میں شاہانِ سسلی کی ایک ایسی ریشمی چادر موجود ہے جس پر ایک کتبہ کوفی حروف میں درج ہے۔ یہ چادر 1126ء میں تیار ہوئی تھی۔ یہ رنگین ہے۔ اِس حقیقت پر واضح شہادت ہے کہ مسلمان رنگ بنانا بھی جانتے تھے۔

(viii) پُوی (فرانس) کے کلیسا کا دروازہ عربی کتبے سے آراستہ تھا۔ ناربون (فرانس) کی دیوار پر عربی تاج بنا ہوا تھا۔ عربوں کے کنگرے، چھجے اور مینار فرانس کے قلعوں، برجوں اور فصیلوں پر آج بھی نظر آتے ہیں۔

(ix) جرمن بادشاہ فریڈرک دوم (1212-1250ء) کا دربار مشرقی طرز کا تھا۔ وہی حرم، حاجب، خواجہ سرا، عربی لباس، دربار میں عرب علما کا ہجوم، باغات، فوارے، چڑیا گھر، علمی مسائل پر بحثیں اور عربی راگ عربی سازوں کے ساتھ۔ اگر کسی بادشاہ نے یورپ کو وحشت

وبربریت سے نجات دلائی ہے تو وہ شارلیمان نہیں بلکہ فریڈرک تھا۔ اُس نے مختلف مقامات پر یونیورسٹیاں قائم کیں۔ ''سلرنو'' میں عربی طب کا مدرسہ کھولا۔ اپنے ایک درباری ''مائیکل سکاٹ'' کو ابن رشد کی تصانیف جمع کرنے کے لیے قرطبہ بھیجا۔ اُن کی نقول ہر درس گاہ میں رکھوائیں۔

(x) چودھویں صدی میں آکسفورڈ اور پیرس میں عربی لازمی قرار دی گئی۔

(xi) مسلمانوں کی علمی مساعی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ میں جابجا علمی مجالس قائم ہوگئیں۔ اِن میں سے ایک لندن کی رائل سوسائٹی تھی۔ جس کی بنیاد 1662ء میں پڑی۔ پادریوں نے اِس کی شدید مخالفت کی اور اگر شاہ چارلس ثانہ (1660-1685ء) اِس کی مدد نہ کرتا تو یہ اُسی وقت ختم ہو جاتی۔ اِس سوسائٹی نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ مثلاً

- نیوٹن (1642-1727ء) کی کتاب ''پرنسپا'' شائع کی۔
- انسانی خون کے متعلق کئی انکشافات کیے۔
- چیچک کا ٹیکا عام کیا۔
- اِس کی مدد سے بریڈلے (1693-1726ء) نے ہیئت جدیدہ کی بنیاد ڈالی۔
- سطح زمین کی ازسرِ نو پیمائش کی۔

## 6- عربی زبان کا یورپی زبانوں پر اثر

عربی زبان کا اثر یورپی زبانوں پر کس حد تک پڑا، نیچے دیے گئے چارٹ میں چند مثالیں دیکھیے۔

| انگریزی | عربی | اُردو | انگریزی | عربی | اُردو |
|---|---|---|---|---|---|
| جبرالٹر | جبل الطارق | جبل طارق | اِنفلوئنزا | اِنزالُ الأَنف | ناک بہنا |
| اَرتھ | أَرض | زمین | بیس (base) | بِئس | بُرا۔خراب |
| کافن | کفن | کفن | سیفران | زعفران | زعفران |
| شاؤٹ | صَوْت | آواز | ماکری | مَکْر | مَکَر |
| ایڈ | أَید | مدد۔ہاتھ | ایڈمرل | أَمیرُ البَحر | سمندری فوج کا افسر اعلیٰ |
| اَلکیمی | الکیمیا | علم کیمیا | | | |

ہسپانوی زبان میں پہاڑوں، دریاؤں اور وادیوں کے نام کے ساتھ عربی کا اَل آج بھی موجود ہے۔ مثلاً

| عربی | ہسپانوی | عربی | ہسپانوی | عربی | ہسپانوی |
|---|---|---|---|---|---|
| وادی الحِجارہ | Quadal Aira | وادی الرَّملہ | Quadar Roma | اَلبُحَیرہ | Albuera |
| وادی الکبیر | Quadal Quivir | اَلبِرکہ (حوض) | Alverca | | |

چند دیگر الفاظ

| عربی | ہسپانوی | اُردو | عربی | ہسپانوی | اُردو | عربی | ہسپانوی | اُردو |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| فندق | Fonda | ہوٹل | طاحونہ | Tahona | چکی | تجارت | Tarifa | تجارت |
| جبل | Jabalcus | پہاڑ | المنارہ | Almenara | مینار | اَلمریّہ | Almeria | مینارِ روشنی |

## 7- عیسائیوں میں عربی علوم کا شوق

اہل یورپ عربوں کے شاندار علوم اور تاب دار تہذیب سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ عربی بولنے اور لکھنے پر فخر کرنے لگے۔ سسلی کے فرماں روا ولیم دوم (1166-1189ء) اور فریڈرک دوم (1212-1250ء) عربی کے عالم تھے۔ ولیم عموماً عربی میں گفتگو کیا کرتا تھا اور فریڈرک نے طول و عرض سلطنت میں ایسے مدارس کھول دیے تھے جہاں عربی لازمی تھی۔ جرمنی کی دو راہبات یعنی ''ہل ڈی گراڈ'' (1179ء) اور ''یوراس ویٹا'' نے بڑی تعداد میں ایسے سکول کھولے جن میں عربی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ اِن میں سے دو مدارس خاصے مشہور رہے۔ اوّل، ''فمہٹس'' سکول اور دوسرا ناربون (فرانس) کا ''بن عذرا'' سکول۔ ولیم فاتح برطانیہ (1066-1087ء) کے ہمراہ یہودیوں کی ایک خاصی تعداد فرانس سے برطانیہ میں پہنچی تھی۔ یہ لوگ عربی کے عالم تھے۔ اِنھوں نے انگلینڈ میں عربی مدارس کھولے۔ ایک آکسفورڈ میں جاری کیا۔ جہاں دو سو سال بعد راجر بیکن (1294ء) بحیثیت طالب علم داخل ہوا تھا۔ راجر بیکن بعد میں آکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ یہ اپنے طلبا سے کہا کرتا تھا کہ حقیقی علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ عربی زبان ہے۔ ''ابراہیم'' عذرا الطلیطلہ کا ایک یہودی تھا۔ جو 1158ء میں لندن پہنچا اور برسوں وہاں عربی میں درس دیتا رہا۔

## 8- مسلم زراعت کے اثرات

یورپ زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تہذیب سے متاثر ہوا۔ زراعت، صنعت، تجارت، صحت، علم، ادب، تہذیب، تمدن اور اخلاق ہر میدان میں مسلمانوں نے یورپ پر اِتنے گہرے اثرات چھوڑے کہ یورپ کی تہذیبی تاریخ کا رُخ ہی بدل گیا۔ یورپ پر اسلامی تہذیب کے اثرات کتنے گہرے تھے؟ اِس کا اندازہ اِن حقائق سے لگایا جاسکتا ہے۔ ''ول ڈیوران'' لکھتا ہے:

> ''اندلسی مسلمانوں نے چاول، گنا، انار، کپاس، ریشم، کیلا، سنگترہ، لیموں، کھجور اور پنیر وغیرہ کی کاشت کا فن ایشیا سے درآمد کیا اور پھر اہل یورپ کو یہ فن سکھایا۔ انگور کی کاشت مسلمانوں کے ہاں ایک مقبول صنعت تھی۔ قرطبہ، غرناطہ، ویلنشیا کے گرد و نواح کے پھل دار باغات زیتون کے درختوں کے جھنڈوں اور مرغزاروں نے سپین کو دُنیا کا باغیچہ بنا دیا تھا۔''

## 9- مسلم فلسفے کے اثرات

جرمنی کا عظیم فلسفی ''لبرتوس میگنوس'' (1206-1280ء) اور اٹلی کا فلسفی پادری طامس ''ایکوناس'' (1225-1274ء) عربی مدارس کے فارغ التحصیل تھے۔ ان دونوں نے فلسفے پر کتابیں لکھیں اور فارابی، سینا اور الکندی کے دلائل کو بعینہٖ لے لیا۔ مسلمان حکما نے یورپ کے پادریوں کو فلسفہ بھی دیا اور طب بھی یعنی اُنھوں نے پادری بھی پالے اور گلیلیو جیسے ہیئت دان بھی۔ 1473ء میں فرانس کے بادشاہ لوئی یازدھم (1461-1483ء) نے فرانس کے تمام مدارس میں ابن رشد کے فلسفے کی تدریس کو لازمی قرار دیا۔ اٹلی کی ایک یونیورسٹی (پڈوا) میں بھی ابن رشد کا فلسفہ شامل نصاب تھا۔

## 10- صلیبی جنگوں کے اثرات

اہل یورپ ابتدا سے ہی اسلامی علم و ادب، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور انداز حیات سے متاثر ہو کر مشرق کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ مشرق و مغرب کے درمیان صلیبی جنگوں کے نام سے جو معرکے صدیوں تک جاری رہے تھے اُنھوں نے بھی اہل مغرب کو مسلمانوں کی تہذیب اور اُن کے تمدن کی طرف متوجہ کیا تھا۔ سسلی کا بادشاہ فریڈرک دوم صلیبی لشکر کے ساتھ مشرق گیا تھا اور اس کے مصر و شام کے بادشاہ محمد الکامل کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم ہو گئے تھے۔ رچرڈ شیر دل بھی اپنے دشمن نمبر ایک صلاح الدین ایوبی کے کردار سے زبردست متاثر ہوا تھا۔ صلیبی جنگوں نے جہاں ایک طرف فریقین کو زبردست جانی اور مالی نقصان پہنچایا وہاں اِن کی وجہ سے مشرق و مغرب کو ایک دوسرے کو سمجھنے کے مواقع بھی میسر آئے۔ صدیوں کا یہ ملاپ گو معاندانہ ہی تھا لیکن صلیب و ہلال کی کشمکش کے دوران کئی مواقع ایسے آتے رہے جب مسلمان اور عیسائی آپس میں آزادانہ ملتے اور ایک دوسرے کی تہذیب کو دیکھتے تھے۔ تہذیبوں کے ٹکراؤ میں طاقت ور تہذیب، کمزور تہذیب کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے، یہی اس وقت بھی ہوا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ تاریخ ہمیں ایسے پادریوں کا پتا دیتی ہے جو اپنے گرجوں میں محو عبادت ہوتے تھے اور اُنھوں نے جو قبائیں زیب تن کر رکھی ہوتی تھیں اِن پر قرآنی آیات کڑھی ہوتی تھیں۔ عیسائی بادشاہوں کے سکوں پر عربی عبارات کندہ ہوتی تھیں اور وہ بڑے فخر سے عربی طرز حیات کو اپناتے تھے۔

## 11- مسلم طب کے اثرات

ایک جرمن مستشرق نے اپنی کتاب ''شمس العرب تسطع علی الغرب'' میں لکھا ہے کہ صلیبی جنگوں کے درمیان فرنگی مغربی اطبا پر بھروسا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنے مختلف امراض کا مشرقی اطبا سے علاج کروانے کو ترجیح دیتے تھے۔ مولانا وحید الدین رقم طراز ہیں:

> ''جغرافیہ میں نویں صدی عیسوی کے نصف اول میں خوارزمی اور اُس کے ساتھیوں نے معلوم کیا تھا کہ زمین کا محیط بیس ہزار اور اس کا نصف قطر 6500 میل ہے۔ یہ صحت نہایت حیرت انگیز ہے۔ دُنیائے اسلام میں یہ سرگرمیاں ایسے زمانہ میں جاری تھیں جب کہ سارے کا سارا یورپ زمین کے چپٹی ہونے کا قائل تھا۔ بارھویں صدی کے وسط میں الادریسی نے دُنیا کا ایک نقشہ بنایا۔ اِس نقشہ میں اُس نے دریائے نیل کا منبع بھی دکھایا جسے اہل یورپ کہیں انیسویں صدی میں جا کر دریافت کرنے کے قابل بنے۔ مسلمانوں نے اہل یورپ کی زمین گول ہونے کا عقیدہ اور مدوجزر کے اسباب کا تقریباً صحیح نظریہ منتقل کیا۔'' **(اسلام دورِ جدید کا خالق، ص 31)**

## 12- مسلم تجارت کے اثرات

انسان جب کسی دوسرے انسان سے ملتا ہے تو کچھ اُسے سکھاتا ہے اور کچھ اُس سے سیکھتا ہے۔ مسلمان تاجروں کا یہ امتیاز ہے کہ اُنھوں نے تجارت کی غرض سے دُنیا کے کونے کونے کا سفر کیا۔ وہ جہاں بھی گئے اپنا مذہب اور اپنی تہذیب ساتھ لے کر گئے۔ الغرض، مسلمان تاجروں نے یورپ کا رُخ کیا جہاں وہ مصر، تیونس، کریٹ، قبرص، جزائر یونان، شام، انطاکیہ، آرمینیا اور عراق وغیرہ کی منڈیوں میں صدیوں مغربی تاجروں سے ملتے رہے اور اُنھیں اپنی تہذیب سے متاثر کرتے رہے۔ موسیو لیبان لکھتا ہے:

> ''عرب تاجر دریائے وولگا کے راستے فن لینڈ تک جاتے تھے نیز بحیرہ بالٹک کے جزائر مثلاً گاٹ لینڈ، بارن ہوم اور آئر لینڈ سے ہو کر سویڈن اور ڈنمارک کو نکل جاتے تھے۔ ان جزائر سے کئی سو عرب سکے ملے ہیں اور یہ اس بات کی واضح شہادت ہے کہ عرب وہاں تجارت کے لیے گئے تھے۔ یہ سکے پولینڈ میں بھی دستیاب ہوئے ہیں۔''

غلام جیلانی برق ڈاکٹر ڈریپر کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''بارسلونا کی بندرگاہ خلفائے اندلس کی بحری تجارت کا مرکز تھی۔ یہاں سے سینکڑوں جہاز مال تجارت سے لدے ہوئے اطراف عالم میں جاتے تھے۔ مسلمانوں نے یہودی تاجروں کی مدد سے تجارت کے بہت سے اُصول اختراع کیے جو رفتہ رفتہ یورپ کی تاجر جماعتوں تک پہنچے۔ حساب میں ڈبل انٹری سسٹم مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ عربوں نے ہند، چین، ملاکا اور ٹمبکٹو تک خشکی کے راستے کھول دیے اور سوڈان سے مڈغاسکر تک تجارتی منڈیوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا۔ جہاز سازی کے فن کو ترقی دی۔ دُنیا کو بحر پیمائی کا درس دیا اور بحری تجارت کے لیے انتظامی کونسلیں قائم کیں۔''

## 13- مسلم کیمیا کے اثرات

طب، فلکیات اور ریاضی کے بعد مسلم عہد کا سب سے بڑا سائنسی عطیہ کیمسٹری ہے۔ مسلم سائنس دانوں نے علم کیمیا کو کیمیا گری کے دائرہ سے نکالا اور اِس کو ایک باقاعدہ تجرباتی علم کا درجہ دے دیا۔ اِن ہی کے ذریعہ سے دُنیا پہلی بار سائنسی طریق کار (Scientific method) سے متعارف ہوئی۔ یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے فزیکل علوم میں خارجی تجربہ کو رواج دیا۔ یہ یونانیوں کے اُلجھے ہوئے قیاسات پر ایک مانا ہوا اِرتقا تھا۔ جابر بن حیان (815-721ء) کا نام الرازی کے بعد قرون وسطی میں کیمیکل سائنس کے میدان میں سب سے بڑا نام ہے۔ فلپ ہٹی نے لکھا ہے کہ جابر بن حیان نے تجربہ کی اہمیت کو اُس سے زیادہ واضح طور پر مانا اور بیان کیا جتنا کسی بھی قدیم کیمیادان نے نہیں کیا تھا۔ اُس نے کیمیا میں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے قابل ذکر ترقی کی:

He more clearly recognised and stated the importance of experimentation than any other early alchemist and made noteworthy advance in both the theory and practice of chemistry. (p. 380)

جابر کی کتابیں پندرہویں صدی عیسوی تک یورپ میں علم کیمیا میں آخری سند کا درجہ رکھتی تھیں۔ اٹھارویں صدی کی ترقی یافتہ مغربی کیمسٹری کا اِبتدائی زینہ جابر بن حیان ہی نے فراہم کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جابر بن حیان نے مختلف علوم پر تقریباً دو ہزار کتابیں تصنیف کی تھیں۔ مسلمانوں سے پہلے ایسا کوئی مصنف نہیں گزرا جس نے اِتنی زیادہ علمی کتابیں لکھی ہوں۔'' (اسلام دورِ جدید کا خالق، مولانا وحید الدین خاں، ص 38-40)

## 14- صنعت وحرفت کے اثرات

غلام جیلانی برق رابرٹ بریفالٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سسلی اور سپین کے تاجروں کی تجارتی و صنعتی سرگرمیوں نے یورپ کی تجارت و صنعت کو جنم دیا۔ اُس دور میں یورپ کے افلاس کی یہ حالت تھی کہ اٹلی کے تاجروں کے پاس عربوں کا مال خریدنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ وہ عموماً اردگرد کے دیہات سے بچے چرالاتے، اُنھیں غلام بنا کر بیچتے اور اِس طرح عربوں سے خریدی ہوئی چیزوں کی قیمت ادا کرتے۔ مسلمانوں کی تجارتی اور صنعتی میدانوں میں یہ ترقی اور معاصر یورپ کی اِن میدانوں میں پسماندگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ اہل یورپ اِن میدانوں میں مسلمانوں کی مہارت سے فائدہ اُٹھانے کی طرف مائل ہوئے۔ اُنھوں نے مسلمانوں کی ایجادات اور اُن کی مصنوعات کو خریدا۔ اُن کو اپنے معاشروں میں رواج دیا اور اِس طرح عربوں کی مصنوعات کا استعمال یورپ میں مہذب ہونے کی دلیل قرار پایا۔''

مسلمانوں کے یورپ پر اثرات کے حوالے سے مولانا وحید الدین خان ''موسیو لیباں'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''موسیو لیباں نے اپنی کتاب ''تمدن عرب'' میں لکھا ہے کہ قدیم زمانہ میں بہت سی قوموں نے اقتدار حاصل کیا۔ ایران، یونان اور روم نے مختلف زمانوں میں مشرقی ملکوں پر حکومت کی۔ مگر اِن ملکوں پر اُن کا تہذیبی اثر بہت کم پڑا۔ اُن قوموں میں وہ نہ اپنا مذہب پھیلا سکے، نہ اپنی زبان اور نہ اپنے علوم اور صنعت کو فروغ دے سکے۔ مصر بطلیموسیوں اور رومیوں کے زمانہ میں نہ صرف اپنے مذہب پر قائم رہا، بلکہ خود فاتحین

نے مفتوح قوموں کا مذہب اور طرزِ تعمیر اختیار کرلیا۔ چنانچہ اِن دونوں خاندانوں نے جو عمارتیں تعمیر کیں وہ فراعنہ کے طرز کی تھیں۔ لیکن جو مقصد یونانی، ایرانی اور رومی مصر میں حاصل نہ کر سکے، اس مقصد کو عربوں نے بہت جلد اور بغیر کسی جبر کے حاصل کرلیا۔ مصر جس کے لیے کسی غیر قوم کے خیالات کا قبول کرنا بہت دشوار تھا، اُس نے ایک صدی کے اندر اپنے سات ہزار سالہ پرانے تمدن کو چھوڑ کر ایک نیا مذہب اور نئی زبان اختیار کرلی۔ عربوں نے یہی اثر افریقہ کے ملکوں اور شام اور ایران وغیرہ پر بھی ڈالا۔ اِن سب میں تیزی کے ساتھ اسلام پھیل گیا۔ حتی کہ جن ملکوں سے عرب صرف گزر گئے، جہاں کبھی اُن کی حکومت قائم نہیں ہوئی، جہاں وہ صرف تاجر کی حیثیت سے آئے تھے، وہاں بھی اسلام پھیل گیا، جیسے چین وغیرہ۔'' (اسلام دورِ جدید کا خالق، مولانا وحید الدین خاں، ص 25)

## 15- خلاصۂ بحث

اگر مغرب اور مشرق کے معاشی، سماجی، علمی اور اخلاقی حالات کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے تو یہ جائزہ اِس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ جب مسلمان علم کے موتی لٹا رہے تھے، اُس وقت یورپ جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ مسلمان علما کے قلم سے ہزاروں علمی شاہپارے نکل رہے تھے جب کہ یورپ کی اکثریت کتاب کے نام تک سے ناآشنا تھی۔ مسلمانوں کے شہر اپنی صفائی اور خوب صورتی کی وجہ سے دل و نگاہ کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے، تو یورپ کے شہروں میں تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ جب عالم اسلام کی زمینیں کھیتیوں کی وجہ سے رشک ارم نظر آتی تھیں، تو یورپ کی زمینیں بنجر اور غیر آباد تھیں۔ مسلمانوں کے ہسپتالوں میں ہر قسم کے امراض کے علاج کے لیے بہترین سہولتیں موجود تھیں اور ماہر اطبا کی نگرانی میں ہر قسم کے مریضوں کے مفت علاج کیے جا رہے تھے، اُس وقت یورپ کے طبیب چند ٹوٹکوں کے سوا کچھ نہ جانتے تھے۔ اب ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم شاعرِ مشرق کے الفاظ پر توجہ دیں:

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں اُن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

وہ مزید فرماتے ہیں:

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

سوال 2

# مغرب کے اسلام پر اثرات

1- تعارف
2- مغربی اثرات کی تاریخ
3- مغرب کے تعلیمی اثرات
4- مغرب کے مذہبی اثرات
5- مغرب کے سیاسی اثرات
6- مغرب کے معاشی اثرات
7- مغرب کے معاشرتی اثرات
8- مغربی اثرات کے خاتمے کے لیے تجاویز
9- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

مغربی تہذیب وتمدن کے زیادہ اثرات ذہنی شکست اور اخلاقی بگاڑ کی صورت میں پیدا ہوئے۔ جن جن مسلمان ملکوں پر مغربی ممالک کا قبضہ ہوا وہاں اِن سب کی مشترک پالیسی یہ رہی کہ آزاد نظامِ تعلیم کو ختم کر دیا جائے۔ اِسی طرح یہ بھی اُن کی پالیسی کا ایک لازمی حصہ رہا کہ مفتوح قوموں کی اپنی زبانوں کو ذریعہ تعلیم اور سرکاری زبان کی حیثیت سے باقی نہ رہنے دیں اور ان کی جگہ فاتحین کی زبانوں کو سرکاری زبان قرار دیں۔ مشرق سے مغرب تک تمام مغربی فاتحین نے بالاتفاق یہی تمام مسلم ممالک میں کیا، خواہ وہ ڈچ ہوں یا انگریز۔ اس طریقہ سے اُن فاتحین نے ایک ایسی نسل تیار کر دی جو ایک طرف تو اسلام کی تعلیمات سے ناواقف اور دوسری طرف اُس کا ذہن اور انداز فکر مغربی سانچے میں ڈھل چکا تھا۔ پھر اُس نسل کے بعد مسلسل دوسری نسلیں ایسی آتی رہیں جو اسلام سے اور زیادہ دُور اور مغربی فلسفۂ حیات کے قریب تھیں۔ اُن کے لیے اپنی زبان میں بات کرنا باعث شرم اور فاتحین کی زبان میں بولنا باعث افتخار بن گیا۔ مغربی فاتحین نے لمبا عرصہ مسلمان ملکوں میں رہنے کے باوجود کبھی مسلمانوں کے لباس اور طرزِ زندگی کو اختیار کیا، مگر یہاں کے رہنے والے اپنے ہی ملکوں میں اُن فاتحین کے لباس، اُن کے رہن سہن کے طریقے، ان کے کھانے پینے کے ڈھنگ، ان کی ثقافت کے اطوار، حتیٰ کہ ان کی حرکات وسکنات تک کی نقل اُتارنے لگے اور اپنی قوم کی ہر چیز ان کی نگاہوں میں کم تر ہوگئی۔ پھر مغربی فاتحین کی تقلید میں اُن لوگوں نے مادہ پرستی، الحاد، قوم پرستی، اخلاقی بے راہروی اور فسق وفجور کا پورا زہر اپنے اندر جذب کر لیا، اور اُن کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو کچھ مغرب کی طرف سے آتا ہے وہ سراسر حق ہے، اُسے اختیار کرنا ہی ترقی پسندی ہے اور اُس سے منہ موڑنے کے معنی پسماندگی کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان اپنے فکر وفلسفہ کی روشنی میں تہذیب وثقافت کی عمارت تعمیر کریں۔

## 2- مغربی اثرات کی تاریخ

مغربی اثرات کی تاریخ کے حوالے سے ڈاکٹر مستفیض احمد رقم طراز ہیں:

''مذہب کے ساتھ عدم اعتماد کا رشتہ، گزشتہ پانچ صدیوں میں فروغ پایا ہے۔ بحران کا آغاز اُس وقت ہوا جب سولہویں صدی عیسوی کی مغربی نشاۃ ثانیہ حقیقت کا روپ دھار رہی تھی۔ قرون وسطیٰ کے اختتام پر اسلامی تہذیب کے ساتھ تعارف اور یونانی علوم کے اِحیا نے کلیسائی سلطنت روما کو فکری اور عملی لحاظ سے یکسر بدل کر رکھ دیا۔ انداز فکر ہی نہیں بدلا، طرز زندگی بھی تبدیل ہونے لگا۔ سائنسی طرز فکر نے فلسفے کے ساتھ ساتھ دینیات کے لیے بھی نئے چیلنج کھڑے کر دیے۔ علم بالحواس اور علم بالوحی کے درمیان عدم اعتماد کی خلیج حائل ہوگئی۔ انسانی علم، مادی اور رُوحانی شعبہ جات کی تقسیم میں بانٹ دیا گیا۔ زندگی کے دو دھارے، دینوی (Religious) اور دنیوی (Secular)، الگ مان لیے گئے۔'' **(الاضواء، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، ص 261)**

وہ اس حوالے سے مزید رقم طراز ہیں:

''نشاۃ ثانیہ کے زیر اثر مغربی معاشروں میں دُنیا اور آخرت کی دوئی، جسم اور رُوح کی تقسیم اور دین وسیاست کی تفریق نمایاں ہو کر سامنے آئی۔ سیکولرزم کی سیاسی تحریک نوآبادیاتی دور (Colonial Period) نے اقوام مشرق کو اپنی لپیٹ میں لیا، جب مغربی اقوام نے دُنیا کے اکثر ممالک پر معاشی اور سیاسی اجارہ داری قائم کرنا شروع کر دی۔ خاص طور پر اسلامی معاشروں کی حکمرانی برطانوی تاج کے زیر اثر آتی چلی گئی۔ گزشتہ صدی کے آغاز تک آدھی سے زیادہ دُنیا برطانوی راج کی باج گزار بن چکی تھی۔ دوسری جنگ عظیم نے پانسا پلٹا؛ نوآبادیاتی غلبے کے

خلاف ایک ردِعمل کی شروعات ہوئیں۔ تاہم، بیسویں صدی کے نصف آخر میں سیاسی اور علاقائی آزادی حاصل ہوجانے کے بعد بھی، آج تک، مسلم معاشرے عملاً نیم سیکولر معاشرے ہیں۔ دورِ جدید کے اسلامی معاشرے دوہرے چیلنج سے نبرد آزما ہیں۔ ایک طرف تو نئی نسلیں حقیقی قرآنی علمیات (Quranic Epistemology) سے محروم ہیں۔ دوسری جانب دُنیا کا جدید تعلیمی نظام سیکولر بنیادوں پر اُستوار ہے، جو بطورِ خاص اسلامی معاشروں میں ایک منتشر نظریات کو پروان چڑھا رہا ہے۔ ان کا ایمان الگ، شعور الگ اور تعمیر شخصیت کے پیمانے الگ بنیادوں پر کھڑے ہیں۔'' (الاضواء، شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، ص264)

## 3- مغرب کے تعلیمی اثرات

کسی بھی انسانی معاشرے کی کامیابی کی ضمانت ایک ''منظم نظام'' تعلیم ہوتا ہے جو افرادِ معاشرہ کو ایسی تعلیم فراہم کرے جو ایک طرف اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کی آبیاری کرے اور دوسری جانب اُن کی تربیت اِس انداز سے کرے کہ وہ معاشرے کے مفید اور کارآمد شہری بن جائیں۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ تعلیم و تربیت کا ایسا مثالی نظامِ تعلیم اُسی وقت ممکن ہے جب کہ معاشرہ ایک طرف زندگی گزارنے کے الٰہی ضابطے کی پیروی قبول کرلے اور دوسری طرف زمانے کے بدلتے تقاضوں سے نمٹنے کا فن سیکھ لے۔ ایسا ہی معاشرہ نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفی ﷺ نے عرب کی سرزمین پر تخلیق کیا تھا جو رہتی دُنیا تک کے لیے الٰہی ضابطہ حیات قبول کرنے والے انسانوں کے لیے مثالی نمونہ ٹھہرا۔ غیر معمولی انسانوں کی ایسی کھیپ تیار ہوگئی کہ عربوں سے پہلے تاریخ میں اِس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے قرآن حکیم کو بنیاد بنا کر علم وحی کی روشنی میں تعلیم و تعلم کی بنیاد رکھی جو زمانے کی تقاضوں اور اُصولوں سے مزین تھی۔ تقریباً ایک صدی میں اِس نظامِ تعلیم نے عربوں کو تہذیب کا امام بنا دیا تھا، اور یہ اُسی وقت ممکن ہوا جب انسانی معاشرے کی تعلیم کو اِلہامی تعلیم کے ساتھ منسلک کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا (الشمس:8)

ترجمہ: ''انسانی کی قسم اور اُس ذات کی جس نے اِسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کردی۔''

اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ پہلا ترقی یافتہ انسان آدم علیہ السلام، فطری تعلیم کے ساتھ کائنات میں جلوہ گر ہوا اور اُس کی تورسمی تعلیم ( Formal Education) بھی براہ راست، الٰہی تربیت سے آراستہ تھی، جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:3)

ترجمہ: ''آدم کو سب نام سکھا دیے۔''

عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ (العلق:5)

ترجمہ: ''اور انسان کو وہ علم دے دیا جسے وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔''

لیکن اِس کے مقابلے میں مغرب نے جو نظامِ تعلیم دیا ہے، اُس نے یقین سے زیادہ تشکیک کو پیدا کیا ہے۔ اُس نظامِ تعلیم میں دُنیاوی حوالے سے کچھ فوائد تو ممکن ہیں جب کہ اُخروی حوالے سے نقصانات کافی زیادہ ہیں۔ مغربی تعلیمی نظام نے انکارِ وحی اور انکارِ مذہب کو فروغ دیا ہے۔

## 4- مغرب کے مذہبی اثرات

اہلِ مغرب نے مسلم دُنیا پر کئی مذہبی اثرات مرتب کیے۔ اِن اثرات کا زیادہ تر اثر اِس وجہ سے ہوا کہ عوام کم فہم تھی اور مغربی عیاریوں اور

مکاریوں سے نا آشنا تھی۔آج بھی مسلم دُنیا اپنے مقصد سے بے خبر ہو کر اُن اثرات کے ریلے میں بہہ رہی ہے۔اِس وجہ سے اہل مغرب نے مسلم ممالک پر مندرجہ ذیل مذہبی اثرات مرتب کیے:

### (ا) سیکولرازم

مغرب نے مسلم قوم کے اندر سیکولرازم کو متعارف کرایا، نتیجتاً مسلمان نوجوان نقالی کرنے لگے۔سیکولرازم کا مطلب ہے کہ ریاستی سطح پر مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اس سیکولرازم کے غلبہ پانے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر جاوید اقبال رقم طراز ہیں:

''یورپ کی نوآبادیاتی طاقتوں کی اقتصادی ضروریات نے اُنھیں مجبور کر دیا کہ دُنیائے اسلام کی طرف بڑھیں۔یہ رُجوع بعض صورتوں میں تو اسلامی دُنیا کے کچھ حصوں پر تسلّط اور بعض صورتوں میں معاشی استحصال پر ہوا۔مغرب سے براہِ راست تعلق کے باعث جدید تصورات مثلاً سیکولرازم وغیرہ دُنیائے اسلام میں در آئے۔'' (جاوید اقبال ''مے لالہ وفام'' ص:2)

اور اب خود مسلمان ممالک اپنے آپ کو سیکولر کہلوانے کے خواہاں ہیں۔ان ممالک میں ترکی سرفہرست ہے۔''کمال اتاترک نے ملک کو سیکولرازم سٹیٹ میں تبدیل کر دیا۔اس میں اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل نہ رہی۔مصری معاشرہ تیزی کے ساتھ تغیر پذیر ہو گیا اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں افراد کی ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو اگر چہ مسلمان تو ہیں مگر اسلامی تہذیب سے عاری ہیں۔

### (۲) علمائے اسلام پر اثر

مغربی تہذیب نے عوام کو ہی نہیں بہت سارے مسلمان مفکرین کو بھی متاثر کیا۔مصر کے ایک مفکر ڈاکٹر طہٰ حسین کے بارے جسٹس محمد منیر رقم طراز ہیں:

''طہٰ حسین نے قرآن وحدیث کی حقیقت پر شبہ کا اظہار کیا، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی خانہ کعبہ کی تعمیر کرنے کی ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں ہے۔'' (اسلام اور تہذیب حاضر از جسٹس محمد منیر، ص:233)

اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ مغرب پسندی نے بے شمار علمائے اسلام پر اثر ڈالا جس کی بدولت اُن کے افکار ونظریات بدل گئے۔

## 5- مغرب کے سیاسی اثرات

### (ا) نیشنل ازم

مغربی قومیت کا تصور، رنگ، زبان، وطن اور نسل سے پیدا ہوتا ہے۔مذہب اور اخلاقیات وغیرہ اِس کی اساس نہیں بن سکتے۔بدقسمتی سے مغرب کے اِس فتنے کی بھی اسلامی ممالک نے خوب نقالی کی ہے۔بقول مولانا مودودیؒ کے:

''آج مغربی قوموں سے سبق سیکھ کر ہر جگہ مسلمان نسلیت اور وطنیت کے راگ الاپ رہا ہے۔عرب اپنی عربیت پر ناز کر رہا ہے۔ایرانی جوش میں آکر کہتا ہے کہ حسینؓ اور علیؓ ہمارے ہیرو بن گئے۔حالانکہ ہمارے ہیرو تو اسفند یار اور رستم ہیں۔ہندوستان میں بھی ایسے لوگ ہیں جو کہ آب زم زم کو چھوڑ کر آب گنگا سے وابستگی چاہتے ہیں۔'' (عصر حاضر میں اُمت مسلمہ کے مسائل اور اُن کا حل، ص:88)

### (۲) جمہوریت

جمہورت کے بارے میں سعید حلیم پاشا کہتے ہیں:

''اِس جمہوریت کے معنی سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کہ قلت تعداد کو کثرت کا محکوم بنادے۔ غالب آنے والی اکثریت کو ملک کی نگرانی کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ ان کی ذاتی اغراض میں صرف ہوتا ہے۔(اسلامی حکومت کی عملی تشکیل از سعید حلیم پاشا،ص:87)

خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

"Islamic democracy starts with the conviction on the basic unity of all humanity. The Prophet (PBUH) uffeared this conviction on various occasions and he moulded his attitudes, law and practices on this outlook."

اِس وقت مغرب کے نظریہ جمہوریت نے اکثریت کو غلبہ دے کر جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا قانون رائج کر دیا ہے۔ مسلم ممالک بھی اِس پالیسی کا شکار ہوئے ہیں۔

## 6- مغرب کے معاشی اثرات

معاشرہ سے مراد چندلوگوں کا آپس میں مل جل کر زندگی گزارنا ہے۔ ظاہر ہے جب لوگ مل کر پوری زندگی گزاریں گے تو وہ کسی نہ کسی طرزِ عمل سے متاثر ہوں گے۔ اِسی طرح موجودہ دور میں مغربی تہذیب نے معاشرے پر چند گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، جن کا خلاصہ اِن نکات میں بیان کیا جاتا ہے۔

### (۱) سودخوری

سود ایک زہر قاتل اور مہلک مرض ہے۔ یہ جس معاشرے میں رائج ہوجاتا ہے وہ معاشرہ زہر آلودہ ہوجاتا ہے۔ اُس کی رگ و پے میں زہر سرایت کر جاتا ہے۔ مگر یہ بُرائی بھی ہمارے معاشرے میں چلی آرہی ہے، مگر مغربی معاشیات کے ماہرین نے اس بُرائی کو اس طرح سے پیش کیا ہے کہ اِس کو بھلائی اور سویٹ ڈش میں تبدیل کر دیا ہے۔ سودخور اقوام عالم میں غریب ملکوں کو قرضے جاری کرتی ہیں اور صدیوں تک اُن کا خون ایک جونک بن کر چوستی رہتی ہیں۔ نیز سود کی عدم ادائیگی کے باوجود یہ ممالک کڑی شرائط طے کرنے پر بھی رضامند ہوجاتے ہیں اور مغربی ممالک کی سازشوں کی نظر ہوجاتے ہیں۔ قرآن مجید میں سود کی سخت وعید آئی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرہ:276)

ترجمہ: ''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

### (۲) سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت

گزشتہ صدی میں مشینی دریافت نے صنعت کی عظمت اور اہمیت کو اور زیادہ بڑھا دیا اور پورے معاشرے کے لیے ترقی اور خوشحالی کے راستے کھول دیے ہیں کیوں کہ سرمایہ لگا کر آدمی معمولی محنت سے زیادہ نفع کما سکتا ہے۔

### (۴) اشتراکی نظام معیشت

اہل مغرب نے جو معاشی نظام متعارف کرائے اِن میں ایک اشتراکیت یعنی ''نظام معیشت'' بھی ہے۔ اِس حوالے سے مولانا مودودی رقم طراز ہیں:

''پیدائش دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملکیت بنادیے جائیں بظاہر یہ حل معقول اور ممکن نظر آتا ہے مگر عملی طور پر اگر غور کیا جائے تو اِس کے نقائص کھلتے چلتے جاتے ہیں۔ (معاشیات اسلام از مولانا مودودی، ص:53)

## 7- مغربی تہذیب کے معاشرتی اثرات

کسی قوم کی معاشرت اُس کے اندازِ زندگی کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ معاشرت یہاں کے باشندوں کی صدیوں پر محیط ریاضت اور تجربات کا نچوڑ ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ کا بقول:

''خاص افکار اور عقائد اور مخصوص سماجی افکار و مذہب یا سلطنت کے خاص اثرات سے یہ عادت پختہ ہوتی ہے، رہن سہن کے طریقے، کھانے پینے کے آداب، باہمی برتاؤ، تفریح کے انداز، سوگ کا اظہار اور ادب و فنون سبھی اس کا حصہ ہے۔''

### (۱) فحاشی و عریانی

مغربی ممالک کے اثرات میں سب سے نمایاں اور مہلک اثر عریانی و فحاشی کا فروغ ہے۔ آج مسلمان مغرب کی اندھادُھند تقلید کرتے ہوئے فحاشی و عریانی کو فروغ دے رہے ہیں۔ بے لباسی شیطان کا وہ فتنہ ہے، جس کے بارے میں قرآن مجید نے آغاز سے آگاہ کر دیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا (الاعراف:27)

ترجمہ: ''اے اولادِ آدم! (کہیں) تمھیں شیطان فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح اُس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا، اُن سے اُن کا لباس اتروادیا تاکہ اُن کی شرم گاہیں دکھادے۔

### (۲) مغربی طرزِ زندگی کی تقلید

مغربی تہذیب کے مضر اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کے لباس اور زبان کا ہماری تہذیب پر اثر کافی حد تک بڑھ گیا ہے۔ مسلم ممالک اپنی اشیا کم تر جب کہ مغربی پروڈکٹس برتر خیال کرتے ہیں۔ مسلم معاشرے ضرورت سے زیادہ برانڈ Conciousness کا شکار ہیں۔

### (۳) حقوق نسواں کا مغربی تصور

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ ہر ایک کو اُس کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرتا ہے اور آزادی نسواں کا قائل ہے۔ بقول غالب جیسا رند شاعر بھی یہ کہنے پر مجبور ہوا:

ے عورتوں کی تعلیم لازم تو ہے مگر
وہ خاتون خانہ ہو صبا کی پری نہ ہو

## 8- مغربی اثرات کے خاتمے کے لیے تجاویز

مغربی اثرات کے خاتمے کے لیے چند اہم تجاویز درج ذیل ہیں:

### (۱) اسلام کا صحیح علم حاصل کرنا

اسلام کا صحیح علم حاصل کرنا چاہیے تا کہ یہاں کے رہنے والوں کے دل جس طرح مسلمان ہیں اُسی طرح اُن کے دماغ بھی مسلمان ہو جائیں اور یہ اجتماعی معاملات کو اسلامی احکام اور اُصولوں کے مطابق چلانے کے قابل بن جائیں۔

### (۲) اپنی اخلاقی اِصلاح

اپنی اخلاقی اِصلاح کرنی چاہیے تا کہ ان کی اخلاقی زندگیاں عملاً بھی اُسی اسلام کے مطابق ہو جائیں جس کو وہ اعتقاداً برحق مانتے ہیں۔ قول اور عمل کا تضاد آدمی کے اندر نفاق پیدا کرتا ہے اور باہر کی دُنیا میں اِس کا اعتماد ختم کر دیتا ہے۔ مسلمان کی کامیابی کا سارا اِنحصار اخلاص اور راست بازی پر ہے۔ کوئی ایسا شخص نہ مخلص ہو سکتا ہے، نہ مخلص مانا جا سکتا ہے جو کہے کچھ اور کرے کچھ۔ مسلمان کی زندگی میں اگر تناقض ہو گا تو نہ دوسرے اعتماد کریں گے اور نہ خود آپ کے دل میں اپنے اُوپر وثوق پیدا ہو سکے گا۔

### (۳) مغربی تہذیب و فلسفہ پر تنقید

مسلمان اہل عالم کو چاہیے کہ وہ مغربی تہذیب و تمدن کے اُس بت کو پاش پاش کر دیں جس کی آج دُنیا میں پرستش کی جا رہی ہے اور اِس کے مقابلے میں اسلام کے عقائد اور اُصول و قوانین کی تشریح ایسے معقول طریقوں سے کریں جو نسل جدید کے ذہن کو اُن کی صحت کا یقین دلا سکے اور اُن کے اندر یہ اعتماد پیدا کر سکے۔ اِس عمل کا سلسلہ ایک طویل مدت تک جاری رہنا چاہیے، تا کہ ایک کثیر تعداد اُن لوگوں کی پیدا ہو جائے جو ایک ملک کے نظام کو اسلامی اُصولوں پر چلانے کے لیے درکار ہیں۔

### (۴) تنظیم

اہل اسلام کو منظم ہونا چاہیے۔ نظم و ضبط کے بغیر محض ہم خیال لوگوں کا ایک بکھرا ہوا گروہ فراہم کر دینے سے کوئی کارگر طاقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ عصر حاضر میں منظم کام کے بغیر نتائج پیدا کرنا مشکل کام ہے۔

### (۵) عمومی دعوت

اِس مقصد کے لیے کام کرنے والوں کو عوام میں اپنی دعوت پھیلانی چاہیے تا کہ عام لوگوں کی جہالت دُور ہو اور وہ اسلام سے واقف ہوں، اسلام و جاہلیت کا فرق جان لیں۔ اِس کے ساتھ اُنھیں عوام کی اخلاقی اِصلاح کی بھی کوشش کرنی چاہیے اور بُرائی کے اِس سیلاب کو روکنے کے لیے اپنا پورا زور لگا دینا چاہیے جو فاسق قیادت کے اثر سے مسلمان قوموں میں روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک قوم فاسق ہو جانے کے بعد ایک اسلامی حکومت کی رعایا بننے کے قابل نہیں رہتی۔ عامۃ الناس میں فسق جتنا بڑھے گا اُن کے معاشرے میں اسلامی نظام کا چلنا اُتنا ہی مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ جھوٹے، بددیانت اور بدکار لوگ نظامِ کفر کے لیے جتنے موزوں ہیں، نظامِ اسلام کے لیے اُتنے ہی غیر موزوں ہیں۔

## (۶) صبر وحکمت

مغربی اثرات کا مقابلہ صبر واستقامت سے ہی ممکن ہے۔ جلد بازی میں جو پیش قدمی بھی ہوگی اُس میں فائدے کی نسبت نقصان کا خطرہ زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر فاسق قیادت کے ساتھ شریک ہو کر یہ اُمید کی جاتی ہے کہ شاید اس طرح منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے گا اور کچھ نہ کچھ اپنے مقصد کے لیے مفید کام بھی ہو سکے گا۔ لیکن عملی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اِس لالچ سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا، کیونکہ دراصل زمامِ اقتدار جن لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ اپنی ہی پالیسی چلاتے ہیں اور اِن کے ساتھ لگنے والوں کو ہر قدم پر اُن سے مصالحتیں کرنی پڑتی ہیں، یہاں تک کہ وہ آخر کار بس اُن کے آلہ کار بن کر رہ جاتے ہیں۔

## (۷) مسلح اور خفیہ تحریکوں سے اجتناب

اِس حوالے سے سید مودودی رقم طراز ہیں:

''خفیہ تحریکوں کو اسلحہ کے ذریعہ سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بھی اصل بے صبری اور جلد بازی ہی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایے۔ بڑے پیمانہ پر اذہان اور افکار کی اِصلاح کیجیے۔ لوگوں کے خیالات بدلیے۔ اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔ اور اِس کوشش میں جو خطرات اور مصائب بھی پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کیجیے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رُونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا اُسی راستے سے وہ مٹایا بھی جا سکے گا۔'' (تفہیمات، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ص 360-363)

## 9- خلاصۂ بحث

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ مغرب نے عالم اسلام پر تعلیمی، معاشی، معاشرتی، عدالتی، تہذیبی، اخلاقی اور مذہبی حوالے سے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اِن اثرات کے کچھ مثبت نتائج بھی ہیں اور کچھ منفی۔ اُوپر کی پوری بحث میں زیادہ تر منفی اثرات کو بیان کیا گیا ہے، جہاں تک مثبت اثرات کا تعلق ہے تو اُن میں سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی کو سب سے اہم مقام حاصل ہے۔ مسلمانوں میں سے بہت ہی کم ایسے افراد ہیں جو ٹیکنالوجی سے انکار کرتے ہوں، لیکن اکثریت اِس بات کو بھی درست سمجھتی ہے کہ سائنس وٹیکنالوجی کے مثبت اثرات کے ساتھ جو منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں اِن کا تدارک کیا جانا ضروری ہے۔ تدارک کے لیے چند اہم اُمور درج ذیل ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر عالم اسلام زوال سے بچنا چاہتا ہے تو اُسے اِن تجاویز پر عمل کرنا چاہیے۔ ذرائع ابلاغ کی اصلاح، ماضی کی اقدار کی اشاعت، سائنسی اور فنی ترقی پر زور، مغرب کی تقلید سے اجتناب، عالم اسلام کا اتحاد، ترقی یافتہ ممالک سے استفادہ، نظام تعلیم کی اصلاح اور اسلامی تعلیمات پر عمل۔

# اسلام اور عصر حاضر کے چیلنجز

1- اُمت مسلمہ کو موجودہ دور میں جن مسائل کا سامنا ہے، اُن پر تفصیلی تبصرہ کیجیے۔(2013ء)

2- عصر حاضر میں اُمت مسلمہ کو کون سے مسائل درپیش ہیں۔قرآن وسنت کی روشنی میں اُن کا حل تجویز کیجیے۔(2016ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- عالم اسلام کے وسائل
3- عالم اسلام کے داخلی مسائل
4- عالم اسلام کے خارجی مسائل
5- مسائل کا حل/تجاویز/لائحہ عمل
6- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رُوحانی اور مادی ضروریات پوری کرنے کے لیے اُنھیں بے پناہ انعامات اور وسائل سے نوازا۔ قرآن مجید اور اسوۂ رسول ﷺ کی شکل میں مسلمانوں کی رُوحانی ضرورت کو پورا کیا۔ خانہ کعبہ اور روضۂ رسول ﷺ کی صورت میں اُمت کو مرکز عطا فرمایا۔ رُوحانی تشنگی کی تسکین کے ساتھ ساتھ مادی ضروریات پورا کرنے کے لیے بے شمار وسائل عطا فرمائے۔ اِس وقت دُنیا کے نقشے پر 57 کے قریب مسلمان ممالک موجود ہیں جن میں مملکتِ خداداد پاکستان ایٹمی صلاحیت کی حامل ہے۔ مسلمان، دُنیا کی آبادی کا 21 فیصد ہیں، نو کروڑ مربع میل زمین پر اِن کی حکومتیں قائم ہیں، تیل کے مجموعی ذخائر میں سے 69 فیصد اِن کے پاس ہیں جب کہ گیس کے ذخائر کے حوالے سے بھی مسلمان ممالک مالا مال ہیں۔ گیس کے ذخائر ایران، بنگلہ دیش، پاکستان، سعودی عرب، عراق، کویت، متحدہ عرب امارات، افغانستان، وسط ایشیا کی ریاستوں، مراکش اور تیونس وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ کوئلہ کے حوالے سے ترکی، افغانستان، پاکستان، البانیہ، الجزائر، ایران، بنگلہ دیش، مراکش، صومالیہ، نائیجیریا اور یمن مالا مال ہیں۔ پاکستان کے صوبہ سندھ کے علاقہ تھر کول فیلڈ میں دُنیا کے پانچویں سب سے بڑے کوئلے کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا معدنیات کے علاوہ خام لوہا، سرمہ، میگانیز، جپسم، پارہ، نکل، فاسفیٹ، قلعی، یورینیم، جست، سونا اور معدنی نمک کے وسیع وسائل مسلم ممالک میں موجود ہیں۔

## 2- عالم اسلام کے وسائل

### (ا) زرعی وسائل

اسلامی دُنیا میں دریائے سندھ کی وادی، بنگلہ دیش میں دریائے گنگا اور برہم پتر کی وادی، مصر اور سوڈان میں دریائے نیل کی وادی، عراق میں دجلہ اور فرات کی وادی اور بحیرہ کیسپیئن کے ساحلی علاقے زرعی پیداوار میں سرفہرست ہیں۔ مسلم ممالک میں گندم، چاول، مکئی، گنا، پٹ سن، چائے، باجرہ، جو، تمباکو، ربڑ، مصالحہ جات اور پھلوں کی تمام اِقسام پائی جاتی ہیں۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور زرِ مبادلہ کا ایک بڑا حصہ ٹیکسٹائل کے بعد زراعت سے حاصل کرتا ہے۔

### (۲) صنعتی وسائل

مسلمان ممالک اب نہ صرف خام وسائل کے حامل ہیں بلکہ اِن خام وسائل سے آگے بڑھ کر اِن سے بہت سی اشیا بنا کر دُنیا کے مختلف ممالک کو برآمد بھی کر رہے ہیں۔ اِن میں ٹیکسٹائل کی مصنوعات، ربڑ کی مصنوعات، پٹ سن کی مصنوعات، لوہے اور فولاد کی مصنوعات، سگریٹ کی مصنوعات، کھادیں، زرعی آلات، کھانے پینے کی اشیا، ڈیری کی مصنوعات، چمڑے کی مصنوعات، ادویات، برتن سازی سے متعلق اشیا، جراحی سے متعلق سامان، کھیلوں کی مصنوعات، کاغذ اور اسلحہ سازی کی مصنوعات شامل ہیں۔

### (۴) مسلم ممالک کے پاس افرادی قوت

دُنیا کے وسائل میں ایک اہم ذریعہ مین پاور (افرادی قوت) ہے جو کہ الحمد للہ مسلمان ممالک کے پاس کافی ہے۔ مسئلہ صرف ان وسائل (Resource) کے درست استعمال کا ہے۔ چین نے ہیومن ریسورس کو بہترین مینجمنٹ کے ساتھ استعمال کیا تو اب وہ دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہے۔ مسلم ممالک کے پاس وسائل کے حوالے سے چند ضروری اُمور درج کیے جا چکے، اب اُمہ کے مسائل اور اُن کے حل کے حوالے سے چند چیزیں درج کی جاتی ہیں:

## 3- عالم اسلام کے داخلی مسائل

عالم اسلام کو درج ذیل داخلی مسائل درپیش ہیں:

### (۱) امن عامہ کا مسئلہ

اِس وقت پوری مسلم دُنیا بالعموم اور پاکستان بالخصوص امن عامہ کے مسئلہ سے دو چار ہے۔ قتل و غارت گری، راہ زنی، چوری، دہشت گردی، بم دھماکے اور عورتوں پر تشدد جیسے بے شمار مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ گویا اللہ کا عذاب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ سورۃ انعام میں بیان فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ (الآیۃ) (الانعام:65)

ترجمہ: ''فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اِس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے (خواہ) تمھارے اُوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے یا تمھیں فرقہ فرقہ کر کے آپس میں لڑا دے اور تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھیے! ہم کس کس طرح آیتیں بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھ سکیں۔''

### (۲) غربت و بے روزگاری کا مسئلہ

اِس وقت تیل کی دولت سے مالا مال چند مسلم ممالک کو چھوڑ کر باقی ممالک کو دیکھا جائے تو وہ شدید ترین معاشی بحران سے دو چار ہیں۔ پاکستان خود غربت اور بے روزگاری جیسے مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ آئے روز لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں۔ ہنر مند افراد کی بھی شدید کمی ہے۔

### (۳) شخصی آزادیوں کے حوالے سے ناگفتہ بہ صورت حال

انسانی حقوق کے حوالے سے دیکھا جائے تو مسلم ممالک صف اوّل کے ممالک قرار نہیں دیے جا سکتے۔ چند ممالک، جہاں جمہوریت ہے، کو چھوڑ کر بہت سارے ایسے ممالک ہیں جہاں بادشاہ وقت کے خلاف بات کرنا بھی مشکل ہے۔ تیونس، مصر، بحرین اور لیبیا کے حالیہ احتجاجی سلسلوں میں کچھ صورت حال تبدیل ہوئی ہے لیکن لگتا یوں ہے کہ شاید یہ عارضی (Temporary) آزادیاں ہیں۔ ابلاغ عامہ کے ذرائع کنٹرولڈ ہیں۔ وہ یک طرفہ تصویر دکھانے کے مجاز ہیں۔

## (۴) عورتوں پر تشدد

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں افسوس کہ مسلم حکومتیں آج تک عملی شکل میں اُن کو نافذ نہیں کر سکیں۔ وراثت میں عورت کا جو حق ہے وہ محض کاغذی کارروائی تک ہے۔ حقیقتاً عورتوں کو وراثت میں حق نہیں دیا جاتا۔ بعض ممالک میں اُنھیں تعلیم کے حوالے سے برابر حقوق حاصل نہیں۔ عزت کے نام پر قتل کر دینے جیسے واقعات پاکستان میں بھی آئے روز ہو رہے ہیں مثلاً جہیز نہ لانے پر تیزاب پھینک دینا۔ عرب ممالک میں بھی بہت حوالوں سے قانون سازی کرنے کی ضرورت ہے اور خود پاکستان میں بھی۔

## (۵) فرقہ واریت

مسلم دُنیا اس وقت شدید ترین فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہے اور غیر مسلم اِس کا بھرپور فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ شیعہ بلاک کے مقابلے میں سنی بلاک بنانا اور سنی بلاک کے مقابلے میں شیعہ بلاک تشکیل دینا اور پھر اِس چیز کو ہوا دینا، یہ سامراجی قوتوں کا روزِ اوّل سے وتیرہ ہے۔ عراق، ایران جنگ اسی کا شاخسانہ تھی۔ پاکستان میں کچھ عرب ممالک کا اپنے مسلک کی تنظیموں کو فنڈز فراہم کرنا اور دوسری طرف سے بعض شیعہ ریاستوں کا اپنی تنظیموں کو سپورٹ کرنا بھی فرقہ واریت کے مسائل کو پیدا کر رہا ہے۔

## (٦) فکری انتشار

مسلم ممالک فکری انتشار کا شکار بھی ہیں۔ ابھی تک اُمت میں یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ اسلام کا سیاسی نظام خلافت ہے یا جمہوریت یا کوئی اور نظام؟ اِسی طرح انتخاب کے لیے کون سا طریقہ صحیح ہے؟ اسلامی بینکنگ کا سٹیٹس کیا ہے؟ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ مسلمان ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے کیا حقوق ہیں؟ اِس طرح کے دیگر کئی مسائل ہیں۔

## (۷) تعلیم کی کمی

مسلمان ریاستیں سائنس اور ٹیکنالوجی میں بالخصوص اور فنی تعلیم میں بالعموم بہت پیچھے ہیں۔ پاکستان جیسا ملک بھی شرح خواندگی میں ابھی تک 60 فیصد سے اُوپر نہیں جا سکا۔ کچھ مسلمان ممالک میں پڑھے لکھے افراد کی تعداد 90 فیصد سے زیادہ ہے۔ مگر وہ بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ابھی بہت پیچھے ہیں۔ مسلمان ممالک کے کل پی ایچ ڈیز کے مقابلے میں اکیلے جاپان کے پی ایچ ڈیز کی تعداد زیادہ ہے۔ تعلیم کے حوالے سے اعداد و شمار میں اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں جیسے یونیورسٹیوں کی تعداد، اُن کی رینکنگ اور اُن میں ہونے والے ریسرچ ورک کا معیار۔ اِس حوالے سے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

## (۸) لسانی اور علاقائی عصبیت

زبان اور علاقے کے حوالے سے مسلمان ممالک میں کئی حوالوں سے عصبیت موجود ہے۔ عرب اور ایرانی نیشنلزم کا نعرہ بھی سننے کو ملتا ہے۔ ایران اور سعودی عرب کو سرد جنگ نے بھی اس میں اضافہ کیا ہے۔

### (۹) اخلاقی بے راہ روی

جو قومیں اخلاقی اعتبار سے مضبوط ہوتی ہیں وہ دُنیا کو نیو ورلڈ آرڈر دینے کے بھی قابل ہوتی ہیں۔لیکن جو قومیں اخلاقی اعتبار سے پست ہوں وہ دُنیا میں کوئی معرکہ سرانجام نہیں دے سکتیں۔افسوس اِس بات کا ہے کہ مسلم اُمہ میں جھوٹ، بددیانتی، اقربا پروری، منافقت، جنسی بے راہ روی اور جنسی تشدد جیسے بُرے اخلاق نہ صرف پیدا ہو چکے ہیں بلکہ آہستہ آہستہ مسلم معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔

### (۱۰) فکری جمود/ اجتہاد کا نہ ہونا

قرآن و حدیث سے حاصل شدہ آراء کو فقہی سرمایہ کہا جاتا ہے جو مسلمان فقہا نے اپنے اپنے وقت میں ترتیب دیا اور بہت گراں قدر ذخیرہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے۔لیکن حالات اور وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اُن آراء کو از سرِ نو پرکھنے اور جانچنے کی ضرورت تھی اور دوبارہ قرآن و حدیث کے اصل چشمہ سے سیراب ہونے کی ضرورت تھی، ایسا نہیں ہو سکا۔علما نے اپنے طور پر گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور دے بھی رہے ہیں لیکن جہاں تک پاکستان میں قومی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے یا او آئی سی کے پلیٹ فارم سے جس گراں قدر کام کی ضرورت ہے ایسا نہیں ہو رہا۔جدہ میں او آئی سی کے پلیٹ فارم سے اسلامی فقہ کے حوالے سے ایک ادارہ موجود ہے وہ بھی ناکافی ہے۔اوّل تو یہ ساخت کے حوالے سے ایک Recommendatory body یعنی صرف سفارشات مرتب کرنے والا ادارہ ہے اور دوم اِس کا دائرہ کار بہت محدود ہے۔

## 4- عالم اسلام کے خارجی مسائل

### (۱) مغربی تہذیبی یلغار

مغرب اپنی تہذیب و ثقافت کو باقی دُنیا پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص نافذ کرنے کا خواہش مند ہے۔اِس حوالے سے کثیر سرمایہ بھی خرچ کیا جا رہا ہے۔جب بھی کوئی دوسری تہذیب روپے پیسے کے زور پر مسلط کی جاتی ہے تو متاثرہ تہذیبوں کو کئی حوالوں سے نقصان ہوتا ہے۔عالم اسلام کے مسائل میں سے تہذیبی یلغار ایک بہت سلگتا ہوا مسئلہ ہے۔

### (۲) وسائل پر قبضہ کی مغربی کوشش

مسلمانوں کے وسائل پر قبضہ کرنا اور اپنے وسائل کو آنے والے دنوں کے لیے محفوظ رکھنا، یہ مغرب کی شروع دن سے پالیسی رہی ہے۔جس طرح تیل کے ذخائر کے لیے امریکہ اور یورپ نے جنگیں کی ہیں اور ساری مسلم سوسائٹی کو تہ و بالا کیا ہے، سب واضح ہے۔

### (۳) مسلمان ریاستوں کو داخلی طور پر منتشر کرنا

مغرب اپنی مختلف ایجنسیوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے مختلف مسلم ممالک میں کئی طریقوں سے کام کر رہا ہے اور نہیں چاہتا کہ کوئی مسلمان ملک داخلی طور پر اِس قدر مستحکم ہو جو کل کلاں اُن کے لیے کوئی مسئلہ پیدا کر سکے۔اگر ایسا ہوا تو دُنیا میں اُس کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔

## (۴) اسرائیل کی صورت میں یہودی ریاست کی تشکیل

برطانیہ نے اسرائیلی ریاست کے لیے بنیادیں فراہم کیں اور امریکہ آج اِس ناجائز ریاست کا سرپرست ہے۔ مغربی دُنیا کو اسرائیل کے مظالم یاد نہیں آتے جو جتنے چاہے اتنے فلسطینیوں کا خونِ ناحق بہادے۔ اِس چیز نے بھی عالم اسلام کو بہت متاثر کیا۔

## (۵) شعائرِ اسلام کا مذاق

نبی کریم، رؤف رحیم، والیٔ عرب وعجم، قاسمِ زم زم، اُمی لقب، ہاشمی نسب، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ کریم ﷺ جن کے پاؤں کا دھون آبِ حیات ہے، جن کے نعلین پاک (جوتے مبارک) کے حوالے سے حسن رضا خان صاحب نے کہا:

؎ جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاک حضور (ﷺ)
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

مسلمان آپ ﷺ کی عزت وآبرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنا عین ایمان گردانتے ہیں۔ آپ ﷺ کے توہین آمیز خاکے بنانا، جیسے یہ خاکے سب سے پہلے ڈنمارک کے اخبار جیرانڈ پوسٹن نے 2005ء میں شائع کیے اور پھر تسلسل کے ساتھ ایسا کیا جاتا رہا۔ 20 مارچ 2011ء کو ٹیری جونز نے ایک گرجے میں (نعوذ باللہ) قرآن مجید کو جلایا۔ جولائی 2012ء میں صام باصل ایک امریکی نے نعوذ باللہ ایک گستاخانہ فلم بنائی جس پر پورے عالم اسلام میں شدید احتجاج ہوا۔ اِس کے ساتھ ساتھ آئے روز دینِ اسلام پر مختلف حملے اور اُن کو آزادیٔ اظہار کا نام دینا یہ وہ دہرے رویے ہیں جنھوں نے مغرب و مشرق میں نفرتوں کے بیج بوئے ہیں۔ شعائرِ اسلام کی توہین تو مغرب میں ہوتی ہے مگر دُنیا کے گلوبل ولیج بننے کی وجہ سے مسائل مسلم ممالک میں پیدا ہوتے ہیں۔ حال ہی میں سوشل میڈیا پر انبیائے کرام کی توہین کے حوالے سے جو گستاخانہ مواد اَپ لوڈ کیا گیا اُس سے نہ صرف اہلِ پاکستان کے جذبات مجروح ہوئے ہیں بلکہ دُنیا بھر کے مسلمان شدید کرب کی کیفیت میں ہیں۔

## (۶) اسلامی قوانین میں آئے روز مداخلت

مغرب آئے روز مختلف ممالک میں بہت ساری ایسی NGOs کو فنڈنگ کرتا رہتا ہے جو اسلامی قوانین کے خاتمے یا اُن میں ترامیم کے لیے کوشاں رہتی ہیں جیسے قانون توہین رسالت ''295C'' میں ترمیم کی کئی بار کوششیں کی گئیں۔ اِس مداخلت سے بہت سارے مسلم ممالک میں عوام اور حکومت کے درمیان نفرتیں پیدا ہوتی ہیں۔

## (۷) مغرب کے عدل وانصاف کے دہرے معیار

مشرقی تیمور میں تحریک آزادی چلے تو علیحدہ ریاست تشکیل دے دی جاتی ہے کیونکہ اِس سے ایک مسلمان ریاست کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور ایک عیسائی ریاست وجود میں آتی ہے جب کہ یہی تحریک کشمیر میں ہو تو مغرب کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اِن دہرے معیارات کی وجہ سے بہت سارے مسائل نے جنم لیا ہے۔

## 5- مسائل کا حل/تجاویز/لائحہ عمل

مسلم اُمہ کے مسائل کے حوالے سے چند اہم تجاویز درج ذیل ہیں:

### (ا) اِتحادِ اُمت

قرآن مجید میں اتحاد کے حوالے سے واضح تعلیمات موجود ہیں جن سے اِختلاف کی صورت میں شدید وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: 103)

ترجمہ: ''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔''

سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○

(الانعام: 159)

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی کی اور گروہ در گروہ بن گئے آپ کو اُن سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے پھر وہ اُنھیں ان کے افعال کی خبر دے گا۔''

سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الحجرات: 10)

ترجمہ: ''بے شک ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں تو تم اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا:

وَمَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ (الشوریٰ: 14)

ترجمہ: ''علم آجانے کے بعد وہ لوگ آپس کی ضد کے باعث جُدا جُدا ہو گئے۔''

اِس حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی رقم طراز ہیں:

''یہ اُن اُمتوں کو ملامت ہے کہ اُنھوں نے علم الٰہی کی روشنی پانے کے بعد محض اپنی باہمی ضد کے باعث آپس میں اِختلاف کیا اور گمراہی میں مبتلا ہوئیں۔ اگر رات کی تاریکی میں کوئی ٹھوکر کھائے تو اُس کو ایک حد تک معذور قرار دیا جاسکتا ہے لیکن جو شخص پورے دن کی روشنی میں محض اپنی ضد کے سبب سے ٹھوکر کھاتا ہے، وہ اپنی حماقت کا خود ذمہ دار ہے۔''

سورۃ انفال میں اختلاف کی صورت میں قوم کے اندر جو مسائل پیدا ہوتے ہیں اُن کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (انفال: 46)

ترجمہ: ''اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ تمھاری ہمتیں پست ہو جائیں گی اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر کیا کرو، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

قرآن وحدیث میں اتحاد کی اہمیت اور اِختلاف کی صورت میں شدید وعید آئی ہے جب کہ مسلم ممالک آج اِسی بحران میں گھرے ہوئے ہیں۔اس حوالے سے چند تجاویز درج ذیل ہیں:

(i) مؤتمر عالم اسلامی اور رابطہ عالم اسلامی کی تشکیل جدید

مندرجہ ذیل بالا دو بڑی تنظیموں کو از سرِ نو فعال کیا جائے۔اِن کے دفاتر تمام ممالک میں بنائے جائیں۔اِن کو متحرک بنانے کے لیے علیحدہ سے ٹاسک فورس بنائی جائے۔

(ii) اسلامی تعاون کی تنظیم (OIC)

اسلامی تعاون کی تنظیم کو متحرک کرنے کے حوالے سے ڈاکٹر محمد امین رقم طراز ہیں:

- اُن مسلمان ملکوں کو منظم کیا جائے جو اتحادِ اُمت کے سنجیدہ حامی ہیں اور مسلم دشمن قوتوں کے ہتھکنڈوں کو سمجھتے ہیں۔اُن کا ایک مضبوط گروپ بنایا جائے تا کہ اُن سے کام لیا جا سکے۔
- تنظیم کو سعودی عرب کے مالی اور انتظامی شکنجے سے نکالا جائے۔
- اِسے مغربی ممالک اور اُن کی ایجنسیوں کے اثرات سے پاک کیا جائے۔
- تنظیم کو اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کی مستقل نشست دلائی جائے۔
- اِس کے ذریعے مسلم اُمہ کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کی مجوزہ سٹرٹیجی پر عمل درآمد کی کوشش کی جائے۔جیسے مشترکہ دفاع، مشترکہ کرنسی و تجارت، مشترکہ سائنسی و تحقیقاتی ادارے، مشترکہ نیوز ایجنسی اور ٹی وی چینل کا قیام۔اگر مذکورہ تنظیم یہ کام نہ کر سکے تو مخلص حکمرانوں کے ذریعے ایک نئی تنظیم بنائی جائے جو فعال کردار ادا کر سکے۔ (مسلم نشاۃ ثانیہ، اساس اور لائحہ عمل، ص 280، مطبوعہ بیت الحکمت، لاہور)

(iii) اتحادِ اُمت کے حوالے سے اقبالؒ اور افغانی کا نقطۂ نظر

سید جمال الدین افغانی اور علامہ محمد اقبال کے نزدیک اتحاد کی بنیاد علاقہ، زبان یا رنگ و نسل نہیں بلکہ صرف اور صرف اسلام ہے۔اِسی حوالے سے پان اسلام ازم میں دونوں اکابرین کے خیالات ایک ہیں۔دونوں ایسی اسلامی ریاست کی تشکیل چاہتے تھے جو اِن تعصبات سے پاک ہو۔اقبال اور افغانی کے نظریات کو موجودہ دور میں نیٹو کی طرز پر نافذ کیا جا سکتا ہے۔جس میں مسلمان ممالک کو درمیان ویزہ فری ہو، دفاع اور کرنسی ایک ہو، سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے مشترکہ جدوجہد ہو نیز او آئی سی کے صدر کو مسلمانوں میں خلیفہ کی حیثیت حاصل ہو۔ذیل میں علامہ اقبالؒ مرحوم کے اشعار ملاحظہ کریں۔

؎ نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اُڑ گیا دُنیا سے تو مانند خاک رہ گزر

؎ یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

؎ بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

؎ آبرو باقی تیری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی دُنیا میں رُسوا ہوا تو

؎ اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ(ﷺ) ہاشمی

؎ اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر اِنحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

؎ امن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رُخصت تو ملت بھی گئی

## (۲) دفاع

دفاع کے حوالے سے چند تجاویز درج ذیل ہیں:

- مسلمان ممالک کا مشترکہ دفاع، نیٹو کی طرز پر ہو۔
- مسلمان ممالک کا مشترکہ سرمائے سے جدید اسلحہ سازی کے مختلف پلانٹس لگانا جیسے ایٹمی ومیزائل ٹیکنالوجی۔
- مشترکہ فوج، جس کا چیف مختلف ممالک سے تبدیل ہوتا رہے۔
- مشترکہ فوج کی تربیت خالص اسلامی انداز سے کی جائے تاکہ وطنیت، لسانیت اور علاقائیت کے بت پاش پاش ہوسکیں۔
- سکول اور کالجز میں فوجی تربیت دینا۔

## (۳) تعلیم وتربیت

تعلیم وتربیت کے میدان میں ترقی کے حوالے سے تجاویز اور لائحہ عمل درج ذیل ہے:

- مسلم معاشرے میں ناخواندگی ختم کرنے کے لیے مشترکہ کوشش کرنا۔
- دُنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ضروری دینی تعلیم کا بندوبست کرنا۔
- مشترکہ سرمائے سے سائنس وٹیکنالوجی کے حوالے سے یونیورسٹیاں بنانا۔
- اسلامی یونیورسٹیوں کا قیام جہاں پر دینی تعلیم جدید خطوط پر فراہم کی جائے۔

- مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے کے لیے مختلف ریسرچ انسٹی ٹیوٹس قائم کرنا اور اُن کے نتیجۂ فکر کو عملاً نافذ کرنا۔
- اعلیٰ اجتہادی ادارے قائم کرنا جو مختلف فقہی مسالک میں موافقت کا کام دے سکیں۔
- غیر مسلم سکالرز کی طرف سے اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے مشترکہ ادارے بنانا۔

## (۴) معیشت

اِس حوالے سے چند تجاویز درج ذیل ہیں:

- مسلم ممالک خود اِنحصاری کی پالیسی اپنائیں اور یہود و نصاریٰ کے چنگل سے اپنے آپ کو آزاد کروائیں۔
- مشترکہ کرنسی بنانا جیسے یورپ کی کرنسی یورو وغیرہ۔
- مشترکہ ملٹی نیشنل کمپنیاں بنانا۔
- سود کا مل کر خاتمہ کرنا اور معیشت کو نظامِ زکوٰۃ و عشر پر اُستوار کرنا۔
- اپنا تمام سرمایہ اسلامک بینک میں رکھوانا اور اِس حوالے سے اسلامی بینک کی طرف سے پوری گارنٹی فراہم کیا جانا۔
- تجارت کے حوالے سے باہمی پابندیاں ختم کرنا۔
- ویزا پالیسی باہم نرم کرنا۔
- بلاسود بینکاری کو فروغ دینا۔

## (۵) معاشرت

- اسلامی اقدار کو فروغ دینے کی کوشش کرنا۔
- خاندانی نظام کو مضبوط کرنا۔ جنسی تشدد اور بے راہ روی ختم کرنا۔
- حجاب کو فروغ دینا۔
- میڈیا اور انٹرنیٹ کے ذریعے اخلاق تباہ کرنے والی فلمیں، ڈرامے اور دیگر چیزیں ختم کرنا۔
- دعوت و اصلاح کے جدید ادارے قائم کرنا۔

## (۶) اخلاق

- اُمہ کو اعلیٰ اخلاقی اُصولوں کا پاس دار بنانا۔
- جھوٹ، بغض، عصبیت، حسد جیسے بُرے اخلاق کے خاتمے کے لیے اجتماعی کوشش کرنا۔
- قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ پڑھانے اور اُن پر عمل کرانے کے حوالے سے دعوت و اِصلاح کے ادارے بنانا۔
- جدید ذرائع کو تبلیغ کے لیے استعمال کرنا۔
- دین اور اخلاقی اُصولوں کو اِس طریقے سے بیان کرنا کہ بات دل میں اُتر جائے۔ اِس حوالے سے اسلامی تربیت گاہوں کا مشترکہ قیام۔

### (ے) قانون وانصاف

- مسلم ممالک کی مشترک مجلس فقہ واجتہاد بنانا۔
- مسلم ممالک کی مشترکہ پارلیمانی یونین اور مشترکہ چیف جسٹس کمیٹی بنانا تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اُٹھایا جاسکے۔
- عالمی عدالت انصاف کی طرز پر اسلامی عالمی عدالت انصاف بنانا۔
- مسلم ممالک مل کر آئین کے بنیادی ڈھانچے پر اتفاق کرلیں۔ پاکستان میں قراردادِ مقاصد اِس حوالے سے اہم راہنمائی فراہم کرسکتی ہے۔
- مل کر ایسا نظام وضع کرنا جس میں انصاف سب کے لیے یکساں ہو۔
- اسلامی قانون کی تدوین (Codification) کے لیے مسلمان فقہا پر مشتمل ایک ادارہ بنانا۔
- اسلامی نظریاتی کونسل کی طرز پر عالمی اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دینا۔

## 6- خلاصۂ بحث

درج بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم اسلام کو اِس وقت جتنے اندرونی و بیرونی چیلنجز کا سامنا ہے اُن کا مقابلہ کوئی ایک فرد، جماعت یا ملک نہیں کرسکتا۔ بلکہ مسلمان حکمران، اہل علم، ذرائع ابلاغ کے نمائندے، سائنس دان، سوشل اور سیاسی مفکرین اور مغرب میں بسنے والے مسلمان سکالرز مل کر ایسا لائحہ عمل مرتب کریں جس سے اُمت اجتماعی زوال سے نکل کر عروج آشنا ہوسکے۔

سوال 4

# اسلام کا تصورِ جہاد (دہشت گردی)

1- قرآن وسنت کی روشنی میں "جہاد" کی اہمیت کیا ہے؟ اس کی اقسام اور اُصول وشرائط کیا ہیں؟ (2013ء)

2- پاکستان میں انتہا پسندی کے اسباب کیا ہیں؟ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اِس کے خاتمے کا حل پیش کریں؟ (2017ء)

3- پاکستان میں دہشت گردی کے محرکات کیا ہیں اور معاشرے کو اِس سے کیسے نجات دلائی جا سکتی ہے؟ (2018ء)

4- کیا اِنتہا پسندی اسلام کے لیے ایک چیلنج ہے؟ مسلم اُمہ کو درپیش عصری چیلنجز کی روشنی میں بحث کیجیے۔ (2019ء)

5- قرآن وسنت کی روشنی میں جہاد کے اُصول وشرائط پر تفصیلی بحث کریں۔ (2020ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- جہاد کا لغوی اور اِصطلاحی معنی
3- جہاد کی اقسام
4- جہاد بالسیف کی اجازت
5- جہاد اور دہشت گردی میں فرق
6- جہاد کے حوالے سے سیدنا صدیق اکبرؓ کی ہدایات
7- دہشت گردی کی تاریخ
8- دہشت گردی کے محرکات
9- خودکش اور فدائی حملوں میں فرق
10- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

امن اور آزادی انسانیت کے بنیادی اور ضروری حقوق ہیں۔ دہشت گردی، اِنتہاپسندی اور فرقہ واریت بنیادی حقوق کو تباہ کر دیتے ہیں۔ انسانی جان اور مال کے تحفظ کو قرآن وسنت میں کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا آخری خطبہ اِس حوالے سے بہت واضح ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! بلاشبہ تمھارے اموال، تمھاری اولاد اور تمھاری عزتیں ایسے محترم ہیں جیسے آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ جگہ۔'' انسانی جان کی حرمت کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''جس نے کسی کو ناحق قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلایا، گویا کہ اُس نے پوری انسانیت کا قتل کیا۔'' جہاد جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو دہشت گردی اور انتہاپسندی کے خاتمے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے اِس کی اہمیت کو یوں بیان کیا ہے: ''اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو خانقاہیں، گرجے، معبد اور مسجدیں، جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، سب گرا دیے جاتے۔'' ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان معاشرے اجتماعی حیثیت میں اُن لوگوں کے خلاف جہاد کریں جو اللہ کی زمین کو فساد سے بھر رہے ہیں۔ انسانی جانوں کو ضائع کر رہے ہیں، مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگا رہے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ بہت بڑی مسلم آبادی کا باعث بھی ہیں۔ ایسے افراد کا مقابلہ مشترکہ سوچ، فکر اور عمل سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

## 2- جہاد کا لغوی اور اِصطلاحی معنی

جہاد کا لغوی معنی ''اپنی اِنتہائی کوشش صرف کرنا'' ہے۔ جہاد کا لفظ **''جھد''** سے مشتق (Derived) ہے۔ جہاں تک اِصطلاحی معنی کا تعلق ہے تو اِصطلاح میں جہاد اُس انتہائی کوشش کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سر بلندی، اِس کی رضا، وطنِ عزیز کے دفاع اور نفسانی خواہشات سے خود کو محفوظ کرنے کے لیے صرف کی جاتی ہے۔

## 3- جہاد کی اِقسام

جہاد کی کئی اِقسام ہیں:

- **جہاد بالنفس:** نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا۔
- **جہاد بالقلم:** قلم کے ذریعے دین حق کا دفاع کرنا۔
- **جہاد بالقول:** زبان کے ذریعے کلمۂ حق کہنا۔
- **جہاد بالسیف:** اللہ کے راستے میں تلوار لے کر یا جدید اسلحہ سے مسلح ہو کر قتال کرنا جہاد بالسیف کہلاتا ہے۔ ذیل میں جہاد کی اِسی قسم پر گفتگو کرنا مقصود ہے۔

## 4- جہاد بالسیف کی اجازت

جہاد کرنا افضل ترین عمل ہے۔ بعض حالات میں یہ فرض کی حیثیت میں ہوتا ہے۔ جب معاشرہ اجتماعی سرکشی پر اُتر آئے اور تلوار اُٹھانے کے سوا کوئی چارہ ہو، اگر تب بھی مقابلے کا ارادہ نہ کیا جائے تو دُنیا فساد سے بھر جائے، تہذیب وتمدن برباد ہو جائے اور مساجد، گرجے وعبادت گاہیں گرا دی جائیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ الخ (الحج: 40)

ترجمہ: ''اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا۔''

مسلمانوں کو مکہ میں جہاد کی اجازت نہیں تھی مگر جب وہ مدینہ آئے اور ایک اسلامی ریاست قائم کی تو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل صورتوں میں جہاد کی اجازت عطا کی:

(i) ظلم کی صورت میں اجتماعی حیثیت سے جہاد کرنا (ii) امام یا ریاست کی اجازت

(iii) اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنا

## (i) ظلم کی صورت میں اجتماعی حیثیت سے جہاد کرنا

اِس حوالے سے سورۃ الحج کی آیات 39 اور 40 بہت واضح ہیں جس میں اِن دونوں حیثیتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا الخ (الحج: 39-40)

ترجمہ: ''جن سے جنگ کی جائے اُنھیں جنگ کی اجازت دی گئی، اس لیے کہ اُن پر ظلم ہوا ہے اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے، وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اِس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔'' یہ جہاد بالسیف کی اجازت کے حوالے سے اِبتدائی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ایک شخص کو نہیں بلکہ مسلمانوں کو بحیثیت جماعت مخاطب کیا گیا ہے۔

## (ii) امام یا ریاست کی اجازت ضروری

''جہاد بالسیف'' کا اعلان اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب موجودہ امام جو نظم اجتماعی یعنی ریاست کا سربراہ ہوتا ہے، اُس کی منظوری دے۔ اُسی کے زیرِ سایہ اعلان جہاد ہوگا۔ امام کی اجازت کے بغیر جہاد بالسیف نہیں کیا جا سکتا۔ اِس حوالے سے صحیح بخاری کی حدیث ہے:

إِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنۡ وَّرَائِهٖ (بخاری: رقم 2957)

ترجمہ: ''بے شک امام ڈھال ہے اُسی کے پیچھے رہ کر قتال کیا جاتا ہے اور اُسی کی آڑ لی جاتی ہے۔''

نتیجہ بحث یہ ہوا کہ ظلم کے بغیر اور امام (جو مسلمانوں کی ریاست کا سربراہ ہے) کی اجازت کے بغیر جہاد کا عمل درست نہیں ہوگا۔ اگر کسی فرد یا جتھے کو اِس طرح جہاد کی اجازت دے دی جائے تو وہ جہاد کے بجائے فساد کہلائے گا۔

## (iii) اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنا

اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو آخری دلیل بنا کر دُنیا میں بھیجتا ہے۔ رسول مکرم، شفیع معظم، فخر عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اِس وعدے کے ساتھ بھیجا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ۝ (الفتح: 28)

ترجمہ: ''(اللہ) وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ (دین حق) کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور (رسول کی صداقت و حقانیت پر) اللہ ہی گواہ کافی ہے۔''

اِس آیت کے ضمن میں مفسرین کے ہاں تین طرح کی آراء ملتی ہیں:

- دین کو غالب کرنے کا وعدہ صرف اور صرف رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھا جو سرزمین حجاز (مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ) میں پورا ہو گیا۔

اِس مفہوم کی روشنی میں جہاد اب ظلم کے علاوہ کسی اور صورت میں جائز نہیں۔ یعنی مفسرین کی اِس جماعت کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد جو بھی جہاد ہوتا ہے، وہ مسلمانوں پر ظلم کی صورت میں جائز قرار پاتا ہے۔

- مفسرین کی دوسری جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا دین کو غالب کرنے کا وعدہ پہلے تو حضور ﷺ کے عہد میں اور پھر خلفائے راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد کے دوران اُس وقت کی موجود دُنیا میں پورا ہوا۔

مفسرین کی دوسری جماعت کے نزدیک بھی جہاد اب صرف اور صرف ظلم ختم کرنے کے لیے ہو سکتا ہے۔

- مفسرین کی تیسری جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا دین کو غالب کرنے کا وعدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد پورا ہوگا۔ اِس مفہوم کی روشنی میں اُن کے نزدیک اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد ہر وقت ہو سکتا ہے۔ جہاد کو صرف ظلم کے خاتمے کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں۔

مفسرین کی آراء علمی انداز میں ہیں لیکن اگر عملی طور پر دیکھا جائے تو جہاد کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا کسی قوم سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ نہ ہو یعنی اگر ایک مسلم ریاست کا کسی غیر مسلم ریاست سے کوئی معاہدہ ہے تو پھر دین کی سربلندی کے لیے علما کی کسی جماعت کے ہاں بھی اجازت نہیں کہ اُس ریاست سے جنگ کی جائے۔

اسلام میں معاہدے کی بہت اہمیت ہے۔ اِس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم (الایۃ) (الانفال 72)

ترجمہ: "اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں اور اُنھوں نے ہجرت نہیں کی تو اُن سے تمھارا کوئی رشتہ ولایت نہیں ہے جب تک ہجرت کر کے نہ آجائیں اور اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد چاہیں تو اُن کی مدد کرنا تم پر لازم ہے لیکن کسی قوم کے خلاف نہیں جس کے ساتھ تمھارا معاہدہ ہو اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے۔"

اِسی طرح سنن ترمذی کی حدیث ہے:

ترجمہ: "جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو، وہ اُس کی مدت گزر جانے تک اُس میں کوئی تغیر و تبدل نہ کرے یا پھر خیانت کا اندیشہ ہو تو اُسے برابری کے ساتھ اعلانیہ اُس کے آگے پھینک دے۔"

قرآن مجید کی آیت اور حدیث پاک کی روشنی میں معاہدہ کی صورت میں کسی بھی حوالے سے جہاد نہیں کیا جا سکتا چاہے مسلمانوں پر ظلم ہی کیوں نہ ہو رہا ہو۔ اگر کوئی ریاست یہ سمجھتی ہے کہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے تو پہلے اُس معاہدے کو منسوخ کرے پھر مسلمانوں کی مدد کرے۔ آج پوری دُنیا اقوام متحدہ میں مختلف معاہدات میں جکڑی ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت بھی اِن معاہدوں کی پابند ہے۔ اگر مسلمان سمجھتے ہیں کہ اُن کے کسی ملک پر حملہ یا ظلم ہوا ہے جس کی وجہ سے اُن پر لازم ہے کہ وہ اُس کی مدد کریں تو پھر ضروری ہے کہ وہ اُن معاہدات کو توڑ دیں۔ قرآن مجید اِس حوالے سے بہت واضح ہے:

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ (الانفال-58)

ترجمہ: "پھر اگر کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو تم بھی برابری کے ساتھ اعلانیہ اُس کا عہد اُس کے آگے پھینک دو۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ بدعہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

- اسلام میں عہد کی پاس داری پر بہت زور دیا گیا ہے یہاں تک کہ حالت جنگ میں بھی اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ایک نہیں ایسے سینکڑوں واقعات درج ہیں جہاں عہد کی پاس داری کی گئی۔ خود رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مکہ کے سفیر عروہ بن مسعود نے کہا کہ ''اے محمد ﷺ! آپ کے اور ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے کہ مکہ سے کوئی شخص مدینہ جائے گا تو اُسے واپس کر دیا جائے گا لہٰذا آپ ابو جندل کو واپس کر دیں۔'' باوجود یکہ حضور اقدس ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ ابو جندل رضی اللہ عنہ واپس نہ جائیں آپ ﷺ نے معاہدے کی پاس داری کرتے ہوئے اُنھیں واپس کر دیا۔

## 5- جہاد اور دہشت گردی میں فرق

دیگر مذاہب کی طرح اسلام میں ایسا نہیں کہ جہاد کی حدود و آداب نام کی کوئی چیز نہ ہو۔ ذیل میں حدود کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ حدود جہاں بھی پامال ہوں گی وہ دہشت گردی ہوگی اور یہی جہاد اور دہشت گردی میں فرق ہے۔

| جہاد | دہشت گردی |
|---|---|
| **بے خبر لوگوں پر حملہ** | |
| (۱) جہاد میں بے خبر لوگوں پر حملہ نہیں کیا جاتا۔ اِس حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی، حملہ نہ کرتے تھے۔ | دہشت گردی میں دہشت گرد بے خبر لوگوں پر حملہ کرتا ہے جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو لوگ عبادت میں مشغول ہوتے ہیں۔ |
| **آگ میں جلانا** | |
| (۲) جہاد میں کسی شخص کو آگ میں نہیں جلایا جا سکتا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''آگ کا عذاب دینا سوائے آگ کے پیدا کرنے والے کے اور کسی کو جائز نہیں۔'' | دہشت گردی میں جو مواد استعمال ہوتا ہے اُس سے سارا جسم جل جاتا ہے۔ |
| **فصلیں تباہ کرنا یا بستیاں برباد کرنا** | |
| (۳) جہاد کے اندر فصلوں کو تباہ کرنا، کھیتوں کو برباد کرنا، بستیوں میں قتل کرنا جائز نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:<br>وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (البقرۃ:205)<br>ترجمہ: ''اور وہ زمین میں فساد کے لیے کوشش کر رہا ہے اور کھیتوں اور نسلوں کو تباہ کرتا ہے اور ایسے فسادیوں سے اللہ محبت نہیں کرتا۔'' | دہشت گردی میں ہر طرف فساد ہی فساد پیدا ہوتا ہے۔ فصلیں، اموال اور نفوس برباد ہوتے ہیں۔ |

## لاشوں کا مثلہ (بے حرمتی)

(۴) جہاد میں مثلہ (لاش کی بے حرمتی) کی ممانعت ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے لوٹ کے مال اور مثلہ سے منع فرمایا۔

دہشت گردی میں لاش کا مثلہ ہو جاتا ہے۔

## سفیروں اور قاصدوں کا قتل

(۵) جہاد میں سفیروں اور قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا جیسا کہ حضور ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کے پاس مسیلمہ کذاب کا قاصد اُس کا گستاخانہ پیغام لے کر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
''اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔''

جب کہ دہشت گردی کی موجودہ لہر میں کتنے ہی سفیر قتل کیے جا چکے ہیں۔

## مُعاہد کی حیثیت

(۶) جہاد میں معاہد (اسلامی حکومت کی حفاظت میں کسی غیر مسلم) کو قتل نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ حدیث پاک ہے:
''جو کوئی کسی معاہد کو قتل کرے گا اُسے جنت کی بو تک نصیب نہ ہوگی حالانکہ اُس کی خوشبو 40 برس کی مسافت سے بھی محسوس ہوتی ہے۔''

دہشت گردی میں کسی کے لیے کوئی حفاظت اور امان نہیں ہے۔

## رضائے الٰہی

(۷) جہاد اللہ کی رضا کے لیے کیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا
(البقرۃ:190)

ترجمہ: ''اور اللہ کے راستے میں اُن لوگوں سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔''

دہشت گردی ذاتی مفاد اور انتقام کے لیے ہوتی ہے۔

## کلمۃ اللہ کی سربلندی

(۸) جہاد کلمۃ اللہ (اللہ کے دین) کی سربلندی کے لیے ہوتا ہے۔

دہشت گردی انتہائی حقیر مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔

## فتنہ کا خاتمہ

(۹) جہاد فتنہ کے خاتمے کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

دہشت گردی فتنہ برپا کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (الخ) (البقرۃ: 193)

ترجمہ: ''اور اُن سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔''

## بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا قتلِ عام

| | |
|---|---|
| (۱۰) جہاد میں بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہیں کیا جاتا اور نہ ہی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ | دہشت گردی میں کسی کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ |

## 6- خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دس ہدایات

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب شام کی طرف فوجیں بھیجیں تو اُن کو دس ہدایات دیں جو اسلامی جہاد کے حوالے سے روشن دستور کی حیثیت رکھتی ہیں:

۱۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کیے جائیں۔

۲۔ لاشوں کا مثلہ نہ کیا جائے۔

۳۔ راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ اُن کی عبادت گاہیں گرائی جائیں۔

۴۔ کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔

۵۔ آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

۶۔ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

۷۔ بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔

۸۔ جو لوگ اِطاعت کریں ان کی جان و مال کا ویسا ہی احترام کیا جائے جیسا مسلمانوں کی جان و مال کا ہے۔

۹۔ اموالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

۱۰۔ جہاد میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔

## 7- دہشت گردی کی تاریخ

دہشت گردی کے لیے انگریزی زبان میں "Terrorism" کا لفظ ہے جس کا معنی "Intense fear" ہے۔

Webster's ڈکشنری میں "Terrorism" کی تعریف یوں درج ہے:

"The act of terrorising, use of force or threats to demoralise any individual or nation."

جہاں تک اِس کی متفقہ تعریف کی بات ہے تو وہ آج تک نہیں ہوسکی۔

- پہلی مرتبہ یہ لفظ مارچ 1773ء سے جولائی 1794ء تک فرانس میں استعمال کیا گیا، جب فرانس کی حکومت نے اپنے عوام پر ظلم کیا۔
- آئرلینڈ میں 1866ء میں یہ لفظ عیسائی استعمال کرتے رہے۔
- 1930ء تا 1940ء تک انڈر ورلڈ کے یہودیوں کو دہشت گرد کہا جاتا تھا۔
- 9/11 (2001ء) کے بعد امریکہ نے یہی لفظ القاعدہ کے لیے استعمال کیا۔ آج کل یہ لفظ طالبان، پاکستان اور داعش کے جنگجوؤں کے حوالے سے استعمال ہو رہا ہے۔

## 8- دہشت گردی کے محرکات

۱۔ غلط تصورِ دین۔

۲۔ Havesاور Have-nots کا فرق۔

۳۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر غیر منصفانہ نظام۔

۴۔ بین الاقوامی طاقتوں کا وسائل پر قبضہ کے لیے بے دریغ طاقت کا استعمال۔

۵۔ مغربی ممالک کا اپنی تہذیب وثقافت مسلط کرنے کے لیے مسلمان ملکوں میں بے دریغ سرمایہ خرچ کرنا۔

۶۔ بیرونی ممالک کا پاکستان میں فرقہ پرست تنظیموں کو سپورٹ کرنا۔

۷۔ فرقہ پرستی پھیلانے کے لیے غیر ملکی ایجنسیوں کا کام کرنا۔

۸۔ جمہوریت کا بار بار ٹوٹنا اور آمریت کا ملک پر قبضہ کرنا۔

۹۔ ذاتی مفاد کے لیے قومی مفاد کو قربان کرنا۔



## 9- خودکش اور فدائی حملوں میں فرق

خودکش اور فدائی حملوں میں فرق درج ذیل ہے:



### (ا) فدائی حملہ

دشمن کی صفوں میں اِس طرح داخل ہونا کہ جان کی پروانہ ہو لیکن بچنے کے امکانات موجود ہوں۔

- **شرائط**

1- فدائی حملے کے لیے ضروری شرط یہ ہے کہ مسلمانوں اور کافروں میں با قاعدہ جنگ ہو رہی ہو۔

2- خلیفۂ برحق کوئی ایسا مشن روانہ کرے جو اسلامی تعلیمات کی رُو سے جائز بھی ہو یعنی مشن ایسی قوم کی طرف نہ ہو جن کے ساتھ مسلمانوں کی ریاست کا معاہدہ ہو۔

3- یہ حملہ کفار پر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کافر دو چار مریں اور اہل ایمان اکثریت میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

- **فدائی حملے کا حکم**

فدائی حملہ اگر درج بالا شرائط کے مطابق ہو تو علما میں سے غالب اکثریت کے ہاں جائز ہے۔

### (۲) خودکش حملہ

دشمن پر اِس طرح حملہ کرنا کہ خود اپنے بچنے کی کوئی اُمید نہ ہو۔

- **خودکش حملے کا حکم**

خودکش حملے ناجائز ہیں۔

- **ناجائز ہونے کی وجوہات**

  - خودکش حملے کفار اور مسلمانوں کے درمیان باقاعدہ جنگ کی صورت میں نہیں کیے جاتے بلکہ ایسے مقامات پر کیے جاتے ہیں جہاں مسلمانوں کا اجتماعی نظام (حکومت) قائم ہو چکا ہوتا ہے۔
  - خودکش حملے میں مرنے والے عام بے قصور شہری ہوتے ہیں جن کا جنگ میں یا کفار کا ساتھ دینے میں کسی بھی حوالے سے کوئی کردار نہیں ہوتا۔
  - خودکش حملے میں مرنے والے بچے، خواتین اور بوڑھے افراد بھی ہوتے ہیں جن کو حالتِ جنگ میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔
  - اسلام میں جہاد کا ایک اُصول ہے کہ بے خبر لوگوں پر حملہ نہیں کیا جاسکتا جب کہ یہاں مرنے والے بے چارے تمام بے خبر ہوتے ہیں۔
  - اسلام خودکشی کو حرام قرار دیتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے **ومن قتل نفسه بشيءٍ عذب به نار جهنم** (الجامع صحیح بخاری:5754)

    ''جس نے اپنے آپ کو کسی چیز سے قتل کیا اُسے جہنم کا عذاب دیا جائے گا۔''

جب کہ قرآن مجید میں ہے:

**مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا**

(المائدہ:32)

ترجمہ: ''جس نے کسی جان کو ناحق قتل کیا یا زمین میں فساد برپا کیا تو گویا اُس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے کسی ایک کی جان بچائی گویا اُس نے پوری انسانیت کی جان بچائی۔''

> ''اسلام میں کسی انسانی جان کی قدر و قیمت کا اندازہ یہاں سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے بغیر کسی وجہ کے ایک فرد کے قتل کو بھی پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ قتل عمد کی سزا موت ہے۔ جب اسلام کسی ایک فرد کے قتل کی اجازت نہیں دیتا تو کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ خودکش حملوں (Suicide attacks)، بم دھماکوں (Bomb blasts) اور ٹارگٹ کلنگز (Target killings) کے ذریعے ہزاروں شہریوں کے جان و مال کو تلف کرنے کی اجازت دے۔'' (تلخیص: دہشت گردی اور فتنہ خوارج، ص:135، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور)

(خودکش حملوں کے عدم جواز پر معروف عالم دین، تنظیم المدارس کے ناظم اعلیٰ اور جامعہ نعیمیہ کے پرنسپل ڈاکٹر سرفراز نعیمی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے 2004ء میں فتویٰ دیا جب کہ انھیں 12 جون 2009ء کو شہید کر دیا گیا۔ اُن کے علاوہ بھی کئی جید علمائے کرام شہید کیے جاچکے ہیں)۔

## 10- خلاصۂ بحث

دہشت گردی کے محرکات اور وجوہات کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے تصور جہاد کو واضح کیا جائے۔ القاعدہ اور داعش وغیرہ قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ عام مسلمان اُن کے استدلال کی غلطی کو واضح نہیں کر سکتے، یہ راست فکر اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ دہشت گردوں کی فکری غلطی کو واضح کریں۔ لیکن افسوس اِس بات کا ہے کہ دہشت گردی میں قیمتی جانوں کا ضیاع دونوں طرف سے مسلمانوں کا ہی ہوتا ہے۔ ایک طرف راست فکر مسلمان اور دوسری طرف گمراہی کے حامل جہادی۔ ایسی صورت میں مولانا حالی یاد آتے ہیں:

؎ اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقت دُعا ہے
اُمت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

؎ کوئی اور تو نہیں ہے پس خنجر آزمائی
ہمیں قتل ہو رہے ہیں ہمیں قتل کر رہے ہیں

# اِنتہا پسندی، مفہوم، اسباب اور حل

1- پاکستان میں انتہا پسندی کے اسباب کیا ہیں؟ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اِس کے خاتمے کا حل پیش کریں؟ (2017ء)

2- کیا اِنتہا پسندی اسلام کے لیے ایک چیلنج ہے؟ مسلم اُمہ کو درپیش عصری چیلنجز کی روشنی میں بحث کیجیے۔ (2019ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- اِنتہا پسندی کا مفہوم
3- مذہبی اِنتہا پسندی کا مفہوم
4- مذہبی اِنتہا پسندی کا آغاز
5- قرآن وسنت میں اِنتہا پسندی کی ممانعت
6- پاکستان میں اِنتہا پسندی کے اسباب
7- اِنتہا پسندی کا حل
8- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اُمت مسلمہ جن مسائل سے دوچار ہے، اُن میں ایک اہم مسئلہ مذہبی انتہا پسندی سے متعلق ہے جس کی وجہ سے امن عامہ کا بُری طرح متاثر ہونا، عدم برداشت، رواداری کا فقدان اور دیگر خوفناک مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ قرآن وسنت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام میں انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ زیر نظر سوال میں مذہبی انتہا پسندی کا مفہوم، اسباب اور حل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

## 2- اِنتہا پسندی کا مفہوم

### (ا) عربی زبان میں

انتہا پسندی کے لیے عربی زبان میں ''غلو'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

امام الفارابی لکھتے ہیں:

''کسی معاملہ میں حد سے گزر جانا غلو (اِنتہا پسندی) کہلاتا ہے۔''

### (۲) انگریزی زبان میں

انگریزی زبان میں اس کے لیے ''Extremism'' کی اِصطلاح استعمال ہوئی ہے جس کے مختلف Dictionaries میں متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔

Extremism: The quality or state of being extreme esp. advocacy of extreme political measures.(Webster's New Collegiate Dictionary)

''انتہا پسند ہونے کی خصوصیت یا کیفیت انتہا پسندی کہلاتی ہے، جیسے انتہا پسندانہ سیاسی اقدامات کی حمایت کرنا۔''

Extremism: Political, Religious etc. ideas or actions that are extreme and not normal, reasonable or acceptable to most people.(Oxford Advanced Learner's Dictionary)

''ایسے سیاسی، مذہبی خیالات یا اقدامات جو نارمل کیفیت سے نکل کر اِنتہا تک پہنچ جائیں اور لوگوں کی اکثریت کے ہاں وہ معقول یا قابل قبول نہ ہوں اِنتہا پسند کہلاتے ہیں۔''

Extremism: The quality, state or habit of going to extremes(in views, or actions) (Longman Modern English Dictionary)

''خیالات یا اقدامات میں آخری حدود تک جانے کی عادت یا حالت انتہا پسندی کہلاتی ہے۔''

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی معاملہ یا رائے میں شدت اور انتہا کی آخری حدود تک چلے جانا ''انتہا پسندی'' کہلاتا ہے۔

## 3- مذہبی اِنتہا پسندی کا مفہوم

مذہبی اِنتہا پسندی سے مراد دینی معاملات میں حد سے بڑھنا ہے جب کہ اسلام دین معتدل ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان واقع ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں:

''اور غُلُوّ (اِنتہا پسندی) کمی وکوتاہی کی ضد ہے۔ غلو کا معنی حد سے نکل جانا، اور یہ اِس لیے کہ حق، زیادتی اور کمی کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ اور اللہ کا دین شدت اور کمی کے درمیان ہے۔''

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ''شریعت اسلامیہ میں جو وسعت اور اعتدال پسندی کا تناسب ہے، اس کو نظر انداز کرتے ہوئے مذہبی تعلیمات اور معاملات کو ایسی انتہا کی بھینٹ چڑھا دینا جو روح شریعت سے متصادم ہو، مذہبی انتہا پسندی ہے۔'' مثلاً ایسے مذہبی احکامات یا معاملات جو مباح یا مستحب ہیں، اُن کو فرض یا واجب کے بالمقابل لے آنا اور اِسی طرح مکروہ تنزیہی اور اِس کے قریب ترین کاموں کو حرام اور مکروہ تحریمی کے دائرہ میں داخل کرنا، یا استحبابی اعمال کے ترک کرنے والے پر سخت تنقید کرنا اور بعض مذہبی معاملات جن میں بحث و مباحثہ کی گنجائش ہے اور وہ اجتہاد اور غور و فکر کے متقاضی ہیں، ان میں صرف اپنی رائے کو اقرب الی الصواب سمجھتے ہوئے دوسروں کی رائے کو مکمل طور پر باطل قرار دینا یا اختلاف رائے کی صورت میں مرنے و مارنے پر اتر آنا یا اس کی دھمکیاں دینا وغیرہ مذہبی انتہا پسندی ہے۔

## 4- مذہبی اِنتہا پسندی کا آغاز

مذہبی اِنتہا پسندی کی تاریخ اور آغاز پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا تعلق صرف امت مسلمہ سے نہیں ہے بلکہ یہ سوچ اور نظریہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل یہودیت اور عیسائیت یا مسیحیت میں موجود تھا۔ مثلاً یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا جس کی شہادت قرآن مجید میں موجود ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس میں انتہا پسندی کا آغاز فتنہ خوارج کی فکر سے ہوتا ہے۔ جنھوں نے حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ تینوں کو نعوذ باللہ نہ صرف کافر کہا بلکہ اُن کے قتل کا فتویٰ بھی جاری کیا۔ حضرت علیؓ اِسی وجہ سے خوارج کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے جب کہ باقی دو صحابہؓ اُن کی تلواروں کی زد میں نہ آسکے۔

## 5- اِنتہا پسندی قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن کریم میں غلو (اِنتہا پسندی) کی سختی سے ممانعت آئی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے جب غُلو (اِنتہا پسندی) کیا تو اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں منع کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: ''کہہ دیجیے! اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق زیادتی مت کرو۔'' (المائدہ:77)

بعض کہتے ہیں یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی اور حضرت حسن بصری کہتے ہیں، یہود و نصاریٰ دونوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ قرآن کریم میں انتہا پسندی کی ممانعت ہے۔ شریعت اسلامیہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے جو کام ہوگا، وہ اِنتہا پسندی نہیں کہلائے گا اور جو اِس سے متجاوز ہوگا، وہ اِنتہا پسندی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ اِسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی ''غلو فی الدین'' کی ممانعت آئی ہے اور اِنتہا پسندی سے منع کیا گیا ہے۔ اِس لیے دینی تعلیم کے وقت ان احادیث کی خوب وضاحت ہونی چاہیے کہ اِنتہا پسندانہ رویوں کی احادیث مبارکہ میں حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور اعتدال پسندی مطلوب ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

**(الف) ایا کم والغلو فی الدین فانما اھلک من کان قبلکم**

ترجمہ: ''اور تم دین میں سختی سے بچنا کیونکہ تم سے قبل کی اُمتیں دین میں غلو (اِنتہا پسندی) اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں۔''

**(ب) هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ۔**

ترجمہ: ''غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے۔''

## 6- پاکستان میں اِنتہاپسندی کے اسباب

پاکستان میں اِنتہاپسندی کے محرکات اور اسباب کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو اِس بارے میں متعدد وجوہ سامنے آتی ہیں۔ چند اہم محرکات کا ذکر اور اِس کے تدارک کے لیے مطلوبہ بیانیہ پیش کیا جاتا ہے۔

### (۱) فرقہ واریت

اِس وقت مذہبی اِنتہاپسندی کی ایک بڑی وجہ فرقہ واریت ہے۔ ہر جماعت اپنی شناخت اور انفرادیت کے لیے دوسرے سے ممتاز ہونا چاہتی ہے اور خود کو متبعِ حق سمجھتے ہوئے دوسروں کو راہِ راست سے دُور سمجھتی ہے اور بسا اوقات اِسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ دوسروں کی تکفیر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ فرقہ واریت کے اس رویے سے عدم برداشت اور اِنتہا پرستی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، جب کہ قرآن و حدیث میں فرقہ پرستی کی کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

ترجمہ: ''اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو۔''

اِسی طرح دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ .....(القرآن)

ترجمہ: ''تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔ اِنھی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

مذکورہ بالا دونوں آیات فرقہ واریت کی مذمت کر رہی ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید ہے۔ اِسی طرح احادیث میں بھی فرقہ واریت سے منع کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا نصوص (Texts) اِس بات کو ثابت کر رہی ہیں کہ اسلام فرقہ واریت سے منع کرتا ہے۔ مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگ خود کو مسلمان کہلواتے ہیں، مگر قرآن و سنت کے بیان کردہ احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی من مانی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج اُمتِ مسلمہ اُن مسائل کے گرداب میں پھنس چکی ہے جو نقصان اور خسران کی طرف لے جا رہے ہیں۔

#### مطلوبہ بیانیہ

قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب قرآن و سنت صریح الفاظ میں فرقہ واریت کی مذمت کرتے ہیں تو پھر یہ صورتِ حال کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اِس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اِن احکامات کی صحیح طریقے سے وضاحت اور اس حوالہ سے طلبا کی ذہن سازی نہیں ہو رہی۔ وہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ جو فرقہ ہمارا ہے یہی درست ہے اور باقی غلط ہے۔

### (۲) اپنے مسلک کو دوسروں سے افضل سمجھنا

اِنتہاپسندی کا دوسرا بڑا محرک اپنے مسلک اور جماعت کو دوسروں کے مسالک اور جماعتوں سے نہ صرف بہتر سمجھنا بلکہ زور و شور سے قول و فعل کے ذریعے اُس کا پرچار بھی ہے، حالانکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا روزِ قیامت فیصلہ ہوگا کہ اللہ کے ہاں کون مقبول ہے؟ حدیث میں ایک مسلمان اور یہودی کا واقعہ آتا ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی آپس میں بحث ہوگئی۔ مسلمان نے کہا، ''اِس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو دُنیا پر فضیلت دی۔'' یہودی نے کہا، ''اِس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو دُنیا پر فضیلت دی۔'' اِس پر مسلمان نے یہودی کے چہرے پر تھپڑ مار دیا۔ یہودی نے سارا ماجرا رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ اِس پر آپ ﷺ نے مسلمان سے صورتِ حال دریافت کی اور فرمایا:

''مجھ کو موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، اس لیے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں بھی اُن لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا۔ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا کونا پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے، یا اللہ تعالیٰ نے ان کو بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔'' (صحیح البخاری 3/120)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نہیں جانتا کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) بے ہوش ہونے والوں میں ہوں گے، یا ان کی پہلی (کوہ طور کی) بے ہوشی کافی ہوگی۔''

امام بدرالدین عینی اِس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اِس حدیث میں انبیا کے درمیان ایسی فضیلت بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے جس میں دوسروں کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو کیونکہ یہ کفر ہے۔ اور اس حدیث میں ایسی فضیلت بیان کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے جو لڑائی جھگڑے کا باعث بنے جیسے کہ مسلمان نے یہودی کو طمانچہ مار دیا۔''

ایک حدیث میں فرمایا:

لاینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی۔

ترجمہ: ''کسی کو یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں یونس بن متیٰ سے بہتر ہوں۔''

آپ ﷺ کا یہ قول بھی موجود ہے:

ترجمہ: ''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں۔''

جب کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے آپ ﷺ کی فضیلت اِن پر ثابت ہو رہی ہے:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ۔

ترجمہ: ''پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جائیں۔''

امام ابن بطال لکھتے ہیں:

''اور اس آیت نے اِس بات پر دلالت کی کہ رسول اللہ ﷺ حضرت یونس سے افضل ہیں، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کی مثل نہ ہونا، اور رہا آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ مجھے اُن پر فضیلت نہ دو، یہ بطریق تواضع ہے۔''

ایک حدیث میں تو مطلقاً فرمایا:

لاتخیروابین الانبیاء۔

ترجمہ: ''پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔''

نوٹ: اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے تمام خصائص کی وجہ سے تمام انبیاء میں افضل ہیں۔ دیگر انبیاء کرام کو بھی کچھ خصوصیات کی وجہ سے جزوی فضیلت حاصل ہے۔ درج بالا احادیث انبیاء کی امتوں میں باہم جھگڑوں کو ختم کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

مولانا عبدالرحمن قاسمی لکھتے ہیں:

''جب آپ کا اپنی بلند و بالا شان اور رفعت مکان کے باوجود اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے منع کیا باوجود اس بات کہ آپ ﷺ امام الانبیا اور خاتم النبیین ہیں۔ تو پھر عصر حاضر میں اِس بات کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے کہ ہر جماعت صرف اپنے آپ کو متبع حق سمجھتے ہوئے دوسروں سے خود کو افضل و برتر سمجھے اور ایسے افکار و خیالات پھیلائے جو اِنتہا پسندی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اِس لیے نئی نسل کی اِن خطوط پر رہنمائی ضروری ہے۔''

## (۳) مخالفت وموافقت میں اِنتہا کرنا

مذہبی انتہا پسندی کا ایک اہم سبب اپنے مدمقابل جماعتوں کی مخالفت یا موافقت میں انتہا کرنا ہے کہ ہر وہ کام اور طریقہ اختیار کیا جائے جس سے دیگر مخالف جماعتوں اور گروہوں کی بھرپور مخالفت ہو یا کسی جماعت سے ایسی موافقت کا اظہار ہو کہ اس طرزِ عمل سے ان کی انفرادیت قائم ہو۔ یہ طرزِ عمل بسا اوقات اِس اِنتہا تک لے جاتا ہے جو دنگا فساد اور قتل وغارت کا موجب بنتے ہیں۔

## (۴) رواداری کا فقدان

اِس وقت رواداری بالکل مفقود ہے۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عوام تو ایک طرف، خواص ایک دوسرے کو برداشت کرنا، اکٹھے بیٹھنا تو درکنار، دیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔ ظاہر ہے، جب اِس قسم کا طرزِ عمل مذہبی پیشواؤں اور طبقوں کی طرف سے آئے گا تو عوام پر اِس کے اثرات ویسے ہی مرتب ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام وخواص میں سے رواداری کے جذبات ختم ہوگئے ہیں۔ حالانکہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے چہ جائیکہ مسلمانوں کے ایک دوسرے تعلقات عدمِ رواداری کی نذر ہو جائیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق میں اہلِ حیرہ سے صلح کے بعد جو معاہدہ لکھا، وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایات کی روشنی میں تھا۔

> ''اِن کے کلیسے اور گرجے نہ گرائے جائیں، نہ ان کے محلات میں سے کوئی ایسا محل گرایا جائے جس میں وہ دشمنوں کے حملہ آور ہونے کی صورت میں قلعہ بند ہو کر اپنا بچاؤ کرتے ہیں، نہ اُنھیں ناقوس اور گھنٹیاں بجانے سے روکا جائے اور نہ ہی اِن کے یومِ عید پر صلیب نکالنے سے روکا جائے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب شام فتح ہوا۔ تو آپؓ نے جو حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھا۔ اس میں سے چند احکامات یہ تھے:

> ''اِن پر جزیہ لازم کرو، اِن کو گرفتار نہ کرو اور مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے، نقصان پہنچانے اور اِن کا مال کھانے سے منع کرو سوائے اس کے کہ جب کھانا حلال ہو۔ اور جن شرائط پر تم نے صلح کی ہے ان کو پورا کرو اور رہا ان کا عید کے دنوں میں صلیب لے کر نکلنے کا مطالبہ جو اُنھوں نے تم سے کیا ہے تو اگر وہ جھنڈوں کے بغیر سال میں ایک دن شہر سے باہر اس کو نکالنا چاہیں تو اُنھیں مت روکو۔''

### مطلوبہ بیانیہ

مذکورہ بالا بحث کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ جب اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسنِ سلوک برتنے کا حکم دیا ہے تو وہ کب اِس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ رواداری سے نہ پیش آئیں۔

## (۵) مفہوم اخذ کرنے میں بے احتیاطی

کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں کی بات کا صحیح مفہوم اخذ کیے بغیر بات ظاہری الفاظ کو بنیاد بنا کر طعن وتشنیع شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ بھی مذہبی اِنتہا پسندی کا ایک اہم سبب ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں تو اُنھوں نے کہا:

إِنَّكَ لَفِي ضَلَٰلِكَ الْقَدِيمِ

ترجمہ: ''آپ اُس قدیم غلطی میں مبتلا ہیں۔''

ضلال کا لفظ عمومی معنی میں ہدایت کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے مگر یہاں یہ معنی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ مفہوم پیغمبر کی شان کے لائق نہیں ہے۔

یہاں ضلال کا معنی ابن عباسؓ نے لفی خطیئتك کیا ہے۔ یعنی آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ماضی کی غلطی میں ہیں۔ یہ گھر کے فرد نے اِس لیے کہا تھا کہ اُن کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہو چکے تھے۔ قرآن کریم کی اس مثال سے واضح ہے کہ بعض اوقات لوگ بات کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتے اور دوسروں پر فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے بچنا چاہیے۔

## (۲) اسلاف پرستی

اِس حوالہ سے مولانا عبدالرحمن قاسمی لکھتے ہیں:

> ''اِس وقت اسلاف پرستی اِس قدر مذہبی طبقوں میں راسخ ہو چکی ہے کہ کسی بھی شخصیت پر جائز اور تعمیری تنقید سننا بھی گوارا نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ انبیا کے بعد کوئی بھی شخص خطا سے معصوم نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کی تحریر یا تقریر میں کبھی کوئی خطا یا لغزش نہ ہوئی، اور اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو بتقاضائے بشریت یہ معیوب نہیں ہے۔ مگر اُس وقت جو صورت حال ہے، کسی بھی مسلک کے پیروکار سے اگر کہا جائے کہ اس مسئلہ میں آپ کے امام، استاد یا عالم کی فلاح تحقیق درست نہیں ہے یا اس پر یہ سوالات ہوتے ہیں اور اس کے مقابلے میں فلاں کی بات درست ہے تو وہ لوگ قطع نظر اِس بات سے کہ ان کا تعلق کس جماعت سے ہے، شدید ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں یا ایسی تاویلات کا سہارا لیں گے جس سے ان کے امام، شیخ، استاد کی بات کی تردید نہ ہو سکے، اگر چہ وہ تاویلیں فاسد ہوں۔ اور یہ رویہ بھی صرف موجودہ دور کا نہیں ہے بلکہ صدیوں پہلے یہ رویہ سامنے آیا اور اب پوری طرح اپنی بنیادوں پر کھڑا ہے۔''

### مطلوبہ بیانیہ

اِس لیے عصر حاضر کے محققین میں یہ حوصلہ ہونا چاہیے کہ اِن کی تحقیقات پر اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ اپنی تحقیقات پر نظر ثانی کریں۔ اگر اِصلاح کی ضرورت ہو یا رُجوع کرنے کی نوبت آئے تو ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر اس جماعت کے کسی امام یا عالم کی کوئی اصلاح طلب بات ہو تو اُسے تسلیم کرتے ہوئے قبول کر لیا جائے اور خوامخواہ کی بے جان وضاحتوں سے اجتناب کیا جائے۔ تقلید کا انکار نہیں ہے، مگر اندھی تقلید سے بچنا بھی ضروری ہے۔

## 7- اِنتہاپسندی کا حل

۱۔ مدارس اور مساجد کا نظام حکومت وقت کے ہاتھ میں ہو۔

۲۔ دینی تعلیم کا بندوبست سرکاری یونیورسٹیوں میں ہو۔

۳۔ ایف۔اے تک تعلیم ہر ایک کے لیے لازمی ہو۔ اِس کے بعد کوئی شخص چاہے تو ڈاکٹر بنے، انجینئر بنے یا عالم دین۔

۴۔ سرکاری یونیورسٹیوں میں جو طلبا اِنتہاپسندی کی طرف مائل ہوتے ہیں اگر بنیاد مذہب ہے تو اہل علم اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبا کو مذہب کی درست تعبیر سے آگاہ کریں اور اگر بنیاد معاشی ہے تو اُن کے لیے باعزت روزگار کا بندوبست کیا جائے۔

۵۔ سوشل میڈیا پر اِنتہاپسند رُجحانات کے خاتمے کے لیے عملی کوششیں کی جائیں۔

۶۔ دینی مدارس میں دُنیاوی تعلیم لازم ہو اور دُنیاوی یونیورسٹیوں میں مذہب کی درست تعلیم لازم ہو۔

۷۔ معاشرے میں امیر اور غریب کے فرق کو کم سے کم کیا جائے۔ غریب کے لیے بھی وسائل رزق فراہم کیے جائیں۔

۸۔ اِعتدال پسند اسلامی تعلیمات کو سلیبس کا حصہ بنایا جائے۔

۹۔ غیر مسلم اقلیتوں کے بارے یں اسلام کے درست مؤقف کی حکومتی اور غیر حکومتی سطح پر ترجمانی کی جائے۔

۱۰۔ خواتین کے حقوق و فرائض کی آگاہی کو قرآن وسنت کی روشنی میں نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

## 8- خلاصۂ بحث

انتہاپسندی صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں یہ عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ اِنتہاپسندی صرف دینی یا فرقہ ورانہ نہیں ہوتی یہ نسلی اور لسانی بھی ہوسکتی ہے۔ اگر ایک لسانی یا نسلی گروہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم سب سے اعلیٰ ہیں تو گویا وہ گروہ فاشسٹ سوچ میں مبتلا ہے اور اِنتہاپسند ہے۔ جب کوئی ملک دہشت گردی کی ایسی لہر سے گزرے جس میں ہزاروں لوگوں نے حصہ لیا ہو تو دہشت گردی کی لہر کے خاتمے کے ساتھ ضروری ہوتا ہے کہ اُن گمراہ نوجوانوں کی اِصلاح کر کے اُنھیں دوبارہ سوسائٹی کا باعزت فرد بنایا جائے۔ ہمارے ہاں اکثر کہا جاتا ہے کہ دینی مدارس اِنتہاپسندی کا مصدر ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ خیبر پختونخوا میں ایک یونیورسٹی کے اندر مشال خان کو قتل کیا جاتا ہے تو کیا قتل کرنے والے دینی مدارس کے لوگ تھے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم رواداری اور اِعتدال پسندی کو آہستہ آہستہ چھوڑ رہے ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اسلام کے متوازن نظامِ حیات کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کا حصہ بنایا جائے۔

# فرقہ واریت، اسباب، نقصانات اور حل

1- پاکستان میں فرقہ وارانہ اِختلافات کے اسباب اور نقصانات کیا ہیں؟ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اِس مسئلے کو کس طرح حل کیا جاسکتا ہے؟ (CSS-2007)

## اہم نکات

1- تعارف

2- فرقہ واریت کے اسباب

3- فرقہ واریت کے نقصانات

4- فرقہ واریت ختم کرنے کے لیے تجاویز

5- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اسلام اتحاد و اتفاق کا داعی و حامی دین ہے۔ جو ہر قسم کی فرقہ واریت کی مذمت کرتا ہے۔ اِس وقت اُمت مسلمہ جن مسائل کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے اُن میں فرقہ واریت کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ عدم برداشت اور مخصوص افکار کی ترویج و اشاعت کی شدت نے اُن راستوں پر چلا دیا ہے جو بربادی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اِن حالات میں زاویہ سوچ اور مزاجوں میں اعتدال و میانہ روی لانے کی جدوجہد اور فرقہ واریت کی حوصلہ شکنی کرنا وقت کا تقاضا ہے۔ اتفاق و اتحاد کی فضا قائم کرنا اہم ترین کام ہے۔ جہاں تک فرقہ واریت کے فہم کا تعلق ہے تو مسلمانوں کا عقائد و اعمال کی تعبیر کرنے میں مختلف گروہوں (Sects) میں بٹ کر ایک دوسرے کی مخالفت کرنا اور اسلامی معاشرے میں عدم برداشت کو فروغ دینا فرقہ واریت کہلاتا ہے۔ عصر حاضر میں اِس کی جڑیں سوسائٹی کے تمام طبقات میں پھیل چکی ہیں یہاں تک کہ وہ پاکستانی جو دیگر ممالک میں رہائش پذیر ہیں، وہاں بھی اِسی طریقے کو اپنائے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں فرقوں اور مسالک کے نام پر خون ریزی معمول بن چکا ہے۔ اِس کا حل یہ ہے کہ ریاست اپنی رٹ کو قائم کرے۔

## 2- فرقہ واریت کے اسباب

فرقہ واریت کے اسباب درج ذیل ہیں:

### (۱) قرآن و حدیث سے عدم واقفیت

قرآن و حدیث تک براہ راست (Direct) رسائی نہ ہونا بلکہ اِن دو بنیادی مصادر کو کسی مفسر یا عالم دین کی تفہیم کی روشنی میں پڑھنا اور پھر اُسی کی رائے کو حتمی سمجھتے ہوئے باقی سب آراء اور تعبیرات کو غلط، فاسد اور باطل سمجھنا فرقہ پرستی پیدا کرتا ہے۔

### (۲) اشتعال انگیز خطبے اور بیانات

پچھلے سو سال سے برصغیر (Subcontinent) میں جس دینی مزاج اور روایت کو پروان چڑھایا گیا اُس میں مناظرے اور مجادلے زیادہ جب کہ تحقیق کا پہلو تشنہ رہا۔ اِس میں بنیادی سبب اُن جاہل خطبا اور ذاکرین کا بھی تھا جنھوں نے فرقہ پرستی کے خشک درخت پر کئی بدصورت و بدنما پھل اُگائے۔

### (۳) شخصیت پرستی

اکابرین کا احترام بہت زیادہ ضروری ہے کیونکہ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں ان کا بہت زیادہ کردار ہے۔ لیکن یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ وہ اکابرین تو ہیں، مصادرِ شریعت نہیں۔ اگر اُنھوں نے اپنے سے پہلے کے بزرگوں سے اختلاف کیا ہے تو لامحالہ اُن سے بھی ہو سکتا ہے۔ معاملہ اُس وقت تفرقہ بازی کی طرف چلا جاتا ہے جب کوئی شخص انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر (Collectively) یا کوئی جماعت ایک ہی شخص کے فہم دین کو حتمی سمجھتے ہوئے دوسرے تمام علما کی آراء کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دے۔

### (۴) معاشی مفادات

دُنیا جس تیزی کے ساتھ گلوبلائزیشن (Globalization) کی طرف بڑھ رہی ہے اِس سے اِس جہان میں رہنے والا ہر شخص متاثر ہوا ہے۔ اِسی طرح اہل دین کا طبقہ بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اِس کا نقصان یہ ہوا کہ ہر شخص اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے بہت ساری مضر چیزوں کو بھی اپنانے

لگا۔ یہ بات درست ہے کہ نشہ زہر ہے لیکن بنی نوع انسان کے بعض افراد فقط پیسے کمانے کے لیے یہ زہر لوگوں کو لگا رہے ہیں۔ اِسی طرح وہ افراد جنھیں تقریر کے پیسے ہی دوسرے مسلک کو گالی گلوچ یا کافر قرار دے کر ملتے ہوں تو وہ یہی کریں گے۔

### (۵) عدم برداشت

فرقہ پرستی کا ایک اہم سبب عدم برداشت بھی ہے۔ بعض اوقات انسان پر مذہب کا ایسا غلط بھوت سوار ہوتا ہے کہ وہ دوسرے مسلک کے شخص کو برداشت بھی نہیں کرتا بلکہ اپنے فہم دین کے مطابق جب تک اُسے قتل کر کے واصل جہنم نہ کر لے، اُس وقت تک وہ بے چین رہتا ہے۔

## 3- فرقہ واریت کے نقصانات

فرقہ پرستی کے نقصانات درج ذیل ہیں:

### (۱) خون ریزی

ایک اسلامی ملک میں رہتے ہوئے کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لے۔ آئین میں ہر شخص کو اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے اور معاملات چلانے کا حق حاصل ہے۔ کسی سے مذہبی اختلافات کی صورت میں اُس کا ناحق خون بہانا جائز نہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں مذہب کے نام پر بہت خون ریزی ہوئی ہے جس سے نہ صرف پُرامن مذہبی حلقے بدنام ہوئے بلکہ ان کے وقار کا گراف بھی بہت نیچے آ گیا۔

### (۲) اجتماعی اسلامی تشخص پر منفی اثر

جب مذہب کے نام پر قتل و غارت گری ہو رہی ہوتی ہے تو میڈیا جتنا اُس کو اُچھالتا ہے اُتنی ہی فرقہ پرستی پھیلتی ہے اور اِس سے مقصود بھی فقط اہل دین سے دُور کرنا اور اسلامی تشخص کو مجروح کرنا ہوتا ہے لیکن اِس سے زیادہ یہ فرض اہلیان دین کا ہے کہ وہ ایسے مواقع فراہم ہی نہ کریں۔

### (۳) عذاب الٰہی

فرقہ پرستی گویا خالقِ قدوس کی طرف سے ایک عذاب ہے۔ جیسا کہ پہلے صفحے پر قرآن حکیم کی سورۃ انعام کی آیت 65 کا حوالہ موجود ہے کہ گروہوں میں بٹ جانا بھی گویا خالق قدوس کا عذاب ہے کیونکہ اِس سے وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔

### (۴) معاشرتی بگاڑ

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ معاشرے میں فساد پھیلے۔ اسلام تو دُنیا میں لوگوں کو جوڑنے کے لیے آیا ہے نہ کہ جُدا کرنے کے لیے۔ فرقہ پرستی سے دل جڑتے نہیں بلکہ جُدا ہوتے ہیں۔ اِس سے سوائے معاشرتی بگاڑ اور امن و سکون کے تہ و بالا ہونے سے کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے؟

## 4- فرقہ واریت ختم کرنے کے لیے تجاویز

چند اہم تدابیر درج ذیل ہیں:

### (۱) علما کا میل جول

علما کے میل جول سے قربتیں بڑھتی جب کہ نفرتیں کم ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے سے دُور رہ کر حالات کا بخوبی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ طلبا جو صرف مدارس میں پڑھتے ہیں اور یونیورسٹی کی سطح تک جانے کا اتفاق نہیں ہوتا، اُن میں اور یونیورسٹی میں پڑھنے والے طلبا میں کافی فرق ہوتا ہے۔ یونیورسٹی میں آ کر بہت سارے متعصب بھی معتدل ہو جاتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں جاننے کا موقع ملتا ہے۔

### (۲) ریفریشر کورسز

حکومت پاکستان کو چاہیے کہ مدارس سے نکلنے والے تمام طلبا کو اکٹھے ریفریشر کورسز کروائے جائیں۔ اِس طرح جب تمام مسالک کے مدارس کے فارغ التحصیل طلبا تین مہینے یا چھ مہینے اکٹھے گزاریں گے تو فضا بہت معتدل ہو جائے گی۔ اُن طلبا کی ڈگریاں اُس وقت تک ہائر ایجوکیشن (HEC) ایم اے عربی و اسلامیات کے برابر تسلیم نہ کرے جب تک یہ کورس ورک (Course Work) مکمل نہ کر لیں۔

### (۳) اختلافی مواد سے بھری کتابوں کی ضبطی

ایسی کتابیں جن میں اپنے عقیدے یا مسلک کے بیان کے سوا دوسرے مسلک کی شخصیات کی توہین موجود ہے تو اُن کو ضبط کرنا چاہیے اور اُن کی طباعت (Publication) پر پابندی عائد کی جائے۔ اِس سلسلے میں کچھ کام تو ہوا ہے جب کہ ابھی بہت سا باقی ہے۔ بقول شاعر:

ے نفرتوں کا نصاب پڑھ کر محبتوں کی کتاب لکھنا
بڑا کٹھن ہے خزاں کے ماتھے پہ داستانِ گلاب لکھنا

### (۴) جاہل واعظین پر پابندی

ہر چیز کا کوئی نہ کوئی ضابطہ ہوتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ واعظین کے لیے اور خطبا کے لیے کوئی ضابطہ نہیں۔ اگر چند اداروں میں ضابطہ ہے تو وہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ واعظین اور خطبا کے لیے کوئی ضابطۂ اخلاق مقرر کیا جائے۔ بقول عابد نظامی:

ے ہم کو جدل کی راہ دکھاتے ہیں کیوں خطیب
دین نبی تو کہتے ہیں ، دین آشتی کا ہے

### (۵) عربی کی تعلیم

عربی کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔ چونکہ اُردو کی کتابوں سے اصل مصادر تک رسائی ناممکن ہے اور جب سے عربی کتب کے اُردو میں تراجم زیادہ ہونے سے ایک سہولت پیدا ہوئی ہے وہیں دین کی من پسند تشریحات آنا بھی شروع ہو گئی ہیں۔ اگر اصل مصدر تک رسائی ہو گی تو اختلاف کم ہو گا۔

### (۶) متفقات کو نصاب میں شامل کیا جائے

تمام مسالک کے متفقات (Agreed Points) کو نصابِ تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔ اگر متفقات یاد ہوں گے تو اختلافات خود بخود دم توڑ جائیں گے۔ اِس حوالے سے گو ہم بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں استغاثہ کر سکتے ہیں:

ے تیری اُمت کی بھی اب دُور ہو فرقہ بندی
تفرقے سارے زمانے کے مٹانے والے
بت تعصب کے بھی اُمت کے دلوں سے نکلیں
حرم کعبہ سے اصنام ہٹانے والے

### (۷) سیاسی اتحاد

سیاسی اتحاد سے اعتدال کی جڑوں کو پانی ملتا ہے۔ چونکہ ایک حوالے سے معاشی فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہوتا ہے اِس لیے اختلافی اُمور اِس بڑے اور اہم مقصد کی گرد میں بیٹھ جاتے ہیں۔

## 5- خلاصۂ بحث

قیامِ پاکستان کے بعد 31 جنوری 1951ء کو مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے 31 علما نے متفقہ طور پر 22 نکات پیش کیے، جن میں واضح کیا گیا کہ پاکستانی ریاست کو اُصولِ شریعت اسلامیہ کے مطابق چلانے کے لیے کن کن اُمور کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ مختلف مسالک کے 31 علماء نے چند اہم امور کی طرف توجہ دلائی اور اتفاق کیا۔ اِن امور کو اگر آج ریاستی سطح پر نافذ کر دیا جائے تو بڑی حد تک فرقہ واریت ختم ہو جائے گی۔

۱۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن وسنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائرِ اسلامی کے احیاواعلا اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لیے اُن کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

۲۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانانِ عالم کے رشتہ اتحاد واخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی ولسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے اُبھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامی کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۳۔ باشندگانِ ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے، جو شریعت اسلامیہ نے اُن کو عطا کیے ہیں۔ یعنی حدودِ قانون کے اندر تحفظ، جان و مال وآبرو، آزادی، مذہب ومسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل وحرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارت سے استفادے کا حق۔

۴۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقعہ صفائی وفیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

۵۔ مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدِ قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اُنھیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ اُن کے شخصی معاملات کے فیصلے اُن کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے، اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ اِنھی کے قاضی یہ فیصلہ کریں۔

باب نمبر 6

# پبلک ایڈمنسٹریشن اور اسلامی طرز حکمرانی

- پبلک ایڈمنسٹریشن (انتظام ریاست) کا اسلامی تصور
- قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں طرز حکمرانی
- مثالی حکمرانی اسلامی تناظر میں
- اسلام میں نظام حکومت کا ڈھانچہ
- خلفائے راشدین کا طرز حکمرانی
- حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے حکومتی عہدے داروں کے نام خطوط
- (الف) حضرت علیؓ کی فقاہت
- (ب) حضرت علیؓ کی شجاعت
- سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں
- اسلام میں احتساب کا نظام

سوال 1

# پبلک ایڈمنسٹریشن (انتظام ریاست) کا اسلامی تصور

1- اسلام میں پبلک ایڈمنسٹریشن پر روشنی ڈالیئے۔(2016ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- معنی ومفہوم
3- انتظامیہ کا تاریخی پس منظر
4- انتظامیہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں
5- انتظامیہ احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں
6- انتظامیہ سیرت طیبہ کی روشنی میں
7- اسلام میں انتظامی ادارے
(الف) محکمہ سرکاری خط وکتابت
(ب) محکمۂ احتساب
(ج) محکمۂ داخلہ
(د) محکمۂ خارجہ
(ھ) محکمۂ مالیات
(و) عدالتی نظام
(ز) تعلیمی نظام
(ح) دفاعی نظام
(ط) صوبائی نظام
8- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

ریاست نبوی ﷺ میں حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ کا منصب اللہ کے لیے خاص ہے۔ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں تمام اُمورِ ریاست کو خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے انجام دیا۔ یہ اُصول اسلامی ریاست کو دیگر ریاستوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ کارنامہ وہاں سرانجام دیا گیا جہاں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ آپ ﷺ اور خلفائے راشدین نے چودہ سو سال پہلے انتظامِ ریاست کے حوالے سے جو نمایاں اُصول عطا کیے ان میں اللہ تعالیٰ کی سیاسی وقانونی حاکمیت، نبی کریم ﷺ کی تشریعی (Lawgiver) وتشریحی (Law explainer) حیثیت کے ساتھ ساتھ اولوالامر (خلیفہ) کی حیثیت تھی۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حکمرانی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔'' جب کہ نبی کریم ﷺ کے حوالے سے ارشاد ہے ''پس نہیں، تیرے رب کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔'' (النساء:65) آپ ﷺ اور خلفائے راشدین نے اپنے عہد کے حوالے سے نمایاں محکمہ جات کی بنیاد رکھی۔ جن میں داخلہ، خارجہ، خزانہ، پوسٹل سروسز کے محکمہ جات کے ساتھ ساتھ عدالتی اور تعلیمی نظام نمایاں تھے۔ نیز اہم معاشی اور معاشرتی اصلاحات کیں۔ رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین کے انتظام ریاست کے اُصولوں کو دیکھتے ہوئے آج ہم اپنے نظام میں کئی بہتریاں لا سکتے ہیں۔

## 2- معنی ومفہوم

ڈاکٹر ایس۔ڈی گوئیل (Dr. S. D. Goel) کے بقول یہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے پبلک اور ایڈمنسٹریشن۔ لفظ Administer لاطینی الفاظ 'ad' اور 'ministare' سے مرکب ہے جس کے معنی 'to serve' اور 'to manage' کے ہیں۔ ڈکشنری کے مطابق انتظامیہ کا مطلب ''معاملات کا انتظام'' ہے۔

وڈرو ولسن کے بقول: ''انتظامیہ کا مطلب قانون کا تفصیلی اور منظم نفاذ ہے۔''

**Woodro Wilson says:** "Public administration is a detailed and systametic application of law."

**Dwight Waldo says,** "Public administration is the art and science of management applied to the affairs of the state."

**McQueen says:** "Public administration is administration related to the operations of government Whether central or local." (Prof. A. P. Tyagi Public Ammonization:5)

جدید انتظامیہ کی ابتدا اُنیسویں صدی میں ہوئی جب ریاستی معاملات نے ساجی توجہ حاصل کی۔ اس کے پہلے سکالرز Woodrow Wilson (1887ء) اور Frank Johnson Goodnow (1900) Wilson تھے۔

## 3- انتظامیہ کا تاریخی پس منظر

اسلام سے قبل عرب میں عوامی انتظامیہ کا تصور قبیلہ کے سردار کی صورت میں تھا جو لوگوں کے معاملات میں نمایاں کردار ادا کرتا تھا۔ وہ چیف جسٹس، منتظم اعلیٰ اور ثالث بھی تھا۔ مصر وروم کی سلطنتیں اِنتظامی نظام کے لحاظ سے بدترین تھیں۔ چین وہ پہلا ملک ہے جس نے میرٹ پر بیوروکریسی کا آغاز قبل مسیح 302 میں کیا جس کا انتخاب تحریری امتحان سے ہوتا تھا۔ Tong سلطنت میں 618-906ء کا دور چین میں سنہری دور کہلاتا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں انگلینڈ میں اِنتظامی معاملات میں سب سے بہتر ملک تھا لیکن یہاں بھی بادشاہت نے لوگوں کو بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

## 4- انتظامیہ آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں

قرآن مجید کے نزدیک سرکاری اور حکومتی مناصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہیں جنھیں خدا ترس اور محنتی لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے اِس امانت میں کسی شخص کو من مانی کرنے، اس کا ناجائز تصرف کرنے کا اختیار نہیں۔ اگر کوئی غیر ذمہ داری اور اس کے ناجائز استعمال کا مرتکب ہے تو وہ دین اسلام کے نزدیک گناہ گار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (النساء:58)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کر دو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے کام لو۔''

سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (القصص:83)

ترجمہ: ''وہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم نے ایسے لوگوں کے لیے بنایا ہے جو نہ (تو) زمین میں سرکشی وتکبر چاہتے ہیں اور نہ فساد انگیزی، اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔''

جب کہ ''سورۃ النور'' میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(النور:55)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جنھوں نے تم میں سے ایمان قبول کیا اور عمل صالح کیا وہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔''

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں سخت ترین الفاظ استعمال کیے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ:44)

ترجمہ: ''اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں''۔

ریاستی اُمور میں حضور ﷺ کی کیا حیثیت ہے؟ اِس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:65)

ترجمہ: ''پس نہیں، تیرے رب کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔''

جب کہ ''سورۃ احزاب'' میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب:36)

ترجمہ: ''اور کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں، تو ان کے لیے خود اپنے معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔''

اصحاب ایمان جو اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھاتے ہیں ان کی ایک صفت یہ بیان کی گئی:

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط (التوبہ:112)

ترجمہ: ''نیکی کا حکم دینے والے برائی سے منع کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔''

قرآن مجید کی درج بالا آیات انتظامی امور پر فائز لوگوں کے لیے اُصول فراہم کرتی ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے پابند ہوتے ہیں۔

## 5- انتظامیہ احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں

حکمرانی کا اصل اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ بندوں کو یہ اختیار عطا کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں اس اُصول کو پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

- ''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں اُنھیں ضائع نہ کرو کچھ حرمتیں مقرر کی ہیں ان کو نہ توڑو کچھ حدیں مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، اور کچھ چیزوں کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے، بغیر اس کے کوئی شخص بھول جائے، ان کی کھوج میں نہ پڑو۔'' (مشکوۃ)
- ''خبردار! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب سے بڑا حکمران ہے وہ بھی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔'' (صحیح مسلم)
- ''کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔'' (بخاری)
- ''کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)
- نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ''اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا عہدہ ایک امانت ہے اور قیامت کے روز رُسوائی اور ندامت کا موجب ہوگا۔ سوائے اُس شخص کے جو حق کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اسے ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔ (صحیح مسلم)
- ''کسی حاکم کا اپنی رعایا میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے''۔ (کنز العمال)
- ''جو شخص ہماری حکومت کے منصب پر فائز ہو، اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کرے، اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کرے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر بنائے، اگر سواری نہیں رکھتا تو ایک سواری لے۔ اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے (یعنی منصب کا ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے) وہ خائن ہے یا چور۔'' (کنز العمال)
- تم پر لازم ہے کہ کتاب اللہ کی پیروی کرو۔ جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے اسے حلال جانو اور جسے اس نے حرام کیا ہے اسے حرام تسلیم کرو۔'' (بخاری ومسلم)
- آپ ﷺ نے فرمایا ''حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔'' (ترمذی، مسند احمد)

درج بالا احادیث مبارکہ بھی انتظامیہ کے سربراہان، گورنرز، بیوروکریٹس اور حکومتی مشینری کے تمام عہدے داران کے لیے واضح راہنمائی فراہم کرتی ہیں کہ اُنھیں کس طرح لوگوں کے مسائل دیانت داری سے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

## 6- انتظامیہ سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

انتظامی فیصلہ کے حوالے سے آپ ﷺ کی سیرت میں ابتدائی زندگی کا اہم واقعہ ملتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کے لیے ''حلف الفضول'' کے معاہدہ میں شرکت فرمائی۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک 17 سال تھی جب کہ 25 سال کی عمر میں ''تنصیب حجر اسودؔ'' کا معاملہ نہایت دانش مندی سے حل فرما کر اعلیٰ منتظم ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ مکہ میں تمام اذیتیں برداشت کرنے کے باوجود صادق اور امین کے القابات سے نوازے گئے۔ مکہ میں ہی انتظامی حوالے سے درج ذیل دو بڑے واقعات آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔

### (۱) ہجرت حبشہ اور بیعت عقبہ

بعثت مبارکہ کے بعد 5 نبوی اور 7 نبوی میں آپ ﷺ نے کفار مکہ کی تکالیف سے مومنین کو بچانے کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ بیعت عقبہ میں ''نقباء'' (نمائندے) مقرر فرما کر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بطور معلم اور منتظم ساتھ مدینہ بھیجا۔ ہجرت حبشہ اور بیعت عقبہ آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

### (۲) ہجرت نبوی ﷺ

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت ملی تو آپ ﷺ محاصرین کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں چھپ گئے۔ تین دن اس کے اندر رہے۔ کفار تلاش کرتے یہاں تک پہنچے مگر آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔ تین دن کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کا راستہ لیا۔ ہجرت مدینہ میں آپ ﷺ کی حکمت عملی (Strategy) بھی آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

### (۳) مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر

مدینہ پہنچتے ہی آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد کے لیے جگہ حاصل کی اور مسجد نبویؐ بنائی۔ مسجد کے ساتھ ہی ازواجِ مطہرات کے لیے حجرے بنائے گئے۔ جب کہ ایک طرف اصحاب صفہ کے لیے چبوترہ بنایا گیا۔

### (۴) مواخات

مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی دوسرا کام آپ ﷺ نے یہ کیا کہ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ جب تک مہاجرین نے اپنے مکانات تعمیر نہیں کرائے وہ انصار کے ساتھ ہی رہے۔ مواخات مدینہ انتظامی حوالے سے اتنا بڑا تاریخی فیصلہ ہے کہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ اس بھائی چارے سے ہر مہاجر کی رہائش اور خوراک کا بندوبست ہو گیا، جو بنیادی انسانی حقوق میں سے ہے۔

### (۵) یہود سے معاہدہ

مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے ایک معاہدہ کیا، جس کی رو سے قرار پایا کہ فریقین ایک دوسرے کے مذہبی جذبات مجروح نہیں کریں گے۔ دشمن کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ مدینہ کے اندر خون ریزی نہیں ہوگی۔ تمام تنازعات کا آخری فیصلہ آپ ﷺ کریں گے۔

### (۶) صلح حدیبیہ

ذیقعد 6 ہجری میں آپ ﷺ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ حج کے ارادہ سے نکلے۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر بمقام ''حدیبیہ'' قریش نے روک دیا اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرے دو قاصد بھیجے کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے مگر انھیں قید کر لیا گیا۔ دوسرے قاصد حضرت عثمانؓ تھے جن کے شہید کیے جانے کی خبر پھیل گئی۔ آخر رحمتِ عالم ﷺ نے صحابہؓ سے بیعت لی جو ''بیعت رضوان'' کے نام سے مشہور ہے کہ وہ اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ تب قریش نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اس سال حج نہیں کرنے دیا۔ اگلے سال حج کی اجازت دی اور یہ شرط طے ہوئی کہ اگر قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو آپ ﷺ اسے واپس کریں گے اور اگر کوئی مسلمان قریش سے جا ملے تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ واپسی کے وقت آپ ﷺ پر قرآن شریف کی ''سورۂ فتح'' نازل ہوئی اور اس میں صلح کا نام ''فتح مبین'' فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ عظیم الشان کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے۔ پھر تاریخ نے ثابت کیا کہ کس طرح صلح حدیبیہ فتح مکہ کا سبب بنی اور کس قدر یہ صلح آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت بھی تھی۔

### (۷) بادشاہوں کے نام خطوط

حدیبیہ سے واپسی پر آپ ﷺ نے ذیل کے بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط لکھے۔ قیصر روم، کسریٰ، عزیز مصر، نجاشی، عرب کے اطراف کے بعض سرداروں کو بھی۔ قیصر کے نام کا خط ''ہرقل'' کے پاس پہنچا تو اس نے ابوسفیان کو جو اس وقت تجارت کے لیے ملک شام میں تھا، اسے بلا کر نبی رحمت ﷺ کے حالات دریافت کیے اور ابوسفیان کے جواب سن کر نتیجہ نکالا کہ آپ ﷺ حق پر ہیں، مگر پادریوں نے مخالفت کی۔ کسریٰ (شاہِ ایران) نے خط کو پھاڑ ڈالا اور آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے سپاہی بھیجنے کا حکم دیا۔ یہ سپاہی مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے انھیں اطلاع دی کہ تمھارا بادشاہ مارا گیا ہے اور اس خبر کی بعد میں تصدیق ہوئی۔ نجاشی مسلمان ہوا۔ بادشاہوں کے نام خطوط سے ریاست مدینہ کی اہمیت دور ونزدیک بڑی ریاستوں پر واضح ہوئی۔ ایران وروم پر واضح ہوا کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

### (۸) حجۃ الوداع

دسویں سال میں پورا عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ رحمتِ عالم ﷺ بھی حج کے لیے تشریف لے گئے۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کا اجتماع تھا۔ سارا ملک عرب اب نہ صرف آپ ﷺ کا مطیع تھا بلکہ تمام غلط عقائد اور بے ہودہ رُسوم کو چھوڑ کر عاشقِ توحید ہو چکا تھا۔ جبل عرفات پر آپ ﷺ نے خطبہ پڑھا۔ وحی نازل ہوئی کہ اب ''دین کامل'' آ گیا اور یہ کہ جب لوگ گروہ درگروہ دین اسلام میں داخل ہو گئے تو آپ ﷺ کا کام بھی پورا ہو چکا۔ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کا خطبہ حقوق وفرائض کی وہ دستاویز ہے جس کی مثال موجودہ ترقی یافتہ دُنیا بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

## 7- اسلام میں انتظامی ادارے

مسلمانوں نے جہاں پر دُنیا کے سامنے توحید ورسالت کے واضح عقائد رکھے وہاں پر انتظامی حوالے سے بھی کئی اہم ادارے مضبوط کیے۔ ذیل میں چند اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے:

### (۱) محکمہ سرکاری خط وخطابت (Official Correspondance Department)

اس محکمہ کے تحت رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش آمدہ مقدمات ومعاملات کے احکام اور فیصلے لکھے جاتے، ہر قسم کے سرکاری کاغذات اور معاملات کو لکھا جاتا۔ مردم شماری اور مسلمان قبائل کو سرکاری ہدایات بھیجنا بھی اس شعبہ کا کام تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور عام لوگوں کے قرض، لین دین کے معاملات اور آپ ﷺ واہل عرب کے مابین خط وکتابت نیز اموال صدقات اور کھجور کے درختوں سے آمدنی کا تخمینہ ضبط تحریر میں لانا اسی شعبہ توقیعات (Official Correspondance Department) کے ذمہ تھا۔

### (۲) محکمۂ احتساب (Department of Accountability)

اس محکمہ کے تحت لوگوں کے اخلاق کی نگرانی واصلاح، سرکاری افسران کی تربیت اور ان کا محاسبہ (Accountability)، نیز تجارتی بدعنوانیوں کا خاتمہ بھی شامل ہے۔ محکمہ احتساب کی براہ راست نگرانی خود رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ عوام الناس کے اخلاق کی نگرانی کا یہ کام سرکاری پیمانے پر غالباً درج ذیل ارشادِ الٰہی کی روشنی میں تھا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج: 41)

ترجمہ: ''اگر ہم ان لوگوں کو اقتدار دیں گے تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھائیوں کو حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ عام طور پر لوگوں کے اخلاق اور دینی فرائض کے متعلق وقتاً فوقتاً احتساب فرماتے رہتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان کو اس بات پر توجہ دلاتے تھے کہ وہ احکامِ خداوندی کی پوری طرح پابندی کریں۔ چنانچہ اسلام کی بنیادی اور اُصولی چیزوں کی تعلیم و تربیت کے لیے حضور ﷺ نے تمام قبائل سے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک قبیلہ کچھ لوگوں کو منتخب کر کے مدینہ بھیجے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ طرزِ عمل بھی سورۃ توبہ کی اس آیت کی تفسیر تھا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

ترجمہ: اور مومنوں کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ سب (اللہ کے راستے میں) نکل پڑیں بلکہ ہر جماعت میں سے کچھ افراد نکلتے جو دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تا کہ وہ ڈریں۔'' (التوبہ:122)

## (۳) محکمۂ داخلہ

ملک میں امن و امان قائم رکھنے، نظم و ضبط برقرار رکھنے اور اسے سیاسی و معاشرتی انتشار سے بچانے کے لیے شُرطہ یا پولیس وغیرہ کا انتظام ہر ریاست کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت اگرچہ ریاست نبوی ﷺ کو بھی لاحق تھی لیکن اتنی شدید نہ تھی جتنی عام طور پر دُنیاوی ریاستوں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اوّل تو اسلام اپنے لفظی مفہوم میں امن و سلامتی ہے اور اپنی تمام تعلیمات میں اس کا داعی بھی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے رسول اللہ ﷺ کا سیاسی کارنامہ ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ نے عرب کے جنگجو قبائل میں قتل و غارت گری کی روایات کو ختم کر کے امن و سلامتی کی نئی فضا قائم کی تھی۔

### (i) مدینہ کو دار الحرم قرار دینا

قیامِ مدینہ کے بالکل آغاز ہی میں رسول اللہ ﷺ نے منشورِ مدینہ کے ذریعے مدینہ کو حرم قرار دے دیا تھا۔ حرم کا مطلب صاف ہے کہ یعنی متعینہ علاقے میں لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، خون خرابہ، قتل و غارت گری اور بدامنی پھیلانا حرام ٹھہرایا اور اس طرح مدنی معاشرہ کو امن و سلامتی کی دولت بے بہا مل گئی۔

رات کی پہرہ داری اور چوکیداری کے لیے مدینہ میں ایک ''صاحب العسس'' (چوکیدار) بھی مقرر فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ راتوں کو گشت کرے، آواز لگائے اور مشکوک افراد کا پیچھا کرے۔

### (ii) متجسّسین (Intelligence Officers)

رسول اللہ ﷺ نے بہر حال وقت اور حالات کے تحت مخبری اور جاسوسی کے ضروری انتظامات کیے اور ایک ''مُتَجَسِّس'' (Intelligence Officers) کا تقرر فرمایا۔ اس عہدے دار کا کام یہ تھا کہ مخالفین ریاست کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع بہم پہنچائے اور دار الحرب (غیر مسلم ریاست جو مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہو) میں رہنے والے مسلمانوں کے متعلقین کی خیریت سے مطلع کرے۔

### (iii) دارُ الحبس (جیل خانہ)

اندرون ریاست جرم کا ارتکاب کرنے والوں سے نمٹنے کے لیے رسول اللہ ﷺ انھیں تنبیہ بھی کرتے، ضروری سزا دیتے اور اگر مناسب سمجھتے تو انھیں محبوس فرما دیتے۔ اس غرض سے کبھی مسجد نبوی ﷺ ہی قید خانہ کا کام دیتی اور کبھی کسی کا گھر استعمال کیا جاتا تھا، بلکہ تاریخ سے تو یہ بھی پتا چلتا ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ قید خانوں میں رکھا جاتا۔ جنگی قیدیوں کے معاملہ میں بھی یہی صورت تھی۔ قیدیوں پر نگرانی کے لیے بھی افسروں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ مجرموں پر حدود اللہ قائم کرنے کے لیے افسران علیحدہ تھے۔

## (۴) محکمۂ خارجہ (Foreign Affair Department)

رسالت مآب ﷺ کی کوششیں صرف داخلی امن و امان کے قیام، عدل کے فروغ اور فتنہ و فساد کے دفعیہ تک محدود نہ تھیں اور نہ آپ ﷺ کا منشا محض قومی مفاد کا تحفظ تھا بلکہ آپ ﷺ کی حکومت کا قیام تمام انسانوں کی فلاح و نجات کے لیے عمل میں آیا تھا۔ آپ کی بعثت سارے عالم کے لیے تھی اور آپ ﷺ تمام دُنیا کو امن و سلامتی سے ہم کنار کرنے آئے تھے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اندرونِ عرب اور بیرون

عرب کی چھوٹی بڑی طاقتوں، معاصر بادشاہوں اور امراء و رؤسا سے مناسب وقت موقع ملتے ہی رابطہ پیدا کیا، انھیں دین حق کی دعوت دی، ضرورت کے تحت ان سے معاہدے کیے اور خط و کتابت کے ذریعے انھیں باضابطہ امن و سلامتی کا پیغام پہنچایا۔

### (i) بیرونی ممالک سے خط و کتابت

اس شعبہ میں ایسے لوگ خاص طور پر مقرر کیے گئے تھے جو غیر ملکی زبانوں کے ماہر اور ان کے بہترین ترجمان تھے۔ ان کا کام غیر ملکی دستاویزات و خطوط کا مطالعہ و ترجمہ، گفتگو کی صورت میں ترجمانی اور خطوط کا جواب دینا تھا۔ اس سلسلے میں دو اشخاص قابل ذکر ہیں۔ ایک حضرت عبداللہ بن ارقمؓ جو بادشاہوں کو خطوط لکھنے پر مامور تھے اور رسول اللہ ﷺ کو ان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ ﷺ ان کو صرف مضمون بتا دیتے تھے اور پھر ''ابن ارقم'' خط لکھ کر بغیر سنائے ہوئے اس پر حضور ﷺ کی مہر ثبت کر دیتے تھے۔ دوسرے حضرت زیدؓ بن ثابت تھے جو وحی الٰہی کی کتابت کے علاوہ رؤسا کو خطوط بھی لکھتے تھے۔ جب یہ دونوں حضرات موجود نہ ہوتے تھے رسول اللہ ﷺ یہ خدمت کسی اور تربیت یافتہ شخص کے سپرد کر دیتے تھے۔

### (ii) غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا حکم

جہاں تک غیر ملکی زبانوں کو جاننے اور سیکھنے کا تعلق ہے تو مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ترغیب دی بلکہ بعض اوقات حکم بھی دیا جس کے نتیجے میں مختلف صحابہ نے پوری توجہ سے آپ ﷺ کے ارشاد پر عمل کیا۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے بعض غیر ملکی زبانوں کو صرف سترہ دنوں میں سیکھ لیا تھا اور کتاب یہود کی تعلیم پندرہ دنوں سے کم مدت میں مکمل کر لی تھی۔ ان کے علاوہ دوسرے متعدد صحابہؓ نے ملکی و سفارتی ضرورتوں کے تحت مختلف زبانوں کو بڑی مستعدی کے ساتھ سیکھا تھا۔

### (iii) قابل ترین سفیروں کا انتخاب

چونکہ سفارت ''محکمہ تعلقات خارجہ'' کا اہم ترین عنصر ہے اس لیے منصب سفارت پر رسول اللہ ﷺ نے صرف ان ہی لوگوں کا تقرر فرمایا جو اس کا حق ادا کر سکتے تھے اور جیسا کہ بعد میں پیدا ہونے والے تاریخی نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام سفارتیں انتہائی کامیاب ثابت ہوئیں اور ان کی وجہ سے جہاں وقت کے جبر و ظلم کے مقابلہ میں امنِ عالم کو فروغ ہوا اسی کے ساتھ ساتھ داخلی امن کو بھی بہت تقویت پہنچی۔ جس کے نتیجہ میں جلد ہی عرب کو گوشہ گوشہ سے سفارتیں دارالحکومت مدینہ آنے لگیں۔

### (iv) ہدایا اور تحائف

روابط کے استحکام اور تعلقات کی بہتری کے سلسلے میں ہدایا اور تحائف کا بھیجنا بھی عالمگیر روایات میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تحفے اور ہدایا کا تبادلہ نہ صرف یہ کہ دوست ممالک یا ہم خیال حکمرانوں سے ہی کیا بلکہ دشمن ممالک اور مخالفوں کو بھی ارسال ہدایا کرنے میں تکلف نہیں برتا۔ مثلاً عمرو بن اُمیہ ضمری کو ابوسفیان بن حرب کے پاس مکہ میں ہدایا دے کر بھیجا۔ علاوہ بریں سفراء کا تقرر رسول اللہ ﷺ نے جنگ، صلح اور پر امن حالات ہر زمانے میں کیا۔

### (v) قبائل سے معاہدات

جہاں تک معاہدات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور معاہدہ کے ذریعے سیاسی کامیابیاں حاصل کرتے چلے گئے۔ اس ضمن میں معاہدۂ حدیبیہ، معاہدۂ ثقیف، اور معاہدۂ نجران وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ مجموعی طور پر اس شعبہ کی کارگردگی بہت اچھی رہی اور اس کی بنا پر ریاست نبوی ﷺ کی توسیع و ترقی کے مراحل انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ طے ہوتے چلے گئے۔

## (۵) محکمہ مالیات

قرآن جس طرح اپنے نظام سیاست کی بنیاد حاکمیت باری تعالیٰ پر رکھتا ہے اسی طرح نظام معیشت کو بھی الہامی ضابطوں اور خدا پرستانہ تصورِ اخلاق پر استوار کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام تر کوششیں اس بات پر مرکوز تھیں کہ معاشی انصاف کو بغیر کسی جبر سے قائم کیا جائے۔ اس غرض کے لیے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ افراد معاشرہ کی ذہنی و اخلاقی تربیت ہو اور قانون و ریاست کی مداخلت کم سے کم ہو۔ نیز آپ ﷺ کی کوششوں کا رخ یہ تھا کہ لوگوں کے اندر ایمان بیدار کرنے اور تعلیم و تربیت کے ذریعے ان کو بہتر انسان بنانے کی تدابیر کی جائیں تا کہ افراد ایک دوسرے کے ساتھ رضا کارانہ تعاون اور بے غرضانہ فیاضی، ہمدردی اور احسان کا سلوک کرنے کے عادی ہوں۔ پھر جو کسر رہ جائے اس کو پورا کرنے کے لیے ریاست و قانون کی طاقت کو استعمال میں لا کر اجتماعی فلاح کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ محاصل کے بغیر کوئی بھی حکومت اور اس کا نظم و نسق نہیں چلایا جاسکتا کیونکہ جس طرح ہر شخص کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح حکومت کو بھی اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کے لیے بھی محاصل ضروری تھے۔ ریاست کی آمدنی و اخراجات وغیرہ کی تنظیم و ترتیب کے لیے بھی ایک باقاعدہ ''محکمہ محاصل'' (ریونیو ڈیپارٹمنٹ) قائم تھا۔ اس شعبہ کے تحت ریاست کی آمد و خرچ کا حساب رکھا جاتا۔ اس محکمے کے حوالے سے چند اہم امور کا مطالعہ درج ذیل سرخیوں کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔

### (i) محاصل (Revenues) کے لیے الگ الگ افسران

یہ شعبہ مختلف شاخوں میں تقسیم تھا اور ہر شاخ کے ذمہ دار اور ہر نوع کے محاصل کے افسران الگ الگ تھے۔ کسی کا کام یہ تھا کہ وہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کا جائزہ لے اور ان کے حساب سے ان پر جس قدر زکوٰۃ واجب ہو، اُسے باقاعدہ تحریر کرے تا کہ اس کی وصولی کا انتظام کیا جاسکے۔ کسی کے ذمہ اموالِ غنیمت کی تقسیم کا حساب شامل تھا۔ صدقات و زکوٰۃ کی املاک کا ریکارڈ علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مالیاتِ ریاست کی تنظیم کے لیے ایک تو یہ شعبہ مستقل بنیادوں پر قائم تھا اور اس کے افسران اپنے متعینہ فرائض انجام دیتے تھے اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ وقت اور موقع کی مناسبت سے ایسے افسران کا تقرر بھی کر دیتے تھے جو عارضی طور پر مالیاتی شعبہ کی مختلف ذمہ داریاں سنبھال لیتے تھے۔ مثلاً میدان جنگ میں مال غنیمت کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لیے افسر خمس، صاحب الجزیہ اور متولی خراج وغیرہ کا تقرر قابل ذکر ہے۔

### (ii) اسلامی ریاست میں محاصل کا استعمال

محاصل کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی نیا اضافہ نہیں کیا۔ بلکہ دُنیا کے مختلف حصوں میں جو محاصل پہلے سے معروف و متداول تھے آپ ﷺ نے ان میں سے ہی چند کو حسب ضرورت اختیار فرمایا۔ اسلام سے قبل دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کی رعایا اپنے حکمرانوں کی حرص و ہوس کا شکار تھی۔ عرب، روم، ایران اور دوسرے علاقوں میں رعایا ٹیکسز کے سنگین شکنجوں میں جکڑی ہوئی تھی اور مذکورہ تمام سلطنتوں میں محاصل کا مقصد محض حکمرانوں کی عیش و عشرت تھی۔ لیکن ریاست نبوی ﷺ ایک فلاحی اور خادمِ خلق ریاست تھی جو عوام کی معاشی کفالت و معاونت، قیام انصاف، ادائیگی حقوق اور غربت و افلاس کو مٹانے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ تمام افراد ریاست کی بنیادی ضروریات کا بندوبست اور مجبور، اپاہج لاچار اور بے سہارا افراد کی مدد اس کا اہم فریضہ تھا۔

### (iii) اہم مالیاتی محاصل

ریاست مدینہ کے اہم مالیاتی محاصل / ذرائع درج ذیل تھے:

### ○ غنیمت

مالِ غنیمت دراصل ایک اتفاقی آمدنی ہے جو میدان جنگ میں قوت سے حاصل ہوتی ہے۔ غنیمت میں قیدی، عورتیں، اموال وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ عرب جاہلیت میں بھی مالِ غنیمت کا رواج تھا اور اس مال کو بالعموم شرکائے جنگ میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، لیکن غزوہ بدر کے بعد قرآن کے حکم کی تعمیل میں آپ ﷺ نے اس کے پانچ حصے کیے تھے۔ اس میں سے چار حصے تو شرکائے جنگ میں تقسیم فرمادیے جب پانچواں حصہ بیت المال کے لیے محفوظ کر لیا۔ جسے اصطلاحاً خمس کہتے ہیں۔ اس حکم کے تحت بنوقینقاع کی پہلی غنیمت تھی جس کو آپ ﷺ نے پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ خمس کے مصارف کو قرآن نے متعین کر دیا ہے۔ یعنی خمس اللہ کے لیے، رسول ﷺ کے لیے، قرابت داروں کے لیے، مساکین اور مسافروں کے لیے مختص ہے۔ اس سے اس امر پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ پہلے پہل بیت المال قائم ہوا تو ابتدائی آمدنی کے وقت سے ہی غریب و مسکین اور نادار لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

### ○ فَے

ریاست نبوی ﷺ کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ''فَے'' بھی تھا۔ فَے سے مراد وہ مفتوحہ زمینیں تھیں جو بغیر جنگ اور فوج کشی کے براہ راست ریاست کی ملکیت میں آتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے 4ھ میں بنونضیر کو جلاوطن کیا تو ان لوگوں کے باغات اور کھیت رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں آگئے۔ اسی طرح بعد میں بنوقریظہ کا مال واسباب اور علاقہ ہاتھ آیا نیز خیبر کے قریب کئی علاقے بغیر جنگ رسول اللہ ﷺ کو مل گئے۔ چونکہ یہ مال، غنیمت سے بالکل الگ نوعیت کا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی روشنی میں اس کو سرکاری ملکیت قرار دیا اس کو خاص اپنے انتظام میں رکھا اور بعد میں اپنے اختیار سے نضیر کا کچھ علاقہ مہاجرین اور نادار انصار میں تقسیم کیا۔ بنونضیر کے اموال میں سے ہی رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کا سالانہ خرچ نکالتے تھے اور جو کچھ باقی رہ جاتا تھا اس کو ہتھیاروں، گھوڑوں اور اللہ کی راہ میں جہاد پر صرف کرتے تھے۔

### ○ خراج

اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ''وہ محصول اراضی (Land Tax) ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہ سب سے پہلے خیبر سے حاصل ہوا۔ فتح خیبر کے وقت چونکہ ایک طرف تو خود مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ مفتوحہ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت وغیرہ بآسانی کرا سکیں دوسری طرف یہود نے یہ پیشکش کی تھی کہ وہ ریاست نبوی ﷺ کے شہری کی حیثیت سے اس زمین پر کاشت کریں گے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے پیداوار کا نصف بطور خراج مقرر فرمادیا۔ خراج کی یہ رقم جزیہ کی طرح مجاہدین کی تنخواہوں اور دوسری قومی ضروریات پر خرچ کی جاتی تھی۔ خراج کا محصول بھی کوئی نیا محصول نہ تھا، اسلام سے قبل مصر، شام، عراق، ایران، روم وغیرہ کی تمام سلطنتوں میں خراج اور جزیہ کے محصولوں کا رواج موجود تھا۔'' (عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

### ○ جزیہ

بقول ماوردی جزیہ 'جزا' سے مشتق ہے اور یہ امن دینے کی جزا یا اُس کا معاوضہ ہے۔ جزیہ کی وصولی کا حکم خود قرآن میں موجود ہے۔ بہر حال جزیہ وہ محصول تھا جو غیر مسلمانوں سے ان کی جان، مال، آبرو کی حفاظت اور عقیدے، رائے، ضمیر کی آزادی اور فوجی خدمت سے استثنا کے بدلے میں وصول کیا جاتا تھا۔ نیز جزیہ غیر مسلموں کے صرف آزاد مردوں پر واجب تھا، عورتوں اور بچوں پر نہیں اسی طرح بوڑھے آدمی جو کام کرنے سے معذور ہوں اور مفلس اور فاتر العقل افراد پر سے یہ ساقط تھا۔ غریب، اندھے، مفلوج اور راہب بھی اس سے مستثنیٰ تھے۔ یا اگر کوئی ذمی مسلمان ہو جاتا تب بھی یہ محصول ساقط ہو جاتا تھا۔

### ○ زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلامی مالیاتی نظام میں بہت اہمیت کی حامل تھی، یہ مال داروں سے اڑھائی فیصد وصول کی جاتی تھی۔

### ○ صدقات

دیگر صدقات میں صدقاتِ نافلہ بھی تھے اور صدقات واجبہ بھی جیسے کفارات کے صدقات وغیرہ۔

## (۶) عدالتی نظام

قرآن کریم میں ایک مقام پر مختصراً پیغمبروں اور رسولوں کے مشن پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ○ (الحدید: 25)

ترجمہ: ''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان کو نازل کیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ بحیثیت سربراہ ریاست، معاشرہ میں عدل و انصاف کے قیام و اجرا کے ذمہ دار تھے اور اسی لیے جسٹس ڈیپارٹمنٹ ریاست نبوی ﷺ کا ایک مستقل اور اہم ترین ڈیپارٹمنٹ تھا۔ عہد نبوی ﷺ میں عدالت وقضا کے تمام اختیارات اور قانون اسلامی کا نفاذ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تھا اور آپ ﷺ شارع حقیقی کے حکم کے بموجب فیصلے فرماتے تھے۔ آپ کے لیے حکم یہ تھا:

ترجمہ: ''اور آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کیجیے کہ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (المائدہ: 42)

اور اسی سے متصل یہ بھی آتا ہے:

ترجمہ: ''ان کے درمیان اسی (قانون) کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل کیا ہے۔'' (المائدہ: 48)

ترجمہ: ''مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ تمھارے درمیان عدل قائم کروں۔'' (القرآن)

### (i) قاضی القضاۃ و مفتی اعظم

ان ہدایات کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ریاست نبوی ﷺ میں انصاف رسانی کے مؤثر اقدامات فرمائے۔ مرکز میں آپ ﷺ خود ہی گویا قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم تھے۔ تمام مقدمات آپ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوتے تھے اور بالعموم مسجد نبوی ﷺ کو ہی ایوانِ عدالت کی حیثیت حاصل تھی۔ نیز چونکہ لوگوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرنا اور ان کے نزاعات کا فیصلہ کرنا آپ ﷺ کا فرض منصبی تھا اور ریاست میں امن و اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لیے بھی یہ امر ناگزیر تھا، اس لیے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی رسول اللہ ﷺ نے متحارب گروہوں کو شیر و شکر کرنے کے بعد سب سے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا تھا کہ عدل و انصاف کو شخصی اور قبائلی سطح سے اٹھا کر مرکزی معاملہ بنا دیا۔

### (ii) قاضی کی حیثیت سے آپ ﷺ کا معمول

قاضی اور حاکم کی حیثیت سے آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی مسئلہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ اس کا جواب دے دیتے۔ اس قسم کے سوال و جواب کے لیے کوئی وقت اور مقام مقرر نہ تھا۔ ہر لحہ اور ہر آن آپ ﷺ اس فریضے کو انجام دیتے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ کسی معاملہ میں کتاب اللہ کا کوئی حکم موجود نہ ہوتا تو آپ ﷺ اپنی بصیرت اور اجتہاد سے فیصلہ دے دیتے تھے یا صحابہ سے مشورہ فرما کر کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے اور پھر وہی فیصلہ اسلام کا قانون اور حکم بن جاتا تھا۔

### (iii) آپ ﷺ کے فیصلوں کا نفاذ

جہاں تک فیصلے کا نفاذ کا تعلق ہے تو اس کے لیے آپ ﷺ اپنی طرف سے نائبین بھی مقرر فرماتے تھے۔ مثلاً ایک زانیہ کے مقدمہ میں انیس الاسلمی کا تقرر فرمایا تھا۔ مقدمات کے باب میں اثبات دعویٰ کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اگر لوگوں کے دعوے یوں ہی تسلیم کر لیے جائیں تو عدالتوں میں خون کے اور مال کے بہت سے دعوے دائر ہو جائیں۔''

قانونی نقطۂ نظر سے صرف وہی دعوے معتبر ہیں جو ثابت ہو جائیں اس لیے رسول اللہ ﷺ لوازماتِ ثبوت کے طور پر جن ذرائع اور وسائل کو اختیار فرماتے تھے ان میں سے ایک ''شہادت'' ہے۔ اور جس کی دلیل یہ حدیث ہے:

''مدعی ثبوت پیش کرے اور مدعا علیہ یا انکار کرنے والا حلف اٹھائے۔''

### (iv) قانونی مساوات

غرض رسول اللہ ﷺ کی تمام تر کوشش اس بات پر مرکوز تھی کہ انصاف سہل الحصول ہو اور اس معاملہ میں تعصب یا جانب داری سے کام نہ لیا جائے۔ قرآن میں بھی متعدد مقامات پر غیر جانب دارانہ عدل کی جو ہدایات دی گئی ہیں اس کے پیش نظر آپ ﷺ کے نزدیک قانون ہر ایک پر یکساں طور پر عائد ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ کہہ کر عدل و انصاف کے معاملہ میں ہر قسم کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

### (v) آپ ﷺ کا فیصلہ حتمی

رسول اللہ ﷺ کے دور میں مقدمات بہت کم تعداد میں آتے تھے۔ غالباً اس لیے جب بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی حکم جاری ہوتا یا کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو اسے فی الفور تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ محض ایک قانونی معاملہ نہ تھا دین و ایمان کا ایک تقاضا بھی تھا جس کی شہادت قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے:

''تمھارے رب کی قسم یہ اس وقت مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ ﷺ کو اپنا حاکم (فیصلہ کن اتھارٹی) تسلیم نہ کریں ان معاملات میں جس میں اختلاف کرتے ہیں۔ پھر جس بات کا تم فیصلہ کر دو اس کے بارے میں ان کے دلوں میں کوئی تنگی واقع نہ ہو اور تمھارے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کر لیں۔'' (النساء:65)

### (vi) نفاذ قانون کے لیے ریاست کی طاقت کا استعمال

اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں:

''گویا نفاذ قانون کے لیے ریاست کی طاقت کو استعمال کرنے کی ضرورت کبھی کبھار ہی پڑتی تھی، ہر ایک اس قانون پر از خود عمل پیرا ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی کوشش یہ بھی ہوتی تھی کہ تنازعہ یا مقدمہ عدالت میں باقاعدہ طور پر آنے سے پہلے ہی فریقین کی رضامندی سے ختم ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے، قرآن نے بھی اس کی طرف ''والصلح خیر'' (اور صلح ہی بہتر ہے) فرما کر توجہ دلائی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں باہم کوئی اختلاف یا نزاع کی صورت ہو جائے تو صلح کی اجتماعی کوششوں میں کمی نہ کرنی چاہیے۔ ہاں اگر نچلی سطح پر معاملات طے نہ ہو سکیں تو پھر عدالت عالیہ سے رجوع کیا جائے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ پھر انصاف کے تقاضوں کو کماحقہ ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ کی یہ ہدایت بھی موجود ہے کہ: ''کوئی حاکم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔'' کیونکہ اس صورت میں آدمی عدل سے تجاوز کر سکتا ہے۔'' (عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

### (vii) صوبائی قاضیوں کا تقرر

توسیع ریاست کے ساتھ ساتھ نظام عدالت میں بھی توسیع پیدا ہوئی۔ مرکز میں آپ ﷺ خود منصب قضا پر فائز تھے لیکن اس کے علاوہ صوبائی سطح پر بھی رسول اللہ ﷺ نے قاضیوں کا تقرر کیا۔ عدالت وقضا کی ذمہ داریاں بھی بالعموم صوبائی سربراہوں یا والیوں کے سپرد کیں۔ گویا والی اپنے عہدہ کے لحاظ سے قاضی بھی تھا۔ چنانچہ حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا حاکم اور عتابؓ بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا تو یہ حضرات حکومت عامہ کے ساتھ ساتھ قاضی کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ ان دونوں ادارات انتظامی کو یک جا کرنے کا سبب غالباً یہ تھا کہ ایک طرف تو انتظام ریاست اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور دوسری طرف مقدمات بہت کم آتے تھے۔

### (viii) قاضیوں کے لیے شرائط

صوبائی قضاۃ اپنے فیصلوں میں پہلے کتاب اللہ اور پھر سنت رسول ﷺ کو پیش نظر رکھتے تھے اور جب ان دونوں مآخذ میں کوئی راہنمائی نہیں ملتی تو بالآخر اپنے اجتہاد اور بصیرت سے کام لیتے تھے۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا تو یہ وصیت بھی فرمائی کہ جب تک تم فریق اول کی طرح فریق ثانی کا بیان نہ سُن لو فیصلہ نہ دینا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں ثابت قدم رہے تو دوہرا اجر ہوگا اور اگر خطا کر گئے تب بھی ایک اجر ضرور ملے گا۔

### (ix) انصاف کے لیے باقاعدہ قواعد وضوابط

جس زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ نظام عدالت قائم فرمایا تھا اس وقت دُنیا عدالت وقضا کی حقیقتوں سے بہت دور تھی۔ بظاہر روم وایران کی متمدن سلطنتوں میں عدالتی ادارے موجود تھے اور عرب جاہلیت میں بھی بلاشبہ شیخ قبیلہ وغیرہ نزاعات کے فیصلے کیا کرتے تھے اور یہ بھی صحیح ہے کہ لوازمات ثبوت کے ضمن میں قیافہ شناسی (چہرے سے اندازہ لگانا)، فراست (Spirntual wisdom)، قرعہ اندازی اور شہادت کا بھی رواج تھا اور قس بن ساعدہ کا یہ قول کہ: ''مدعی ثبوت پیش کرے اور انکار کرنے والا قسم اُٹھائے'' زبانِ زدِ خاص وعام تھا لیکن قضا کی یہ تمام صورتیں کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھیں۔

### (x) عدالتی اختیارات میں مرکزیت

نظام عدالت کے سیاق وسباق میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے بڑا انقلاب یہ پیدا کیا کہ سیاسی ومعاشرتی اتحاد کے ساتھ ساتھ عدالتی اختیارات کو بھی مرکزیت عطا کی۔ عدالت ایک شخص یا قبیلہ کا معاملہ نہ رہا بلکہ وہ اجتماعی اور معاشرتی معاملہ بن گیا۔ قانونی انتشار کی بجائے قانونی مساوات قائم ہوئی اور ہر اختلاف کی صورت میں مرجع خدا اور رسول ﷺ کی ذات ہوگئی۔

## (۷) تعلیمی نظام

قرآن کی رُو سے رسول اللہ ﷺ بنیادی طور پر معلم انسانیت ﷺ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس کے تحت تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفس آپ ﷺ کا بنیادی کام تھا۔ آپ ﷺ نے خود بھی یہ اعلان کیا تھا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

ترجمہ: ''بلاشبہ میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم زندگی کے کسی ایک گوشہ سے متعلق نہ تھی، بلکہ ہر لحاظ سے جامع اور ہر شعبہ حیات پر حاوی تھی۔ ہجرت مدینہ سے پہلے کی مکی زندگی اور جدوجہد کو نوعیت کے اعتبار سے علمی کہا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ پر نازل شدہ پہلی وحی میں اس حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے۔ پھر ہجرت مدینہ کے بعد تو رسول اللہ ﷺ نے بطور خاص تعلیم و تعلم کی سرگرمیاں سرکاری حیثیت سے جاری فرمائیں۔

### (i) مسجد تمام تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز

اسلامی نظریہ حیات کی تعلیم، ان تعلیمات کا عملی سبق سکھانے اور ان بنیادوں کو واضح کرنے کے لیے جن پر اسلامی ریاست کو قائم کیا گیا تھا حضور ﷺ نے مسجد کو اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں پر جماعت سے نماز ادا کرنا لازم کیا تاکہ ایک طرف تو مسلمان مساوات، اخوت، تعاون اور نظم و اطاعت کا عملی سبق سیکھیں اور دوسری طرف جمعہ اور دیگر مواقع پر خطبات کے ذریعے دین و دُنیا کی تعلیم دی جاسکے۔ مسجد نبوی ﷺ میں بڑے پیمانے پر تعلیم و تربیت کے انتظامات کے سلسلے میں مسجد سے ملحق، صفہ کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

### (ii) صفہ درس گاہ کا قیام

مدینہ تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ہوئی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ صفہ یا چبوترہ بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ:

> ''صفہ کو اولین اسلامی اقامتی جامعہ کہا جاسکتا ہے۔ اس اقامتی جامعہ میں قرآن کی تعلیم، حفظ، ناظرہ، تجوید اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا جس کی نگرانی خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور وہاں پر مقیم طالبانِ علم کی غذا وغیرہ کا اہتمام بھی کیا کرتے تھے۔ درس گاہ صفہ میں نہ صرف مقیم طلبا کی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ ایسے لوگوں کی تعلیم کا بھی جن کے گھر مدینہ میں تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مقیم طلبا کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی۔'' (عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

### (iii) اسیران جنگ سے تعلیم کا حصول

اسیرانِ جنگ کے لیے فدیہ کے طور پر رقم کے علاوہ یہ بات طے کی تھی کہ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہو وہ دس مسلمان بچوں کو اس فن کی تعلیم دے۔

### (iv) ''دارالقراء'' کے نام سے درس گاہ

مؤرخین کی تصریحات کے مطابق مدینہ میں صفہ کے علاوہ ایک اور اقامتی درس گاہ بھی تھی جو مخرمہ بن نوفل کے مکان میں ''دارالقراء'' کے نام سے قائم تھی۔

### (v) مدینہ کی مساجد تعلیم کی نشر و اشاعت کا ذریعہ

جس طرح ''مسجد نبوی ﷺ'' کی نشر و اشاعت کا بڑا ذریعہ تھی، اسی طرح مدینہ کی دیگر مساجد بھی اس باب میں خاصی اہمیت رکھتی ہیں جن کی تعداد نو تک پہنچ گئی تھی۔ مسجد قباء کے مدرسہ کے نگرانی بقول ڈاکٹر حمید اللہ شخصی طور پر خود رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

### (vi) مدینہ سے باہر معلمین کے وفود کی رہنمائی

مدینہ سے باہر تعلیم کی غرض سے رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً معلمین اور قراء کو روانہ فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں تاریخ کے دو واقعات بہت مشہور ہیں یعنی ایک بئر ''معونہ'' کا واقعہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ستر قراء کو قبائل نجد میں تعلیم و تربیت کے لیے صفر 4ھ میں روانہ کیا تھا۔ دوسرا واقعہ ''رجیع'' کا ہے۔ یہ دُوسری تعلیمی مہم تھی۔ ریاست میں علمی ترقی کے لیے رسول اللہ ﷺ کا مستقل طریقہ یہ تھا کہ معلموں اور قاریوں کو برابر ملک کے مختلف حصوں میں بھیجا جاتا رہا ہے۔

### (vii) نجران کے عامل عمرو بن حزم کا کام

نجران پر ''عمروؓ بن حزم'' کو عامل بنایا اور ان کا کام یہ بتایا گیا کہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں، قرآن سکھائیں اور ان سے صدقات وصول کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم دین کے لیے کوششیں اور انتظامات رسول اللہ ﷺ نے بالکل سرکاری پیمانے پر کیے۔ نیز تعلیم دین کو تربیت یافتہ معلمین کے علاوہ صوبہ کے گورنروں کے فرائض منصبی کا حصہ بنایا۔ یہ انتظامات صرف یمن یا ملک کے کسی ایک حصہ کے مخصوص نہ تھے بلکہ تمام حدود مملکت میں اس قسم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ چنانچہ عتابؓ بن اسید کو مکہ پر عامل بنایا تو ان کے ساتھ معاذؓ بن جبل کو بھی مقرر کیا تاکہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور قرآن سکھائیں۔

### (viii) خواتین معلمات

علاوہ ازیں جہاں ضروری سمجھا انفرادی طور پر بھی اساتذہ کا تقرر فرمایا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی سیاست میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی اہمیت دی گئی۔ چنانچہ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں نہ صرف معلمین بلکہ معلمات بھی اشاعت تعلیم میں حصہ لیتی تھیں۔

### (ix) صدر ناظم تعلیمات

ڈاکٹر حمید اللہ کے بیان کے مطابق صوبائی درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صوبہ یمن میں ایک ''صدر ناظر تعلیمات'' کو بھی مقرر کیا تھا، جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے۔

### (۸) دفاعی نظام

حضور نبی اکرم ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں 83 کے قریب غزوات وسرایا ہوئے ہیں۔ اسلام کے فروغ و اشاعت کے لیے آپ ﷺ کو ہر سال اوسطاً آٹھ، نو جنگوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ان تمام جنگوں اور عسکری مہمات کا مقصود اقامت دین اور بحالی حقوق انسانیت تھا۔ نتیجتاً دس لاکھ مربع میل (One million sq. miles) تک اسلامی سلطنت کو غلبہ حاصل ہوا۔ مگر اس پوری جنگ و دفاعی زندگی میں فریقین کے محض چند سو آدمی کام آئے۔ جنگی عمل کا اتنے غیر جنگی اثرات کا حامل ہونا آپ ﷺ کے بے مثال سپہ سالار ہونے کی دلیل ہے۔ حالانکہ اسلامی ریاست کی بعد ازاں ہونے والی جنگوں میں بعض اوقات ایک ہی جنگ میں اس قدر جانی نقصان ہوا جتنا حضور ﷺ کی سپہ سالاری میں دس سال کی جنگوں میں نہیں ہوا تھا۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں فتوحات کے سلسلے کی پوری تاریخ انسانیت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں مائیکل ہارٹ (Michael H. Hart, کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"The Bedouin tribesmen of Arabia had a reputation as fierce warriors But their number was small; and plagued by disunity and internecine warfare, they had been no match for the larger armies of the kingdoms in the settled agricultural areas to the north. However, unified by Muhammad for the first time in history, and inspired by their fervent belief in the one true God, these small Arab armies now embarked upon one of the most astonishing series of conquests in human history. To the northeast of Arabia lay the large Neo-Persian Empire of the Sassanids; to the northwest lay the Byzantine, or Eastern Roman Empire, centered in Constantinople. Numerically, the Arabs were no match for their opponents. On the field of battle, though, the inspired Arabs rapidly conquered all of Mesopotamia, Syria, and Palestine. By 642 Egypt had been wrested from the Byzantine Empire, while the Persion armies had crushed at the key battles of Qadisiya in 637, and Nehavend in 642.

''عرب میں بدو قبیلے کے لوگ خوفناک جنگجو ہونے کے لحاظ سے شہرت رکھتے تھے لیکن اُن کی تعداد تھوڑی تھی اور وہ نا اتفاقی کی وبا اور باہمی جنگوں میں پھنس گئے تھے۔ وہ شمالی زرعی علاقوں کی سلطنتوں کی بری افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کی وجہ سے تاریخ میں پہلی مرتبہ ایمان سے سرشار ہونے اور خدائے واحد پر اپنے پختہ یقین کی وجہ سے ان چھوٹی چھوٹی عرب فوجوں نے حیرت انگیز طور پر انسانی تاریخ میں فتوحات کا ایسا تسلسل قائم کیا کہ عقل انسانی دنگ رہ گئی۔ عرب کے شمال مشرق میں ساسانیوں کی وسیع و عریض سلطنت تھی۔ شمال مغرب میں بازنطینی یا مشرقی رومی سلطنت تھی جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ تعداد کے لحاظ سے عربوں کا اپنے مخالفوں سے مقابلہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔''

## (۹) صوبائی نظام

رسول اللہ ﷺ ایک منظم و مرتب حکومت کے سربراہ تھے۔ مدینہ پوری ریاست کا صدر مقام تھا، نیز اس سے ملحق علاقوں کا انتظام و انصرام براہ راست رسول اللہ ﷺ کے سپرد تھا۔ تاہم انتظام حکومت کو بہتر طور پر چلانے کے لیے آپ ﷺ نے پوری ریاست کو مختلف حصوں یا صوبوں میں منقسم کر دیا تھا اور ہر علاقہ پر ایک گورنر مقرر کیا تھا۔ چونکہ ریاست کی نشوونما بتدریج مکمل ہوئی، اس لیے صوبوں کی تشکیل اور انتظامیہ میں بھی حالات و ضروریات کے لحاظ سے تبدیلی کی گئی۔ اس کی واضح ترین مثال یہ ہے کہ یمن کا جو صوبہ ریاست نبویؐ کے قیام سے پہلے چلا آرہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے حسب سابق ایک صوبہ رہنے دیا اور اس پر ''باذان بن ساسان'' کو والی متعین کیا جبکہ باذان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے لڑکے کو شہر کا والی بنایا۔

### (i) ریاست کی صوبہ جات میں تقسیم

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے علاوہ پوری ریاست کو چودہ صوبوں میں تقسیم فرمایا تھا اور جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں یمن کو ایک کے بجائے پانچ صوبوں میں بانٹ دیا۔ ان کے علاوہ دوسرے صوبے یہ تھے: نجران، مکہ، تیماء، وادی القریٰ، عرینہ، بحرین، قطیف بحرین، عمان اور اس کے مضافات، اور طائف۔

### (ii) والیوں اور گورنروں کا تقرر

والیوں اور گورنروں کے تقرر کے لیے ان لوگوں کو نااہل سمجھا جاتا تھا۔ جو اپنی خدمات خود پیش کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کسی بھی والی یا حاکم کی اہلیت کی سب سے اہم شرط یہ تھی کہ وہ اسلام سے نہ صرف واقف ہو بلکہ اس کا عالم ہو اور دین و دُنیا کے مسائل میں ایسی بالغ نظری یا بصیرت رکھتا ہو کہ وقت ضرورت آزادانہ اجتہاد کر سکے۔ حضرت معاذؓ بن جبل کی روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ان سے مذکورہ باتوں کا امتحان لیا تھا۔

### (iii) حکام اور والیوں کے لیے شرائط

حکام اور والیوں کے لیے اس شرط کو پورا کرنا دو وجوہات سے ضروری تھا۔ ایک تو اس لیے کہ ریاست نبوی ﷺ ایک نظریاتی اور دستوری ریاست تھی اور اس کے کلیدی مناصب پر لازماً ایسے ہی لوگوں کو فائز کیا جا سکتا تھا جو اس کے نظریہ حیات پر یقین کامل رکھتے ہوں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ حکام منتظم صوبہ سے بڑھ کر اسلام کے داعی اور مبلغ تھے۔ اس لیے ان کے فرائض ولایت میں سے ایک اہم اور مقدس فریضہ اشاعت اسلام اور تعلیم دین تھا۔ رسول اللہ ﷺ مذکورہ فریضہ کو اس تحریری دستاویز میں بھی مندرج کر دیتے تھے جو تقرر کے وقت والیوں کو ہدایت نامہ تقرر (Instrument of instructions) کے طور پر دیا جاتا۔

### (iv) حضرت عمرو بن حزم کو ہدایات

والیوں کے دیگر فرائض کو سمجھنے کے لیے ''عمروؓ بن حزم'' کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ طبری کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عمروؓ بن حزم کو پہلے تو تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی اور پھر یہ فرمایا:

- لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور انھیں اچھائیاں اختیار کرنے اور برائیاں چھوڑنے کی ہدایت کرو۔
- تمام امور میں عدل و انصاف سے کام لو۔
- انذار (ڈرنا) اور تبشیر (بشارت دینا) دونوں کی تلقین کرو۔
- لوگوں کے دل موہ لینے کی کوشش کرو۔
- اسلام احکامات کی تعلیم دو، خصوصاً حج اور عمرہ کے ارکان و آداب بتاؤ۔
- نعرۂ عصبیت بلند کرنا ممنوع ہے۔
- وضو کے مکمل اور صحیح طریقے کی تفصیل۔
- نمازوں کو وقت پر ادا کرنے کی ہدایت اور اوقات کا مفصل بیان۔
- مالِ غنیمت کا خمس، عشر اور نصف عشر کا نصاب، شرح اور وصولی کی وضاحت۔
- ادائیگی صدقات کا حکم۔
- اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان کے حقوق و فرائض عام مسلمانوں کے برابر ہوں گے لیکن جو اسلام نہ قبول کریں ان کے حقوق اس کے مطابق ہوں گے اور انھیں جزیہ ایک دینار فی کس کے حساب سے دینا ہوگا۔

### (v) حضرت معاذ بن جبلؓ کو وصیت

کم و بیش اس سے ملتا جلتا مضمون اس وصیت کا بھی ہے جو یمن کو روانہ کرتے وقت حضرت معاذ بن جبل کو دیا گیا تھا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ لکھا تھا کہ:

> ''تم اہل کتاب کے پاس جاؤ تو پہلے ان کو کلمہ توحید کی دعوت دینا، اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امراسے لے کر ان کے فقرا پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔''

### (vi) والی ریاست کے فرائض

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں جہاں تک والی ریاست کے فرائض کا تعلق ہے تو وہ حسب ذیل تھے:

- صوبہ میں قانون کی تنفیذ اور امن و امان کے قیام کی ذمہ داری۔
- صوبہ کا عام انتظام۔
- اشاعتِ اسلام اور فرائض و سنت کی تعلیم۔
- مقدمات و نزاعات کا فیصلہ
- تحصیل محاصل (خراج، جزیہ صدقات وغیرہ کا اکٹھا کرنا)

ان فرائض میں سے آخری دو ذمہ داریاں بعض اوقات دو علیحدہ افسروں کے سپرد کی جاتی تھیں یعنی عامل صدقات (زکوٰۃ اکٹھی کرنے والے) علیحدہ مقرر ہوتا اور قاضی علیحدہ، کبھی ایک ہی شخص کو تحصیل محاصل اور قضاء (Tax collection and decision making) دونوں پر مامور کر دیا جاتا اور کبھی ولایت، قضا اور تحصیل صدقات (Govering, Judiciary and tax collection) کے تمام مناصب ایک ہی شخص یعنی ''والی'' کو سونپ دیے جاتے تھے جس کا اندازہ عمروؓ بن حزم اور معاذؓ بن جبل دونوں کے نام مکتوب نبی ﷺ سے لگایا جاسکتا ہے۔

**(vii) والیوں کی تنخواہ اور معاوضہ**

ان فرائض کی بجا آوری پر ریاست کی جانب سے والیوں کو تنخواہ اور بقدر ضرورت معاوضہ بھی ادا کیا جاتا تھا۔ اس کی شرح رسول اللہ ﷺ نے خود مقرر فرما دی تھی، ارشادِ رسول ﷺ ہے:

ترجمہ: ''جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے، اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو مکان کا خرچ لینا چاہیے لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔''

ہر صوبہ میں گورنروں کا تقرر بھی رسول اللہ ﷺ خود فرماتے تھے اور اگر ان کے بارے میں کسی قسم کی شکایتیں ملتی تھیں تو تبادلہ کر دیا جاتا نیز اطمینان بخش کارکردگی نہ ہونے کی بنا پر معزول بھی فرما دیا کرتے تھے۔ بہر حال صوبہ کی امارت و ولایت کے سلسلے میں مندرجہ بالا پہلو ایسے ہیں جن کی بکثرت مثالیں ماضی و حال کے انتظامِ حکومت میں مل سکتی ہیں اور اس قسم کی لچک کا ہونا ایک صحت مند سیاسی نظام کے لیے بہت ضروری ہے۔

## 8- خلاصۂ بحث

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رحمت عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفا نے اُس وقت کی موجود دُنیا میں سب سے بہترین ادارے نہ صرف قائم کیے بلکہ عملاً چلا کر بھی دکھائے۔ آپ ﷺ نے اور خلفائے راشدین نے جس گہرے سیاسی شعور، تجربے اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا، اس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ علامہ اقبالؒ نے بالکل درست فرمایا:

؎ در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

آپ ﷺ غارِ حرا میں خلوت میں رہے، وہاں سے نکلے تو دُنیا کو ایک بہترین قوم، ایک بہترین حکومت اور ایک بہترین آئین عطا کیا۔ پاکستان کے لوگوں کو بھی آج ان تینوں چیزوں کی بہت ضرورت ہے۔ ریاست نبوی ﷺ کے مطالعہ اور عملاً اس کے اُصولوں کو نافذ کیے بغیر امن اور ترقی محض خواب ہی ہوگا۔

سوال 2

# قرآن وسنت اور فقہ کی روشنی میں طرز حکمرانی

## اہم نکات

1- تعارف
2- قرآن وسنت کی روشنی میں طرز حکمرانی
3- قرآن وسنت کی روشنی میں سیاسی نظام
4- قرآن وسنت کی روشنی میں حکمرانوں کی بیعت
5- قرآن وسنت کی روشنی میں غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک
6- قرآن وسنت کی روشنی میں شورائیت کا تصور
7- قرآن وسنت کی روشنی میں قانون سازی کا تصور
8- قرآن وسنت کی روشنی میں جہاں بانی کے قواعد
9- قرآن وسنت کی روشنی میں قومی دولت کا تصور
10- غیر مسلم سکالرز کی گواہی
11- مسلم پولیٹیکل فلاسفرز/فقہا کے افکار کی روشنی میں طرز حکمرانی
12- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

''جزیرہ نمائے عرب'' اسلام سے پہلے کبھی کسی مرکزی اقتدار کے تحت متحد نہیں ہو سکا تھا اور یہ ایک حیران کر دینے والا واقعہ تھا کہ پورے ملک نے حضرت محمد ﷺ کو یک زبان ہو کر اپنا روحانی و سیاسی سربراہ تسلیم کر لیا۔ جس ملک میں لاقانونیت کا دور دورہ ہو وہاں محض دس سال کی کوششوں سے ایک مرکزیت اور نظام قائم کر دینا رسول کریم ﷺ کا ایسا عظیم الشان کارنامہ تھا جس کی مثال دُنیا میں نہیں ملے گی۔ یہ سب کچھ درحقیقت قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ ہی کی بدولت تھا۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اِسی نظام کو تسلسل بخشا۔ ذیل میں قرآن و سنت کی روشنی میں طرزِ حکمرانی کا تصور کیا ہے؟ کو زیر بحث لایا جاتا ہے:

## 2- قرآن و سنت کی روشنی میں طرزِ حکمرانی

انسانی معاشرت کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ''مملکت'' کا قیام ایک طویل عرصے کے بعد ممکن ہو سکا۔ قرآن مجید میں واقعات کی مذکور ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا نائب یا خلیفہ مقرر کیا۔ وہ نسلِ انسانی کے باپ تھے۔ اُن کی وفات کے بعد کئی نسلوں تک اُن کی اولاد میں مختلف قسم کے اختلافات اور برائیاں، کم یا زیادہ، جاری رہیں۔ قرآن مجید کے مطابق پیغمبر اسی لیے بھیجے گئے کہ وہ اللہ اور عام انسانوں کے مابین واسطے کا کام دیتے تھے۔ وہ انسانوں کو بتاتے تھے کہ اُن کے خالق و مالک کی مشیت اور اس کا حکم کیا ہے؟ ذیل میں ایسے انبیا علیہم السلام میں سے اُن کا مختصر ذکر پیش کیا جاتا ہے جو نظمِ مملکت کے حوالے سے کسی بھی درجے میں منسلک رہے۔

### (ا) ابراہیم علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کا ذکر

بادشاہی کے ذکر کا آغاز قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ملنے لگتا ہے جب کہ ایک شخص اپنے ملک کے تمام لوگوں کی جان و مال پر اپنا اقتدار چلاتا ہوا نظر آتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے مملکت بہتر صورت میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ اُن کے زمانہ کے حالات میں بادشاہوں اور وزراء اور سرکاری قید خانوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

### (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذکور حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کی خواہش تھی کہ ارضِ موعود (وہ زمین جس کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی فلسطین) میں ایک مملکت قائم کریں۔ مگر قوم نے اپنی نااہلی کے باعث آپ علیہ السلام کی خواہش کو پورا نہیں ہونے دیا۔ آخر بنی اسرائیل کو چالیس سال تک انتظار کرنا پڑا کہ ایک نئی نسل پیدا ہو جس کی تعلیم و تربیت بچپن ہی سے پیغمبر علیہ السلام کی نگرانی میں ہو اور پھر اُس نئی نسل کی مدد سے وہ ارضِ موعود کو فتح کریں۔ گو کہ اسی اثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وفات پائی اور آپ کی چالیس سالہ تربیتی اسکیم کو ان کے بعض فیض یافتگان نے مکمل کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعونِ مصر قرآنی تذکرے کے مطابق ایک باقاعدہ حکمران تھا، جس کا ایک وزیر تھا اور جس نے مشاورت کے لیے اہل الرائے لوگوں کی ایک مجلس بھی قائم کر رکھی تھی۔ اس مجلس کے اجلاسوں کی جو روداد قرآن مجید میں ملتی ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے سوچے سمجھے اور عاجلانہ فیصلے نہیں کیا کرتی تھی بلکہ اس کے مشورے مناسب اور قابلِ عمل ہوتے تھے۔

## (۳) طالوت کا ذکر

طالوت یعنی بادشاہ ''ساؤل'' (Name of King) کا قصہ قرآن مجید میں ایک خصوصی دلچسپی کا حامل ہے۔ بنی اسرائیل کو اُن کے دشمن نے شکست دے کر ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا تھا۔ انتقام کی خواہش نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے پیغمبر سے یہ التجا کریں کہ اُن پر ایک بادشاہ نامزد کیا جائے جو اُنھیں ساتھ لے کر دشمن سے لڑ سکے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''یاد کرو جب (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا کہ ہم پر ایک بادشاہ مامور کریں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑ سکیں، پس (نبی) نے کہا اگر تم قتال کی فرضیت کے بعد قتال سے انکار کر دو تو؟ اُنھوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں جب کہ ہمیں ہمارے گھروں سے اور ہمارے بچوں سے نکال باہر کر دیا گیا ہے؟ اس کے باوجود جب لڑنا اُن پر فرض کیا گیا تو اُنھوں نے روگردانی کی، بجز چند لوگوں کے، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' (البقرۃ:246)

## (۴) داؤد علیہ السلام کا ذکر

حضرت داؤد علیہ السلام کا قرآنی تذکرہ بے حد اہم ہے کیونکہ اس میں بادشاہت کے فرائض (جن میں عدل سب سے اہم ہے) کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (الخ) (ص:26)

ترجمہ: ''اے داؤد! بے شک ہم نے تجھ کو زمین پر ایک نائب مقرر کیا ہے۔ اس لیے لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلے کیا کر۔ اور خواہشات کی پیروی نہ کر ورنہ وہ تجھے خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گی۔ اور جو کوئی خدا کی راہ سے بھٹکے تو اُس کا انجام بُرا ہوتا ہے کیونکہ قیامت کے حساب و کتاب کو اُس نے بھلا دیا ہے۔''

## (۵) سلیمان علیہ السلام کا ذکر

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ''اور سلیمان، داؤد کا وارث بنا۔'' اگرچہ بیٹا اپنے باپ کا جانشین بنا تھا لیکن اس قرآنی تذکرے کا مقصد بالکل بھی معلوم نہیں ہوتا کہ باپ کے بعد بیٹا بطورِ حق بادشاہ بنا ہو بلکہ یہ محض خدا کی عنایت تھی کہ باپ کے بعد بیٹے کو بھی حکومت ملی۔ ورنہ اقتدار کا اصلی سرچشمہ خدا ہی کی رضا ہے۔ وہ جسے چاہے نوازے۔ جیسا کہ دیگر آیات میں وضاحت ہے:

ترجمہ: ''زمین اللہ کی ہے وہ اُسے اپنے بندوں میں جن کو چاہے دیتا ہے۔'' (الاعراف:128)

## (۶) ملکہ سبا کا ذکر

حکمرانی کے کل پرزوں کی حرکت کا سب سے دلچسپ منظر قرآن مجید میں ملکہ سبا کے تذکرے میں ملتا ہے۔ ملکہ کہتی ہے:

ترجمہ: ''اُس (ملکہ) نے کہا اے سردارو! مجھے میرے اس معاملے میں مشورہ دو، میں تمھاری موجودگی کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی۔ انھوں نے کہا، ہم بڑے طاقت ور اور بہادر لوگ ہیں۔ حکم دینا تیرا کام ہے اس لیے تو سوچ کر فیصلہ کر۔ اُس (ملکہ) نے کہا جب کبھی بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے معززین کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہی کریں گے البتہ میں اُن (حضرت سلیمان کے ملک والوں) کو ایک تحفہ بھیجوں گی اور دیکھوں گی کہ سفیر کیا واپس لاتے ہیں؟ چنانچہ جب سفیر سلیمان کے پاس پہنچے تو انھوں نے فرمایا کہ تم مجھے مال کے ذریعے سے کچھ مدد دینا چاہتے ہو جب کہ وہ چیز جو خدا نے مجھے دے رکھی ہے، وہ اِس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تمھیں دی ہے۔ تمھیں تو اپنے تحفے ہی پر ناز ہے۔ اُن کے پاس واپس جاؤ، ہم بے شک اُن کے پاس ایسی فوجیں لے کر آئیں گے جن کا وہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اور ہم اُن کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ پست ہو جائیں گے۔'' (النمل:32-37)

پیغمبروں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں جا بجا اس بات کا ذکر بھی ہے کہ پیغمبروں کو کتابیں یا صحیفے دیے گئے۔ کتاب کے لفظی معنی حکم دینے کے بھی آتے ہیں اور صحیفے سے مراد دستور العمل ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں خاص طور سے یہ ذکر ملتا ہے کہ جونہی وہ فرعون کی سلطنت سے نکل کر باہر آئے تو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام کی لکھی ہوئی تختیاں (الواح) عطا کیں جن کی تعمیل بنی اسرائیل پر فرض قرار دی گئی۔

## 3- قرآن وسنت کی روشنی میں سیاسی نظام

اب ان احکام ربانی کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو خاص طور پر دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کے ربانی ماٰخذ کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا نیز قیامت کے حساب کتاب پر بھی بار بار زور دیا گیا ہے تاکہ بادشاہ میں کسی دُنیاوی ذمہ داری کے نہ ہونے کے باعث ظلم نہ پیدا ہو جائے اگرچہ قرآن مجید میں علاقے یا زمین کا ذکر بعض اوقات حکمرانی کے ساتھ آیا ہے لیکن وہ بڑی حد تک ضمنی ہے، بنیادی نہیں۔ مثلاً:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاۗءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاۗءُ (الخ) (آل عمران: 26)

ترجمہ: ''کہہ دو کہ اے خدا، ملک کے مالک! تو ہی جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک واپس لے لیتا ہے تو عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

جب کہ سورۃ الانعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب مقرر کیا اور تم میں سے چند کو دوسروں پر رتبوں میں فوقیت دی تاکہ تمھیں اس چیز کے ذریعے سے آزمائے جو اس نے تمھیں دی ہے۔'' (الانعام: 165)

سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا کہ اقتدار کے بعد شکر کی ادائیگی بہت ضروری ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ (الاعراف: 10)

ترجمہ: ''ہم نے تم کو زمین میں اقتدار عطا کیا اور تمھارے لیے وہاں روزی مہیا کی تاکہ تم شکر گزار بنو۔''

قدیم اہل مذہب نے دُنیا کو دل لگانے کے قابل نہ سمجھا لیکن اس سے دو بنیادی مسائل پیدا ہو گئے۔ ایک تو گنتی کے چند فرشتہ صفت انسانوں کے سوا باقی جو لاکھوں کروڑوں لوگ تھے، اُن کے معاملات مادیت پر مبنی ہو گئے۔ دوسرا سیاست کی اخلاقی بنیاد نہ رہی، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ سابقہ تمام مذاہب اکائیوں یا دہائیوں میں ختم ہو جانے والے فرشتہ صفت انسانوں کے لیے ہوتے تھے۔ اسلام ناز کر سکتا ہے کہ وہ اوسط درجے کے انسانوں کے لیے ایک قابل عمل دستور لایا۔ یہ ظاہر ہے کہ دُنیا میں ایسے اوسط درجہ لوگوں ہی کی بہت بڑی اکثریت ہوتی ہے، انسان نما فرشتوں اور انسان نما شیطانوں کی تعداد ہمیشہ بہت محدود ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ دُنیا میں دین اور دُنیا دونوں کی برکات لے کر آئے، آپ ﷺ نے نہ صرف آسمانی بادشاہت کی خوش خبری سنائی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دُنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تاکہ دُنیا میں خدا کی بندگی بے خوف و خطر کی جا سکے اور دُنیا میں اللہ ہی کی بادشاہی قائم ہو۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور: 55)

ترجمہ: ''خدا نے اُن سے جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے، یہ وعدہ کیا کہ وہ انھیں زمین میں حاکم بنائے گا (جیسا کہ ان سے پہلوں کو حاکم بنایا تھا)۔ اور اُن کے لیے اُن کے اُس دین کو جو اُس نے اُن کے واسطے پسند کیا ہے، جما دے گا۔''

قرآن کریم نے انسانوں کے لیے سب سے اچھی دعا یہ بتائی ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:201)

ترجمہ: ''اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے، اور ہمیں (دوزخ کی) آگ کے عذاب سے بچا۔''

## 4- قرآن وسنت کی روشنی میں حکمرانوں کی بیعت

کسی بھی نظام حکومت کی کامیابی کے لیے حکمران کی اطاعت کو اہمیت حاصل ہے اس لیے ظاہر ہے کہ قرآن وسنت میں بھی اس پر کچھ کم زور نہیں دیا گیا؛ مثلاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (الآیۃ) (النساء:59)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور رسول ﷺ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحبانِ امر ہوں، پھر اگر کسی معاملہ میں تمھارا آپس میں جھگڑا ہو تو اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف رجوع کرو، اگر تمھارا خدا اور یوم آخرت پر سچا ایمان ہے۔ یہی بہتر اور نتیجے کے اعتبار سے اچھا طریقہ ہے۔''

یہ تو افسروں کی اطاعت کا ذکر تھا۔ رسالت مآب ﷺ کی شخصی اطاعت پر تو بے شمار مواقع پر انتہائی زور دیا گیا ہے۔ کہیں صرف حکم دیا گیا ہے تو کہیں اُس کے فوائد بتا کر اس کی پیروی کی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور پیروی کے ان احکام کا یہ ضروری نتیجہ تھا کہ بعد کے زمانے میں آپ ﷺ کے ہر قول اور ہر فعل کا تذکرہ محفوظ کیا جائے۔ اس حوالے سے اہل علم کی جانب سے بڑی کوششیں گئی ہیں۔ اس حوالے سے بعض آیات حسبِ ذیل ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''جو کچھ رسول تمھیں دے اُسے لے لو اور جس سے منع کرے اُس سے رُک جاؤ۔'' (الحشر:7)

سورہ الاحزاب میں ارشاد ہے:

○ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (الاحزاب:21)

ترجمہ: ''بے شک اللہ کے رسول (ﷺ) کی زندگی میں تمھارے لیے ایک کامل نمونہ ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لی جیسے ''بیعت عقبہ اولی وثانیہ''، اِسی طرح صلح حدیبیہ کے وقت بھی۔ سورہ الممتحنہ میں خواتین سے بیعت لینے کا واضح ذکر موجود ہے۔ عصر حاضر میں جب کوئی شخص کوئی عہدہ یا ذمہ داری سنبھالتا ہے تو وہ حلف لیتا ہے۔ یہ حلف ایک طرح سے بیعت ہی ہے۔ جامعہ روما کے ''پروفیسر نالینو'' کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اسلام میں حکمران کی تخت نشینی کے وقت جو بیعت لی جاتی ہے، وہ ایک طرح سے ''معاشرتی معاہدہ'' کہلا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

> ''کسی شخص کو خلافت کا رتبہ عطا کرنا فقہا کے نزدیک ایک معاہدہ ہوتا ہے جس کا ایک فریق وہ شخص ہوتا ہے جو اُس عہدے کو قبول کرے اور دوسرا فریق جمعیت اسلامی ہوتی ہے۔ یہ معاہدہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ امت کے اصحاب حل وعقد (فیصلے کی صلاحیت رکھنے والے) کی طرف سے بیعت یعنی اظہارِ وفاداری عمل میں نہ آجائے۔''

حکمرانوں کا اوّلین فریضہ ہے کہ انھیں طرف دار نہیں ہونا چاہیے اور انصاف کے ساتھ ساتھ حسبِ موقع وضرورت رحم بھی کرنا چاہیے۔ عدل کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمھیں اس بات پر نہ اُبھارے کہ تم (اُس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے، اور اللہ سے ڈرا کرو، بے شک اللہ تمھارے کاموں سے خوب آگاہ ہے۔'' (المائدۃ:8)

## 5- قرآن وسنت کی روشنی میں غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک

غیر مسلم ذمی رعایا کو عدالتی خودمختاری دینے کا، جہاں اُن کے ساتھ اُن کے شخصی قوانین کے مطابق فیصلے انجام پائیں، قرآن وسنت میں بھی حکم ہے۔ اگر غیر مسلم رعایا اسلامی عدالت میں اپنی مرضی سے مقدمہ پیش کرے تو اُس کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے گا۔ جہاں تک اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کا تعلق ہے تو اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اللہ تمھیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم اُن سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل وانصاف کا برتاؤ کرو۔ بے شک اللہ عدل وانصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ تو محض تمھیں ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنھوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں (یعنی وطن) سے نکالا اور تمھارے باہر نکالے جانے پر (تمھارے دشمنوں کی) مدد کی۔ اور جو شخص اُن سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔'' (الممتحنہ:8-9)

## 6- قرآن وسنت کی روشنی میں شورائیت کا تصور

قرآن مجید میں حکم ہے کہ حکمران اپنے فیصلے مشاورت سے کیا کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (الآیۃ) (آل عمران: 159)

ترجمہ: ''اور اِن سے معاملات میں مشورہ کیجیے، پھر جب آپ ﷺ فیصلہ کر چکیں خدا پر بھروسا کریں، بے شک خدا توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

غرض اگر ایک طرف مشورہ کرنے کی پابندی عائد کی گئی ہے تو دوسری طرف مشورہ کے بعد جو بھی چیز طے پا جائے اُس کی تعمیل کرنا، قطع نظر اس کے کہ وہ اپنی رائے اور مشورے کے مطابق ہو یا مخالف، ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس بات کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حتمی ذمہ داری چونکہ حکمران کے کندھوں پر ہوتی ہے اس لیے اُسے مشورے سے متعلق حقِ تنسیخ دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانعام میں بیان کیا گیا:

ترجمہ: ''اور اگر تو زمین میں (موجود) لوگوں کی اکثریت کا کہنا مان لے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ (حق ویقین کے بجائے) صرف وہم وگمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض غلط قیاس آرائی (اور دروغ گوئی) کرتے رہتے ہیں۔'' (الانعام:116)

## 7- قرآن وسنت کی روشنی میں قانون سازی کا تصور

قرآن مجید نے نبی کریم ﷺ کے ہر قول وفعل کو اسوۂ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے اور ہر باصلاحیت انسان کو تفکر وتدبر پر مائل کیا ہے۔ اس حکم کے باعث اسلامی فقہا (قانون سازوں) کا کام آسان تر ہو گیا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو جن چیزوں کا ذکر قرآن مجید میں نہ تھا، اُن کے لیے حدیث نبوی ﷺ میں کافی مواد مل گیا اور دوسری طرف یہ بھی دیکھا گیا کہ خود رسولِ کریم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ قیاس اور استنباط سے کام لیا بلکہ اُس کی صراحت کے ساتھ اجازت بھی دی۔ اس کا تفصیلی ذکر حضرت معاذ بن جبلؓ کے بطور گورنر یمن تقرر نامے میں مذکور ہے۔ اگرچہ قرآن اور حدیث کی قیاس کے ذریعے سے تنسیخ نہیں ہو سکتی لیکن قیاس اور تعبیر کی اجازت سے علما وفقہا کو انفرادی رائے سے کام لینے کی خاصی گنجائش مل گئی حتیٰ کہ یہاں تک تسلیم کیا گیا کہ مجتہد سے غلطی ہونے کا امکان موجود ہو تب بھی اُسے کام سے نہیں روکا جا سکتا۔

## 8- قرآن وسنت کی روشنی میں جہاں بانی کے قواعد

قرآن مجید میں اندرونی اور بیرونی سیاست کے قواعد خاصی تفصیل سے ملتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے خود ایک مملکت قائم کی اور عربوں کو

خانہ جنگیوں میں اُلجھ کر اپنی توانائیاں ضائع کرنے سے روکا اور اُنھیں اپنے زمانے میں دُنیا کی عظیم ترین فاتح اور نوآبادکار قوم بنا دیا۔ چنانچہ اس ولولہ انگیز جذبے کو وہ اپنا مشن اور مقصدِ حیات باور کرنے لگے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: 110)

ترجمہ: ''تم وہ بہترین قوم ہو جو انسانوں کے لیے پیدا کی گئی کہ تم اچھی بات کا حکم دیتے ہو اور بری بات سے روکتے ہو۔

اِسی طرح مظلوموں کو جہاد کی اجازت بھی دی گئی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ان لوگوں کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ہے جن سے (ناحق) جنگ کی جارہی ہے۔ اس وجہ سے کہ اِن پر ظلم کیا گیا، اور بے شک اللہ اِن (مظلوموں) کی مدد پر بڑا قادر ہے۔ (الحج: 39)

## 9- قرآن وسنت کی روشنی میں قومی دولت کا تصور

اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر: 7)

ترجمہ: ''ایسا نہ ہو کہ دولت صرف مال داروں میں گردش کرتی رہے۔''

دولت عامہ سے متعلق یہ اسلامی اُصول کا خلاصہ ہے جو قرآن مجید نے پیش کیا ہے۔ اسلامی معاشیات کے پیش نظر ہمیشہ یہ چیز رہی ہے کہ دولت ریاست کے ہر طبقے میں گردش کرے اور محض چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔ ایک حد سے زائد دولت پر لازمی محصول یعنی زکوٰۃ وعشر وغیرہ وصول کیا جائے۔ اسلام نے وصیت کرنے کے اختیارات کی بھی تحدید کی اور اس کے ساتھ ساتھ چند دیگر اہم اقدامات مثلاً کسی شخص کی جائداد سے اُس کی وفات پر اُس کے قریبی رشتہ داروں کو لازمی حصہ ملنا، غربا اور محتاجوں کے لیے حکومت کی آمدنی میں لازمی طور سے حصہ ملنا، وغیرہ۔ یہ اور اس جیسے دیگر قواعد قرآن مجید نے مقرر کر دیے ہیں جن سے گردش دولت کا مقصد پورا ہوتا ہے۔

## 10- غیر مسلم سکالرز کی گواہی

قرآن وسنت کے اُصولوں کو پیش نظر رکھ کر اگر انتظام ریاست ہو تو اُس کے اثرات کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس حوالے سے اپنوں کے اعترافات تو موجود ہیں، غیروں کے اعتراف کو بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(i) خلافت راشدہ کے آغاز پر مسلمانوں کے ہاتھوں حکومت الٰہیہ کی جس توسیع کا آغاز ہوا، اُس کا اوّلین ہدف عیسائیوں کی بازنطینی سلطنت بنی۔ اس جنگی کارروائی کو شروع ہوئے ابھی پندرہ سال بھی نہیں گزرے تھے کہ (حضرت عمرؓ کے آخری زمانے یا حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں) ایک نسطوری پادری نے جو تاثرات سپرد کاغذ کیے تھے وہ اتفاق سے محفوظ ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

''یہ عرب جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے، وہ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے مطلق برسرِ پیکار نہیں بلکہ رومیوں کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں، ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔''

(ii) اسی طرح کی ایک اور شہادت زمانہ حال کے ایک متعصب رومن کیتھولک پادری نے ''کلیسائی تاریخ وجغرافیہ'' میں یوں دی ہے:

''مسلمان عربوں کو یعقوبی عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندہ کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا ''یعقوبی

عیسائیوں'' نے دلی خوشی سے استقبال کیا، وہ یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیروکاروں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے، اور اُسی مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دُنیاوی اور عدالتی اختیارات عطا کیے جائیں۔''

(iii) یہ تو نورِ نبوت سے براہ راست منور ہونے والے عہدِ خلافتِ راشدہ کا ذکر تھا۔ اس کے صدیوں بعد کے دُنیادارانہ دور سے متعلق مشہور روسی مستشرق ''پروفیسر بارتولڈ'' لکھتا ہے:

''صلیبی جنگوں کے زمانے میں ایک روسی مؤرخ کلیسا کے مطابق پادری اور عوام سبھی کی یہ خواہش تھی کہ مسلمانوں کی حکمرانی ان کے کندھوں پر واپس آجائے بہ نسبت اس کے کہ 'لاطینیوں' کا تسلط برقرار رہے۔''

اسی طرح یونانی ادبیات کا مشہور مؤرخ ''کروم'' تسلیم کرتا ہے:

''قسطنطنیہ کے سقوط سے پہلے 'بازنطینیوں' کو لاطینی اہل مغرب سے اتنی شدید نفرت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اسلام سے نفرت پر غالب آگئی تھی۔ اور بکثرت کتابوں میں نہ صرف یہ سوال اُٹھایا جانے لگا کہ ''کیا 'مسلمانوں' کے ہاتھوں میں پڑنا 'لاطینیوں' کے ہاتھوں میں پڑنے سے بہتر نہ ہو گا؟'' بلکہ اس سوال کا اثبات میں جواب دیا جاتا رہا۔''

ایک اور مؤلف کے دلچسپ مشاہدے پر اس ذکر کو ختم کیا جاتا ہے۔ پروفیسر ''واکر'' نے ''قانون بین الممالک'' کی تاریخ لکھتے ہوئے یہ ملاحظہ پیش کیا ہے:

''متمدن اور مہذب سلطنتوں پر وحشیوں کا دھاوا بول دینا اور غالب آکر سلطنت وحکومت کا مالک بن جانا معاشرۂ انسانی کی تاریخ کا ایک عمومی واقعہ ہے لیکن جرمنوں اور تاتاریوں کے وحشی پن کے برخلاف عجیب بات یہ ہے کہ عرب کے بدو جب اپنے صحرائی براعظم سے باہر نکلے تو اُن عربی فتوحات کو عام تصور کی وحشی فتوحات میں کسی طرح شامل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اِن ''وحشی بدوؤں'' میں پہلے ہی دن سے اُن کے مفتوحوں سے بھی بڑھ کر تہذیب اور اخلاقِ حسنہ نظر آتے تھے۔''

## 11- مسلم پولیٹیکل فلاسفرز/فقہا کے افکار کی روشنی میں طرزِ حکمرانی

ذیل میں چند اہم مسلم پولیٹیکل فلاسفرز/فقہا کے ریاست کے متعلق نظریات کو نقل کیا جاتا ہے:

### (ا) فارابی کے افکار کی روشنی میں طرزِ حکمرانی

فارابی کے افکار کو بیان کرتے ہوئے پروفیسر رشید احمد رقم طراز ہیں:

''فارابی مملکت (اسٹیٹ) کو انسانوں کے ایک معاہدۂ عمرانی (Social Contract) کا نتیجہ قرار دیتا ہے جو اس کے نزدیک انسان کی جنگ جو فطرت کے باعث اجتماع وجود میں آیا۔ اس کا کہنا ہے کہ مملکت کے قیام سے پہلے طاقت ور کمزوروں پر زیادتیاں کرتا تھا جس کی وجہ سے آئے دن جھگڑے کھڑے ہوتے اور فتنہ وفسادات پیدا ہوتے تھے۔ اس مسلسل خلفشار سے انسان عاجز آگیا اور اس سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے ہر شخص نے اپنی مرضی سے اپنے حقوق کا ایک حصہ ایک مرکزی حکومت کے سپرد کر دیا۔ اس طرح فارابی اس نظریۂ مملکت کا بانی ہے جس نے اس کے انتقال کے تقریباً سات سو سال بعد انگلینڈ اور فرانس میں شرفِ قبولیت حاصل کیا۔ اگرچہ اہل یورپ اس ترکِ حقوق باہمی کے نظریے کو پیش کرنے کا سہرا ہابس (1586ء تا 1679ء) کے سر باندھتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ فارابی نے ہابس، لاک اور روسو سے بہت پہلے کسی حد تک خامیوں سے پاک نظریۂ مملکت پیش کیا۔'' (مسلمانوں کے سیاسی افکار، ص 64-65)

وہ اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

''فارابی نے افلاطون کے نقش قدم پر چلتے ہوئے معیاری مملکت یا شہر کا نظریہ پیش کیا ہے۔اس معاملے میں وہ یونانیوں سے بھی متاثر تھا۔یونانی ریاستیں چونکہ زیادہ تر شہروں تک محدود ہوتی تھیں، اس لیے یہ ریاستیں شہری ریاست کہلاتی تھیں۔فارابی نے بھی اپنی معیاری مملکت کو ''المدینۃ الفاضلۃ'' کا نام دیا ہے۔اس مملکت کے اقتدارِ اعلیٰ کو وہ ''الرئیس الاوّل'' کہتا ہے۔افلاطون کے نزدیک مقتدرِ اعلیٰ کو سب سے زیادہ عالم اور سب سے زیادہ قوی ہونا چاہیے۔قرآن مجید نے بھی سربراہِ مملکت کی انہی دونوں بنیادی صفتوں کو طرف اشارہ کیا ہے کہ بسطۃ فی العلم والجسم (علم اور جسم دونوں میں فراخی)۔افلاطون مزید اوصاف یہ بیان کرتا ہے۔(۱) جرأت: (۲) فراخ دلی؛ (۳) ذکاوت؛ (۴) حافظہ۔'' (ایضاً،ص 67)

## (۲) ماوردی کے افکار کی روشنی میں طرزِ حکمرانی

ماوردی کے افکار کے حوالے سے پروفیسر رشید احمد رقم طراز ہیں:

''ماوردی نے محتسب کے اختیارات وفرائض نیز اس کی مختلف قسموں سے بحث کی ہے۔اس کی رائے میں محتسب دو قسم کے ہونے چاہییں۔ ایک وہ جو تنخواہ دار ہوں اور دوسرے وہ جو رضا کار ہوں۔ان کے فرائض میں سب سے اہم فرض یہ ہے کہ لوگوں کو نیک چلنی اور اچھائی کی تلقین کریں اور ان کو برائی سے روکیں۔وہ بازاروں میں جائیں اور اشیائے خوردنی کا معائنہ کریں اور دیکھیں ان میں کسی چیز کی آمیزش تو نہیں کی گئی ہے۔نیز ناپ تول کے پیمانوں کی جانچ پڑتال کریں کہ وہ معیاری پیمانوں سے کم تو نہیں ہیں۔'' (ایضاً،97۔98)

ان کے علاوہ محتسب کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ:

(۱) شارعِ عام پر کوئی شخص عمارت نہ بنوائے یا کوئی ایسی چیز نہ رکھنے پائے جس سے آمدورفت بند ہو جائے یا اس میں دقت ہو۔

(۲) غیروں کی زمین میں مردے نہ دفن کیے جائیں۔

(۳) ملازموں اور جانوروں کے ساتھ بے رحمانہ برتاؤ نہ کیا جائے۔

(۴) قرض دار قرض خواہ کی رقم واپس کرے۔

(۵) لوگ باجماعت نماز ادا کریں۔

(٦) ماہِ رمضان میں کوئی شخص سرِ بازار کھانے پینے نہ پائے۔

(۷) مطلقہ یا بیوہ عورتیں شرعی عدتیں پوری کریں۔

(۸) غیر شادی شدہ عورتیں شادی کریں۔

(۹) عورتوں اور مردوں میں سرعام میل جول نہ ہو۔

(۱۰) لوگ شارعِ عام پر نشہ کی حالت میں نہ گھومیں۔اگر وہ ایسا کریں تو ان کو سزا دے۔

(۱۱) لوگ ورزشی کھیلوں میں دلچسپی لیں۔

## (۳) نظام الملک طوسی کے افکار کی روشنی میں طرزِ حکمرانی

نظام الملک طوسی کے افکار کے حوالے سے پروفیسر رشید احمد رقم طراز ہیں:

''نظام الملک بادشاہ کے اوصاف کی ایک طویل فہرست پیش کرتا ہے۔وہ پہلا مفکر ہے جس نے بادشاہ میں حسن صورت کو ایک ضروری صفت

قرار دیا ہے، ورنہ اس سے پہلے کے مفکرین سلامتی اعضا اور حواس ہی کو ضروری سمجھتے تھے۔ نظام الملک حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت پر بھی زیادہ زور دیتا ہے۔ بادشاہ کی سیرت میں وہ جذبہ انصاف، شجاعت و بلند حوصلگی اور مجاہدانہ روح کو لازمی عنصر قرار دیتا ہے۔ وہ بادشاہ کو نظری اور عملی دونوں لحاظ سے مذہب کا ایک جامع نمونہ دیکھتا ہے اسی لیے اس کے نزدیک جہاں بادشاہ کو راسخ العقیدہ اور قوی الایمان ہونا ضروری ہے وہاں شرعی احکامات پر عمل بھی لازمی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو اور علما و فضلا کا قدردان اور غریبوں کا ہمدرد ہو۔ خیرات و زکوٰۃ پابندی سے ادا کرتا ہو۔ دل کا سخی ہو۔ وہ ہمیشہ مفلسوں کی خبر گیری کرتا رہے اور عوام کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم عمل ہو۔"

(ایضاً: ص110۔111)

## 12- خلاصۂ بحث

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن وسنت اور فقہا کے اقوال کی روشنی میں جو طرز حکمرانی قائم کیا گیا، چھ سو سال تک کوئی بیرونی طاقت اُس پر حملہ آور نہ ہو سکی۔ چھ سو سال کے بعد جب منگولوں نے حملہ کیا تو ان کے اثرات بھی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے، یہاں تک کہ منگولوں کی اکثریت مسلمان ہوگئی۔ جن کے بارے میں علامہ نے فرمایا:

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

تاتاری حملوں کے بعد عثمانی سلطنت قائم ہوئی۔ جس نے کم وبیش ساڑھے پانچ سو سال تک حکومت کی۔ عثمانی سلطنت میں فقہ حنفی کو مرکزی حیثیت رہی۔ حنفی فقہا نے امورِ ریاست کے حوالے سے بہترین قوانین دُنیا کو عطا کیے۔ آج بھی ضرورت اِس امر کی ہے کہ قرآن وسنت سے براہِ راست استفادہ کرتے ہوئے چاروں بڑے مسلم فقہا، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے افکار کی روشنی میں جدید سیاسی معاشرتی، عدالتی اور آئینی معاملات کو حل کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ بہترین حکمرانی کا خواب پورا ہو سکے۔

# مثالی حکمرانی اسلامی تناظر میں

1- تعارف
2- رشوت کی ممانعت
3- ناجائز ذرائع سے اجتناب
4- تحائف سے اجتناب
5- ناجائز سفارش کی ممانعت
6- سائلین کی مالی اعانت
7- ذمہ داریوں سے آگاہی
8- مشاورت
9- ظلم سے گریز
10- وقت کا صحیح استعمال
11- اہل افراد کی تعیناتی
12- حسنِ اخلاق سے پیش آنا
13- خیرخواہی وحاجت روائی
14- ادارہ کے طریق کار سے آگاہ کرنا
15- سرکاری عہدوں کے ذمہ دارانہ استعمال کے فوائد
16- سرکاری عہدوں کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کے نقصانات
17- عمدہ طرزِ حکمرانی کے لیے تجاویز
18- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

مثالی حکمرانی ہر ریاست کی بنیادی ضرورت اور عوام کا بنیادی حق ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے نہ صرف اِس ضرورت اور حق کو محسوس کیا بلکہ عملی اقدامات کے ذریعے اِسے نافذ بھی کیا۔ ریاست مدینہ اس کی بہترین مثال ہے۔ جس میں رشوت کی ممانعت، ناجائز ذرائع سے اجتناب، سفارش کے ذریعے عہدے حاصل کرنے سے گریز، سائلین کی مدد، ظلم سے گریز اور عادلانہ معیشت کے واضح اُصول موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ اِس کی بقا کا واحد راستہ مثالی حکمرانی میں موجود ہے۔ ذیل میں ریاست مدینہ کی روشنی میں مثالی حکمرانی کے حوالے سے چند اہم نکات کو بیان کیا جاتا ہے:

## 2- رشوت کی ممانعت

اسلام میں رشوت حرام ہے۔ رشوت کی موجودگی میں مثالی حکمرانی ممکن نہیں۔ سرکاری عہدوں پر فائز افراد کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کی ایک وجہ رشوت ہے۔ رشوت، لالچ اور زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی خواہش کے سبب پیدا ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت نے یہود کی مذمت کرتے ہوئے اُن کا قرآن میں یہ وصف ذکر کیا ہے کہ وہ جی بھر کر حرام کھاتے ہیں، فرمایا:

''سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ'' (المائدہ:42)

ترجمہ: ''(یہ) جھوٹی باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔''

یہ یہود کے حکام کا وصف ہے کہ وہ رشوت لے کر احکامِ شرع کو بدل ڈالتے تھے۔ رشوت لینے کے ضمن میں جتنی بھی احادیث ملتی ہیں وہ درحقیقت سرکاری عہدہ داروں کے لیے براہِ راست ہدایات ہیں، کیونکہ رشوت وہی فرد لیتا ہے جو اختیار کا مالک ہو اور سائل اپنے کام میں اس کا محتاج ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے رشوت لینے پر نہ صرف سخت وعید سنائی ہے بلکہ اس کے دینے والے کو بھی مجرم قرار دیا کہ وہ برائی کے فروغ میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

**''عن عبداللہ بن عمرو قال: لعن رسول اللہ ﷺ الراشی والمرتشی۔'' (طبرانی، حدیث نمبر 2026)**

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ہے رشوت دینے اور رشوت لینے والے پر۔''

## 3- ناجائز ذرائع سے اجتناب

مثالی حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ ناجائز ذرائع سے اجتناب کیا جائے۔ عصر حاضر میں دولت کا حصول ہی زندگی کا اولین مقصد بن چکا ہے۔ جب کہ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ فرد کی پیدائش سے قبل ہی اس کے رزق کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت جو اس کائنات اور انسان کا خالق، مالک اور رازق ہے، اس نے انسان کو بہت محترم و مکرم مخلوق بنا کر دُنیا میں بھیجا ہے اور اس کے لیے زمین میں استعمال کے سب وسائل مہیا کر دیے ہیں۔ جب اس امر کا یقین دل میں آجائے گا تو ہر فرد ناجائز وسائل اختیار کرنے سے بچے گا' کیونکہ ہر فرد اپنے مقدر سے زیادہ نہیں لے سکتا اور جو بھی نعمتیں حاصل کر سکتا ہے وہ شریعت کے قواعد و ضوابط کی پابندی کر کے ہی حاصل کر سکتا ہے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص بھی اللہ کے مقرر کردہ رزق کو حاصل کیے بغیر موت کا لقمہ نہ بنے گا، سنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور رزق کے حصول میں تاخیر تمھیں ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ اس لیے کہ اللہ کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ صرف اس کی اطاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

ناجائز وسائل سے بظاہر رزق میں زیادتی مقصود ہوتی ہے حالانکہ ایک فرد جب ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے تو درحقیقت وہ کسی دوسرے حق دار کا حق غصب کر رہا ہوتا ہے اور حق دار کا حق غصب کرنے والے کے لیے انتہائی شدید وعید احادیث مبارکہ میں آئی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

"من أخذ شبرا من الأرض ظلما فانه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين" (بخاری)

ترجمہ: "جس نے کسی کی ظالمانہ طور پر بالشت بھر زمین لی روزِ قیامت اس کے گلے میں سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"

اگرچہ ارشاد رسول ﷺ زمین کے بارے میں ہے لیکن عمومِ حدیث اس پر دلالت کرتا ہے کہ ناجائز طور پر کسی کی کوئی شئے ہتھیانے پر عذاب الٰہی کا شکار ہوگا۔

## 4- تحائف سے اجتناب

مثالی حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ تحائف سے اجتناب کیا جائے۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ صاحب اختیار کو ہدایا وتحائف دیے جاتے ہیں۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ایسے تحائف دینا منع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو سخت ناپسند فرمایا۔ ارشاد رسول ﷺ ہے:

"هَدَايَا العُمَّالِ غُلُول" عمال کے ہدیے غلول (خیانت وناجائز استحصال کی قبیل سے) ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

گویا نہ تو اصحاب مناصب کو ان کا قبول کرنا جائز ہے اور نہ عوام کا اس رسم کو پھیلانا درست ہے۔

## 5- ناجائز سفارش کی ممانعت

مثالی حکمرانی کے لیے ناجائز سفارش کی بھی ممانعت ہے۔ اس حوالے سے فرزانہ خالد لکھتی ہیں:

"مناصب وذرائع پر مقتدر اراکین کے مشاہدہ سے ایک امر یہ سامنے آیا ہے کہ کسی کو محض معلومات دے کر فائدہ حاصل کرتے ہیں یا کسی نے اپنے اثر ورسوخ، واقفیت یا تعلق ودوستی کی بنا پر کسی کی سفارش کر دی اور اس سے محتاجِ وسائل کا کوئی مسئلہ حل ہو گیا تو اس سے بطور فیس رقم یا مال وصول کرنا عین حق اور جائز سمجھا جاتا ہے، نہ صرف یہ بلکہ بعض افراد اسے اپنی محنت کا معاوضہ گردانتے ہیں۔"

جب کہ تعلیماتِ نبویہ سے اس کی نفی ثابت ہے، ارشاد رسول ﷺ ہے:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ بِشَفَاعَةٍ فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ أَتَى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا۔ (ابوداؤد)

"حضرت ابوامامہ؄ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی سفارش کی اور پھر وہ اس سے صلہ میں کوئی ہدیہ اسے بھیجے اور یہ قبول کر لے تو پس وہ سود کے ایک بڑے دروازہ میں داخل ہو گیا۔"

اتنی صریح وعید کے بعد بھی کوئی اس کام مرتکب ہو تو وہ خود اپنے آپ کو عتاب الٰہی کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اسلام کا مزاج تو یہ ہے کہ:

"(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (راہ خدا) میں صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔" (آل عمران: 92)

## 6- سائلین کی مالی اعانت

مثالی حکومت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سائلین کی مدد کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

"جس بندہ کو اللہ تعالیٰ پوری طرح نعمت سے نوازے اور پھر لوگوں کی حاجتیں اس سے وابستہ کر دے۔ اگر اس کے اندر اس سے اکتاہٹ پیدا ہو جائے گی تو وہ اپنی نعمت کو زوال کا نشانہ بناتا ہے۔" (المعجم الاوسط، حدیث نمبر 7529)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا۔'' (الذریات:19)

اسی امر کی تائید ایک اور حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے، ارشادِ رسول ﷺ ہے:

''اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو خاص طور پر نعمتیں عطا کرتا ہے تاکہ بندوں کو فائدہ پہنچائیں۔ ان نعمتوں اور راحتوں میں وہ ان کو اس وقت تک باقی رکھتا ہے جب تک کہ وہ بندگانِ خدا پر اس کی یہ نعمتیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ اس کے ہاتھ روک لیتے ہیں تو (اللہ) ان کو دوسری طرف منتقل کر دیتا ہے۔'' (بخاری، حدیث نمبر 7151)

## 7- ذمہ داریوں سے آگاہی

ایک مثالی حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ افسران اور ریاست کی مشینری اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہو۔ ایک فرد کسی کام کو تب ہی صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے جب اسے معاملہ، کام، ذمہ داری اور منصب کے تقاضوں سے مکمل آگاہی ہو۔ عہدے کے درست استعمال کے لیے ضروری ہے کہ پہلے عملی طور پر اس کے بارے میں مکمل ہدایات حاصل کی جائیں۔ تربیت لی جائے اور جو اُصول وضوابط مہیا کیے جائیں ان سے مکمل واقفیت حاصل کی جائے تاکہ ذمہ داری سے ان پر عمل کیا جاسکے۔ اسوہ حسنہ سے اس کی مثال ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو قاضی بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میری عمر بہت کم ہے اور میں مقدمات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنا نہیں جانتا۔'' تو آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا، کہ اللہ تعالیٰ تمھاری مدد اور رہنمائی فرمائے گا اور تم سے صحیح فیصلہ کرائے گا۔ مزید رہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''جب دو آدمی تمھارے پاس فیصلہ لینے آئیں تو دوسرے کی بات سننے سے پہلے ایک کے حق میں فیصلہ نہ کرنا، عنقریب تم فیصلہ کرنے کا طریقہ جان لوگے۔'' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں ہمیشہ کے لیے قاضی بن گیا۔'' (ترمذی، حدیث نمبر 1331)

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی دی گئی ہدایت قاضی کے لیے اور عدالتی معاملات سے متعلق ہے لیکن حکم کا عام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اختیار ومنصب کے ذمہ دارانہ استعمال کے لیے لازمی ہے کہ اس کے اُصول اور طریقِ کار سے مکمل آگاہی ہو۔ صاحب منصب اپنے فرض کا پورا شعور رکھے اور کامل دیانت، محنت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنا فرض انجام دے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَامِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔ (بخاری۔حدیث نمبر 7150)

ترجمہ: ''جس بندے کو اللہ نے رعیت کا حاکم بنایا اور اُس نے خیر خواہی کے ذریعے اس کی حفاظت نہیں کی تو جنت کی خوشبو تک اس کو نہیں پہنچے گی۔''

## 8- مشاورت

مثالی حکمرانی کے لیے مشاورت بھی بہت ضروری ہے۔ مسلمانوں کو اپنے امور مشاورت سے طے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح اصحابِ اقتدار واختیار کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں مشورہ کریں اور ارباب اہل فن کی رائے سے اپنے امور کو سرانجام دیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران:159)

ترجمہ: ''اور اپنے کاموں میں ان سے مشاورت کرلیا کرو''

اسی طرح اولی الامور کے طریق کار کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:38)

ترجمہ: ''اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں۔''

## 9- ظلم سے گریز

''صاحب اختیار چونکہ قدرت رکھتا ہے اور جو ذمہ داریاں اُسے سونپی گئی ہیں اگر ان کو صحیح طور پر پورا نہ کرے تو وہ ظلم کا مرتکب ہوگا اور اپنے کام سے غفلت برتے یا منصب کا بے جا استعمال کرے، حق دار کو حق سے محروم رکھے یا کسی کو ناحق ترقی، مراعات یا سہولیات دے تو وہ ظلم کا مرتکب ہے۔ اسی لیے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو انہیں دیگر نصیحتوں کے ساتھ یہ بھی فرمایا:

''مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔'' (بخاری)

ایک اور جگہ ظلم کے انجام کے بارے میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (جامع الترمذی، حدیث نمبر:2030)

ترجمہ: ''ظلم قیامت کے دن کی تاریکیوں کا موجب ہے۔''

گویا مثالی حکمرانی کے لیے ظلم سے بچنا اور ظلم کے پیدا ہونے کی تمام صورتوں کو ختم کرنا ضروری ہے۔

## 10- وقت کا صحیح استعمال

اختیار کے ذمہ دارانہ استعمال کی عملی صورت ایک یہ بھی ہے کہ صاحب اختیار اپنے کام کو مکمل وقت دے۔ مقررہ وقت سے قبل کام چھوڑ کر نہ جائے اور اس دوران جو اشیاء اُسے جس مقصد کے لیے فراہم کی گئی ہیں اُنھیں انہی مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ فرمان نبوی ﷺ سے امر کی وضاحت ہوتی ہے:

''جس شخص نے مسلمانوں کے اجتماعی امور کی ذمہ داری قبول کی پھر اس نے ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کی اور ان کے کام انجام دینے میں اپنے آپ کو اس طرح نہیں تھکایا جس طرح وہ اپنی ذاتی ضرورت کے لیے خود کو تھکاتا ہے تو اللہ اس شخص کو منہ کے بل جہنم میں گرا دے گا۔'' (طبرانی، حدیث نمبر 513)

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ مثالی حکمرانی کے لیے وقت کس قدر اہم ہے اور اس کا صحیح استعمال کتنا ضروری ہے۔

## 11- اہل افراد کی تعیناتی

مثالی حکمرانی کے لیے ضروری ہے ایسے فرد کو عہدہ دیا جائے جو ذہنی، جسمانی و عملی صلاحیت کا مالک ہو۔ اسی امر کی تائید قرآنِ مجید سے ہوتی ہے۔ جب اللہ رب العزت نے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور اس منصب کے لیے ان کی اہلیت کی وجہ بیان کی تو ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اس نے اسے علم بھی، بہت سا بخشا ہے اور جسمانی قوت بھی۔'' (البقرہ:247)

ایک جگہ اللہ رب العزت نے حکم فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو۔'' (النساء:58)

مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ امانتوں سے مراد عہدے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ تمنا کرتے ہیں:

''میری خواہش ہے کہ مجھے ابو عبیدہؓ جیسے اتنے آدمی مل جائیں جن سے پورا گھر بھر جائے۔'' (المستدرک، حدیث نمبر:5144)

اس سے تربیت یافتہ افراد کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ یہ پورے دین کی اقامت اور پوری امت کے احیا کے ضامن ہوتے ہیں۔ انتظامی اعتبار سے اگر افراد مضبوط ہوں تو بہت سے مفاسد جنم لینے سے پہلے ہی دم توڑ جاتے ہیں۔ ابن کثیرؒ کا قول اس حوالے سے اہم ہے:

''اللہ حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتا۔''

آیت بالا کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

''حکومت کے منصب اور عہدے جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں اختیارات ہیں۔ ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے، بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور عہدہ کے لیے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق تلاش کریں۔ پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔'' (معارف القرآن، ج2، ص446)

## 12- حسنِ اخلاق سے پیش آنا

''اللہ رب العزت نے انسانوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ:83)

ترجمہ: ''اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا۔''

قول حسن سے پیش آنے میں دو طرح کے افراد شامل ہیں:

- وہ جو سرکاری عہدے پر فائز شخص کے معاونین، ساتھی اور ہم منصب ہیں۔
- اس کے علاوہ تمام افراد جن کا صاحب اختیار سے واسطہ پڑتا ہے یعنی عامۃ الناس۔

فرمان نبوی ﷺ یاد رہے:

**الخلق عیال اللہ فاحب الناس الی اللہ من احسن الی عیالہ۔ (طبرانی، حدیث نمبر 5541)**

ترجمہ: ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کو وہ شخص سب سے زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبہ سے حسن سلوک کرے۔''

مغرب میں اداروں میں کام کرنے والے افراد کو باقاعدہ اخلاقی تربیت دی جاتی ہے جو کئی کورسز پر مشتمل ہوتی ہے اور ان میں کئی نوعیت کے اخلاقی پہلو زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ مثلاً

- client/Customer سے نرم گفتگو کریں۔
- اس کو آداب میں پہل کریں۔
- ادارے میں داخل ہوتے ہی اس کو بیٹھنے کی جگہ دیں۔
- اس کا کام تیزی سے کریں۔
- اس سے ہمیشہ مسکرا کر ملیں۔ وغیرہ۔

اگر حسن اخلاق کو عملاً نافذ کیا جائے تو حکومتی امور میں بہت بہتری آ سکتی ہے۔

## 13- خیرخواہی وحاجت روائی

مثالی حکمرانی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہرادارہ سے منسلک عوام کی خیرخواہی نہ کی جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب نیت خالص ہو اور جائز امور میں سائلین کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى'' (المائدہ:2)

ترجمہ: ''نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔''

خیرخواہی و وفاداری کا معیار کسی خاص طبقہ، افراد یا گروہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہی 'مقصودِ دین ہے اور جب ایک فرد کو اختیارات سونپے گئے، دوسروں کی ضروریات اس کے ساتھ وابستہ کی گئیں تو اس کے لیے بھی حکم ہے کہ ان ضروریات کی تکمیل کا ہر ممکن انتظام کرے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے:

مَامِنْ اِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُونَ ذَوِي الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ اِلَّا أَغْلَقَ اللهُ أَبْوَابَ السَّمَاءِ دُونَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ (جامع الترمذی، رقم الحدیث:1332)

ترجمہ: ''جو حکمران ضرورت مندوں اور کمزور بندوں کے لیے اپنا دروازہ بند کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت، اس کی ضرورت اور اس کی مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کر لے گا۔''

رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کا بھی یہ دستور تھا کہ سائلین اپنی ضروریات بلا روک ٹوک خلیفہ وقت کے سامنے بیان کر سکتے تھے۔

## 14- ادارہ کے طریق کار سے آگاہ کرنا

مثالی حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو اداروں کے طریق کار سے آگاہ کیا جائے۔ ہر ادارہ کے اپنے اُصول وضوابط ہوتے ہیں اور ہر فرد ان اُصول وقواعد سے آگاہ نہیں ہوتا، لیکن وہاں کے ملازمین واہل کاروں کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ وہاں آنے والے سائلین وحاجت مندوں کی رہنمائی کریں، ہر ممکن ان سے تعاون کریں اور اس کو قرآنی ونبوی ﷺ ہدایت سمجھ کر سرانجام دیں، ارشاد رسول ﷺ ہے:

من ولی شیئا من أمر المسلمین لم ینظر اللّٰہ فی حاجۃ حتی ینظر فی حوائجھم (طبرانی، حدیث نمبر 13603)

ترجمہ: ''جو شخص مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار ہو اللہ اس کا مقصد پورا نہیں کرے گا جب تک وہ لوگوں کی ضروریات پوری نہ کرے۔''

## 15- سرکاری عہدوں کے ذمہ دارانہ استعمال کے فوائد

جب ایک نظام، ریاست مدینہ کی روشنی میں مرتب کیا جائے گا تو اس کے وہی نتائج واثرات ہوں گے جو آج سے 14 سو سال پہلے دُنیا نے دیکھے۔ نظامِ ریاست میں اتنا عدل، توازن، ترتیب اور آسانی تھی کہ اگر کسی فرد سے جرم ہو بھی جاتا تو وہ خود اس کا اقرار کر لیتا۔ بظاہر تنگ دستی کے باوجود بھی ایثار، ہمدردی، رہنمائی ومدد صحابہ کرامؓ وصحابیاتؓ کی زندگی کا معمول تھا۔ اگر اقتدار پر فائز لوگ اپنے عہدوں کا درست استعمال کریں تو درج ذیل اثرات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے:

- عدل کا قیام
- عوام کی مالی، اخلاقی، ذہنی اور نفسیاتی کامیابی

- مثالی معاشرے کا قیام
- ملکی بقاو سالمیت
- حقوق و فرائض کی مکمل ادائیگی
- سرکاری اداروں کی عمدہ ساکھ سے بین الاقوامی شہرت کا حصول
- ریاست کا معاشی استحکام و خود کفالت وغیرہ

## 16- سرکاری عہدوں کے غیر ذمہ دارانہ استعمال کے نقصانات

سرکاری عہدوں کو درست طریقے سے استعمال نہ کرنا نہ صرف دینی و شرعی اعتبار سے غلط ہے بلکہ غیر مثالی حکمرانی کا باعث بنتا ہے۔ ہر فرد کو درج ذیل نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

- معاشی بحران، ارتکازِ دولت (Accumulation of wealth)، ٹیکسوں میں کمی، ملکی بجٹ میں نقصان۔
- معاشرتی انتشار، ذہنی و اخلاقی برائیوں کا فروغ۔
- طبقاتی کشمکش میں اضافہ۔
- افسر شاہی کا فروغ۔
- اقرباء پروری و جانب داری کے باعث معاشرتی عدم توازن۔
- نا اہل افراد کی تعیناتی کے باعث عدل و انصاف کا فقدان۔
- ملکی سالمیت و بقاء کو خطرہ۔ وغیرہ

## 17- عمدہ طرزِ حکمرانی کے لیے تجاویز

- کسی بھی قسم کی سیاسی وابستگی سے بالاتر ہو کر اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا جائے۔
- غیر جانبدارانہ اور شفاف انداز میں سرکاری اُمور کی انجام دہی کی جائے۔
- ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے قانون کی بالادستی کا تاثر قائم ہو۔
- ہر مشکل مقام سے گزرتے ہوئے اپنے دامن کو بدعنوانی کے چھینٹوں اور داغوں سے بچایا جائے۔
- اپنے فرائض منصبی کو پوری ایمان داری اور خلوص نیت کے ساتھ انجام دیا جائے۔
- آفیسرز سرکاری وسائل سے نہ خود ناجائز فائدہ اٹھائیں اور نہ کسی دوسرے کو فائدہ اٹھانے دیں۔
- عوام کے ٹیکسوں کی حفاظت کی جائے اور ان کا صحیح استعمال کیا جائے۔
- سیاسی دباؤ سے آزاد ہو کر اپنی ذمہ داریاں ادا کی جائیں۔
- حکومتیں تعلیم کو لازمی قرار دینے اور اس کے لیے جی ڈی پی کا کم از کم 7 فیصد مختص کرنے کی کوشش کریں۔
- طویل المعیاد قومی منصوبوں کا جائزہ اور نفاذ۔
- خود کفالت کی منزل پانے کے لیے مضبوط ارادے اور مسلسل کوشش کے ساتھ خلوص نیت کی ضرورت ہے۔

- ذرائع ابلاغ کا صحیح استعمال کیا جائے۔
- معاہدہ کے مطابق ڈیوٹی میں پوراوقت صرف کیا جائے۔
- اپنے مقرر کام کے خلاف کام نہ کیا جائے۔
- تمام کاموں میں اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے۔
- اپنے نفس کو ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا خوگر بنایا جائے۔
- غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھا جائے۔
- وقار و حلم کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔
- نیکی و تقویٰ، فلاح و بہبود، رعیت کے ساتھ مہربانی کی جائے۔
- اپنے مرتبہ کا شکر، اللہ پر بھروسا، اور عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے وعدہ کو پورا کیا جائے۔
- کسی کو حقیر نہ جانے، سائل کو رد نہ کرے۔
- کاغذات کی جانچ پڑتال رکھنا فرض ہے۔ اپنا کام خود کیا جائے۔
- جو نگرانی میں ہیں ان کے کام پر نظر رکھی جائے، روزانہ کا کام پورا کیا جائے۔

## 18- خلاصہ بحث

مثالی حکمرانی کے لیے نبویؐ تعلیمات اتنی روشن اور واضح ہیں کہ کسی بھی عہدے پر فائز شخص راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت ''صحابہ کرامؓ'' نے اپنی سیرت و کردار کے ذریعے دیانت و امانت، خلق و ایثار، جود و سخا، قناعت و صبر اور محبت کی ایسی مشعلیں روشن کیں کہ آج بھی ہر پیشے سے منسلک انسان ان سے روشنی پا کر ایک مفید اور قابلِ تقلید نمونہ بن سکتا ہے۔ نبوی ﷺ معاشرے کا ہر فرد مالی لحاظ سے بہت دیانت دار، منصب کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لحاظ سے بہت منظم، لوگوں کی فلاح و بہبود کے کاموں کے اعتبار سے بہت ہی رحیم و شفیق، لوگوں کے اموال کی حفاظت کے اعتبار سے بہت ہی چاق و چوبند اور اپنے حکام کی معروف میں اطاعت کے لیے ہر وقت تیار ہوتا تھا۔ آج بھی اُسی جذبے اور ایثار کی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس! وہ جذبہ مفقود نظر آتا ہے۔ بقول افتخار عارف:

گلشن کی نگہبانی سونپی ہے اُنھیں عارف
ڈسنے کے طریقے جو خوشبو کو سکھا گئے

# اسلام میں نظام حکومت کا ڈھانچہ

## اہم نکات

1- تعارف
2- اسلام میں انتظامی اُمور
3- ریاست کی دستوری بنیادیں
4- ریاست کا مرکزی سیکرٹریٹ
5- ریاست کا انتظامی ڈھانچہ
6- بلدیاتی نظام
7- نشریاتی ترجمان
8- محافظین
9- سرکاری ملازمت کی اہلیت
10- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

انتظامیہ کے ذمہ ریاستی امور کی نگرانی اور لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے اسلام کے پیغام کی تبلیغ کی، اسلام کو نافذ کیا اور مسلمانوں کے مفادِ عامہ کا انتظام کیا۔ جہاں تک احکام کے نفاذ (Implementation) کا تعلق ہے تو آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی کہ آپ ﷺ زکوٰۃ اکٹھی کریں، چور کا ہاتھ کاٹیں، جھوٹی تہمت لگانے والے کو کوڑے لگائیں اور فسادی کو قتل کریں۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑا اور دیگر لوگوں کو بھی اس کام کے لیے بھیجا۔ یہ بھی حکم کا نفاذ (Enforcement) ہے۔ آپ ﷺ نے میدانِ جنگ میں دشمن کو قتل کیا اور جنگ کے بعد کفار کو قیدی بنایا، آپ ﷺ مجرموں اور باغیوں پر حد جاری کرتے تھے اور لوگوں کو اس بات کا حکم دیتے تھے کہ وہ ان تمام احکامات کی پابندی کریں جو آپ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ یہ تمام امور آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کو واضح کرتے ہیں۔ آج بھی عہدِ رسالت ﷺ والے جذبے کی ضرورت ہے۔ بقولِ مولانا حالی:

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
وہ اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

## 2- اسلام میں انتظامی اُمور

- آپ ﷺ نے مختلف شعبوں کے لیے انتظامی ڈھانچہ قائم کیا اور اُن شعبوں کو چلانے کے لیے منتظمین (Administrators) مقرر کیے۔ آپ ﷺ مدینہ میں لوگوں کے معاملات خود چلاتے تھے اور مختلف شعبوں پر منتظمین بھی مقرر فرماتے تھے جو ان شعبوں کو چلانے میں آپ ﷺ کی معاونت کرتے تھے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ معاہدات کو قلم بند کرنے پر مامور تھے، یہ ایک انتظامی عہدہ تھا۔ مُعَیقِیبؓ رسول اللہ ﷺ کی مُہر مبارک (Pious stamp) پر ذمہ دار تھے، یہ بھی ایک انتظامی ذمہ داری تھی۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا کہ معیقیبؓ نے کہا ''رسول اللہ ﷺ کی مہر مبارک لوہے کی تھی جس پر چاندی کا مُلَمّع (Silver coating) تھا۔ وہ میرے پاس ہوتی تھی۔'' حذیفہ بن یمانؓ حجاز کے پھلوں کا اندازہ لگانے پر مقرر تھے اور عبداللہ بن ارقمؓ قبائل اور اُن کے پانی کے حساب کے ذمہ دار تھے۔ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح حکمرانی کا کام سرانجام دیا اسی طرح آپ ﷺ نے انتظامی اُمور کو بھی چلایا۔ آپ ﷺ نے ہر منتظم (ایڈمنسٹریٹر) کے لیے اُس کے کام کا تعین کر دیا تھا جس پر وہ ذمہ دار ہوتا تھا، مثلاً مالِ غنیمت کا حساب کتاب رکھنا یا پھلوں کی پیداوار کا اندازہ لگانا، وغیرہ۔
- انتظامی اُمور کے حوالے سے دیکھا جاسکتا ہے کہ کچھ ایسے اعمال ہیں جنھیں خلیفہ یا اُس کے معاون خود انجام دیتے ہیں، خواہ اُن کا تعلق حکومت سے ہو یا اُن کا تعلق انتظامی اُمور اور لوگوں کے مفادِ عامہ سے ہو، جس کے لیے وسائل کو اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ کو متعین ڈھانچے کی ضرورت ہوتی ہے جو ریاست کے معاملات میں خلیفہ کی مدد کرے۔ یہ ڈھانچا، دفاتر، اداروں اور اُن کے منتظمین پر مشتمل ہوتا ہے۔ دفتر کسی حکومتی محکمے کے اعلیٰ سطح کے انتظام کا نام ہے مثلاً تعلیم، صحت، زراعت، صنعت، وغیرہ۔ یہ دفاتر اپنے معاملات پر اور اُن تمام اداروں اور شعبوں پر ذمہ دار ہوتے ہے جو اِن کے تحت آتے ہیں۔ ہر ادارہ اپنے معاملات اور اپنے تحت آنے والے شعبوں کو چلاتا ہے اور ہر شعبہ اپنے معاملات پر اپنے ذیلی شعبوں کے معاملات کو چلاتا ہے۔ آپ ﷺ ہر انتظامی شعبے پر ایک منتظم کو مقرر فرماتے تھے جو اپنے شعبے کا ذمہ دار ہوتا اور اُس سے متعلق تمام اُمور چلاتا۔ آپ ﷺ کے بعد انتظامی حوالے سے حضرت عمرؓ کا دور بہت اہم ہے۔

## 3- ریاست کی دستوری بنیادیں

سرورِ دوعالم ﷺ نے ریاست مدینہ کو جامع آئینی بنیادوں پر استوار فرمایا۔ آپ ﷺ کے عطا کردہ آئین کے تحت انسان کے لیے اپنے ہی جیسے انسانوں کی غلامی کا تصور ختم ہو گیا اور ریاست میں اعلیٰ ترین مقتدر طاقت ''اللہ تعالیٰ'' کو قرار دیا گیا۔ ''اسلام قرونِ وسطیٰ'' میں کتاب کا مصنف رقم طراز ہے:

Islam is the community of Allah. He is the living truth to which it owes its life. He is the center and goal of its spiritual experience. But He is also, the mundane head of His community which he not only rules but governs. He is the reason for State's existence. He is the principle of unity. Thus the life of the community in its entirely as well as the private lives of the individual members are placed under His direct legislative and supervisory power.(Gustave E. Von Grunebaum, Medieval Islam, p. 142).

''اسلام اللہ کا قائم کردہ معاشرہ ہے اور ذات خداوندی زندہ حقیقت کی وجہ سے اسے زندگی میسر ہے۔ اس کے روحانی احساسات کا مرکز اللہ ہے۔ وہ اس کمیونٹی کا سربراہ بھی ہے جو نہ صرف اس کا حکمران بلکہ مقتدر اعلیٰ بھی ہے۔ وہی ریاست کے وجود کی اساس اور وحدت کا بنیادی اُصول ہے لہٰذا اسلامی معاشرے کی من حیث الکل زندگی، افراد معاشرہ کی نجی زندگی اور اقتصادی زندگی بھی اللہ کی براہ راست قانون سازی اور نگرانی کی طاقت اور اختیار کے ماتحت ہے۔''

اسلام میں تمام قوانین اور اُصولوں کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے۔ ''اسلامی قانون کی تاریخ'' کا مصنف رقم طراز ہے:

The system of government, in an Islamic State, is known as "government in accordance with the revealed law." (N. J. Coulson, A History of Islamic Law, p.129)

''اسلامی ریاست میں نظام حکومت سے مراد وحی سے حاصل ہونے والے قوانین کے مطابق حکومت کرنا ہے۔''

اس طرح اسلامی ریاست کی تشکیل ایک بامقصد عمل قرار پاتی ہے۔ ''اسلام عصر جدید میں'' کا مصنف لکھتا ہے:

The purpose of setting an Islamic State is to enable Muslims to take up the task of implementing their faith also in the political realm. (W.C. Smith, Islam in Modern History, p-215.)

''اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنے عقیدے کو سیاسی اقتدار میں بھی نافذ کر سکیں۔''

### (ا) دستور میں اقتدارِ اعلیٰ کی اہمیت

ریاست نبوی ﷺ میں حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ کا منصب اللہ کے لیے خاص ہے جس تصور حاکمیت کی وضاحت آپ ﷺ اپنی مکی زندگی میں فرماتے رہے۔ اس کی عملی تعبیر اس وقت سامنے آئی جب رسول اللہ ﷺ نے اسی تصور حاکمیت کی بنیاد پر مدینہ میں ایک ریاست قائم کی اور تمام اُمور ریاست کو ''خلیفۃ اللہ'' کی حیثیت سے انجام دیا۔ حاکمیت الٰہی کا یہی وہ بنیادی اُصول ہے جس نے اس ریاست کو دُنیا کی دوسری ریاستوں میں انفرادیت عطا کی اور اس کے نظام کو ایک خاص طریقے پر استوار کیا۔ حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ کے اہم مسئلہ کو ریاست نبوی ﷺ میں اللہ کے ساتھ مخصوص کر کے جس آسانی کے ساتھ حل کر دیا گیا وہ انتہائی حیرت انگیز ہے۔ یہ کارنامہ اُس ماحول اور اُس ملک میں انجام دیا گیا جہاں مرکزیت کا تاریخ کے کسی دور میں پتا نہیں چلتا۔ اس کے برعکس حاکمیت واقتدار اعلیٰ کا یہی مسئلہ تاریخ عالم خصوصاً تاریخ یورپ میں ہمیشہ ایک نہ حل ہونے والا عقدۂ بنا رہا۔ حاکمیت

الٰہی کا وہ اُصول جو ریاست نبوی ﷺ کا سنگ بنیاد ہے ریاست نبوی ﷺ کے تمام اداروں کا جامع اور اُنھیں باہم مربوط کرنے والا ہے، درحقیقت اپنی تمام جزئیات وتفصیلات کے ساتھ ایک مکمل اور جامع نظریہ ہے۔ چنانچہ پروفیسر گبیل کا یہ کہنا درست ہے:

''حاکمیت کے اُصول کا براہِ راست نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حاکم اعلیٰ کے جتنے محکوم ہوتے ہیں ان میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں رہتا، اس لیے وہ سب ایک ہی قانون کے پابند ہوتے ہیں۔''

پھر آگے لکھتے ہیں:

''اسلام نے انتہائی مرکزیت کا پرچار کیا اور سب سے بڑا مرکز ایک خدا کو قرار دے کر اسی کو ملک یعنی تمام اقتدار کا سرچشمہ بنایا۔ اسی لیے جتنی مساوات اسلام میں پائی جاتی ہیں اس سے زیادہ مساوات مشکل ہی سے کسی دوسرے سلسلے میں نظر آئے گی۔''

## (۲) اللہ تعالیٰ کی سیاسی وقانونی حاکمیت

اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت جس طرح کائناتی ہے اِسی طرح سیاسی، آئینی وقانونی، اخلاقی واعتقادی اور فطری وحقیقی بھی ہے بلکہ قرآن کی رُو سے اگر کوئی اللہ کی سیاسی وقانونی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا تو اس کا محض اللہ کی فطری وکائناتی حاکمیت کو مان لینا بے فائدہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''یہی اللہ تمھارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے پھر تم کدھر پھرے جا رہے ہو؟'' (الزمر: 6)

اسی طرح سورۃ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (الاعراف: 54)

ترجمہ: ''اللہ محض خالق ہی نہیں آمر اور حاکم بھی ہے۔''

علاوہ ازیں کائنات کو تخلیق کر کے وہ معطل نہیں ہو گیا بلکہ اس پر حکمرانی کر رہا ہے اور اس کا انتظام وانصرام پورے تدبر وحکمت سے کر رہا ہے۔ حاکمیت اس کے سوا کسی کی نہیں۔ حلال وحرام کرنے کا کلی اختیار یعنی قانون سازی کا حق صرف اسی کے لیے خاص ہے۔ وہ جس طرح ''رب العالمین'' اور ''رب الناس'' ہے اسی طرح ''ملک الناس'' (انسانوں کا بادشاہ) بھی ہے۔ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ وہ حاکم مطلق ہے اسے پورا اختیار ہے کہ جو چاہے حکم دے۔ وہ کائنات کے تمام حاکموں کا حاکم اور سب سے بڑا حاکم ہے۔ اس کا نہ کوئی مماثل ہے نہ ہم سر، نہ اس کی ذات وصفات میں، نہ اختیارات اور حقوق میں، کوئی دوسرا حصہ دار ہے۔ یہی وہ عقیدہ تھا جس نے فراموش کار دُنیا کو ایک نئے معاشرہ اور نئے نظریہ ریاست سے آگاہ کیا اور دُنیا میں خدائے واحد کو فرماں روائے مطلق ماننے کی طرح ڈالی، یہی وہ خیال تھا جس نے ایک ایسی خدا ترس قوم کی تشکیل کی جس کا ہر فرد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا علم بردار تھا اور ایک کلمہ کی بنا پر باہم بھائی بن گئے۔

## (۳) دستور میں شوریٰ کی اہمیت

اسلامی ریاستی ڈھانچے میں مجلس مشاورت نہایت اہم ہے۔ یہ مجلس ایسے افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو مسلمانوں کی رائے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس مجلس کی طرف خلیفہ مشورے کے لیے رجوع کرتا ہے اور مجلس کے افراد حکمرانوں کے محاسبے میں اُمت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مجلسِ مشاورت کو رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے اخذ کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے معاملات سے متعلق مشورے کے لیے انصار اور مہاجرین میں سے چودہ نقبا (سرداروں) کو نامزد کیا۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مہاجرین اور انصار میں سے کچھ لوگوں کو مخصوص کیا اور جب بھی کوئی واقعہ رونما ہوتا تو آپؓ مشورے کے لیے اُن کی طرف رجوع کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں شوریٰ کے ارکان علما اور مفتیان کرام تھے۔ ابنِ سعدؒ نے روایت کیا کہ

جب بھی کوئی واقعہ پیش آتا اور حضرت ابوبکرؓ اہل الرائے اور اہل فقہ سے مشورہ کرنا چاہتے تو آپ مہاجرین اور انصار میں سے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو بلاتے۔ یہ سب لوگ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں رائے دیا کرتے تھے۔ لوگ بھی اِن سے فتاویٰ طلب کیا کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو آپ بھی اِن لوگوں سے مشاورت کیا کرتے تھے جبکہ آپؓ کے عہد میں حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ فتویٰ دیا کرتے تھے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک مخصوص مجلس جو حکمرانوں کے احتساب اور شوریٰ میں اُمت کی نمائندگی کرتی ہو، کا قیام جائز ہے۔ یہ بات قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے۔ اسے مجلس مشاورت یا مجلس اُمت کہا جاتا ہے کیونکہ یہ محاسبے اور مشورے میں اُمت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ریاست کے غیر مسلم باشندوں کے لیے بھی مجلس مشاورت کا رُکن بننا جائز ہے تاکہ وہ اپنے اوپر اسلام کے غلط نفاذ یا کسی حکمران کے ظلم کی شکایت کرسکیں۔

### (i) شوریٰ کا حق

مشورہ دینا تمام مسلمانوں کا حق ہے اور خلیفہ کو چاہیے کہ وہ ایسے تمام معاملات میں جن میں مشورے کی ضرورت ہوتی ہے، مسلمانوں سے مشورہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (آل عمران: 159)

ترجمہ: ''اور ان سے معاملے میں مشورہ کرو اور جب تم فیصلہ کرو تو پھر اللہ پر بھروسا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف مشاورت کے لیے رجوع کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے غزوۂ بدر کے موقع پر جنگ کے لیے جگہ کے انتخاب میں مشورہ کیا نیز آپ ﷺ نے اُن سے غزوۂ اُحد کے موقع پر بھی مشورہ کیا کہ آیا مدینہ کے اندر رہ کر لڑا جائے یا باہر جا کر مشرکینِ مکہ کا مقابلہ کیا جائے۔ اُحد کے موقع پر آپ ﷺ نے اکثریت کی رائے کو قبول کیا۔ اگرچہ آپ ﷺ کی اپنی رائے اس سے مختلف تھی۔ اسی طرح حضرت بلال بن رباحؓ، حضرت زبیرؓ اور دیگر لوگوں نے حضرت عمرؓ کے اس مؤقف سے اختلاف کیا کہ عراق کی سرزمین کو جنگ میں شامل لوگوں کے درمیان تقسیم نہ کیا جائے۔ ایک عورت نے بھی ایک موقع حضرت عمرؓ کے فیصلے کی مخالفت کی جب آپؓ نے مہر کی حد مقدار 400 درہم کرنے کا فیصلہ کیا، تب اُس عورت نے حضرت عمرؓ سے کہا ''اے عمرؓ آپ کو یہ اختیار حاصل نہیں، کیا آپؓ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ

وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا (النساء: 20)

ترجمہ: ''اگر تم نے اُنھیں ایک قنطار (کافی زیادہ مقدار میں) مہر بھی دیا ہو تو بھی اُس میں سے کچھ واپس مت لو۔''

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا ''عورت صحیح ہے اور عمرؓ غلط ہے۔''

### (ii) شوریٰ سے متعلق حکم

لفظ شوریٰ فعل شَاوَرَ کا مصدر ہے۔ اس کے معنی ہیں جس سے مشورہ کیا جائے، اُس کی رائے معلوم کرنا۔ جب کہا جاتا ہے استشارہ تو اس کا مطلب ہے، ایک شخص کا کسی سے مشورہ طلب کرنا۔ شوریٰ کے شرعی ہونے کی بنیاد وہ حکم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مومنین سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ (آل عمران: 159)

ترجمہ: ''اور معاملے میں اِن سے مشورہ کرو۔''

- اللہ تعالیٰ نے مومنین کے باہم مشورے کو تعریفی انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: 38)

ترجمہ: ''اور ان کا معاملہ باہم مشورے سے ہوتا ہے۔''

- رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ معاملات میں کثرت سے مشورہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا کثرت سے مشاورت کرنا اور اس کا بطور خاص اہتمام کرنا اس کی اہمیت کا بین ثبوت ہے۔ نیز اس کا مقصد مسلمانوں کو اس بات کی تعلیم دینا بھی تھا کہ وہ آپ ﷺ کے بعد بھی مشورے کا اہتمام کریں۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں:

ما رأيت أحداً أكثر مشورة لأصحابه من رسول الله ﷺ. (سنن ترمذی)

ترجمہ: ''میں نے کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتا ہو۔''

- اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو مومنین سے مشاورت کا حکم اُس موقع پر آیا جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مومنین کے ساتھ نرمی برتنے، اُن سے عفو و درگزر کرنے اور اُن کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اللہ کی رحمت کے باعث آپ (ﷺ) اُن کے لیے نرم دل ہیں اور اگر آپ (ﷺ) بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ (ﷺ) سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ پس آپ اِن سے درگزر کیا کریں اور اِن کے لیے مغفرت طلب کیا کریں اور معاملات میں اِن سے مشورہ کیا کریں۔'' (آل عمران: 159)

### (iii) مجلس مشاورت کے اختیارات

- خلیفہ پر لازم ہے کہ وہ مجلس مشاورت سے مشورہ کرے اور مجلس مشاورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حکومت، تعلیم، صحت، اقتصادیات، تجارت، صنعت، زراعت وغیرہ سے متعلقہ عملی اُمور اور اقدامات میں اپنی رائے کا اظہار کرے اور اِن معاملات میں مجلس مشاورت کی اجتماعی رائے پر عمل کرنا خلیفہ پر لازم ہے۔
- وہ فکری امور جن کے لیے گہری نظر اور جانچ پڑتال کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ مالیاتی اُمور، فوج کے معاملات اور خارجہ پالیسی وغیرہ، ان میں خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مشاورت اور رائے کے حصول کے لیے مجلسِ مشاورت کی طرف رجوع کرے۔
- خلیفہ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ مجلس مشاورت کی طرف اُن احکام و قوانین کو بھیجے جنھیں وہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ مجلس کے مسلمان اراکین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان پر بحث و مباحثہ کریں اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔ تاہم خلیفہ پر اُن کی رائے کو اختیار کرنا لازم نہیں ہوتا۔
- مجلسِ مشاورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ریاست کے تمام تر معاملات پر حکمرانوں کا محاسبہ کرے خواہ اُن کا تعلق داخلی اُمور سے ہو یا خارجی اُمور سے، خواہ مالیاتی اُمور ہوں یا عسکری معاملات۔ اگر کوئی معاملہ ایسا ہو جس پر اکثریتی رائے پر عمل کرنا لازم ہے تو خلیفہ اُس رائے پر عمل کا پابند ہوگا اور اگر یہ معاملہ ہو جس پر اکثریتی رائے کی پابندی لازم نہیں ہوتی تو خلیفہ اُس رائے پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔
- مجلس مشاورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی والی یا عامل پر عدم اطمینان کا اظہار کر سکتی ہے۔ اس میں خلیفہ مجلس کی رائے کا پابند ہوگا اور خلیفہ پر لازم ہوگا کہ وہ اس والی یا عامل کو فوراً برطرف کرے۔
- مجلس مشاورت کے مسلم اراکین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خلافت کے اُمیدواران کی فہرست کی کانٹ چھانٹ کریں۔ اس سلسلے میں مجلس کی رائے پر عمل کرنا لازم ہوگا اور مجلس کے نامزد کردہ اُمیدواران کے علاوہ کسی اور کو اُمیدوار تصور نہیں کیا جائے گا۔

## 4- ریاست کا مرکزی سیکرٹریٹ

- یہ نبی اکرم ﷺ کی حد درجہ دور اندیشی، تدبر اور سیاسی بصیرت تھی کہ آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے بنیادی اُصولوں کے نفاذ کے لیے ایک

مرکز قائم کیا۔ مدینہ میں مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد رکھی گئی۔ یہی مسجد آگے چل کر اسلام میں دین و دُنیا کی وحدت کا استعارہ بن گئی۔ مسجد نبوی ﷺ بیک وقت عبادت گاہ، دارالشوریٰ (پارلیمنٹ ہاؤس) اور مسلمانوں کا مقام اجتماع تھا۔ یہیں معاہدے ہوتے، سفارتیں روانہ کی جاتیں اور وفود کا استقبال کیا جاتا۔ دعوتی خطوط کا دفتر اور عسکری منصوبہ سازی کا مرکز یہیں تھا۔ اسی میں جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری ہوتی۔ اسی میں انفاق فی سبیل اللہ کی اپیل کی جاتی تھی، اموال غنائم بھی اسی جگہ تقسیم کیے جاتے تھے، یہیں نزاعات کے فیصلے ہوتے تھے۔ الغرض مسجد نبوی ﷺ پہلی اسلامی ریاست کا مرکزی سیکرٹریٹ تھا۔ اسی کے ساتھ رضا کار مجاہدین اور حصول علم کے لیے وقف صحابہ کرام کی قیام گاہ صفہ تھی۔ مدینہ پہنچنے کے چھ ماہ کے اندر حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کا پرچم تیار کر کے اسلامی ریاست کے باقاعدہ تشخص کا تعین فرمایا۔ یہ پرچم سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن حارث ؓ کو عطا کیا گیا تھا تا کہ وہ اسے دشمنوں کے مقابلے میں بلند کریں۔ اب اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کی طاقت و اہمیت کو کفار مکہ بھی محسوس کرنے لگے۔

- حضور نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں باجماعت نماز کو لازم قرار دے کر اسے اسلام کی تمام سرگرمیوں کا مرکز بنا دیا۔ اس مرکز میں مسلمانوں کو اُخوت، ہمدردی، تعارف، حریت معاشرتی عدل کی تعلیم دی جاتی تھی یوں مذہبی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی سیاسی حیثیت کو بھی وجود ملا۔ حضور ﷺ نے اپنی تمام تر معاشرتی، اخلاقی، دینی، سیاسی اور عدل و انصاف کی سرگرمیوں کا محور مسجد کو ہی قرار دیا۔ باجماعت نماز کے اہتمام سے مسلمانوں کو نظم و ضبط کا درس دیا۔ اس مرکز نے مسلمانوں کی اخلاقی، دینی، معاشرتی اور عسکری تعلیم و تربیت میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ اسلامی ریاست کے دارالخلافہ مدینہ میں مسجد نبوی اسلامی حکومت کا مرکزی سیکرٹریٹ، پارلیمنٹ، عدالت عالیہ اور عسکری تیاریوں کا مرکز تھی۔

## 5- ریاست کا انتظامی ڈھانچہ

انتظامی ڈھانچے کے اعتبار سے ریاست مدینہ کا تین سطحوں پر قائم تھا:

۱۔ مرکزی سطح　　۲۔ صوبائی سطح　　۳۔ مقامی سطح

مدینہ میں آپ ﷺ سے قبل کوئی نظام موجود نہ تھا' نظام کی بنیاد آپ ﷺ نے ہی رکھی اور اسے ترقی دی۔ آپ ﷺ نے نظام کی بنیاد ان اُصولوں پر رکھی جو جدید تہذیب کی بنیاد بنے مثلاً شہری منصوبہ بندی کے سلسلے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم راستوں کی توسیع کرو تو انہیں سات گز چوڑا رکھو (تا کہ) دو لدے ہوئے جانور بآسانی آمنے سامنے گزر سکیں۔''

- گویا آپ ﷺ نے دو رویہ ٹریفک (Two way Traffic) اور بلدیاتی منتظمہ (Local Administration) کا تصور دیا۔ چند کاتبوں پر مشتمل ایک دفتر (سیکرٹریٹ) بھی قائم کیا گیا۔ ان کاتبوں کے فرائض مختلف تھے۔ کچھ لوگ وحی لکھا کرتے تھے۔ کچھ لوگ زکوٰۃ کے اندراجات کرتے، یعنی رقم کس سے وصول ہوئی اور کس پر خرچ کی گئی۔ جنگوں میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کے بارے میں آپ ﷺ کی واضح ہدایات تھیں۔ اس میں سے سارے فوجیوں کے برابر حصہ دیا جاتا تھا اور پانچواں حصہ حکومت کو ملتا تھا۔ مال غنیمت کے حساب کے لیے بھی خصوصی کاتب مقرر تھے۔ اسی طرح کم و بیش دس بارہ مدّات کے لیے الگ الگ کاتب مقرر کیے گئے تھے۔ ان میں محکمہ خارجہ بھی تھا جہاں بیرونی حکمرانوں اور سرداروں سے رابطہ کے لیے خط و کتابت ہوتی تھی۔

- تنظیمی ڈھانچہ کی درجہ بندی اور محکمہ جات کی تقسیم کا انتظام مثالی نوعیت کا تھا جس میں اقتدار و اختیار کا سرچشمہ حضور نبی اکرم ﷺ تھے۔ سربراہ حکومت کی حیثیت سے آپ ﷺ نے اپنے کچھ اختیارات (Powers) مرکزی، صوبائی اور مقامی حکام کو بھی منتقل (Delegate) کر رکھے تھے۔ تینوں سطحوں کے حکام کی تقرری، تبدیلی اور معزولی کا کلی اختیار آئین کے مطابق آپ ﷺ کے پاس تھا۔ مرکزی انتظامیہ میں مختلف نوعیت کے عہدے داران شامل تھے۔ جب کہ صوبائی انتظامیہ میں گورنرز اور ان کے ماتحت حکام اور عمال شامل تھے۔ مقامی نظام کی سطح پر ریاستی ڈھانچا شیوخ قبائل، مقامی منتظمہ، نقیبانِ شہر مدینہ، عدلیہ اور عمومی افسران پر مشتمل تھا۔

## 6- بلدیاتی نظام

ریاست مدینہ کے لیے مثالی بلدیاتی انتظام کا قیام بھی نبوی حکمت عملی کا حصہ تھا۔شہری تنظیم کے باب میں دورویہ ٹریفک کے اُصولوں کا ذکر پہلے گزر چکا۔دن میں پانچ مرتبہ لوگوں سے رابطے کے لیے موذن کا تقرر کیا گیا۔حضرت بلالؓ ریاست کے واحد موذن نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ نائب موذن کا تقرر بھی کیا گیا تا کہ اگر حضرت بلالؓ موجود نہ ہوں تو اذان کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔شہری صفائی کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔آپ ﷺ نے جہاں صفائی کو نصف ایمان قرار دیا، اس کے لیے عملی اقدامات بھی فرمائے۔آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی صفائی کے لیے اُم محجن نامی ایک حبشن عورت کو مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں چراغ جلانے کے لیے ایک شخص کا تقرر فرمایا جو رضا کارانہ طور پر روزانہ مسجد نبوی میں چراغ جلاتا تھا۔روایت میں ہے:

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا؟''تمیم نے عرض کیا:''میرے اس غلام نے۔''آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:''اس کا کیا نام ہے؟''اس نے عرض کیا فتح۔اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:''اس کا نام سراج (چراغ) ہے۔''

اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''گویا ریاستی سطح پر صفائی اور عوامی مقامات پر روشنی (Street Lights) کے منظم انتظام کی طرف پہلا قدم تھا۔ان تمام انتظامات کو مرکزی نظام سے منسلک کرنے اور باہمی روابط کار کے لیے مسجد نبوی میں مرکزی سیکرٹریٹ بھی قائم تھا۔جہاں ان تمام انتظامات کے ریکارڈ کے علاوہ بیرونی قبائل اور حکمرانوں سے روابط، خطوط لکھنے اور معاہدات تحریر کرنے کا کام بھی ہوتا تھا۔حضرت عمرو بن حزمؓ نے ان خطوط کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا۔یہیں سے دوسرے ممالک کو ریاست مدینہ کے سفیر بھیجے جاتے تھے۔حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ کو مسلمان ہونے سے قبل اس منصب جلیلہ پر فائز کیا گیا تھا۔اور آپ نجاشی حبشہ کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کا پیغام لے کر گئے تھے کیونکہ آپ پہلے حبشہ کا سفر کر چکے تھے اور وہاں کے حالات سے باخبر تھے۔اس سے ریاست مدینہ کی ریاستی پالیسی کی رُوح اور مزاج بھی سامنے آتا ہے۔'' (عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

## 7- نشریاتی ترجمان

ابتدائے اسلام کے عرب معاشرے میں شعر و خطابت کو ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا کیونکہ یہ ابلاغ کے طاقت ور اور مؤثر ترین ذرائع تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی سبب سے شعرا و خطبا کی صلاحیتوں کو اسلام اور ریاست کے مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال فرمایا۔خطابت تو خود جناب رسول ﷺ کی ایک ذاتی صفت تھی تاہم ایک موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ثابت بن قیسؓ کو بھی یہ فریضہ سونپا۔آپ ﷺ کے مستقل شعرا حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تھے۔یہ تینوں مدنی اور صاحب طرز شاعر تھے۔

## 8- محافظین

ریاست مدینہ میں موجود حالات کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ کی ذاتی حفاظت کے لیے بھی کئی صحابہ کرام کی تقرری کی گئی تھی:

- حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ غزوۂ اُحد میں حضور نبی اکرم ﷺ کے مکان پر محافظ دستے کے افسر کے طور پر مقرر تھے۔
- حضرت محمد بن مسلمہؓ غزوۂ اُحد میں پچاس سپاہیوں کے دستہ کے افسر متعین تھے۔
- حضور اکرم ﷺ نے سیکورٹی کے اِنتظامات کو بہتر بنانے کے لیے جاسوسی کا نظام بھی قائم فرمایا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ذاتی حفاظت کے علاوہ دشمن اور اس کے لشکر کے رازوں اور ان کے معاملات سے آگاہی بھی ہوتی رہے۔ایسے بہت سے صحابہ کرام تھے جنھیں آپ ﷺ نے جاسوسی (Intelligence) کے فرائض سونپ رکھے تھے۔اسی طرح سیکورٹی کے لیے آپ ﷺ نے گشتی دستے بھی تشکیل دیے۔

○ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کی حفاظتی خدمت کے حوالے سے کتنے زیادہ محتاط و باخبر تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ غزوۂ بدر میں آپ ﷺ کی قیام گاہ کے باہر حفاظتی دستہ پہرہ دے رہا تھا۔ مسلسل جاگتے رہنے سے آپ ﷺ کو اونگھ آ گئی۔ آپ ﷺ جب آرام فرمانے لگے تو ڈیوٹی پر موجود حفاظتی دستے کے بارے میں اطمینان محسوس نہ کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ خود بے نیام تلوار لے کر آئے اور پہرے دار بن کر کھڑے ہو گئے اور سکیورٹی کی ڈیوٹی انجام دی۔ اُن کے ساتھ سکیورٹی گارڈز میں حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت زبیر بن عوفؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت ابوایوبؓ بھی تھے۔

## 9- سرکاری ملازمت کی اہلیت

اسلامی ریاستی ڈھانچے میں ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ کون سرکاری ملازمت کی اہلیت رکھتا ہے اور کون نہیں؟ اس حوالے سے واضح رہے کہ کوئی بھی شخص، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا غیر مسلم، جو ریاست کی شہریت رکھتا ہو اور متعلقہ کام کو سرانجام دینے کی قابلیت رکھتا ہو، اِس بات کا اہل ہے کہ اُسے کسی بھی ادارے کا منتظم یا ملازم مقرر کیا جائے۔ اس بات کو اجارہ (ملازمت) سے متعلق احکامات سے اخذ کیا گیا ہے۔ شرع میں کسی بھی شخص کو اُجرت پر رکھنا جائز ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، کیونکہ اُجرت کی دلیل عام انداز میں وارد ہوئی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''پس اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو تم اُنھیں اُن کی اجرت دو۔'' (الطلاق:6)

یہ ایک عام دلیل ہے یعنی دودھ پلانے والی عورت چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگوں سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا۔
ایک وہ شخص جو کسی مزدور کو اُجرت پر رکھے، اُس سے کام لے لیکن اُسے اُس کی اُجرت نہ دے۔'' (بخاری)

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''یہ دلیل بھی عام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود ایک مرتبہ ایک شخص کو اُجرت پر رکھا جو کافر تھا۔ آپ ﷺ کا یہ عمل غیر مسلم کو اُجرت پر رکھنے کے حوالے سے دلیل ہے۔ اسی طرح ایک عورت کو ملازم رکھنا بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح کسی مرد کو ملازم رکھنا، کیونکہ اجارہ کی دلیل عام ہے۔ لہٰذا کسی عورت کو حکومتی ادارے کا منتظم یا ملازم مقرر کرنا جائز ہے اور کسی کافر کو کسی حکومتی ادارے کا منتظم یا ملازم مقرر کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ اُجرتی (تنخواہ دار) عملہ ہے اور اجارہ کی دلیل عام ہے۔ جہاں تک سرکاری ملازمت کے لیے ریاست کی شہریت کی شرط کا تعلق ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ ریاست کے باشندوں پر ریاستی قوانین کا اطلاق ہوتا ہے جب کہ ان قوانین کا اطلاق اُن لوگوں پر نہیں ہوتا جن کے پاس ریاست کی شہریت نہ ہو یعنی جو دارالاسلام میں سکونت پذیر نہ ہوں اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔'' (عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی)

## 10- خلاصۂ بحث

غرضیکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفا نے دُنیا کے سامنے جہاں پر اپنی دیگر صلاحیتوں کا لوہا منوایا' وہاں پر انتظامی حوالے سے بھی واضح راہنمائی فراہم کی۔ اب تاریخ 14 سو سال کا سفر طے کر چکی ہے اور دُنیا میں انتظامی حوالے سے کئی ادارے بن چکے ہیں، بہت سارا لٹریچر بھی آ چکا ہے، لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انتظامی ڈھانچے کے حوالے سے بھی مسلمانوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں، جو نہ صرف اپنے عہد کے لیے راہنمائی کا ذریعہ تھیں بلکہ آج بھی نمونہ عمل ہیں۔

# (الف) خلفائے راشدین کا طرزِ حکمرانی

## تعارف

1- تعارف
2- منتخب خلیفہ
3- منتخب مجلس شوریٰ کا وجود
4- بیت المال کا درست استعمال
5- قرآن وسنت کے مطابق حکومت
6- قانون کی حاکمیت
7- شورائی/جمہوری روح
8- فلاحی ریاست
9- اشاعتِ دین کا اہتمام
10- انسانی حقوق کا احترام
11- عوامی حکمرانی
12- عصبیتوں سے پاک حکومت
13- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

خلافت راشدہ کا مرکزی ڈھانچا خلیفہ، شوریٰ اور کاتب پر مشتمل تھا۔ حکومت کا سربراہ خلیفہ تھا۔ وہ وسیع اختیارات کا مالک تھا لیکن قرآن اور سنت رسول ﷺ کے خلاف فیصلے کرنے کا مجاز نہ تھا۔ وہ شوریٰ کے فیصلوں کا بھی پابند تھا اور اکثر معاملات شوریٰ کے مشورے ہی سے طے کرتا تھا۔ اس کے فرائض میں امن وامان کا قیام، ریاست کا دفاع، نظامِ عدل کو برقرار رکھنا اور اشاعت دین کے لیے اقدامات شامل تھے۔ وہ گورنرز اور ججز کا تقرر کرتا تھا اور دینی سربراہ کی حیثیت سے جمعہ کا خطبہ بھی دیتا تھا۔ اس خطبہ میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی یاد دہانی بھی کروائی جاتی تھی اور تازہ ترین ملکی صورت حال پر اظہار خیال بھی ہوتا تھا۔ خلافت راشدہ میں شوریٰ مہاجرینؓ وانصارؓ میں سے چیدہ چیدہ اصحابؓ پر مشتمل تھی۔ تاہم مدینہ میں موجود قبائلی شیوخ بھی مشورہ میں شامل ہوتے تھے۔ خلافت راشدہ اس دور کو کہتے ہیں جس میں خلافت ان اُصولوں میں قائم رہی جو اسلام نے دیے تھے۔ اسلام کا نظام حکمرانی اس میں موجود رہا اور خلیفہ نے نہایت خلوص واخلاص کے ساتھ ان مقاصد کے لیے کام کیا جو اسلامی حکومت کے مقاصد قرار دیے تھے۔ خلافتِ راشدہ میں طرزِ حکمرانی کو ذیل کے نکات میں زیر بحث لایا جاتا ہے:

## 2- منتخب خلیفہ

خلافتِ راشدہ میں خلیفہ کے انتخاب کے لیے سرکاری دباؤ نہیں ڈالا جاتا تھا اور کسی شخص کو خلیفہ بنانے کے لیے تلواریں بے نیام نہیں ہوتی تھیں بلکہ عوام اپنی رضا اور غبت سے کسی شخص پر اعتماد کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کی تجویز انصار کے اجتماع میں پیش ہوئی اور مسجد نبوی ﷺ میں سبھی لوگوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت عمرؓ کا نام حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہؓ کے مشورہ سے تجویز کیا اور عام لوگوں سے اس انتخاب کی توثیق کرائی۔ حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے لیے ایک چھ رُکنی کمیٹی بنائی گئی۔ اس کے فیصلے کو عوام نے تسلیم کیا۔ حضرت علیؓ کے پاس جا کر صحابہؓ نے مجبور کیا تو انھوں نے عوام سے پوچھ کر خلافت سنبھالی۔ خلفائے راشدین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو عوام کی منشا کے خلاف کرسیٔ خلافت پر متمکن ہوا ہو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے خلافتِ راشدہ اور بادشاہت میں فرق اس طرح واضح فرمایا:

''خلافت وہ ہے جسے قائم کرنے میں مشورہ کیا گیا ہو اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔''

## 3- منتخب مجلس شوریٰ کا وجود

خلافت، شوریٰ کے بغیر جائز نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک نے ہدایت فرمائی ہے کہ مومنین کے مسائل باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ خود حضور ﷺ کے زمانے میں معزز صحابہ کرامؓ سے امور ریاست کے بارے میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے تمام اہم معاملات پر شوریٰ سے فیصلہ کروایا۔ اہل شوریٰ کو اپنی بات پوری آزادی کے ساتھ کرنے کا حق حاصل ہوتا تھا۔ شوریٰ خلیفہ کی ذات پر بھی تنقید کر سکتی تھی اور عملاً اگر شوریٰ خلیفہ سے اختلاف کرتی اور خلیفہ کے پاس کوئی صریح نص (قرآن وسنت سے ملنے والی واضح ہدایت) موجود نہ ہوتی تو اسے شوریٰ کی رائے کے سامنے جھکنا پڑتا تھا۔

## 4- بیت المال کا درست استعمال

شخصی حکومت میں ''بیت المال'' حکمران کا مال ہوتا ہے لیکن خلافت راشدہ کا نظام بیت المال کو عوام کی امانت قرار دیتا ہے۔ خلیفہ کا حق اس میں صرف اتنا تھا جتنا ایک یتیم کے وارث کو یتیم کے مال پر ہوسکتا ہے۔ خلیفہ صرف گزارہ الاؤنس لینے کا مجاز تھا اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس کا کوئی ذریعہ آمدن نہ ہو۔ حضرت ابوبکرؓ نے بحیثیت خلیفہ جو رقم بیت المال سے لی تھی وفات کے وقت وصیت کی کہ میرے ترکے میں سے یہ رقم بیت المال میں دوبارہ

جمع کرادی جائے۔ حضرت عمرؓ بھی محض گزارہ الاؤنس لیتے تھے اور وہ خلیفہ ہونے کے باوجود درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ اتنے مال دار تھے کہ انھیں بیت المال سے کچھ لینے کی کبھی ضرورت پیش نہیں آئی۔ حضرت علیؓ نے ابوبکرؓ وعمرؓ کے مسلک پر عمل کیا اور اسی وجہ سے عمر بھر کوئی خادم میسر نہ آیا۔ بیت المال کے بارے میں خلافت راشدہ اور بادشاہت کے طرزِ عمل کے فرق کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے بھائی عقیل نے جب بیت المال سے کچھ رقم مانگی تو حضرت علیؓ نے جواب دیا:

''کیا تم چاہتے ہو کہ تمھارا بھائی مسلمانوں کا مال تمھیں دے کر جہنم میں جائے۔''

## 5- قرآن وسنت کے مطابق حکومت

خلافت راشدہ کسی شخص کی ذاتی حکومت نہ تھی اور نہ خلیفہ کی صواب دید (Prerogative Will) کا زیادہ دخل حکومت میں ہوتا تھا۔ بلکہ خلیفہ اور اس کے گورنرز کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق مسلمانوں کے معاملات کو چلانا تھا۔ ظالم کے ظلم کو روکنا اور مظلوم کی دادرسی خلیفہ کا فرض منصبی تھا۔ اس مقصد کے لیے خلیفہ اور عوام کے درمیان پردے حائل نہیں ہونے دیے جاتے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ جب درہ لے کر بازاروں میں نکلتے اور لوگوں کے ناپ تول کی پڑتال کرتے تو کوئی شخص ان کی طرف دیکھ کر یہ اندازہ نہ لگا سکتا تھا کہ ایک وسیع وعریض سلطنت کا سربراہ جارہا ہے۔ خلافت کے اس مقصد کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اپنی پہلی تقریر میں واضح کردیا تھا اور حضرت علیؓ نے اپنے عمال کو جو خطوط لکھے ان میں بار بار ان کو اسی چیز کی طرف متوجہ کیا۔

## 6- قانون کی حاکمیت (Rule of Law)

خلافت راشدہ میں قانون کی حاکمیت کا تصور مکمل طور پر پایا جاتا تھا۔ قانون کی نظر میں سب مساوی تھے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ نیز عدلیہ خودمختار، دیانت دار اور عاملہ (Executive) کے کنٹرول سے آزاد تھی۔ مثلاً ذمی کے قتل کے عوض مسلمان قاتل کو قتل ہی کی سزا ملتی تھی۔ خلیفہ وقت اور کسی غیر مسلم کے درمیان بھی اگر کوئی جھگڑا پیدا ہوجاتا تو خلیفہ کو عدالت میں حاضر ہو کر فریق مخالف کے ساتھ قاضی کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا۔ حضرت علیؓ نے جب وہ خلیفہ تھے اپنی زرہ حاصل کرنے کے لیے عدالت میں استغاثہ دائر کیا تو نصرانی کے ساتھ عدالت میں حاضر ہوئے اور کافی ثبوت مہیا نہ کرسکنے کی وجہ سے آپؓ کا استغاثہ خارج کردیا گیا۔ آج کی مہذب وجمہوری دُنیا میں بھی قانون کی حاکمیت کا تصور اس حد تک مکمل نہیں ہے کہ خود سربراہ ریاست کو بھی عدالت میں طلب کیا جاسکے۔

## 7- شورائی/جمہوری روح

خلافت راشدہ میں عوام کو خلیفہ کے ہر کام میں تنقید کا حق حاصل تھا۔ وہ اسے مشورے دے سکتے تھے، اس سے سوالات پوچھ سکتے تھے اور اسے غلط کام سے روک سکتے تھے۔ خلیفہ عوام سے الگ تھلگ نہیں رہتا تھا بلکہ پانچوں وقت مسجد میں ان کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ اس کے مکان پر کوئی دربان نہیں ہوتا تھا۔ وہ عام لوگوں کے اندر گھومتا پھرتا تھا اس لیے ہر شخص کسی وقت بھی اس سے اپنی بات کہنے کا مجاز تھا۔ خلفا خود اپیل کرتے تھے کہ انھیں غلطی سے روکا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پہلی تقریر میں فرمایا تھا کہ اگر میں ٹھیک کام کروں تو میرا ساتھ دو، اگر غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کردو۔ حضرت عمرؓ کو کئی مرتبہ تنقید کے نتیجے کے طور پر اپنی رائے بدلنا پڑی۔ حضرت عثمانؓ نے عمر بھر لوگوں کی تنقیدیں سنیں اور جان دے دی لیکن لوگوں کے حقوق غصب نہیں کیے۔ حضرت علیؓ نے خوارج تک کو اظہار رائے کی آزادی دی۔ اس لحاظ سے خلافت راشدہ میں عوام کو زیادہ جمہوری حقوق حاصل تھے جو کہ موجودہ جمہوریتوں میں حاصل ہوتے ہیں۔

## 8- فلاحی ریاست

خلافت راشدہ کے دور میں حکومت کا مقصد عوام کی فلاح و بہبود تھا۔خلیفہ کا فرض تھا کہ وہ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرے۔حضرت عمرؓ فاروق نے فرمایا تھا:

''اگر دریائے دجلہ کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر جائے تو اس کی ذمہ داری بھی سربراہ ریاست پر ہوگی۔''

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ کسی ریاست نے عوام کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔جیسا کہ ایس۔اے۔حسین نے لکھا ہے:

"This is the first instance in the history of the world where the government took the responsibility of feeding and clothing the entire population of the state.(S.A. Hussain, Arab Administration p62)."

وہ رات کو رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے چکر لگاتے۔ضرورت مند کو اناج پہنچاتے،مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرنے کی کوشش کرتے۔حضرت عثمانؓ غنی کے عہد میں دولت کی فراوانی کی وجہ سے زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔حکومت آمدورفت کو بہتر بنانے کے لیے راستے بنواتی، پانی مہیا کرنے کے لیے نہروں کا اہتمام کرتی،زراعت کی ترقی کے لیے اقدامات کرتی،تجارت کے فروغ کے لیے ضابطے بناتی،تعلیم کے فروغ کے لیے اقدامات کیے جاتے،غرضیکہ عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لیے ہر قسم کی کوششیں کی جاتیں۔

## 9- اشاعت دین کا اہتمام

خلافت راشدہ میں دین کی اشاعت کو حکومت کے مقاصد میں اوّلیت حاصل تھی۔مساجد کا قیام،مؤذنوں کا تقرر،اُن کی تنخواہیں مقرر کرنا اور عوام کی دینی تعلیم کا بندوبست اِسی سلسلے کے اقدامات تھے۔

## 10- انسانی حقوق کا احترام

خلافت راشدہ ایک دستوری حکومت تھی۔عام لوگوں،قبائل اور اقلیتوں کے حقوق کے سلسلے میں میثاق مدینہ میں جو بنیادیں فراہم کی گئی تھیں، خلاف راشدہ میں برقرار رہیں۔غیر مسلموں کو''ذمی'' قرار دے کر ان کے حقوق کا باقاعدہ اعلان کیا گیا اور ان کو سماجی،معاشی اور مذہبی آزادی دی گئی۔ مسلم عوام کے حقوق کا بھی تحفظ کیا گیا۔جب حضرت عمرو بن العاصؓ نے کسی شخص کو ناحق سزا دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا''عمرو!تم نے ان کو کب سے غلام بنایا ہے۔ان کی ماؤں نے انھیں آزاد جنا تھا''۔حقوق انسانی میں ایک اہم حق اظہار رائے کی آزادی کا بھی ہے جس کا احترام خلفائے راشدین کیا کرتے تھے۔اسی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش کی اور خوارج نے حضرت علیؓ کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائی۔خلافت راشدہ کے بعد کے ادوار میں حکومت کے خلاف اظہار رائے کی اتنی آزادی نہ تھی۔

## 11- عوامی حکمرانی

ساتویں صدی عیسوی میں انتخاب کا اس طرح کا نظام تو نافذ نہیں کیا جاسکتا تھا جو آج کل ہے اور نہ ہی لوگ اپنے خلاف رائے کو برداشت کرنے کے سلسلے میں اتنے تنگ نظر تھے کہ''خفیہ بیلٹ'' کی ضرورت پیش آئے تاہم خلافت راشدہ میں جمہوریت کی روح موجود تھی۔یعنی خلیفہ عوام کی مرضی معلوم کر کے بنایا جاتا تھا۔بلکہ گورنروں کا تقرر بھی عوام کی رائے سے ہوتا تھا۔اگر عوام کسی گورنر کی شکایت کرتے تو اسے معزول کر دیا جاتا تھا۔

بعض اوقات عوام کو پیغام بھیجا جاتا تھا کہ ''عامل'' کے تقرر کے لیے کسی مناسب آدمی کا انتخاب کر کے خلیفہ کو اطلاع دیں اور اس شخص کی تقرری عمل میں آتی تھی۔ ایس۔ اے حسین کے الفاظ میں۔

"Even the ordinary citizen, if so desired, could have a hand in administration of the state. Umar I conscionly intitiated and encouraged democratic methods."

## 12- عصبیتوں سے پاک حکومت

خلافت راشدہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں فیصلے قبائلی عصبیتوں کی بنیاد پر نہیں کیے گئے بلکہ جن لوگوں نے اس عصبیت کو بھڑکانے کی کوشش کی، انھیں ناکامی ہوئی۔ مثلاً بعض انصاری صحابہ نے آپ ﷺ کے وصال کے بعد خلافت کا فیصلہ قبائلی بنیاد پر طے کرنے کی کوشش کی تو عامۃ المسلمین نے حضرت ابوبکرؓ کو خدمات اسلام اور ذاتی بلندی کی بنا پر منتخب کر لیا۔ مسیلمہ کذاب نے اپنی نبوت کو منوانے کے لیے قحطانی قبائل کے تعصب کو بھڑکا دیا لیکن اسے شکست ہوئی اور وہی قحطانی قبائل اسلامی جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔ ابوسفیان نے قبائلی بنیادوں پر حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ کے خلاف بھڑکانا چاہا تو حضرت علیؓ نے سخت جواب دیا۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ انگیزی میں بنو ہاشم کے اکابرین نے حضرت عثمانؓ کے دفاع کی بھرپور کوشش کی۔ حضرت علیؓ کے دور حکومت کو بھی ''ہاشمی'' دور قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو کبھی ناجائز فائدے نہیں پہنچائے۔

## 13- خلاصۂ بحث

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خلفائے راشدین کا طرز حکمرانی بہت مثالی تھا۔ جس کے اندر نہ صرف اپنے عہد کی تمام خوبیاں تھیں بلکہ بعد کے زمانوں کے لیے بھی روشن ہدایات موجود ہیں۔ خلفائے راشدین کے طرزِ حکومت میں بے لاگ احتساب، قانون کی حکمرانی، منتخب شوریٰ، انسانی حقوق، بیت المال کا درست استعمال اور عصبیتوں سے پاک حکومت جیسی بے مثال خوبیاں کسی بھی نظام مملکت میں نافذ کر دی جائیں تو بلاشبہ دوررس اور اُمید افزا نتائج برآمد ہوں گے جن سے انسانی وقار اور عزت میں اضافہ ہوگا۔ بقول اقبال:

ؔ مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے<br>
وہ کیا تھا، زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدق سلمانیؓ

# (ب) خلفائے راشدین کا طرز حکمرانی

## اہم نکات

1- تعارف
2- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرزِ حکمرانی
3- حضرت عمر فاروقؓ کا طرزِ حکمرانی
4- حضرت عثمان غنیؓ کا طرزِ حکمرانی
5- حضرت علی المرتضیٰؓ کا طرزِ حکمرانی
6- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

کسی ملک کا نظام اُسی قدر اہمیت کا حامل ہے جس قدر انسانی جسم میں خون کو اہمیت حاصل ہے۔ نظم مملکت کے بغیر کسی نظام کا چلنا ناممکن ہوتا ہے۔ نظام کے حوالے سے اہم ترین بات یہ ہے کہ چلانے والے کس اہلیت کے حامل ہیں اور اُن کی نیت کیا ہے؟ اس حوالے سے خلفائے راشدینؓ کی ذوات مبارکہ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ نگاہِ رسول ﷺ کے صدقے پوری طرح اہل بھی تھے اور اُن کی نیتیں بھی درست تھیں۔ ذیل میں خلفائے راشدینؓ کے نظامِ مملکت کو اختصار سے بیان کیا جاتا ہے۔

## 2- حضرت ابوبکر صدیقؓ کا طرزِ حکمرانی

حکومت کی تشکیل کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظام کو بہترین اُصولوں پر قائم کرنا، عہدوں کی منصفانہ تقسیم اور عہدہ داروں کا درست انتخاب تھا۔ سیدنا ابوبکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابتدا ہوئی تھی اس لیے اُن کے دائرہ حکومت کو صرف عرب تک محدود سمجھنا چاہیے۔ انھوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کر دیا تھا چنانچہ مدینہ، مکہ، طائف، نجران، حضر موت، بحرین اور دومتہ الجندل علیحدہ علیحدہ صوبے تھے جہاں ایک عامل مقرر ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا البتہ خاص دارالخلافہ میں کم و بیش تمام کاموں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر تھے۔ مثلاً سیدنا ابوعبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے۔

### (ا) عہدہ داروں کے انتخاب (تقرری) کا طریقہ کار

عہدہ داروں کے انتخاب میں سیدنا ابوبکرؓ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کو ترجیح دی جو عہد رسالت مآب ﷺ میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے نیز آپ اُن سے اُنھی مقامات میں کام لیتے جہاں وہ پہلے کام کر چکے ہوتے۔ مثلاً عہد رسالت مآب ﷺ میں مکہ پر سیدنا عتاب بن اسیدؓ، طائف پر سیدنا عثمانؓ بن ابی العاص، صنعا پر سیدنا مہاجر بن اُمیہؓ، حضر موت پر سیدنا زیادؓ اور بحرین پر علاء بن الحضرمیؓ مامور تھے۔ اس لیے خلیفہ اول سیدنا ابوبکرؓ نے بھی اِن مقامات پر انھیں ہی برقرار رکھا۔ سیدنا ابوبکرؓ جب کسی شخص کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اُس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلاست روی و تقویٰ کی نصیحت بھی فرماتے۔ چنانچہ سیدنا عمرو بن العاصؓ اور سیدنا ولید بن عقبہؓ کو قبیلہ قضاعہ پر محصل صدقہ (Zakat collector) بنا کر بھیجا تو اِن الفاظ میں نصیحت فرمائی:

> ''خلوت و جلوت میں خوف الٰہی کا دامن تھام رکھو۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ایسی سبیل اور اُس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو وہ اُس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اُس کے اجر کو دوبالا کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں افراط و تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں دین کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے۔ اس لیے سستی اور غفلت سے بچ کر رہنا۔''

اِسی طرح یزید بن ابوسفیان کو شام کی امارت سپرد فرمائی تو فرمایا:

> ''اے یزید! تمھاری قرابت داریاں ہیں، ہو سکتا ہے کہ تم اُن کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ اور درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور اُن پر کسی کو بلا استحقاق رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، اللہ تعالیٰ اُس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا یہاں تک کہ اُس کو جہنم میں داخل کر دے گا۔''

## 3- حضرت عمر فاروقؓ کا طرزِ حکمرانی

سیدنا عمرؓ نے ملک میں مردم شماری کرائی، اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں، محکمہ قضا کے لیے اُصول وقوانین بنائے، قاضیوں (ججز) کی بہت زیادہ تنخواہیں مقرر کیں تا کہ یہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ سیدنا سلمانؓ، سیدنا ربیعہؓ اور قاضی شریح کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ مقرر تھیں۔ حل طلب مسائل کے لیے شعبہ افتاء قائم کیا۔ سیدنا علیؓ، سیدنا عثمانؓ، سیدنا معاذ بن جبلؓ، سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ اور سیدنا زید بن ثابتؓ اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔

### (۱) محکمہ پولیس

ملک میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے سیدنا عمرؓ نے ''احداث'' یعنی پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ اس کے افسر کا نام 'صاحب الاحداث'' تھا۔ سیدنا ابو ہریرہؓ کو بحرین کا ''صاحب الاحداث'' (Police officer) بنادیا تو اُنھیں خاص طور پر ہدایت کی کہ امن وامان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمات بھی انجام دیں۔ احتساب سے متعلق جو کام ہیں، مثلاً دکان دار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب اعلانیہ نہ بکنے پائے نیز اس طرح کے اور بھی بہت سے اُمور کی نگرانی جن کا تعلق مفاد عامہ اور احترام شریعت سے تھا، کا پورا انتظام تھا اور صاحبان احداث (پولیس افسران) اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ عہد فاروقیؓ سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام ونشان تک نہ تھا، سیدنا عمرؓ نے پہلے مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اُس کو جیل خانہ بنایا۔ پھر دوسرے اضلاع میں بھی جیل خانے بنوائے۔ جلاوطنی کی سزا بھی سیدنا عمرؓ کی ایجاد ہے چنانچہ ابومحجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔

### (۲) بیت المال

خلافت فاروقیؓ سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا بلکہ جو کچھ آتا تھا، اُسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا اور اُس میں مال رکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ چنانچہ اُن کی رحلت کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔ سیدنا عمرؓ نے تقریباً ۱۵ ہجری میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ دارالخلافہ کے علاوہ دیگر تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اُس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اِس محکمہ کے جُداگانہ افسر مقرر ہوئے۔ مثلاً اصفہان میں ''خالد بن حارثؓ'' اور کوفہ میں 'سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ'' خزانہ کے افسر تھے۔ صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد سال کے اختتام پر 'صدر خزانہ'' یعنی مدینہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی۔ بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف ان کی مقدار تین کروڑ درہم تھی۔ بیت المال کے حساب کتاب کے لیے مختلف رجسٹر بنوائے۔ اُس وقت تک عرب میں کسی مستقل سنہ کا رواج نہ تھا، سیدنا عمرؓ نے ۱۶ ہجری میں 'سنہ ہجری'' ایجاد کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی۔

### (۳) انفراسٹرکچر کی تعمیر

اسلام کا دائرۂ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا، اُسی قدر انفراسٹرکچر کی ضرورت بھی بڑھتی گئی۔ سیدنا عمرؓ کے عہد میں اس کے لیے کوئی مستقل محکمہ تو نہیں تھا تاہم صوبہ جات اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع طور پر جاری تھا۔ ہر جگہ حکام کی رہائش کے لیے سرکاری عمارتیں تیار

ہوئیں۔رفاہ عامہ کے لیے سڑکیں، پُل اور مساجد تعمیر کی گئیں۔فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں۔مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے،خزانہ کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارات تیار ہوئیں۔سیدنا عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھےلیکن بیت المال کی عمارات عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے۔مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق ہے اس لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیان راستہ کو سہل اور آرام دہ بنایا جائے۔سیدنا عمرؓ نے 17 ہجری میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرائے۔زراعت کی ترقی کے لیے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں،بعض نہریں ایسی تھیں کہ جن کا تعلق محکمہ زراعت سے نہ تھا۔مثلاً نہر''ابی موسیٰ'' جو محض بصرہ والوں کے لیے میٹھا پانی بہم پہنچانے کے خیال سے دجلہ کو کاٹ کر لائی گئی تھی۔یہ نہر نو میل لمبی تھی۔اسی طرح''نہر معقل'' بھی تعمیر کی گئی۔

## (۴) فتح عراق کے حوالے سے اہم فیصلہ

شام وایران فتح ہوئے تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے امرائے فوج کی جاگیر میں دے دیے جائیں۔سیدنا عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے، اُس پر قبضے کا حق بھی اُنھی کا ہے۔سیدنا بلالؓ کو اس پر بہت اصرار تھا لیکن خود سیدنا عمرؓ کی رائے تھی کہ زمین ریاست کی حکومت اور باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے۔سیدنا علیؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا طلحہؓ بھی سیدنا عمرؓ کے ہم خیال تھے۔غرض مجلس عام میں مسئلہ پیش ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ کی رائے کے حق میں فیصلہ ہوا۔آپؓ نے عراق کی پیمائش کرائی، قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا، عشر و خراج کا نظام قائم کیا۔یہاں یہ بات یاد رہے کہ عشر کا طریقہ نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا۔اِسی طرح شام و مصر میں بھی ٹیکس لگایا لیکن وہاں کا قانون ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا۔تجارت پر 10% ٹیکس نافذ کیا۔اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لیے جاتے تھے، اُن کو دس فیصد ٹیکس دینا پڑتا تھا۔سیدنا عمرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگایا۔اسی طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی۔

## (۵) حضرت عمرؓ کے عہد میں محکمہ ریکارڈ کا قیام

اسلامی تاریخ میں خلیفہ دوم سیدنا عمر بن خطابؓ نے سب سے پہلے دیوان (روزنامچہ) متعارف کرایا۔اِس کی وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ آپؓ نے ایک فوجی مہم روانہ کی۔اس موقع پر''ہرمزان'' وہاں موجود تھا۔اُس نے حضرت عمرؓ سے کہا'' آپ نے اس جنگ میں لوگوں کے درمیان مال تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اگر کوئی شخص نہ پہنچ سکا تو آپؓ کے ساتھی کس طرح اُس کی بابت جان سکیں گے؟ آپ اس کے لیے ایک دیوان کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟'' چنانچہ حضرت عمرؓ نے''ہرمزان'' سے دیوان سے متعلق دریافت کیا اور اُس نے حضرت عمرؓ کو اس سے متعلق بتایا۔ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے دیوان مرتب کرنے سے متعلق مشورہ کیا تو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے یوں مشورہ دیا کہ''ایک سال میں جمع ہونے والے اموال کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیجیے اور اس میں سے کچھ بھی باقی نہ چھوڑیں۔''

## 4- حضرت عثمان غنیؓ کا طرزِ حکمرانی

سیدنا فاروق اعظمؓ نے ملکی نظام کا جو طریقہ کار مرتب کیا تھا، سیدنا عثمانؓ نے اسے اُسی طرح قائم رکھا اور مختلف شعبوں میں جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے، اُن کو مضبوط کر کے مزید ترقی دی۔یہ اسی نظام کا اثر تھا کہ ریونیو میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔سیدنا عمرؓ کے عہد میں مصر کا ٹیکس 20 لاکھ دینار تھا لیکن عہد عثمانیؓ میں اس کی مقدار 40 لاکھ تک پہنچ گئی۔

### (۱) بیت المال

جدید فتوحات کے باعث جب ملکی ٹیکسز میں غیر معمولی ترقی ہوئی تو بیت المال کے مصارف میں بھی اضافہ ہوا چنانچہ اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک ایک سو درہم کا اضافہ ہوا۔ سیدنا عمرؓ رمضان میں اُمہات المومنینؓ کو دو، دو درہم اور عوام کو ایک، ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے۔ اِس کے علاوہ سیدنا عثمانؓ نے لوگوں کا کھانا بھی مقرر کیا۔

### (۲) انفراسٹرکچر کی تعمیر

حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا، اُسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ تمام صوبہ جات میں مختلف دفاتر کے لیے عمارات تیار ہوئیں۔ رفاہ عامہ کے لیے سڑکیں، پل اور مساجد تعمیر کی گئیں۔ مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے۔ پہلے کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا جس سے مسافروں کو سخت دقت ہوتی تھی چنانچہ جب سیدنا عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ نے عقیل اور ابن حبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان مہمان خانہ بنوایا۔

مسجد نبوی (ﷺ) کی تعمیر میں سیدنا عثمانؓ ذوالنورین کا دور سب سے نمایاں ہے۔ عہد نبوی (ﷺ) میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت ناکافی ثابت ہوئی تو اِس کی توسیع کے لیے سیدنا عثمانؓ نے مسجد کے قریب کا قطعۂ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا۔ پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے مسجد نبوی (ﷺ) کی وسیع و عریض اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ 29 ہجری میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کے بعد سیدنا عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت ہی مؤثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف حاضرین کی توجہ دلائی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دے دیے اور آپؓ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کیا۔ تعمیر مسجد کی نگرانی کے لیے تمام عُمّال (عامل کی جمع، گورنرز) کو طلب کیا جب کہ آپؓ بذات خود بھی شب و روز اس میں مصروف رہتے۔ الغرض، دس ماہ کی مسلسل جدو جہد اور محنت کے بعد اینٹ، چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوش نما اور مضبوط مسجد تیار ہوگئی۔ اس کی وسعت میں بھی اضافہ ہوگیا اور طول پچاس گز بڑھ گیا جب کہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔

## 5- حضرت علی المرتضیٰؓ کا طرزِ حکمرانی

سیدنا علیؓ انتظام مملکت میں سیدنا عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے۔ آپ اُس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں (جن کو سیدنا فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلاوطن کر کے نجران میں آباد کرایا تھا) نے نہایت لجاجت سے درخواست کی کہ انھیں پھر سے اپنے وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ سیدنا علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ سیدنا عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہوسکتا ہے؟ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ کے دور تک آتے آتے تقریباً اہم محکمہ جات قائم ہو چکے تھے لیکن پھر بھی آپؓ نے ان محکمہ جات کو جس احسن انداز سے چلایا، یہ بلاشبہ اسلامی تاریخ کا ایک انتہائی روشن باب ہے۔ مگر افسوس! ایک تو خلافت کا وقت کم ملا اور دوسرا باہمی لڑائیاں اتنی بڑھ گئیں اور خوارج نے جا بجا اس قدر شورشیں بپا کیں کہ زیادہ وقت انھی لڑائیوں اور شورشوں کو ختم کرنے میں لگ گیا۔

### (۱) محکمہ ریونیو

سیدنا علیؓ نے ریونیو کے محکمہ میں خاص اصلاحات جاری کیں۔ آپؓ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا مگر آپؓ کے عہد میں جنگلات کو بھی ملکی ٹیکسز میں شامل کیا گیا۔ گو کہ ملکی ٹیکسز وصول کرنے میں آپؓ نہایت سخت تھے لیکن آپؓ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ معذور اور نادار لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی برداشت نہیں کی جاتی تھی۔

## 6- خلاصۂ بحث

درج بالا چاروں خلفا کا طرزِ حکمرانی کسی حد تک واضح کیا گیا ہے۔لیکن ذیل میں کچھ ایسی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے خلفائے راشدین کے طرزِ حکمرانی کو زیادہ احسن انداز میں سمجھا جاسکتا ہے۔خلفائے راشدین کے طرزِ حکمرانی میں وہ خصوصیات درج ذیل ہیں:

| -1 | مالی معاملات میں دیانت داری | -2 | زکوٰۃ وعشر کا جامع نظام | -3 | عوامی فلاح کا مثالی نظام |
|---|---|---|---|---|---|
| -4 | مثالی نظام احتساب | -5 | اجتماعی اجتہاد | -6 | آزاد عدلیہ |
| -7 | قانون کی بالادستی | -8 | میرٹ کا فروغ | -9 | اقربا پروری کی ممانعت |
| -10 | بیت المال کا مثالی نظام | -11 | انسانی حقوق کا احترام | -12 | اشاعت دین کا اہتمام |
| -13 | عصبیتوں سے پاک حکومت | -14 | فلاحی ریاست کا جامع تصور | -15 | قبائلی نظام کا خاتمہ |

ضرورت اِس امر کی ہے کہ پاکستان نے اگر ریاست مدینہ کی طرز پر چلنا ہے تو درج بالا خصوصیات کو ملک کے نظام کا حصہ بنانا ہوگا۔اِس کے بغیر ریاست مدینہ کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔بقولِ اقبال:

ؔ ملت کے ساتھ رابطہ اُستوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے اُمیدِ بہار رکھ

# حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے حکومتی عہدے داروں کے نام خطوط

## (الف) حضرت عمرؓ کے حکومتی عہدے داروں کے نام خطوط

### اہم نکات

1- تعارف
2- حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے نام (حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی پر)
3- بیت المقدس (ایلیا) کا صلح نامہ
4- حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام
5- قیصر روم ہرقل کے نام
6- حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کے نام
7- حضرت مثنی بن حارثہؓ کے نام
8- حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام جنگ قادسیہ کے موقع پر
9- حضرت نعمان بن مقرنؓ کے نام
10- کوفہ کے باشندوں کے نام (حضرت عمار بن یاسرؓ کو گورنر کوفہ بنانے پر)
11- حضرت عتبہ بن فرقدؓ کے نام
12- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام
13- دریائے نیل کے نام

## 1- تعارف

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ اور (السابقون الاولون) میں سے ہیں۔ دونوں خلفائے راشدینؓ کے کئی فضائل احادیث میں منقول ہیں۔ حضرت عمرؓ کے حوالے سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطابؓ ہوتا۔" حضرت علی کے حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا "علی اور میرے درمیان موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) والی نسبت ہے۔" ذیل میں دونوں خلفائے راشدین کے چند خطوط بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں جو اُنھوں نے اپنے اپنے عہد خلافت میں مختلف لوگوں کی طرف بھیجے:

## 2- حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے نام (حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی پر)

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، "عبداللہ امیر المومنین" کی طرف سے ابوعبیدہؓ بن جراح کو سلام علیک۔ میں اُس اللہ کا شکرگزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اُس کے نبی محمد ﷺ پر درود بھیجتا ہوں۔ واضح ہو کہ میں نے تمھیں مسلمانوں کا سالار اعلیٰ مقرر کیا ہے۔ یہ عہدہ لینے سے مت شرماؤ، خدا حق بات سے کبھی نہیں شرماتا۔ تمھیں اُس رب سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں جو ہمیشہ رہے گا اور جس کے سوا ہر شے فانی ہے، جس نے تمھیں کفر کی گمراہی سے نکال کر ایمان کے اُجالے میں لا کھڑا کیا ہے۔ میں نے تمھیں خالدؓ کے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا ہے۔ لشکر اپنی نگرانی میں لے لو اور لشکر کی کمان سے خالدؓ کو الگ کر دو۔"

### (۱) بیت المقدس کی فتح بارے

"میں اُس خدا کا شکرگزار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور اُس کے نبی ﷺ پر درود بھیجتا ہوں۔ تمھارا خط پہنچا جس میں تم نے پوچھا کہ (یرموک کے بعد) کس علاقہ کی طرف توجہ کی جائے؟ اِس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی (حضرت علیؓ) کا مشورہ ہے کہ بیت المقدس پر چڑھائی کی جائے۔ خدا یہ شہر تمھارے ہاتھوں ضرور فتح کرائے گا۔ والسلام!"

## 3- بیت المقدس (ایلیا) کا صلح نامہ

فتح یرموک اور حکومت شام کے متروکہ علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے بیت المقدس کا از سر نو اور ہر بار سے زیادہ سخت محاصرہ کیا۔ شہر کے باشندے جب متوقع مدد کی طرف سے مایوس ہو چکے تو اِس شرط پر جزیہ دینے کو تیار ہو گئے کہ حضرت عمر فاروقؓ خود آ کر جزیہ کی دستاویز پر دستخط ثبت کریں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے یہ شرط مان لی اور حضرت عمر فاروقؓ کو بلایا۔ آپؓ آئے اور یہ صلح نامہ لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے "عمر امیر المومنین" کی طرف سے اہل ایلیا (بیت المقدس) کی جان، مال، عبادت گاہوں، صلیبوں، شہر کے بیماروں، تندرستوں اور ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو امان دی جاتی ہے۔ ان کے کلیساؤں میں نہ تو سکونت اختیار کی جائے گی، نہ انھیں گرایا جائے گا اور نہ ان کے کسی حصہ یا متعلقہ اراضی پر قبضہ کیا جائے گا، نہ ان کی (سونے چاندی کی) صلیبوں یا مال و دولت کا حصہ کم کیا جائے گا۔ انھیں اپنا مذہب بدلنے پر بھی مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ان کے ساتھ ایلیا میں کوئی یہودی رہے گا۔ "اہل ایلیا" پر لازم ہے کہ اتنا جزیہ دیں جتنا شام کے دوسرے شہر ادا کرتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ ایلیا سے بازنطینیوں اور ڈاکوؤں کو نکال باہر کریں، جو بازنطینی نکلیں گے اُن کی جان اور مال بازنطینی حکومت کی عمل داری میں پہنچنے تک محفوظ رہے گی اور جو بازنطینی ٹھہرنا چاہیں انھیں بھی امان ہے بشرطیکہ وہ اہل ایلیا کے برابر جزیہ دینے کو تیار ہوں۔ (ایلیا کے باشندوں میں سے) جو اپنے گرجے اور صلیبیں چھوڑ کر اور اپنا مال و متاع لے کر بازنطینیوں کے ساتھ جانا چاہیں، وہ اور اُن کے گرجے نیز صلیبیں بازنطینی حکومت کی عمل داری میں پہنچنے تک محفوظ رہیں گی۔

ایلیا میں فلاں کے آنے سے پہلے جو کاشت کار موجود تھے، اُن میں سے جو چاہیں اہل ایلیا کے برابر جزیہ دے کر وہاں (ایلیا) رہ سکتے ہیں اور جو چاہیں بازنطینیوں کے ساتھ جاسکتے ہیں اور جو چاہیں اپنے اہل وعیال کے پاس دیہاتوں کو لوٹ جائیں۔ اِن کاشت کاروں سے اگلی فصل کٹنے تک لگان نہیں لیا جائے گا۔ اس دستاویز میں جو وعدہ کیا گیا ہے اُس کے ضامن خدا، رسول ﷺ، خلیفہ اور مسلمان ہیں بشرطیکہ اہل ایلیا مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں۔"

## 4- حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام

حضرت خالد بن ولیدؓ شام کے ایک حمام میں غسل کرنے گئے اور عصفر نامی اُبٹن سے جو شراب میں گوندھا گیا تھا جسم ملوایا۔ اس واقعہ کی حضرت عمر فاروقؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے لکھا:

"مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے شراب سے جسم کی مالش کی حالانکہ خدا نے شراب کو خواہ وہ خالص ہو یا کسی چیز میں ملی ہوئی، حرام قرار دیا ہے۔ خدا نے جس طرح شراب پینے سے منع کیا ہے اُسی طرح اُسے چھونے سے بھی روکا ہے۔ اِلّا یہ کہ دھونے کے لیے اسے چھونا پڑے۔ واضح ہو کہ شراب نجس ہے، اُسے ہاتھ نہ لگاؤ اور اگر (غلطی سے) ایسا کر لیا ہو تو آئندہ نہ کرنا۔"

## 5- قیصر روم ہرقل کے نام

فتح انطاکیہ کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے بازنطینی سرحدوں کی طرف متعدد فوجی دستے بھیجے جنھوں نے بازنطینیوں کو کافی نقصان پہنچایا اور بہت سا مال غنیمت بھی حاصل کیا لیکن اِن کے ایک فوجی افسر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو جو کہ ایک بدری صحابی تھے، بازنطینیوں نے پکڑ لیا۔ خلیفہ کو جب یہ خبر ہوئی تو اُنھوں نے ہرقل (بازنطینی قیصر) کو لکھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حمد ہے اُس خدا کی جو رب العالمین ہے، جس کے نہ بیوی ہے نہ بچہ۔ خدا کی برکتیں ہوں اُس کے نبی اور پیغمبر محمد ﷺ پر۔ عمر بن خطابؓ امیر المومنین کا یہ خط پا کر اُس قیدی کو لوٹا دو جو تمھارے قبضہ میں ہے اور جس کا نام عبداللہ بن حذافہؓ ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اُمید ہے ہدایت پاؤ گے ورنہ میں ایسے بہادروں کی ایک فوج بھیجوں گا جنھیں تجارت یا دُنیا کے دھندے خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔"

## 6- حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کے نام

### (ا) حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان کی وفات پر اور حضرت معاویہؓ کو گورنر شام بنانے پر

حضرت معاویہؓ شروع سے ہی شام کے مورچہ پر تھے اور اپنی محنت نیز معاملہ فہمی کی بدولت برابر ترقی کی منازل طے کرتے چلے جا رہے تھے۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان کی وفات کے وقت وہ قیساریہ فتح کر چکے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اُن کی کارگزاری سے متاثر ہو کر حضرت یزیدؓ کے بعد انھیں افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا تاکہ وہ ساحلی شہر فتح کریں جو ہنوز بازنطینیوں کے قبضہ میں تھے۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے عمرؓ امیر المومنین کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیانؓ کے نام۔ تمھیں معلوم ہو کہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کو سر بلند کیا اور مشرکوں کو خوار کر کے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ پیغمبر ﷺ نے اپنی اُمت سے شام اور دوسرے ملکوں کی فتح کی جو پیش گوئی کی تھی اور جباروں کے خزانوں اور مال ومتاع کے حصول کی جو بشارت دی تھی وہ پوری ہوئی۔ ان فتوحات میں خاص طور پر قیساریہ کو اہمیت حاصل ہے جس کا قلعہ مضبوطی واستحکام میں انفرادی شان کا حامل تھا اور جسے بازنطینی ناقابل تسخیر خیال کرتے تھے۔ اب غزہ اور عسقلان (بندرگاہ) اور متعلقہ بستیوں کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "تم شام میں فتوحات حاصل کرو گے میں تمھیں دو دلھنوں یعنی غزہ

اور عسقلان کی فتح کی بشارت دیتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ وقت دور نہیں جب مسلمان ساحل سمندر پر آباد ہوں گے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب مشرق و مغرب میں خانہ جنگیاں شروع ہو جائیں اور شہروں نیز دیہاتوں میں رہائش دشوار ہو جائے تو تمھیں عسقلان میں آباد ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ ہر چیز کا ایک عمدہ حصہ ہوتا ہے اور شام کا عمدہ شہر عسقلان ہے۔ خط کا مضمون پڑھ کر بلا تاخیر عسقلان پر چڑھائی کر دو اور اُسے نیز اُس کے مضافاتی علاقہ کو بازنطینی اقتدار سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرو۔ اُمید ہے کہ یہ نفیس شہر اور متعلقہ بستیاں خدائے بزرگ تمھارے ہاتھوں فتح کرائے گا۔ عسقلان پہنچ کر ہر روز مقامی حالات اور واقعات سے مجھے مطلع کرتے رہو۔ والسلام!''

## (۲) جزیرۂ قبرص کو فتح کرنے کی اجازت مانگنے پر

''تمھیں معلوم ہو کہ خدا نے اُمت محمد ﷺ کی دیکھ بھال کا بار میرے کندھوں پر رکھا ہے۔ اس بارے میں عہدہ برآ ہونے کے لیے میں خدا کی مدد کا طالب ہوں۔ میں کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا کہ انھیں سمندر کے خطروں میں مبتلا کروں اور کشتیوں پر سوار ہو کر جزیرۂ قبرص پر چڑھائی کی اجازت دوں۔ پھر بھی مزید اطمینان کے لیے میں نے خود اِس معاملہ میں غور وخوض کیا اور اُن لوگوں کی رائے بھی معلوم کی جو سمندر کے حالات سے واقف ہیں اور سمندری سفر کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اُن کی رائے یہ ہے کہ اس خطرناک اقدام سے اجتناب کیا جائے۔ لہٰذا تم قبرص پر چڑھائی کا خیال چھوڑ دو اور پھر کبھی سمندری جہاد کے بارے میں مجھ سے خط وکتابت نہ کرنا۔ والسلام!''

## 7- حضرت مثنّٰیؓ بن حارثہؓ کے نام

جنگ جسر میں حضرت ابوعبیدہ (حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نہیں) نے اپنے ساتھیوں کے مشورہ کے خلاف بے احتیاطی سے کام لیا اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور اس جنگ میں چار ہزار مسلمان کام آئے تو حضرت عمرؓ نے مثنّٰی اور دوسرے فوجی لیڈروں کو لکھا:

''فارسی فوجوں کی زد سے ہٹ جاؤ اور اِن دریاؤں، نہروں اور چشموں کے ساحلوں پر جو تمھارے اور اُن کے علاقہ سے متصل ہوں، مورچے بنالو۔ عیسائی قبائل ربیعہ، مُضر اور اُن کے حلیفوں کے سب بہادروں کو ساتھ لے لو۔ یہ لوگ اگر فوجی خدمت کے لیے بہ رضا و رغبت تیار نہ ہوں تو اُنھیں جلاوطن کر دو۔ عربوں سے کہہ دو کہ خوب سنبھل جائیں اور جس سنجیدگی اور لگن سے فارسی اُٹھے ہیں، اُسی سنجیدگی اور لگن سے وہ بھی مقابلہ کے لیے تیار رہیں۔''

## 8- حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام جنگ قادسیہ کے موقع پر

''اپنی فوجوں کے ساتھ سراف (Name of city) سے فارس (قادسیہ) کی طرف بڑھو۔ خدا پر بھروسا رکھو اور اپنے تمام کاموں میں اُسی سے مدد مانگو۔ دھیان رہے کہ تم ایک ایسی قوم سے لڑنے جا رہے ہو جو تعداد میں تم سے زیادہ ہے، جس کے ہتھیار تم سے بہتر ہیں اور جو بڑی بہادر ہے۔ اور تم ایک ایسے ملک میں داخل ہو رہے ہو جو اگرچہ میدانی ہے پھر بھی دریاؤں، نہروں اور اندھیری راتوں کی وجہ سے یہاں نقل و حرکت دشوار ہے۔ جب دشمن کی فوج یا اُس کا کوئی سپاہی تم سے مقابل ہو تو اُس کے حملہ کا انتظار کیے بغیر اُس پر ٹوٹ پڑو۔ دشمن کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو یا مناظرہ نہ کرو۔ اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن جو چالوں میں بڑا ماہر ہے، کوئی چال چل کر تمھیں زک نہ پہنچا دے۔ اُس کی مادی طاقت تم سے بہت زیادہ ہے اور تم اُسی وقت کامیاب ہو سکتے ہو جب پوری لگن اور ہمت سے اُس کا مقابلہ کرو۔ جب قادسیہ پہنچو جو عہد جاہلیت میں فارس کا دروازہ تھا، جہاں فارسیوں کے لیے عراق میں داخل ہونے والے ہر راستہ سے زیادہ اشیائے ضرورت مہیا ہیں، جو فوجی اعتبار سے مستحکم اور وسائل سے بھرپور بستی ہے، جس کے آگے پُل اور دشوار گزار نہریں ہیں تو تم کو چاہیے کہ قادسیہ آنے والے سب راستوں پر مورچے جمالو اور تمھاری فوج (مغرب میں) صحرائے عرب اور (مشرق میں) آبادی کے درمیان کھلے میدان میں خیمہ زن ہو۔ فوج کو اِس طرح مرتب کر کے تم پامردی سے اپنی جگہ ڈٹے رہو۔ جب دشمن دیکھے گا کہ تم نے (آس پاس کی فوج سے) اُسے پریشان کر دیا ہے تو وہ رسالوں،

پیادوں اور اپنی ساری مسلح طاقت سے تم پر ایک شدید حملہ کرے گا۔ اگر اس حملہ میں تم نے صبر کا دامن تھامے رکھا اور ثواب کی خاطر لڑائی لڑی تو مجھے اُمید ہے کہ تمھیں فتح حاصل ہوگی، دشمن شکست کھا کر پھر کبھی اتنی بڑی تعداد میں مقابلہ نہ کر سکے گا اور اگر کیا بھی تو اُس کے حوصلے پست ہوں گے۔ اور اگر تمھیں شکست ہوئی تو صحرا (عربی علاقہ) تمھارے عقب میں ہوگا اور تم آبادی سے ہٹ کر اپنے صحرائی علاقہ کی طرف پلٹ سکو گے اور چونکہ تم دشمن کی نسبت اس علاقہ سے زیادہ واقف ہو گے اور وہاں پہنچ کر تمھاری ہمتیں بھی بلند ہوں گی، تم پلٹ کر اُس پر حملہ کر دو گے اور خدا تمھیں فتح عطا کرے گا۔''

## 9- حضرت نعمان بن مقرنؓ کے نام

### (۱) جنگ نہاوند کے موقع پر

(جب حضرت عمرؓ حضرت نعمان بن مقرنؓ کو جنگ نہاوند کے موقع پر فوجوں کا سالار کرنے لگے تھے تو اس موقع پر آپ نے ان کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا:)

''واضح ہو کہ اہل کوفہ نے مجھے مطلع کیا ہے کہ فارسی لشکر بہت بڑی تعداد میں اسلام کا چراغ گل کرنے نہاوند میں جمع ہوا ہے۔ مجھے خدا کے فضل سے پوری اُمید ہے کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی۔ میں نے اہلِ کفر و ضلالت کے لیے ایک لشکر تیار کیا ہے اور تمھیں اس کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ یہ خط پا کر تمھیں چاہیے کہ اُن مسلمانوں کے ساتھ (جو چلنے کو تیار ہوں) مدائن کا رخ کرو۔ اور وہاں قصرابیض کے پاس خیمہ زن ہو تا کہ بصرہ اور کوفہ سے جو فوجیں اس مہم کے لیے مقرر کی گئی ہیں، وہ تم سے آملیں۔ جب ساری فوج یک جا ہو جائے تو تم خدا کی مدد اور نظر کرم پر بھروسا کر کے ''نہاوند'' کو روانہ ہو جانا اور وہاں پہنچ کر جنگی کارروائی شروع کر دینا۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ خدا تمھاری مدد کرے گا اور دشمن سرنگوں ہو گا۔ سائب بن اقرع کو تمھارے پاس بھیج رہا ہوں۔ انھیں جو کام سونپا ہے وہ تمھیں زبانی بتائیں گے اور تمھارے ساتھ رہیں گے۔ تم پر لازم ہے کہ خدا کی مدد اور فضل پر بھروسا رکھو اور اُس کے وعدہ کو برحق سمجھو جو اُس نے فارس و شام کی فتح کا ہم سے کیا ہے۔ خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ''ان اللہ لا یخلف المیعاد''۔ جب دشمن سے تمھارا مقابلہ ہو تو تم پامردی سے ڈٹے رہنا اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ خدا صبر کرنے والوں کے حق میں فرماتا ہے کہ انھیں بے اندازہ انعام ملے گا۔ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ۔''

### (۲) تین بہادروں سے صلاح لینے سے متعلق

''تمھاری فوج میں ایسے لوگ ہیں جو عہد جاہلیت میں بڑے سورما اور صاحب اقتدار تھے۔ انھیں ایسے لوگوں پر ترجیح دو جن کی جنگی بصیرت اُن سے کم ہو۔ ان سے مشورہ کرو اور اس کے مطابق عمل کرو۔ طلیحہ، عمرو بن معدیکرب اور عمرو بن ابی سلمی سے جنگی معاملات میں صلاح لو لیکن انھیں کوئی عہدہ نہ دو۔''

### (۳) نہاوند کی فارسی فوجوں کے نام

حضرت نعمانؓ کو حکم تھا کہ لڑنے سے پہلے فارسیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اس کے علاوہ حضرت عمر فاروقؓ نے براہِ راست بھی یہ مراسلہ بھیجا جسے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے فارسی فوجوں کو پڑھ کر سنایا:

''ہم تمھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں جس کی خدا اور رسول ﷺ نے دعوت دی ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم ہمارے بھائی ہو، تمھیں وہ سارے حقوق ملیں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور تم پر وہ ساری ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو ہم پر عائد ہیں۔ اگر تم مسلمان نہیں ہونا چاہتے تو جزیہ دو اور اگر جزیہ دینے کے لیے بھی تیار نہیں تو ہم تمھارے خلاف خدا سے مدد کے طلب گار ہوں گے۔''

## 10- کوفہ کے باشندوں کے نام (حضرت عمار بن یاسرؓ کو گورنر کوفہ بنانے پر)

''میں تمھارے پاس عمار بن یاسرؓ کو گورنر اور ابنِ مسعود کو معلم و مشیر (وزیر) بنا کر بھیج رہا ہوں۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے برگزیدہ ساتھی اور بدر کے مجاہد ہیں۔ اِن کی پیروی کرو اور اِن کا حکم مانو۔ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو ایثار کر کے تمھارے پاس بھیجا ہے۔ میں نے انھیں تمھارے خزانہ کا نگران بھی بنا دیا ہے اور عثمان بن حنیف کو عراق کی پیمائش اور لگان بندی کا منتظم مقرر کیا ہے۔

## 11- حضرت عتبہ بن فرقدؓ کے نام

**پیش قدمی کے منصوبے کے تحت حضرت عمر فاروقؓ نے فارس کے مختلف محاذوں پر فوجیں بھیجیں۔**

''مسلمانو! چادر اوڑھو اور تہبند باندھو۔ جوتے پہنا کرو، چرمی چڑے موزے اُتار دو۔ نشانہ بازی کی مشق کرو۔ اپنے لڑکوں کو تیر اکی کی مشق کراؤ، گھوڑے کی پیٹھ پر کود کر بیٹھا کرو، دھوپ میں رہا کرو کہ وہ عربوں کا حمام ہے۔ بات چیت عربی میں کرو۔ اپنے دادا معد بن عدنان کی سی (سادہ) زندگی اختیار کرو۔ موٹا کپڑا پہنو، مشقت اور تکلیف کی عادت ڈالو، بھائیوں کی طرح رہو، آسانی کی زندگی سے بچو۔''

## 12- حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام

### (۱) حضرت دانیال علیہ السلام کی لاش کو دفنانے کے بارے میں

جب ''سوس'' (Name of city) فتح ہوا اور مسلمان قلعہ میں داخل ہوئے تو وہاں حاکم کے محل کے ایک کمرہ میں ایک محفوظ لاش کو دیکھا۔ لاش کے پاس بہت سا روپیہ رکھا ہوا تھا اور ایک مضمون کی ایک تحریر کچھ اس طرح تھی:

''اگر کسی کو روپیہ کی ضرورت ہو تو وہ ایک مقررہ مدت کے لیے یہاں سے قرض لے سکتا ہے۔ اگر وقت پر واپس نہیں کرے گا تو کوڑھی ہو جائے گا۔''

حضرت ابوموسیٰؓ نے لاش بارے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ پیغمبر دانیال علیہ السلام کی دعا سے بارش ہو جاتی ہے۔ دانیال علیہ السلام اُس وقت بابل (عراق) میں تھے۔ فارسیوں کا ایک وفد انھیں لینے بابل گیا مگر وہاں کے حاکموں نے اُنھیں سوس جانے کی اجازت نہیں دی۔ فارسیوں نے پچاس آدمی بطور ضمانت بابل میں چھوڑے اور دانیال علیہ السلام کو لے آئے۔ اُن کی دعا کی برکت سے سوس میں خوب بارش ہوئی اور قحط علیہ السلام دور ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد پیغمبر حضرت دانیال علیہ السلام نے سوس میں وفات پائی۔ اُن کی لاش کو بڑے احترام سے شاہی محل میں لگا کر جگہ دی گئی۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے خلیفہ سے دریافت کیا کہ لاش اور روپیہ کے ساتھ کیا کیا جائے تو یہ جواب آیا۔

''لاش کو کفناؤ اور خوشبو لگا کر نماز جنازہ پڑھو پھر دفن کر دو جس طرح دوسرے انبیا دفن کیے گئے ہیں، روپیہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے۔''

### (۲) اُمورِ خزانہ بارے ہدایت

''ایک سال میں ایک دن ایسا مقرر کرو جب خزانہ میں ایک درہم تک باقی نہ رہے اور وہاں جھاڑو لگا دی جائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ میں نے ہر حق دار کا حق ادا کیا ہے۔''

### (۳) اُمورِ حکومت کے بارے میں ہدایت

''واضح ہو کہ کام کو خوش اُسلوبی سے انجام دینے کا مدار اس بات پر ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو کام بہت بڑھ جائیں گے اور تمھاری سمجھ میں نہیں آئے گا کہ کون سا کام پہلے کرنا ہے اور کون سا بعد میں، اس طرح بہت سے کام ضائع ہو جائیں گے۔ اگر حاکم

ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو جو خدا کی طرف سے اُس پر عائد ہوتی ہیں تو رعایا بھی اُن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گی جو حاکم کی طرف سے اُس پر عائد ہوتی ہیں۔ اگر حاکم نفس کوش ہوگا تو رعایا بھی نفس کوش ہو جائے گی، (حاکموں کے ظلم و بے التفاتی کی وجہ سے) رعیت اُن سے دُور بھاگتی ہے، خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ رعیت کی طرف سے میرے دل میں انحراف پیدا ہو۔ انحراف جس کی وجہ پرانے کینے، دُنیاوی مفادات اور ذاتی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ رعایا کے (معاملات میں دل چسپی لو اور اُس کے) ساتھ انصاف کرنے بیٹھا کرو، چاہے دن میں ایک ہی گھنٹا کے لیے کیوں نہ ہو۔ باقی خدا سے ڈرتے رہو اور قرآن پڑھو، وہ علم کا چشمہ ہے اور دلوں کی بہار ہے۔''

## 13- دریائے نیل کے نام

جب دریائے نیل خشک ہونے لگا تو حضرت عمرؓ نے دریائے نیل کو یہ خط لکھا:

''واضح ہو کہ اگر تو اپنے اختیار سے بہہ رہا ہے تو رُک جا اور اگر اللہ واحد وقہار تجھے بہاتا ہے تو ہم اُس سے ملتجی ہیں کہ تجھے رواں کر دے۔''

یہ رُقعہ نیل میں ڈال دیا گیا، دوسرے دن پانی سولہ ہاتھ اُٹھ گیا اور زمین سیراب ہونے لگی۔

خط کی دوسری شکل

''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' عبداللہ امیر المومنین'' کی طرف سے نیل مصر کے نام۔ اگر تو مخلوق ہے تو تیرے بس میں نہ تو فائدہ پہنچانا ہے اور نہ ہی نقصان، اور اگر تو اپنے ارادے اور اختیار سے رواں ہے تو رُک جا، ہمیں تیری ضرورت نہیں اور اگر تو خدا کی دی ہوئی قوت سے بہہ رہا ہے تو پہلے کی طرح فراوانی سے بہنا شروع کر دے۔''

سوال 6B

# (ب) حضرت علیؓ کے حکومتی عہدے داروں کے نام خطوط

## اہم نکات

1- اشعث بن قیس کے نام
2- امیر معاویہؓ کے نام
3- دو فوجی افسروں کے نام
4- جنگ صفین شروع ہونے سے پہلے فوج کو وصیت
5- ایک عہدے دار کے نام (شکایت سُن کر)
6- زیاد بن ابیہ کے نام ایک خط
7- محمد بن ابی بکرؓ کی دل جوئی کے لیے
8- محمد بن ابی بکرؓ کے قتل پر عبداللہ بن عباسؓ کو خط
9- عقیل بن ابی طالب کے خط کا جواب
10- اہلِ مصر کے نام خط (جب اشتر کو اُن کا گورنر بنایا)
11- گورنر کوفہ ابوموسیٰ اشعری کے نام
12- خلافت سے پہلے حضرت سلمانؓ فارسی کو خط
13- عبداللہ بن عباس کو وصیت (بصرہ کا گورنر بناتے وقت)
14- خوارج سے مناظرے کے موقع پر ابن عباس کو ہدایت
15- ابوموسیٰ اشعری کے خط کا جواب (حکمین کا قصہ)

## 1- اشعث بن قیس کے نام

اشعث بن قیس، حضرت عثمانؓ کی طرف سے آذربائیجان کے حاکم تھے یہ خط اُنھی کے نام ہے:

''تمھارا یہ عہدہ کوئی خوانِ نعمت نہیں ہے بلکہ تمھارے گلے میں امانت ہے اور تم بالادست حاکم کے سامنے جواب دہ ہو۔ تمھارے ہاتھ میں جو مال ہے، خدا کا ہے۔ تم اُس کے خزانچی ہو یہاں تک کہ اُسے میرے پاس پہنچا دو۔ اُمید ہے میں تمھارے حق میں بُرا ثابت نہ ہوں گا۔''

## 2- امیر معاویہؓ کے نام

''مجھ سے اُنھی لوگوں نے بیعت کی ہے جنھوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ سے بیعت کی تھی۔ لہٰذا نہ تو حاضر کے لیے حق باقی رہ گیا ہے کہ بیعت میں اختیار سے کام لے اور نہ غیر حاضر کو حق ہے کہ بیعت سے روگردانی کرے۔ شوریٰ تو صرف مہاجرین و انصار کے لیے ہے۔ اگر اُنھوں نے کسی آدمی کے انتخاب پر اتفاق کر لیا اور اُسے امام قرار دے دیا ہے تو یہ اللہ کی اور پوری اُمت کی رضامندی کے لیے کافی ہے۔ اب اگر اُمت کے اس اتفاق سے کوئی شخص اعتراض یا بدعت کی بنا پر خروج کرتا ہے تو مسلمان اُسے حق کی طرف لوٹا دیں گے جس سے وہ خارج ہوا ہے۔ انکار کرے گا تو اُس سے جنگ کی جائے گی کیونکہ اُس نے مومنوں کی راہ سے کٹ کر الگ راہ اختیار کی ہے۔ خدا اُسے اُس کی گمراہی کے حوالے کر دے گا۔ اے معاویہ! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو نفس سے ہٹ کر عقل سے کام لے گا تو مجھے عثمانؓ کے خون سے بالکل بری الذمہ پائے گا اور جان جائے گا کہ میرا اُس خون سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔''

## 3- دو فوجی افسران کے نام

''میں نے تم پر اور تمھارے ہاتھ کی فوجوں پر مالک بن حارث اشتر کو امیر مقرر کر دیا ہے لہٰذا مالک کی سنو، اُن کی نافرمانی نہ کرو۔ مالک اشتر اُن لوگوں میں سے ہیں جن سے اندیشہ نہیں کیا جا سکتا، نہ کمزوری کا، نہ غلطی کا، نہ جلدی کے موقع پر سستی کا اور نہ آہستگی کے موقعہ پر جلد بازی کا۔''

## 4- جنگ صفین شروع ہونے سے پہلے فوج کو وصیت

''لڑائی میں تم پہل نہ کرو، دشمن کو پہل کرنے دو۔ اس لیے کہ تم بحمد اللہ حق وحمایت پر اُستوار ہو۔ اُن کے حملے سے پہلے تم حملہ نہ کرنا۔ اُن پر تمھاری طرف سے ایک اور حجت ہو جائے گی۔ اگر بحکم خدا دشمن کو شکست ہو تو نہ بھاگنے والے کو قتل کرنا، نہ ہتھیار ڈال دینے والے کو، نہ کسی زخمی کو مارنا، نہ کسی عورت کو ستانا، اگرچہ وہ تمھیں گالیاں دیں اور تمھارے افسروں کو کوسیں۔ عورتیں کمزور ہوتی ہیں، اپنے جسم میں بھی اور نفس میں بھی۔ ہمیں عورتوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا حالانکہ وہ مشرک تھیں۔ جاہلیت میں بھی اگر کوئی آدمی عورت کو پتھر یا لاٹھی سے مار دیتا تھا تو خود بھی رسوا ہو جاتا تھا اور اُس کی نسلوں کو بھی دھر لیا جاتا تھا۔''

## 5- ایک عہدہ دار کے نام (شکایت سُن کر)

''تمھارے علاقے کے زمین داروں نے تمھاری سختی، سنگ دلی، تحقیر، بے پروائی کی شکایت کی ہے۔ اُن سے بے پروائی برتنا ٹھیک نہ تھا کہ ہم میں اور ان میں ایک معاہدہ موجود ہے۔ تو تم ایسا کرو کہ اُن کے لیے نرمی کا لباس پہن لو جس کے کناروں پر سختی کی گوٹ ہو۔ نرمی اور سختی کے بین بین سلوک کرو۔ نہ ایسا ہو کہ بالکل دُور ہو جائیں اور نہ ایسا کہ بالکل قریب آ جائیں۔ ایک درمیانی برتاؤ ان سے کرتے رہو۔''

## 6- زیاد بن ابیہ کے نام ایک خط

''قسم کھاتا ہوں کہ مسلمانوں کے حال میں تیری ذراسی خیانت بھی سُن لوں گا تو ایسی سختی اسے پیش آؤں گا کہ تو بے سروسامان ہو کر رہ جائے گا، تیری پیٹھ بوجھل ہو جائے گی اور تُو کہیں کا بھی نہ رہے گا! والسلام!''

## 7- محمد بن ابی بکرؓ کی دل جوئی کے لیے

امیر المومنینؑ نے محمد بن بکرؓ کی جگہ مالک بن اشتر نخعی کو مصر کا گورنر بنایا تو خبر ملی کہ محمدؓ بہت غمگین ہیں۔ اس دوران میں مالک مصر پہنچنے سے پہلے ہی انتقال کر گئے۔ امیر المومنین نے محمدؓ کو لکھا:

''اشتر کی وجہ سے تمھارے ملال خاطر کا حال معلوم ہوا۔ میں نے اشتر کو تمھاری جگہ اس لیے نہیں دی تھی کہ تمھیں کمزور یا نااہل سمجھتا تھا بلکہ غرض یہ تھی کہ اِس عہدے کے بدلے تمھیں ایسا عہدہ دوں جس کا معاملہ آسان ہو اور تمھیں مصر کی حکومت سے زیادہ پسند آئے۔ جس شخص کو میں نے مصر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، وہ ہمارا بڑا خیر خواہ اور دشمن پر بہت سخت تھا۔ خدا کی رحمت ہو اُس پر کہ اُس نے اپنے دن پورے کر لیے اور اپنی موت کو لبیک کہا۔ ہم اُس سے رضامند ہیں۔ خدا کی رضامندیاں بھی اُس کے شاملِ حال ہوں اور زیادہ سے زیادہ ثواب اُس کے حصے میں آئے۔ اب تم یہ کرو کہ دشمن کے مقابلے میں نکلو۔ اپنی بصیرت پر گامزن رہو اور جو کوئی تم سے لڑے، اُس کے لیے تیار رہو۔ اپنے رب کے رستے کی طرف دعوت دو اور خدا سے برابر مدد کی التجائیں کرتے رہو، وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھاری مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ ان شاء اللہ۔''

## 8- محمد بن ابی بکرؓ کے قتل پر عبداللہ بن عباسؓ کو خط

''دشمن نے مصر فتح کر لیا اور اللہ کی رحمت ہو محمد بن ابی بکرؓ پر جو شہید ہو گیا۔ اُس خیر خواہ فرزند کی شہادت کا ثواب ہمارے لیے خدا ہی کے پاس ہے۔ وہ فرزند زبردست جدوجہد کرنے والا تھا۔ مدافعت کا ستون تھا۔ حادثہ سے پہلے میں نے لوگوں کو اُس کی حمایت میں کھڑے ہونے کے لیے ہر ممکن طریقے سے اُبھارا۔ اعلانیہ اور خفیہ دعوتیں دیں۔ جوش دلانے میں کسر نہ اٹھا رکھی۔ مگر ہوا یہ کہ جو آئے تھے دل کی ناخوشی سے آئے تھے۔ کچھ لوگوں نے جھوٹے عذر کر دیے اور کچھ لوگ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہے۔ خدا سے دعا ہے کہ مجھے اِن لوگوں سے چھٹکارا دے دے۔ جلد سے جلد چھٹکارا دے دے۔ اگر دشمن سے آمنے سامنے جنگ کرتے ہوئے شہادت کی آرزو نہ ہوتی اور مر جانے پر دل ٹھہر نہ چکا ہوتا تو میں ان لوگوں کے ساتھ ایک دن بھی نہ گزارتا۔ ان سے ملنے کی میرے دل میں کبھی خواہش ہی پیدا نہ ہوتی۔''

## 9- عقیل بن ابی طالبؓ کے خط کا جواب

''تم قریش کو گمراہی میں دوڑنے دو۔ غرور میں اُن کی منہ زوری کی پروانہ کرو۔ اُنھوں نے میری جنگ پر بھی اِسی طرح ایکا کر لیا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کی جنگ پر ایک ہو گئے تھے۔ تم نے جنگ کے بارے میں میری رائے دریافت کی ہے تو میری رائے ہے کہ گمراہوں سے برابر جنگ کرتے رہنا چاہیے یہاں تک کہ خدا کے حضور پہنچ جاؤں۔ اپنے گرد لوگوں کی کثرت دیکھ کر نہ میرا حوصلہ بڑھتا ہے نہ اِن کے چھوڑ جانے سے مجھے وحشت ہوتی ہے۔ خبردار! اپنے باپ کے بیٹے کو اگرچہ سب لوگ چھوڑ دیں، کبھی لرزاں و ترساں خیال نہ کرنا۔ کسی حال میں بھی اُسے خوف سے کانپنے والا، ذلت کی طرف جھکنے والا، ہمت ہار کے بیٹھ جانے والا نہ پاؤ گے۔ وہ اپنی لگام کسی کے ہاتھ میں دینے والا نہیں بلکہ وہ ویسا ہے جیسا بنی سلیم کے شاعر نے کہا ہے: ''مجھے گوارا نہیں کہ اداس ظاہر ہوں! جس پر دشمن خوش ہوں اور دوست کڑھیں۔''

## 10- اہل مصر کے نام خط (جب اشتر کو اُن کا گورنر بنایا)

''اللہ کے بندے، علیؑ امیر المومنین کا خط اُن لوگوں کے نام جو خدا کے لیے اُس وقت غضب ناک ہوئے جب زمین پر خدا کی نافرمانی ہو رہی

تھی خدا کا حق اُٹھ گیا تھا، ظلم نے اپنی دوڑیں نیک اور فاجر پر تان دی تھیں۔ نیکی پر عمل کیا جاتا تھا نہ منکر سے اجتناب کیا جاتا تھا۔ امابعد! میں نے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تمھاری طرف بھیجا ہے جو اندیشے کے دنوں میں سوتا نہیں، خوف کی گھڑی میں دشمن سے ڈرتا نہیں، فاجروں پر مصیبت ہے۔ وہ مالک بن الحارث مذحجی ہے۔ تم اُس کی سنو اور اُس کے حکم کی اطاعت کرو، اگر حق کے مطابق ہو۔ یہ شخص اللہ کی تلوار ہے، ایسی تلوار جس کی باڑھ نہ کند ہوتی ہے اور نہ کاٹ میں کمی کرتی ہے۔ اگر وہ تمھیں حکم دے کہ چلو، تو چل پڑو۔ حکم دے کہ بیٹھے رہو، تو بیٹھے رہو کیونکہ وہ میرے حکم کے بغیر نہ آگے بڑھے گا نہ پیچھے ہٹے گا۔ نہ کوئی پس و پیش کرے گا۔ مجھے خود اِس شخص کی ضرورت تھی مگر میں نے اپنے مقابلے میں تمھیں ترجیح دی۔ وہ تمھاری خیر خواہی کرے گا اور تمھارے دشمن پر بہت سخت ثابت ہوگا۔ بخدا میں اکیلا بھی رہ جاؤں اور یہ باطل پرست ساری زمین پر چھا جائیں تو بھی مجھے نہ پرواہ ہوگی نہ وحشت ہی ستائے گی۔ جس گمراہی میں یہ لوگ ہیں اور جس ہدایت پر میں ہوں، اِس میں مجھے اپنے ضمیر کی پوری بصیرت اور اپنے پروردگار کی طرف سے پورا یقین حاصل ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا اُمیدوار اور حسنِ ثواب کا منتظر ہوں لیکن غم یہ ہے کہ بدنفس اور فاجر لوگ کہیں تمھارے حاکم نہ بن جائیں کہ اگر بن گئے تو اللہ کا مال ہتھیا لیں گے، اللہ کے بندوں کو غلام بنا ڈالیں گے، نیکوں کو اپنا دشمن سمجھیں گے اور فاسقوں کو دوست خیال کریں گے۔ ان لوگوں میں ایسے بھی ہیں جنھوں نے تمھارے روبرو شرابیں پیں اور اسلامی طریقے پر اُنھیں کوڑے لگائے گئے۔ اُن میں ایسے بھی ہیں کہ اسلام نہیں لائے جب تک کہ اسلام کی قیمت انھیں ادا نہ کر دی گئی۔ والسلام!''

## 11- گورنر کوفہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام

(ابوموسیٰ اشعریؓ گورنر کوفہ تھے مگر جنگ جمل کے موقع پر جب امیرالمومنین حضرت علیؓ نے فوجی کمک طلب کی تو انھوں نے وہاں کے باشندوں کو بھرتی ہونے سے منع کیا۔ اس پر امیرالمومنین نے یہ خط لکھا۔)

''خدا کے بندے علیؓ امیرالمومنین کا خط عبداللہؓ بن قیس (ابوموسیٰ) کے نام۔ امابعد! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ایسی بات کہہ رہے ہو جو تمھارے موافق بھی پڑ سکتی ہے اور مخالف بھی۔ میرے قاصد کے پہنچتے ہی آستینیں چڑھا لو، کمر کس لو، اپنے بل سے باہر نکل آؤ اور لوگوں کو جنگ کے لیے جمع کرو۔ اگر تمھیں یقین حاصل ہے تو یہ پس و پیش کیا؟ اپنے یقین پر چل پڑو۔ لیکن اگر بزدلی کا شکار بن چکے ہو تو دور ہو جاؤ۔ قسم خدا کی تم پکڑے جاؤ گے کہیں بھی ہو اور ہرگز نہ چھوڑے جاؤ گے یہاں تک کہ تمھارے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں گے، تمھارا یہ چین سے بیٹھنا ختم ہو جائے گا اور تم اپنے آگے سے بھی اس طرح ڈرنے لگو گے جس طرح اپنے پیچھے سے ڈر رہے ہو۔ یہ تر نوالہ نہیں ہے جس کا تم خواب دیکھ رہے ہو۔ یہ مصیبت عظمیٰ ہے مگر اس مصیبت کے سرکش اونٹ پر بیٹھا جائے گا۔ اس کے سخت کو نرم کیا جائے گا اور اس کے سنگلاخ کو ہموار کیا جائے گا۔ لہٰذا اپنی عقل کو بھٹکنے نہ دو۔ اپنا معاملہ قابو میں رکھو اور اپنا حصہ حاصل کرو لیکن اگر یہ پسند نہیں تو ادھر کو ہٹ جاؤ جہاں نہ خوش آمدید ہے نہ بچاؤ ہے۔ ایسی حالت میں یقیناً تمھاری ضرورت بھی نہ رہے گی۔ تم پڑے سوتے رہو گے اور کوئی پوچھے گا بھی نہیں کہ کہاں ہو تم! بخدا یہ حق ہے حق والے کا اور ہمیں ذرا پروا نہیں کہ مفسد کیا کرتے ہیں۔ والسلام!''

## 12- خلافت سے پہلے حضرت سلمانؓ فارسی کو خط

''امابعد! دُنیا کی مثال سانپ کی سی ہے جس کی جلد تو نرم ہوتی ہے مگر زہر جان لے لیتا ہے۔ پس دُنیا کی جو چیز تمھیں اچھی معلوم ہو اُس سے اعراض برتو کیونکہ دُنیا کم ہی تمھارا ساتھ دے گی۔ اپنے دل سے دُنیا کے افکار دور رکھو کیونکہ تمھیں اِس کی جدائی کا یقین ہو چکا ہے۔ جس وقت دُنیا سے بہت اُنس ہو، اُس وقت اُس سے بہت ہوشیار رہو۔ کیونکہ دُنیا کا طریقہ یہی ہے کہ جب آدمی اس کی کسی خوشی میں پھنس جاتا ہے تو خوشی چھین کر اُسے محرومی سے دوچار کر دیتی ہے۔ والسلام!''

## 13- عبداللہ بن عباسؓ کو وصیت (بصرہ کا گورنر بناتے وقت)

"لوگوں کے لیے اپنی مجلس میں بشاشت اور حکومت میں وسعت پیدا کرنا۔ خبردار غصہ نہ کرنا کیونکہ غصہ شیطان کی بدشگونی ہے۔ اور یاد رکھو! جو چیز خدا سے قریب کرتی ہے، وہ دوزخ سے دور کر دیتی ہے۔ اور جو چیز خدا سے دُور کرتی ہے وہ دوزخ سے قریب کر دیتی ہے۔"

## 14- خوارج سے مناظرہ کے موقعے پر ابن عباسؓ کو ہدایت

"قرآن کو لے کر بحث نہ کرنا کیونکہ قرآن بہت سے معنی کا متحمل ہے، بہت سی وجہیں رکھتا ہے۔ قرآن سے بحث کرو گے تو تم بھی کہتے رہو گے، وہ بھی کہتے رہیں گے اور نتیجہ کچھ نہ نکلے گا۔ لیکن سنت کو لے کر بحث کرنا، وہ سنت سے بھاگنے کا موقع نہ پا سکیں گے۔"

## 15- ابوموسیٰ اشعریؓ کے خط کا جواب (حکمین کا قصہ)

"بہت سے لوگ حق کو چھوڑ چکے، دُنیا کے ساتھ ہو لیے، خواہش کے پیچھے چلنے لگے۔ اس معاملے میں میری حیثیت تعجب خیز ہے۔ ایسے لوگوں کا اجتماع ہو گیا ہے جو اپنے نفس کو پسند کرتے ہیں اور اب اُن کے لگائے ہوئے زخموں کا مداوا کر رہا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ یہ زخم کہیں لاعلاج نہ ہوں۔ تمھیں جاننا چاہیے کہ مجھ سے زیادہ کوئی آدمی بھی اُمت محمد ﷺ کی خیر اور یک جہتی نہیں چاہتا۔ اس سے میری غرض صرف ثوابِ خداوندی اور حسن آخرت ہے۔ میں نے جو عہد کیا ہے اُسے پورا کر دوں گا۔"

## 16- خلاصۂ بحث

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے خطوط حکمت کا انمول نمونہ ہیں۔ اِن خطوط کا آغاز "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے جب کہ اختتام "درودِ پاک ﷺ" پر کیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد مخاطب کو "السلام علیکم!" کے الفاظ سے امن کا پیغام دیا جاتا ہے۔ خطوط میں گورنرز کا احتساب، رشوت، غبن اور تحائف کی ممانعت، اہل ایمان سے مشاورت، عدل وانصاف، معاملات میں اعتدال، امانت داری کی تاکید، فضول خرچی کی ممانعت، ماتحتوں سے حسن سلوک، نماز کا حکم، اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب اور غیر مسلموں کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے۔ اِن خطوط کی فنی خوبیاں بھی بہت واضح ہیں۔ خطوط مختصر بھی اور بعض اوقات طوالت کے حامل بھی ہیں۔ زبان کی فصاحت و بلاغت ہر جگہ پر نمایاں ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ سے عمدہ استدلال جا بجا ملتا ہے۔ عربوں کے اشعار، استعارات اور تشبیہات کا بھی نمایاں مقام ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اِس اُسلوب تحریر کو اُدبا، شعرا اور سرکاری افسران اپنی دستاویزات کا حصہ بنائیں۔

# (الف) حضرت علیؓ کی فقاہت

-1 حضرت علیؓ کی شجاعت اور فقیہانہ تدبر پر ایک جامع شذرہ تحریر کیجیے۔(2020)

## اہم نکات

1۔ تعارف
2۔ باب العلم کی فقاہت
3۔ احکام طہارت اور فقاہت
4۔ احکامِ نماز اور فقاہت
5۔ احکامِ میت اور فقاہت
6۔ احکام زکوٰۃ اور فقاہت
7۔ احکام روزہ اور فقاہت
8۔ احکامِ حج اور فقاہت
9۔ بعض دیگر احکام اور فقاہت
10۔ احکامِ نکاح اور فقاہت
11۔ مالی معاملات اور فقاہت

## 1- تعارف

حضرت علیؓ کا بچپن نبی کریم ﷺ کی آغوشِ تربیت میں گزرا۔ آپؓ کی تربیت کا فیض تھا کہ حضرت علیؓ زمانہ جاہلیت میں بھی کسی بت کے سامنے نہیں جھکے، نہ شرک و بدعت کی کسی رسم بد سے اپنے دامن کو آلودہ کیا۔ نبی کریم ﷺ کی تربیت تھی کہ آپؓ محض گیارہ سال کی عمر میں ایمان سے سرفراز ہو گئے۔ ایک روز آپؓ نے نبی کریم ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کو نماز کی حالت میں دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا کہ آپ لوگ کیا کر رہے تھے؟ تو نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا اور توحید کا پیغام سنایا۔ حضرت علیؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ 2ھ میں حضور ﷺ نے آپؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ آپؓ جس طرح گفتار و کردار میں بے مثال تھے۔ اسی طرح آپؓ کے تقویٰ اور ایمان کی بھی کوئی مثال نہ تھی۔ ذیل میں آپؓ کی فقاہت اور شجاعت کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

## 2- باب العلم کی فقاہت

فقہ و قضا (Judgement) کے معاملات میں حضرت علیؓ اپنے زمانے کے سب سے بڑے انسان کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اسلامی شریعت میں اُنھیں جو مہارت حاصل تھی اس عہد میں شاید ہی کسی اور کو حاصل ہو۔ قرآن و حدیث سے احکام نکالنے میں انھیں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش ہوتا اور ان کے لیے اس کا حل کرنا دشوار ہوتا تو فرماتے: ''ایسا مسئلہ درپیش ہے کہ جس کو علیؓ کے سوا کوئی حل نہیں کرسکتا۔'' فیصلوں میں جہاں واضح آیات اور احادیث کا دامن تنگ ہوتا، حضرت علیؓ اپنی غیر معمولی اجتہادی بصیرت کو کام میں لا کر بہت جلد صحیح نتیجہ تک رسائی حاصل کر لیتے۔ وراثت کا مسئلہ بھی ایک قانونی مسئلہ ہے۔ قانونِ وراثت کے عالم کو ریاضی سے پوری واقفیت رکھنا ازبس ضروری ہے۔ حضرت علیؓ اس شعبہ قانون کے ماہر ہونے کی حیثیت سے علم حساب میں بھی بلند مہارت رکھتے تھے۔ وراثت کی تقسیم کے وہ مسائل جن کو حل کرنے میں اس دور کا بڑے سے بڑا ذہین آدمی بھی اپنے آپ کو عاجز پاتا تھا، انھیں وہ اتنی جلد حل کر دیا کرتے تھے کہ لوگ دنگ رہ جاتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے شکایت کی کہ اس کا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا تھا مگر اس کے ترکے سے اس کو صرف ایک دینار ملا۔ حضرت علیؓ نے اس سے پوچھا: ''میت کے ورثاء ایک بیوی، دو لڑکیاں، ایک ماں بارہ بیٹے اور تم ہو؟'' اس عورت نے اثبات میں جواب دیا۔

- اثنائے خطبہ میں ایک دفعہ حضرت علیؓ سے استفسار کیا گیا کہ میت نے ایک بیوی، والدین کی دو لڑکیاں پیچھے چھوڑی ہیں۔ ان کو ترکہ کس حساب سے ملے گا؟ حضرت علیؓ نے منبر پر کھڑے کھڑے برجستہ جواب دیا اور بالکل صحیح۔ اُس وقت سے یہ مسئلہ ''مسئلہ منبریہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ نے جس وقت یہ فتویٰ دیا تھا اُس وقت آپؓ کوفہ کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ اِن فوراً جوابات سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ علم وراثت اور حساب کے بہت بڑے ماہر تھے، وہیں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ غیر معمولی ذکی و ذہین بھی تھے۔ ذیل میں طہارت، نماز، روزہ اور مالیات کے حوالے سے آپؓ کے دیے گئے چند فتاویٰ کو بیان کیا جاتا ہے:

## 3- احکام طہارت اور فقاہت

### ○ شیر خوار بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے

امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں: بچی کا پیشاب دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے، جب تک کہ وہ اناج

نہ کھائے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حسین بن علیؓ نے نبی کریم ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تو لبابہ بنت حارثؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ مجھے اپنا کپڑا دے دیں اور دوسرا کپڑا پہن لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جائیں گے اور بچی کا پیشاب دھویا جائے گا۔

## 4- احکامِ نماز اور فقاہت

### ○ رُکوع یا سجدہ کی حالت میں تلاوت قرآن کی ممانعت

سیدنا علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرنے سے منع فرمایا۔

### ○ نماز نہ پڑھنے والا کافر ہے:

امیر المومنین علی بن ابی طالبؓ سے پوچھا گیا کہ اے امیر المومنین! نماز نہ پڑھنے والی عورت کا کیا حکم ہے؟ آپؓ نے فرمایا: جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔

عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نماز کے علاوہ کوئی اور عمل چھوڑنے کو کفر نہیں جانتے تھے۔ اس لیے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس کے ذریعے سے اسلام میں داخل ہوا جاتا ہے، پس اس کے چھوڑنے سے مسلمان اسلام سے نکل جائے گا، جیسے کہ کلمہ شہادت کا مسئلہ ہے۔ اس حکم کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

اِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ

''آدمی اور شرک وکفر کے درمیان حد فاصل نماز چھوڑ دینا ہے۔''

### ○ نماز اس کے وقت میں دوبارہ لوٹانا

سیدنا علیؓ بن ابی طالب کے نزدیک اگر کوئی شخص نماز سے فارغ ہو چکا ہو اور پھر جماعت کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے اسی نماز کو اسی وقت میں دوبارہ پڑھے تو پہلی نماز فرض اور دوسری نماز نفل ہوگی۔ حارث سے روایت ہے کہ سیدنا علیؓ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے تنہا نماز پڑھ لی تھی، پھر جماعت سے وہی نماز دوبارہ پڑھی اس کی کون سی نماز فرض ہوگی؟ آپؓ نے فرمایا: اس کی پہلی نماز۔

## 5- احکامِ میت اور فقاہت

### ○ شوہر کا اپنی بیوی کو غسل دینا

سیدنا علیؓ کے نزدیک شوہر اپنی فوت شدہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ آپؓ نے خود اپنی بیوی فاطمہؓ کو غسل دیا۔ اسماء بنت عمیسؓ کا بیان ہے کہ فاطمہؓ نے وصیت کی تھی کہ انھیں میرے اور علی کے علاوہ کوئی دوسرا غسل نہ دے گا۔ اس لیے ان کی وفات پر میں (اسماء بنت عمس) نے اور علیؓ نے انھیں غسل دیا۔ اس عمل پر صحابہ کا اجماع ہے کیونکہ اس واقعہ کو تمام صحابہ نے جانا لیکن کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔

### ○ مرد اور عورت کے کفن میں مبالغہ آمیزی سے پرہیز کرنا

سیدنا علیؓ کے نزدیک مرد کے لیے کفن کے تین اور عورت کے لیے پانچ کپڑے استعمال کرنے چاہییں۔ علامہ کاسانی وغیرہ نے آپؓ کا یہی

قول نقل کیا ہے۔ آپؓ کے نزدیک کفن کے کپڑوں میں مبالغہ آمیزی کرنا یعنی مرد کے لیے تین اور عورت کے لیے پانچ سے زیادہ کپڑوں کا استعمال مکروہ ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں: عورت کا کفن پانچ کپڑوں میں اور مرد کا کفن تین کپڑوں میں ہوگا اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

## 6- احکام زکوٰۃ اور فقاہت

### ○ کسی مال پر سال گزرنے سے پہلے زکوٰۃ نہیں ہے

امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب صراحت سے فرماتے ہیں کہ کسی مال پر اس وقت تک زکوٰۃ فرض نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزر جائے۔ واضح رہے کہ یہ شرط نقود، چوپائے اور اموال تجارت کے ساتھ مشروط ہے، کھیتی کا حکم اس سے جدا ہے۔ یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

## 7- احکام روزہ اور فقاہت

### ○ جنبی کا روزہ

سیدنا علیؓ کے نزدیک جنبی (وہ شخص جسے رات سوتے ہوئے احتلام ہو جائے) آدمی کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے۔ جنبی کے روزہ رکھنے کا مطلب ہے کہ وہ غسل جنابت کو صبح ہونے تک مؤخر کر سکتا ہے۔ علیؓ کے بارے میں حارث کا بیان ہے کہ آپؓ نے فرمایا: اگر آدمی حالت جنابت میں صبح کرے اور روزہ رکھنا چاہے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حالت جنابت میں ہوتے اور فجر کا وقت ہو جاتا، پھر آپ ﷺ غسل کرتے اور روزہ رکھتے۔

### ○ انتہائی ضعیف روزہ توڑ سکتا ہے

امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب اللہ کے فرمان: "وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ" (البقرۃ:184) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس شخص کو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کی رخصت دی گئی ہے اس سے بہت بوڑھا شخص مراد ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

## 8- احکام حج اور فقاہت

### ○ محرم کا اپنی عورت کو بوسہ دینا

امیر المومنین علیؓ فرماتے ہیں: جو شخص حالت احرام میں اپنی بیوی کو بوسہ دے، اسے چاہیے کہ ایک دم دے (یعنی قربانی کرے)۔

### ○ طواف میں بھول جانا

اگر کوئی شخص بھول کر طواف میں مسنون سے زائد چکر لگا لے تو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسے مزید چکر لگا کر دو طواف پورے کر لینا چاہیے۔ آپؓ نے فرمایا: مثلاً کسی نے طواف کے آٹھ چکر لگا لیے تو مزید چھ چکر لگائے تا کہ دو طواف مکمل ہو جائیں اور پھر وہ طواف کی چار رکعت نماز ادا کرے۔

## 9۔ بعض دیگر احکام اور فقاہت

### ○ فخر واظہارِ برتری کا ذبیحہ

جو جانور فخر و نمائش اور اظہار برتری کے لیے ذبح کیا جائے، سیدنا علیؓ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔

### ○ مردار مرغی کا انڈا نجس ہے

ابن قدامہؒ نے حضرت علیؓ کا مسلک نقل کیا ہے کہ مردار مرغی کے پیٹ میں جو انڈا ہوگا وہ نجس ہے، اس کھانا حلال نہیں ہے، خواہ اس کا چھلکا سخت ہو گیا ہو یا نہ سخت ہوا ہو۔

## 10- احکامِ نکاح اور فقاہت

### ○ جسمانی عیب والی عورت سے نکاح:

اگر کوئی شخص نکاح کر لینے کے بعد اپنی بیوی میں کوئی ایسا جسمانی عیب دیکھے جس کے ہوتے ہوئے مباشرت ناممکن ہو تو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر وہ منکوحہ سے دخول کر چکا ہے تو اس پر مہر کی ادائیگی واجب ہوگی اور اسے اختیار ہوگا کہ اس عورت کو اپنے عقد میں رکھے یا طلاق دے دے اور اگر دخول نہیں ہوا ہے تو بلا ادائیگی مہر دونوں میں جدائی کرا دی جائے۔

### ○ لاعلمی میں دو حقیقی بہنوں سے نکاح

اگر کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی پھر ایک دوسری عورت سے شادی کی اور بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں، تو حضرت علیؓ کا مسلک ہے کہ جس کی شادی بعد میں ہوئی ہے اسے جدا کرا دیا جائے۔ چنانچہ ابن جریج سے روایت ہے کہ مجھے حضرت علیؓ کے بارے میں بتایا گیا کہ آپؓ نے ایسے شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اس سے دخول کیا، پھر دوسرے شہر میں گیا اور وہاں بھی ایک عورت سے شادی کی اور اس سے دخول کیا۔ پھر بعد میں معلوم ہوا کہ دوسری عورت پہلی عورت کی بہن ہے۔ آپؓ نے فیصلہ دیا کہ وہ دوسری کو جدا کر دے اور پہلی کو باقی رکھے۔ البتہ پہلی کو اس وقت تک نہ لوٹائے جب تک کہ یہ عدت پوری نہ کر لے۔ جمہور فقہا کا یہی قول ہے۔ سب کی دلیل یہ ہے کہ پہلی عورت کا نکاح صحیح ہوا ہے جب کہ دوسری کا نکاح باطل تھا، اس لیے اس کا شمار نہ کیا گیا۔

### ○ حاملہ عورت کی عدت، جس کا شوہر وفات پا گیا ہو

ابن رشد وغیرہ سیدنا علیؓ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آپؓ کے نزدیک ایسی حاملہ عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اور وفات عدت گزرنے سے پہلے اس کی ولادت ہو جائے تو وہ حمل اور وفات کی دونوں عدتوں میں سے لمبی مدت والی عدت گزارے گی، یعنی اگر عدت وفات گزرنے سے پہلے ولادت نہیں ہوئی تو وضع حمل کی عدت گزارے گی اور اگر عدت وفات گزرنے سے پہلے ولادت ہوگئی تو شوہر کی وفات کی عدت یعنی چار مہینے دس دن گزارے گی۔

عبدالرحمن بن معقل کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت علیؓ کے پاس تھا، ایک آدمی نے آپؓ سے ایسی عورت کے بارے میں فتویٰ پوچھا جو حمل سے ہوا اور اس کا شوہر وفات پا جائے؟ آپؓ نے فرمایا: دونوں عدتوں میں جو لمبی ہو اس کا انتظار کرے۔

## 11- مالی معاملات اور فقاہت

### ○ حاکم وقت کے انعامات وعطایات

امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا: حاکم وقت تمھیں حرام کے بجائے حلال انعامات سے جس قدر بھی نوازیں انھیں لینے میں کوئی حرج نہیں۔ فرمایا: حاکم وقت سے تم خود کچھ نہ مانگو، لیکن اگر کچھ دے تو لے لو، کیونکہ بیت المال میں حرام سے کہیں زیادہ حلال مال ہوتا ہے۔

### ○ مظلوم کو حق دلانے کے لیے اس کا ہدیہ قبول کرنا

علامہ ابن حزم نے سیدنا علیؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپؓ نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی کا حق دلاتا ہے یا اس سے ظلم کا دفاع کرتا ہے تو اس کے بدلے مظلوم سے کوئی ہدیہ قبول کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔

### ○ ادھار لیے ہوئے سامان کی عدم ضمانت

سیدنا علیؓ کے نزدیک اگر ادھار لینے والے کے پاس سے ادھار لیا ہوا سامان ضائع ہو جائے اور ادھار لینے والے کی کوتاہی اس میں شامل نہ ہو تو وہ اس سامان کا ضامن نہ ہوگا۔ چنانچہ آپؓ فرماتے ہیں: عاریتاً لیے ہوئے سامان کی کوئی ضمانت نہیں، وہ ایک نیکی اور احسان ہے۔ البتہ اگر ادھار لینے والا اس سامان کی حفاظت نہ کرے تو پھر ضامن ہوگا۔

### ○ کاریگروں کو ضامن ٹھہرانا

کاریگروں پر سامان کی حفاظت کی ضمانت ہے، تاکہ لوگوں کا مال ضائع نہ ہو۔ علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کا فیصلہ ہے کہ کاریگر سامان کا ضامن ہوگا۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا: لوگوں کے لیے اسی میں مصلحت ہے۔ اس لیے کہ اس میں شریعت کا ایک عظیم مقصد یعنی مال کو ضائع ہونے سے بچانا ہوتا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ علیؓ نے درزی اور اس جیسے پیشہ کے لوگوں کو ضامن قرار دیا تاکہ لوگوں کا سامان محفوظ رہ سکے۔

# (ب) حضرت علیؓ کی شجاعت

## اہم نکات

1- تعارف

2- غزوہ بدر اور شجاعت

3- غزوہ احد اور شجاعت

4- بنوسعد کی سرکوبی اور شجاعت

5- غزوہ خندق اور شجاعت

6- غزوہ خیبر اور شجاعت

7- فتح مکہ اور شجاعت

8- غزوہ تبوک کے موقع پر مدینہ میں نیابت رسول ﷺ

9- پیشہ ور لٹیروں کی سرکوبی

10- یمن میں بحیثیت گورنر

## 1- تعارف

اللہ تعالیٰ نے آپ ؓ کو ذہنی طاقت کے ساتھ ساتھ بے پناہ جسمانی طاقت بھی عطا کی تھی۔ اکثر ایسا ہوا کہ شہسوار کو اٹھایا اور گیند کی طرح زمین پر دے مارا۔ کسی شخص کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس کا دم گھٹنے لگا۔ آپ ؓ کے متعلق مشہور ہے کہ جس سے کشتی لڑی اسے دے مارا۔ جس نے مبارزت طلب کی اسے قتل کر دیا۔ حضرت علی ؓ ایسے ایسے بھاری پتھروں اور دروازوں کو تنہا اٹھا لیتے جن کو چند آدمی مل کر بھی نہ اٹھا سکتے تھے۔ آواز میں اتنا شکوہ تھا کہ نامور جان بازوں کے کلیجے منہ کو آنے لگتے۔ مشکلات کو خوش دلی سے برداشت کرنے کا یہ عالم تھا کہ گرمی۔ سردی اور موسمی تغیرات کی بہت کم پروا کرتے تھے۔ گرمیوں میں سرمائی لباس اور سردیوں میں گرمائی لباس پہن لینا ان کے لیے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ اس سلسلے میں ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''خیبر کی جنگ کے دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے طلب فرمایا۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! میری آنکھوں میں تکلیف ہے۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی اے اللہ! اس کو سردی اور گرمی کے اثر سے محفوظ رکھ! اس وقت سے مجھے سردی اور گرمی محسوس نہیں ہوتی۔'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی ؓ کو سردی یا گرمی کا احساس ہی نہ ہوتا تھا، بلکہ ان میں وہ نا قابل تسخیر قوت ارادی پیدا ہو گئی تھی جو کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔

## 2- غزوہ بدر اور شجاعت

جب رحمتِ عالم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو مشرکین کے غیظ و غضب میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اب انھوں نے اسلام کو مکمل طور پر ختم کرنے کے منصوبے بنانے شروع کر دیے۔ 2ھ میں پہلی با قاعدہ جنگ جولڑی گئی وہ غزوہ بدر ہے۔ ابوجہل بہترین جوانوں پر مشتمل ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف بُرے عزائم لے کر روانہ ہوا۔ حضور ﷺ بھی غافل نہ تھے، آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے بھی اپنے تین سو تیرہ جان بازوں کے ساتھ کوچ کیا۔ بدر کے مقام پر دونوں فوجوں نے پڑاؤ ڈال دیے۔ 17 رمضان کو دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ رواج کے مطابق اجتماعی جنگ سے پہلے انفرادی جنگ ہوئی۔ مشرکین مکہ کی طرف سے عتبہ، شیبہ اور ولید نامی تین بہادر باہر نکلے اور اپنا مد مقابل طلب کیا۔ رحمتِ عالم ﷺ نے ان کے مقابلے میں تین انصاریوں کو بھیجا، مگر اُنھوں نے یہ کہہ کر ان کو واپس کر دیا کہ تم ہمارے ہمسر و برابر نہیں ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کے مقابلے میں علی الترتیب حضرت حمزہ ؓ، حضرت عبیدہ ؓ اور حضرت علی ؓ کو بھیجا۔ حضرت حمزہ ؓ اور حضرت علی ؓ نے اپنے اپنے حریفوں کو قتل کر دیا۔ حضرت عبیدہ ؓ ابھی تک کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ حضرت علی ؓ نے ان کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو قتل کر دیا۔ پھر عمومی جنگ کا آغاز ہوا جس میں حضرت علی ؓ نے دیگر صحابہ کے ساتھ شجاعت کے جوہر دکھائے۔ جنگ کے مال غنیمت میں حضرت علی ؓ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔

## 3- غزوہ احد اور شجاعت

3ھ میں غزوہ اُحد پیش آیا۔ اس جنگ میں بعض مسلمانوں کی غلطی سے حالات بدل گئے اور مسلمانوں کو اپنا دفاع کرنا مشکل ہو گیا۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا۔ آپ ﷺ زخمی ہو کر نڈھال ہو گئے۔ مشرکین ادھر بڑھے مگر حضرت مصعب ؓ بن عمیر نے ان کو آپ ﷺ کے پاس جانے سے روکے رکھا۔ اُن کی شہادت کے بعد حضرت علی ؓ نے یہ فریضہ سنبھالا۔ مشرکین نبی کریم ﷺ تک پہنچنے کے لیے پورا زور لگا رہے تھے مگر حضرت علی ؓ نے ان کی تمام آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ مشرکین کے علم بردار ابوسعد بن ابی طلحہ نے ان کو مقابلے کی دعوت دی۔ حضرت علی ؓ نے ایک ہی حملے میں اسے چت کر دیا مگر اس کی بے چارگی و بدحواسی کی وجہ سے اسے قتل نہ کیا۔

## 4- بنوسعد کی سرکوبی اور شجاعت

5ھ میں نبی کریم ﷺ نے بنوسعد کی سرکوبی کے لیے حضرت علی ؓ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ حضرت علی ؓ نے حملہ کر کے ان کو منتشر کر دیا اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔

## 5- غزوہ خندق اور شجاعت

ڈاکٹر طٰہٰ حسین آپؓ کی شجاعت کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''جان بازی اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ میدان جنگ میں کسی کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، موت سے وہ اتنے بے خوف تھے کہ مقابل کو خواہ وہ کتنا ہی طاقتور اور کتنی ہی شہرت کا مالک کیوں نہ ہو ایک لمحے کے لیے بھی خاطر میں نہ لاتے۔ جزیرہ نمائے عرب کا مشہور شہسوار ''عمرو ابن عَبدِ وُدّ'' ایک ہزار نوجوانوں کے برابر سمجھا جاتا تھا' مگر غزوۂ خندق میں جب وہ مقابلے میں آیا تو حضرت علیؓ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں۔ ''یا رسول اللہ! میں اس کا مقابلہ کروں گا۔'' نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''وہ عمرو ہے بیٹھ جاؤ۔'' عمرو پھر پکارتا ہے اور کہتا ہے، ''کیا کوئی مردِ میدان میرے مقابلہ پر نہ بھیجو گے؟ کہاں گئی تمہاری وہ جنت جس میں قتل کے بعد تم لوگ داخل ہوا کرتے ہو؟'' حضرت علیؓ پھر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ بار بار بٹھاتے ہیں اور بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ حضور ﷺ اجازت دے دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور حضرت علیؓ میدان کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ ''عمروؔ'' کے سامنے پہنچتے ہیں تو وہ حقارت کی ایک نظر ڈالنے کے بعد پوچھتا ہے: ''تم کون ہو؟ فرماتے ہیں: ''علی!'' وہ پھر پوچھتا ہے: ''خاندانِ عبد مناف سے تعلق رکھتے ہو؟'' جواب ملتا ہے: ''میں ابو طالب کا بیٹا ہوں۔'' عمرو نصیحت آمیز لہجے میں کہتا ہے: ''بھتیجے! تمہارے خاندان میں اور بھی پختہ عمر کے لوگ مقابلے کے لیے موجود ہیں۔ میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔'' شیر خدا فرماتے ہیں: ''مگر میں تمہارا خون بہانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔'' عمرو طیش میں آ جاتا ہے اور اپنی شعلہ بار تلوار سونت کر ٹوٹ پڑتا ہے۔ حضرت علیؓ اس کا وار ڈھال پر روکتے ہیں، تلوار اسے کاٹتی ہوئی سر تک جا پہنچتی ہے مگر شیر خدا کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ حضرت علیؓ اس کے شانوں پر جوابی وار کرتے ہیں جو اتنا بھرپور پڑتا ہے کہ عمرو گر جاتا ہے، پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے' پھر گر جاتا ہے اور پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اتنے میں معرکہ گرد و غبار کے پردے میں چھپ جاتا ہے اور جب غبار چھٹتا ہے تو ایک طرف سے حضرت علیؓ کے نعرۂ تکبیر کی آواز سنائی دیتی ہے اور دوسری طرف ''عمروؔ'' زمین پر ڈھیر نظر آتا ہے۔'' (سیرت سیدنا علی المرتضیٰ، ص ۷۳)

اسی ''عمرو ابن عبدود'' کی بہن نے اس کے قتل کے بعد یہ اشعار کہے ہیں:

''اگر عمرو کا قاتل کوئی اور ہوتا تو میں عمر بھر اسے روتی رہتی مگر اس کا قاتل تو وہ شخص ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور اس کا باپ بھی ملک کا سردار تھا۔''

حضرت علیؓ کے دست شجاعت سے گویا کسی بہادر کا قتل ہو جانا اس کے لیے باعث ذلت نہیں تھا کہ اس کے پسماندگان غم کریں اور آنسو بہائیں۔

شجاعت اپنی جگہ خود بڑا مستحسن اور قابل ستائش وصف ہے لیکن اس کے ساتھ اگر وہ خوبیاں اور اچھائیاں بھی شامل ہو جائیں جو اسے چار چاند لگا دیتی ہیں تو پھر سونے پر سہاگا ہو جاتا ہے۔ حضرت علیؓ ان خوبیوں اور اچھائیوں کے بھی مالک تھے۔ ان خوبیوں اور اچھائیوں سے ہماری مراد ظلم و جور سے پرہیز ہے دشمن خواہ طاقتور ہو یا کمزور اس کے ساتھ شرافت اور انسانیت کے ساتھ پیش آنا اور جنگ ختم ہو جانے کے بعد دشمن کے خلاف بغض و عناد سے اپنے دل کو پاک رکھنا ہے۔

## 6- غزوہ خیبر اور شجاعت

۷ھ میں غزوہ خیبر پیش آیا۔ اس میں حضرت علیؓ کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ خیبر کے سب سے مضبوط قلعہ کے سردار ''مرحب'' نامی یہودی کو پہلے انفرادی جنگ میں قتل کر دیا، بعد ازاں قلعہ کا سختی سے محاصرہ کر لیا اور کچھ دن کے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ انہوں نے فتح کر لیا۔ مرحب کے مقابلے میں آپؓ کا رجز مشہور ہے۔

اَنَاالَّذِی سَمَّتْنِیْ اُمِّی حَیْدَرَہ
میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے
کَلَیْثِ غَابَاتٍ غَلِیْظِ الْقَصَرَۃ
جنگل کے موٹی گردن شیروں کی طرح
اَکَیْلُکُمْ با لسَّیْفِ کَیْل السندرۃ
میں تمھیں تلوار کی کاٹ سے کاٹ کاٹ دوں گا

## 7- فتح مکہ اور شجاعت

فتح مکہ (۸ھ) کے بعد آپ ﷺ نے بیت اللہ میں نصب شدہ پیتل کے ایک بت کو توڑنے کے لیے حضرت علیؓ کو اپنے مبارک کندھوں پر اٹھایا اور حضرت علیؓ نے وہ بت پاش پاش کر دیا۔

## 8- غزوہ تبوک کے موقع پر مدینہ میں نیابت رسول ﷺ

غزوہ تبوک میں ان کو ساتھ لینے کی بجائے آپ ﷺ نے انہیں مدینے میں اپنے نائب کی حیثیت سے مامور فرمایا۔ منافقوں نے طنز کیا کہ تم اچھے سپاہی نہیں ہو اس لیے تمہیں عورتوں اور بچوں میں چھوڑا گیا ہے۔ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں پسند نہیں کہ میرے نزدیک تمہارا وہی مرتبہ ہو جو حضرت ہارونؑ کا حضرت موسیٰؑ کے ہاں تھا؟ بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہوگا''۔ مشہور منافق ''عبداللہ بن ابی'' کا برتاؤ ان دنوں بہت مشتبہ ہو گیا تھا حتیٰ کہ وہ تبوک کی اس مہم میں تھوڑی دور تک شریک رہ کر واپس آ گیا تھا۔ ان حالات میں پیش بندی کے لیے ضرورت تھی کہ مدینہ منورہ میں ایک بہادر اور قابل اعتماد فوجی افسر موجود رہے۔ غزوہ تبوک سے پہلے غزوہ خیبر میں حضرت علیؓ کے ایک مستحکم قلعہ ''قصر مرحب'' کو فتح کر کے نام پیدا کر چکے تھے۔

## 9- پیشہ ور لٹیروں کی سرکوبی

قبیلہ طے میں پیشہ ور لٹیرے بہت تھے۔ ابن سعد وغیرہ حضرت علیؓ کی سرکردگی میں ایک مہم کا ذکر کرتے ہیں جو غزوہ تبوک سے پہلے بھیجی گئی تھی اور جس میں انھوں نے وہاں سے مالِ غنیمت بھی لا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

## 10- یمن میں بحیثیت گورنر

رمضان ۱۰ھ میں آپؓ کو یمن بھیجا گیا۔ وہاں ان کی تبلیغ سے سارا قبیلہ ایک ہی دن مسلمان ہو گیا اور انھوں نے زکوٰۃ بھی ادا کر دی۔ وہاں سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ مکہ مکرمہ گئے اور حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ یمن سے واپسی پر کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف خدمت نبوی میں کچھ شکایات پہنچائیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ سے واپسی پر ''غدیر خم'' کے پڑاؤ پر ایک پرزور اور مؤثر خطبہ دیا جس میں خیانت کی مذمت فرمائی۔ آخر میں حضرت علیؓ کی صفائی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ''۔ (جس کا میں دوست ہوں، علی بھی اس کا دوست ہے۔)

# سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں

1- سرکاری ملازمین کی ذمہ داریوں کی وضاحت کیجیے۔ (2016ء)

2- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں واضح کریں۔ (2018ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- معاملات میں دیانت داری
3- خیانت سے پرہیز
4- اقربا پروری سے اجتناب
5- قومی وسائل کی حفاظت
6- منصب کا درست استعمال
7- دفتری اوقات کا لحاظ
8- جھوٹ سے احتراز
9- غیر قانونی کاموں سے انکار
10- میرٹ کا فروغ
11- لسانی، مذہبی اور علاقی عصبیت سے اجتناب
12- سچ کا فروغ
13- انصاف کی فراہمی
14- کام کرنے کی اہلیت
15- ملکی مفاد کو ترجیح دینا
16- ریاست کے ساتھ وفاداری
17- نظم مملکت کی بہتری کے لیے کوشاں رہنا
18- حسن اخلاق سے پیش آنا
19- شہریوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولیات کے لیے کوشش کرنا
20- اپنے حلف کا لحاظ کرنا
21- سرکاری وسائل کا درست استعمال
22- عدالت و پارسائی
23- مستقل مزاجی
24- دور اندیشی و معاملہ فہمی
25- متانت و وقار
26- خلاصہ بحث

## 1- تعارف

سرکاری افسران ریاست کے نمائندہ کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔اُن کے اور ریاست کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جس پر حلف اُٹھا کر افسران دستخط کرتے ہیں۔اُس حلف اور اقرار میں کچھ چیزیں بہت نمایاں اور کچھ پوشیدہ ہوتی ہیں۔اسلام کی روشنی میں سرکاری افسران کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ذیل میں انھیں زیر بحث لایا جاتا ہے۔

## 2- معاملات میں دیانت داری

ایک سرکاری افسر کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ معاملات میں دیانت دار ہو۔اس حوالے سے ذخیرۂ احادیث میں ایک انتہائی اہم حدیث درج ذیل ہے:

> حضرت ابوحمید ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنواسد کے ایک شخص کو صدقات جمع کرنے پر عامل بنایا۔اُس کا نام ''ابن اللتبیہ'' تھا۔جب وہ صدقات وصول کرکے آیا تو اُس نے کہا ''یہ تمھارا مال ہے اور یہ میرا مال ہے، مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہوکر اللہ عزوجل کی حمد وثنا بیان فرمائی۔اس کے بعد فرمایا ''جن عاملوں کو میں بھیجتا ہوں انھیں کیا ہوگیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تمھارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔یہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جاکر کیوں نہیں بیٹھ گیا؟ پھر ہم دیکھتے اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں! اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، تم میں سے جو شخص صدقات (اموال مسلمین) میں سے کوئی چیز لے گا، قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو وہ چیز اُس کی گردن پر سوار ہوگی، اونٹ بڑبڑا رہا ہوگا یا گائے ڈکرا رہی ہوگی یا بکری ممیا رہی ہوگی۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ ہم نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔پھر آپ ﷺ نے دومرتبہ فرمایا ''اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کردی ہے؟'' **(صحیح مسلم ج3، ص1463، بیروت)**

حکومتی عمال جو چیزیں ہدیہ کے نام پر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، وہ اللہ کی بھی خیانت کرتے ہیں اور مسلمانوں کے بھی۔اللہ کی خیانت اس لیے ہے کہ انھوں نے اللہ کے عطا کردہ منصب سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی خیانت اس لیے ہے کہ انھوں نے بیت المال کو اپنے ذاتی تصرف میں لے لیا۔

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی منصب کا عامل بنایا اور اُس نے کوئی سوئی یا اُس سے بھی چھوٹی کوئی چیز ہم سے چھپا لی تو یہ خیانت ہے جس کو وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا۔'' انصار میں سے ایک سیاہ فام شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا ''یارسول اللہ ﷺ! اپنے دیے ہوئے منصب کو مجھ سے واپس لے لیجیے۔'' آپ ﷺ نے پوچھا ''کیا ہوا؟'' اُس نے کہا ''میں نے آپ ﷺ کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی عہدے کا عامل بنایا، اسے چاہیے کہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کو لے کر آئے، پھر اُس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اُس سے باز رہے۔''
>
> **(صحیح مسلم ج۳، ص1465، مطبوعہ بیروت)**

ہمارے ملک میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ دفاتر میں کام کرتے ہیں وہ دفاتر سے سٹیشنری گھر لے آتے ہیں، جو لوگ ریلوے ورکشاپ میں کام کرتے ہیں اُن کی ذاتی ضروریات کی تمام اشیا ورکشاپ سے ہی بنتی ہیں حتیٰ کہ بعض دینی مدارس کے ناظمین بھی مدرسہ کے اموال کو بے دھڑک اپنے ذاتی تصرف میں لے آتے ہیں۔

## 3- خیانت سے پرہیز

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیانت ہے کیا؟ اسلامی ریاست کے اجتماعی مال سے ناجائز طریقے سے کچھ حاصل کرنا خیانت ہے۔ اس حوالے سے ذیل کی احادیث ملاحظہ کیجیے:

- حضرت عمر بن الخطابؓ بیان فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے دن صحابہ کرامؓ آپس میں بیٹھے بات چیت کر رہے تھے کہ فلاں شخص شہید ہوا اور فلاں شخص شہید ہوا۔ دوران گفتگو ایک شخص کا ذکر ہوا تو صحابہ کرامؓ نے اُس کے بارے میں بھی کہا کہ وہ شہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہرگز نہیں! میں نے اُسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اُس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر چرائی تھی۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ''جا کر لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔'' چنانچہ میں نے حسبِ ارشاد لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔
- حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نے خیانت کا ذکر کیا اور اِس کا سخت گناہ بیان کیا اور فرمایا ''میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر سوار اونٹ بڑبڑا رہا ہو۔ وہ شخص کہے گا کہ یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمائیے۔ میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ میں تم میں سے کسی ایک کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر سوار گھوڑا اہنہنا رہا ہو۔ وہ کہے گا یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمائیے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر سوار بکری ممیا رہی ہو۔ وہ کہے گا یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمائیے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر انسان چیخ رہا ہو۔ وہ کہے گا یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمائیے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر کپڑوں کی ایک گٹھڑی ہل رہی ہو۔ وہ کہے گا یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمائیے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر سونا اور چاندی ہو۔ وہ کہے گا کہ یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمائیے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔''

نوٹ: نبی کریم ﷺ کی شفاعت برحق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شفاعت گناہ کرنے والے افراد کی بھی ہو گی لیکن صرف اُن افراد کی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اجازت عطا کرے گا، اس لیے دُنیا میں ہی اپنے اعمال کی معافی مانگنی چاہیے۔

## 4- اقربا پروری سے اجتناب

اقربا پروری کا مطلب ہے میرٹ کی خلاف ورزی کر کے رشتہ داروں کو نوازنا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں ہر شعبے میں یہ کلچر عام ہے اور دیمک کی طرح تمام اداروں کو کھا رہا ہے۔ سرکاری افسران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِس سے پرہیز کریں۔ اس حوالے سے تاریخ میں بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا۔ جہاں تک حضرت حسن بن علیؓ کا تعلق ہے تو انھیں بھی حضرت علیؓ نے نہ تو نامزد کیا تھا اور نہ ہی بعد والوں کو کوئی وصیت کی تھی۔ یہ علیحدہ معاملہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے طور پر انھیں خلیفہ منتخب کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کی تمام جائدادیں بحق سرکار ضبط کر لیں یہاں تک کہ اپنی اہلیہ کے زیورات بھی بیت المال میں جمع کروا دیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رشتہ داروں نے وہ مال ناجائز طور سے حاصل کیا تھا۔ جہاں تک آپ کی اہلیہ کے زیورات کا تعلق ہے تو وہ اگرچہ انھیں اپنے باپ کی طرف سے ملے تھے جو کہ خلیفہ تھا۔ آپ کی اہلیہ کے چار بھائی بھی منصب خلافت پر فائز رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا ''تیرے باپ اور تیرے بھائیوں نے غلط طریقے سے مال اکٹھا کیا جس سے تمھیں زیورات بنا کر دیے اس لیے ان کو بیت المال میں جمع کرانا ضروری ہے۔'' کاش آج کے افسران ان روشن مثالوں کو سامنے رکھیں۔

## 5- قومی وسائل کی حفاظت

قومی وسائل کی حفاظت ذاتی اثاثوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے اس لیے کہ ذاتی ملکیت میں سے کچھ مال بے احتیاطی سے ضائع بھی ہو جائے تو شاید اللہ کے ہاں پوچھ گچھ نہ ہو مگر قومی وسائل میں غفلت اور بے پروائی اجتماعی مال کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ اسلامی تاریخ میں اکابر علما اور صالح حکمرانوں کا ایسا طرزِ عمل بھی ملتا ہے کہ ذاتی گفتگو کے وقت سرکاری چراغ کو گل کر دیا گیا۔

## 6- منصب کا درست استعمال

سرکاری افسران کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے منصب سے نہ تو خود ناجائز فائدہ اٹھائیں اور نہ ہی کسی اور کو اٹھانے دیں۔ پاکستان میں اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اگر سرکاری افسر خود منصب کا ناجائز استعمال نہ بھی کرے لیکن اُس کے رشتہ داروں میں سے بعض لوگ اُس کے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے افسران کو خود نگاہ رکھنا ہوگی۔

## 7- دفتری اوقات کا لحاظ

وقت سے قیمتی کوئی شے نہیں۔ عربی کا مقولہ ہے، ''اَلوَقتُ سَیفٌ قَاطِعٌ'' (وقت کاٹ دینے والی تلوار ہے)۔ اگر کوئی افسر عوام الناس کی خدمت کے بجائے، سرکاری اوقات میں دوست احباب کے ساتھ گپ شپ کر رہا ہے تو وہ خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس طرزِ عمل سے بچنا بھی بہت ضروری ہے۔

## 8- جھوٹ سے احتراز

جھوٹ برے اخلاق کی فہرست میں پہلے نمبر پر ہے۔ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں۔'' پوچھا گیا جھوٹا ہو سکتا ہے؟ فرمایا ''نہیں۔'' لہٰذا جھوٹ سے احتراز انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں میں ضروری ہے۔

## 9- غیر قانونی کاموں سے انکار

اِس حوالے سے کوئی شک نہیں کہ غیر قانونی کاموں کے حوالے سے افسران پر بہت دباؤ ہوتا ہے لیکن اگر وہ ایمان داری اور نیک نیتی سے اپنا کام کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں۔ مشکلات ضرور در پیش آ سکتی ہیں لیکن ایسی نہیں کہ جو ختم ہی نہ ہو سکیں۔

ے یہ شہادت گہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے<br>
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

## 10- میرٹ کا فروغ

میرٹ پر کام اور میرٹ کے کلچر کا فروغ کسی بھی نظام کی کامیابی کے لیے اشد ضروری ہے۔ سرکاری افسران اگر نیک نیتی سے چاہیں تو اپنی اجتماعی کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے میرٹ پر کام کر سکتے ہیں اور اس کلچر کو پروان بھی چڑھا سکتے ہیں۔

## 11- لسانی، مذہبی اور علاقائی عصبیت سے اجتناب

رسول اللہ ﷺ نے لسانیت، علاقائیت اور قبائلیت کے سارے بت اپنے آخری خطبے "خطبہ حجۃ الوداع" میں پاش پاش کر دیے تھے جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا "جاہلیت کے سارے بت آج میں اپنے پاؤں کے نیچے روندر ہا ہوں۔" صد افسوس کہ آج اِن سارے بتوں کو ہم نے اپنے گلے کا ہار بنالیا ہے۔

## 12- سچ کا فروغ

ایک سچے اور ایمان دار سرکاری افسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی عصبیتوں سے بالاتر ہو۔ سچ بولنا مومن کے ایمان کی نشانی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ O (التوبۃ: 119)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو۔"

## 13- انصاف کی فراہمی

عوام الناس کو انصاف کی فراہمی سرکاری افسران کی بنیادی ذمہ داری ہے کیونکہ انصاف کے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ انصاف کے تقاضے ہر حال میں پورے کرنے چاہییں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ O (المائدۃ: 8)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے انصاف پر مبنی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی سخت دشمنی (بھی) تمھیں اس بات پر نہ اُبھارے کہ تم (اُس سے) عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو (کہ) وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے، اور اللہ سے ڈرا کرو! بے شک اللہ تمھارے کاموں سے خوب آگاہ ہے۔"

## 14- کام کرنے کی اہلیت

کسی کام کی اہلیت نہ ہونا بہت بڑے نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ افراد جو سفارشی کلچر کے ذریعے ترقی پاتے ہیں یا اوپر آتے ہیں، اُن کی مثال کسی صاحب علم نے یوں دی ہے کہ "ایک ہزار قابل ترین افراد کے فوت ہو جانے سے اس قدر نقصان نہیں ہوتا جس قدر نقصان کسی نااہل کو منصب دینے سے ہوتا ہے۔"

## 15- ملکی مفاد کو ترجیح دینا

ہر حال میں ملکی مفاد کو ترجیح دینا اور اسے ہر معاملے میں مقدم رکھنا افسران کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ محض اپنے ذاتی مفاد کے لیے یا چند ٹکوں کی خاطر ملکی رازوں کو دیگر لوگوں پر ظاہر کر دینا ایسا زہر ہے جو ایک فرد پوری قوم کے جسم میں داخل کرتا ہے۔

## 16- ریاست کے ساتھ وفاداری

سرکاری افسران ریاست کے ساتھ وفاداری کا حلف اُٹھاتے ہیں۔ یہ حلف ایک ''عہد'' ہے جو ریاست اور افسر کے درمیان قائم ہو جاتا ہے۔ عہد کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ○ (بنی اسرائیل: 34)

ترجمہ: ''وعدہ پورا کیا کرو بے شک وعدہ کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔''

## 17- نظم مملکت کی بہتری کے لیے کوشاں رہنا

ایک سرکاری افسر کو ہر دم نظم مملکت میں بہتری کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیے تاکہ سسٹم بہتر سے بہتر ہو اور عوام کے لیے آسانیاں میسر آئیں۔ خلفائے راشدین کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں کہ کس طرح ہر خلیفہ نے سسٹم کو بہتر سے بہتر کرنے کے لیے کوششیں کیں۔

## 18- حسن اخلاق سے پیش آنا

دین پورے کا پورا، اچھے اخلاق کو اپنانے اور برے اخلاق سے بچنے کا نام ہے۔ سچ، دیانت، عہد کی پاس داری اور امانت اچھے اخلاق ہیں جب کہ جھوٹ، بددیانتی وغیرہ برے اخلاق ہیں جن سے بچنا اشد ضروری ہے۔ اگر سرکاری افسران حسن اخلاق کو شعار بنالیں تو تمام مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

## 19- شہریوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولیات کے لیے کوشش کرنا

افسران کو تنخواہ اس لیے ملتی ہے کہ وہ اپنے فرائض ایمان داری سے ادا کرتے ہوئے شہریوں کے لیے سہولیات کا بندوبست کریں۔ ایسا نہ ہو کہ افسران ان کے لیے مزید مشکلات کا باعث ہوں۔ یہاں تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شہریوں سے ناجائز طریقے سے پیسے بھی بٹورے جاتے ہیں پھر بھی لوگوں کو محض اس لیے تنگ کیا جاتا ہے کہ پتا چلے کہ سرکاری افسر کتنا اہم ہوتا ہے۔ اس ذہنیت پر سوائے افسوس اور کیا کیا جاسکتا ہے؟

## 20- اپنے حلف کا لحاظ کرنا

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ○ (آل عمران: 76)

ترجمہ: ''کیوں نہیں! جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو اللہ متقین کو محبوب رکھتا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اُس قول کا رد کیا ہے کہ ''ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے پر ہماری گرفت نہیں ہوگی''۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا اور کہا کہ کیوں نہیں، ان کی اس پر گرفت ہوگی۔ عہد شکنی کرنے والوں کی مذمت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عہد پورا کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے کہ جس شخص نے عہد پورا کیا اور عہد شکنی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔ یاد رکھیے کہ اطاعت دو چیزوں میں پوشیدہ ہے: اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی مخلوق پر شفقت۔ عہد کے اندر یہ دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے کہ عہد پورا کرنے سے اُس کی تعظیم کے ساتھ ساتھ مخلوق پر شفقت بھی ہوتی ہے۔ جو شخص بندوں سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا، وہ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو

بھی پورا کرے گا...... بندے کا اللہ سے عہد یہ ہے کہ وہ اُس کے تمام احکام بجالائے اور اس کی عبادت کرے اور اُن تمام کاموں سے باز رہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع رہنے کا حکم دیا ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا تو وہ کامل متقی بن جائے گا اور یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں، اُن لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ اُن سے کوئی کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن اُن کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ اُن کو پاکیزہ کرے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

(آل عمران:78)

ارشادِ رسول مکرم ﷺ ہے:

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے حاکم کے فیصلہ سے حلف اٹھایا تا کہ اس قسم کے ذریعہ کسی شخص کا مال کھالے، وہ جس وقت اللہ سے ملاقات کرے گا وہ (اللہ) اُس پر غضب ناک ہوگا۔''

## 21- سرکاری وسائل کا درست استعمال

سرکاری وسائل پوری قوم کی اجتماعی ملکیت ہوتے ہیں۔ اجتماعی ملکیت میں خیانت مسلمان کو زیادہ بڑے گناہ کا مستحق بناتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ سرکاری وسائل کا استعمال درست ہو۔

## 22- عدالت و پارسائی

اسلامی قانون میں عدالت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ آدمی سچا ہو، امانت دار ہو، پرہیز گار ہو، اس کی سیرت بے داغ اور اس کا کردار غیر متشبہ ہو، خوشی اور ناراضی میں مغلوب نہ ہوتا ہو اور دین و دُنیا کے تمام اُمور میں مروت برتتا ہو۔ یہی وہ صفات ہیں جن کی موجودگی کے بعد ہی کوئی شخص اسلامی نظامِ حکومت میں کوئی عہدہ پانے کا اہل بنتا ہے۔ عادل حکمران کے متعلق نبی پاک ﷺ کا ارشاد مبارک ہے ۔

**ان أحب الناس الی الله یوم القیامة وأدناهم منه مجلسا امام عادل و أبغض الناس الی الله وأبعدهم منه مجلسا امام جائر**

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب اور اس کے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ قابل نفرت اور سب سے دور بیٹھنے والا ظالم حکمران ہوگا۔ سرکاری افسران کو اپنے اندر عدالت و پارسائی کی صفت کو نمایاں کرنا چاہیے۔ بقول اقبال:

ے نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل پاک باز

## 23- مستقل مزاجی

مستقل مزاجی ایک اہم شرط ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص اہم اور دشوار کاموں کی صلاحیت رکھتا ہو، ثابت قدم و باہمت ہو اور جلد بازی سے کام نہ لے۔ **قال رسول اللہ ﷺ الأناة من الله و العجلة من الشیطان۔** ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کام میں جلد بازی نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔'' حضرت عائشہؓ، نبی پاک ﷺ کے متعلق فرماتی ہیں **أحب الدین الیه ماداوم علیه صاحبه** ''رسول اللہ ﷺ کو وہ عمل زیادہ محبوب تھا جس پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا ہوا جائے۔'' ثابت قدم شخص ہی مشکل حالات میں اپنے فرائض منصبی بخوبی ادا کرسکتا ہے۔

## 24- دور اندیشی و معاملہ فہمی

سرکاری ذمہ دار افراد میں فلاسفرز کی سی دانش مندی اور علما جیسا فہم ہونا چاہیے۔ دور اندیشی، تحمل و بردباری اور معاملہ فہمی جیسی صفات ریاستی اُمور کو بطریق احسن چلانے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اس حوالے سے ارشادِ رسول ﷺ اہم ہے:

**عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال لأشج عبدالقیس ان فیک خصلتین یحبھما اللہ الحلم و الأناۃ۔**

ترجمہ: ''ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد قیس کے قاصد اشج سے فرمایا تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں۔ بردباری اور سوچ سمجھ کر کام کرنا (جلد بازی نہ کرنا)۔''

## 25- متانت و وقار

با اثر افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ سنجیدہ، باوقار اور اہلِ علم ہوں۔ نظم وضبط قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں نیز اُلجھے ہوئے مسائل کو حکمت و تدبر سے حل کرنا جانتے ہوں۔ حکمت و دانائی اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

**يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا** (البقرۃ:269)

ترجمہ: ''وہ حکمت عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی، اس کو یقیناً بہت بڑی بھلائی مل گئی۔''

نبی پاک ﷺ نے فرمایا:

**الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو أحق بھا۔**

ترجمہ: ''حکمت کی بات مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے لہٰذا اسے جہاں بھی پائے وہی اس کا مستحق ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

''حسد صرف دو چیزوں پر جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اس کو راہ حق پر خرچ کرنے کی قدرت دی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (علم) دی اور وہ اس کے ذریعہ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔''

## 26- خلاصۂ بحث

درج بالا ذمہ داریاں واضح کرتی ہیں کہ سرکاری افسران کو کس قدر قابل اور خدا ترس ہونا چاہیے۔ اگر سرکاری افسران درج بالا ہدایات پر عمل کرتے ہیں جن میں ریاست سے وفاداری، امانت، دیانت، حلف کا لحاظ، سادگی، رشوت ستانی سے پرہیز، جھوٹ سے پرہیز، احتساب ذات، تقویٰ، قواعد وضوابط کی پاس داری وغیرہ تو یقیناً عوام کے بہت سارے مسائل ان کے گھر کی دہلیز پر حل ہو جائیں گے۔ بقول شاعر:

؎ کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

# اسلام میں احتساب کا نظام

## اہم نکات

1- تعارف
2- احتساب کا مفہوم
3- احتساب آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں
4- احتساب احادیث کی روشنی میں
5- احتساب سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں
6- احتساب خلفائے راشدین کے عہد میں
7- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

کسی حکومت کا قانون و آئین گو کیسا ہی مرتب و منظم ہو، اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی اور اُن پر نکتہ چینی و تنقید کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ احتساب کے بغیر کوئی معاشرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ ذاتی معاملات میں نرمی گو کہ رحمت عالم ﷺ اور خلفائے راشدین کا خاص شیوہ تھا لیکن انتظامی معاملات میں وہ کسی قسم کی نرمی کبھی بھی روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آفیسر یا گورنرز سے جب کبھی کوئی خلاف قانون کام ہو جاتا تو اُس کی انتہائی سختی سے باز پرس کی جاتی تھی۔ ذیل میں اسلام کے نظام احتساب کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ بقول اقبال:

؎ صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

## 2- احتساب کا مفہوم

احتساب کے لفظی معنی ''حساب دینا'' کے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے ''ذمہ داری کا جواب دینا'' انگریزی میں اِس کے لیے "Accountability" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ احتساب کرنے والے کو ''محتسب'' (Ombudsman) کہتے ہیں۔ محمد البری کے نزدیک احتساب کی تعریف کچھ اِس طرح سے ہے:

**Mohtasib is an institution of great importance in Islamic administrative system. This institution invigilates excesses and unlawful activities of Government officers towards the public.(Administrative Development An Islamic perspective)**

## 3- احتساب آیات قرآنیہ کی روشنی میں

احتساب کے حوالے سے آیات قرآنیہ درج ذیل ہیں:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیا:1)

ترجمہ: ''لوگوں کے لیے اُن کے حساب کا وقت قریب آ پہنچا، مگر وہ غفلت میں پڑے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔''

جب کہ ''سورۃ الحشر'' میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (الحشر:18۔19)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو خود ان کی جانوں سے غافل کر دیا، یہی لوگ نافرمان ہیں۔ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔''

''سورۃ الفاتحہ'' میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (فاتحہ:3)

ترجمہ: ''مالک ہے روزِ جزا کا''

درج بالا ارشاداتِ الٰہیہ مومن کے یقین کے لیے کافی ہیں کہ اُسے ایک دن اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہونا ہے اور اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔

## 4- احتساب احادیث کی روشنی میں

احتساب کے حوالے سے درج ذیل احادیث بہت اہم ہیں:

- ''خبردار! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب سے بڑا حکمران ہے وہ بھی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔'' (صحیح مسلم)
- ''کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔'' (بخاری)
- ''کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (بخاری و مسلم)
- نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ''اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا عہدہ ایک امانت ہے اور قیامت کے روز یہ رسوائی اور ندامت کا موجب ہوگا۔ سوائے اس شخص کے جو حق کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اسے ٹھیک ادا کرے۔'' (صحیح مسلم)
- ''کسی حاکم کا اپنی رعایا میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے''۔ (کنز العمال)

## 5- احتساب سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں

### (ا) عمال (گورنرز) کا احتساب (Accountibility of Authorities)

جہاں تک عمال کی تربیت اور ان کے احتساب کا تعلق ہے تو اس کے دو پہلو ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ جن لوگوں کو کوئی اہم ذمہ داری سونپی جاتی مثلاً صدقہ یا زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے لیے بھیجا جاتا ان سے رسول اللہ ﷺ اس بات کی پوچھ گچھ کرتے تھے کہ کہیں وصولی میں انھوں نے بے جا ظلم یا ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بنی سُلیم کے صدقات پر عامل بنا کر روانہ کیا۔ جب وہ وصول کر کے واپس آئے تو انھوں نے دو قسم کا مال رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ کہہ کر رکھ دیا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مال مجھ کو تحفۃً ملا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ملاحظہ فرمایا تو فرمایا: ''گھر بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟'' اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں اس قسم کے لین دین کی سختی سے ممانعت فرمادی۔

### (۲) تاجروں کا احتساب

چیزوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے بات بات پر قسم اٹھانے، جھوٹی قسمیں کھانے، ناپ تول میں کمی کرنے، اور اس قسم کی دوسری نازیبا حرکات کی سخت ممانعت کی۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات بازاروں اور منڈیوں کا دورہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ بازار تشریف لے گئے تو غلہ کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ غلہ اندر سے گیلا تھا۔ آپ ﷺ نے دکان دار سے دریافت فرمایا ''یہ کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''بارش سے بھیگ گیا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا؟ تاکہ ہر شخص کو نظر آئے۔'' پھر فرمایا: **مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔** ''کہ جو لوگ دھوکا فریب کریں وہ ہم میں سے نہیں۔''

### (۳) محتسبین (مارکیٹ انسپکٹرز) کا تقرر

وزن اور ناپ تول کو ٹھیک رکھنا قرآن کریم کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اشیا کو محض اندازہ کے بجائے تول کر دینے اور وزن کرنے کی ہدایت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ منڈیوں اور بازاروں کی مجموعی نگہداشت اور تاجروں کے بے جا تصرفات سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بازاروں کے لیے باقاعدہ محتسب (مارکیٹ انسپکٹرز) کا تقرر بھی کیا تھا۔ بلکہ تاریخ تو یہ بھی بتاتی ہے کہ بعض اوقات عورتیں بھی بازاروں میں کوڑا لے کر گھومتی تھیں اور لوگوں کو اچھی بات کا حکم دیتی اور بری باتوں سے روکتی تھیں۔

## 6- احتساب خلفائے راشدین کے عہد میں

خلفائے راشدین نے بھی آپ ﷺ کے طریقہ احتساب کو جاری رکھا۔ ذیل میں چاروں خلفا کے حوالے سے چند اہم واقعات کو نقل کیا جاتا ہے:

### (ا) عہد صدیقی میں احتساب

#### (i) مالک بن نویرہ کا واقعہ

مالک بن نویرہ ایک منکر زکوٰۃ تھا۔ حضرت سیدنا خالد بن ولیدؓ اُس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن اُنھوں نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اُسے قتل کر ڈالا۔ مالک بن نویرہ کا بھائی شاعر تھا، سو اُس نے اپنے بھائی کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کو تیار تھا مگر سیدنا خالدؓ نے محض ذاتی عداوت کی بنا پر اُسے قتل کر دیا۔ اس کی اطلاع دربار خلافت تک پہنچی تو اس غلطی پر سیدنا خالدؓ سے سخت باز پرس ہوئی لیکن وہ جس کام پر مامور تھے، اُس کے لیے اُن سے زیادہ کوئی دوسرا موزوں نہ تھا اس لیے وہ اپنے عہدہ پر برقرار رکھے گئے۔

#### (ii) حدود و تعزیرات

سیدنا ابوبکر صدیقؓ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے۔ جب عہدِ نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے اُن کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو آپ نے پوچھا ''کیا تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟'' اُس نے کہا ''نہیں'' تو آپؓ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور اِس راز کو پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ بھی اِس کو چھپائے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔'' اگر اُس شخص نے آپؓ کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا لیکن اُس نے خود بارگاہِ رسالت ﷺ میں آ کر متواتر چار دفعہ اقرار جرم کیا اور بخوشی سنگسار ہوا۔ لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفۂ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہوتا ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ اُنھوں نے پولیس یا احتساب کا کوئی نیا مستقل محکمہ قائم نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اُن کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی۔ بس اس قدر اضافہ کیا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرے داری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں مقرر کر دیں۔ مثلاً حدِ خمر کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل مختلف تھا لیکن سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں شرابی کے لیے چالیس دُرّے کی سزا مقرر کر دی۔

### (۲) عہد فاروقیؓ میں احتساب

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ خلیفۂ وقت کا اہم ترین فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہوتا ہے۔ سیدنا عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ آپؓ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا اور اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؓ اُس کے مال و اسباب کی فہرست تیار

کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی بہتری کا علم ہوتا تھا تو اُس کے مالک کا آدھا حصہ لے کر بیت المال میں داخل کر لیتے تھے۔ ایک بار بہت سے عُمال (Officers) اس بلا میں مبتلا ہو گئے تو خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے سیدنا عمرؓ کو اطلاع دی۔ آپؓ نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بیت المال میں داخل کر لیا۔

### (i) موسم حج میں اعلان

موسم حج میں اعلانِ عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہِ خلافت میں پیش کرے۔ چنانچہ چھوٹی سے چھوٹی شکایات بھی پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اُن کا تدراک بھی کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھے بلاوجہ کوڑے مارے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے فریادی کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اُس عامل کو کوڑے لگائے۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے التجا کی کہ گورنرز پر یہ عمل مشکل ہوگا۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا ''یہ نہیں ہوسکتا کہ میں ملزم سے بدلہ نہ لوں۔''

### (ii) حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی

حضرت سیدنا خالد بن ولید کا لقب ''سیف اللہ'' تھا اور آپؓ اپنی جانبازی اور شجاعت کی بدولت اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور صاحب اثر بزرگ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ایک غلطی پر اُنھیں بھی معزول کر دیا۔

### (iii) سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کا واقعہ

حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر تھے۔ آپؓ کے بارے میں شکایات ہوئیں کہ آپؓ نے اسیرانِ جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں اور کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے اور اس کے علاوہ آپؓ کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ سے مواخذہ کیا تو اُنھوں نے تمام اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ وہ لونڈی آپؓ سے واپس لے لی گئی۔

### (iv) سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی ڈیوڑھی

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی (دروازے کے سامنے چھوٹی دیوار تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے) بھی تھی۔ اِس خیال سے کہ اہلِ حاجت کو اس سے رکاوٹ ہوگی سیدنا عمرؓ نے سیدنا محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ چپ چاپ کھڑے دیکھتے رہے۔

### (v) سیدنا عیاض بن غنمؓ کا واقعہ

سیدنا عیاض بن غنمؓ مصر کے گورنر تھے۔ ان کی نسبت شکایت پہنچی کہ آپؓ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ سیدنا عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات پر مامور کیا۔ انھوں نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان موجود تھا اور سیدنا عیاضؓ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی ہیئت اور لباس کے ساتھ آپؓ انھیں لے کر مدینہ آئے۔ یہاں سیدنا عمرؓ نے اُن کا باریک کپڑا اُتروا دیا اور بالوں کا کرتا پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض کو انکار کی مجال تو نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مرجانا بہتر ہے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمھارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں ہے؟'' سیدنا عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

○ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا بھی خاص اہتمام تھا۔ سیدنا عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارمِ اخلاق سے آراستہ ہو جائے۔ اُنھوں نے عرب جیسی فخر پسند قوم سے فخر وغرور کی تمام علامات مٹا دیں یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز بھی باقی نہ رہنے دی۔ ایک دن سیدنا صفوان بن اُمیہؓ نے آپؓ کے سامنے کھانا پیش کیا۔ سیدنا عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار محسوس ہوتی ہے۔

## (۳) عہدِ عثمانیؓ میں احتساب

سیدنا عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت نرم تھے اور بات بات پر آپؓ پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت میں تحمل اور بردباری آپ کا شیوہ تھا لیکن ملکی معاملات میں آپؓ نے احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرزِ عمل بنایا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے ایک کثیر رقم بطور قرض لی جو وہ واپس ادا نہ کر سکے۔ سیدنا عثمانؓ نے اُن سے سختی سے باز پرس کی اور انھیں معزول کر دیا۔ سیدنا ولید بن عقبہؓ نے شراب نوشی کی، انھیں معزول کر کے اُن پر اعلانیہ حد جاری کی۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو انھیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا۔ اسی طرح والیٔ مصر سیدنا عمرو بن العاصؓ خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو بھی عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔

نگرانی کا عام طریقہ یہ تھا کہ حالات معلوم کرنے کے لیے دربارِ خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کیے جاتے تھے جو تمام صوبہ جات میں دورہ کر کے عمال کے طرزِ عمل اور رعایا کا اندازہ کرتے تھے۔ ملک کی حالت سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے آپ کا معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطرافِ ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے۔ تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو، وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کیے جاتے تھے۔ تحقیق کے بعد شکایات کا ازالہ کیا جاتا۔

## (۴) عہدِ علویؓ میں احتساب

ملکی نظام کے اہم ترین کام یعنی گورنرز کی نگرانی کا سیدنا علیؓ نے بھی خاص اہتمام کیا۔ آپؓ جب کسی گورنر کو مقرر کرتے تو اُس کو نہایت مفید اور گراں قدر نصیحتیں کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عمال وحکام کے طرزِ عمل کی تحقیق بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب سیدنا کعب بن مالکؓ کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی:

"أُخْرُجْ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِكَ حَتّٰى تَمُرَّ بِأَرْضِ السَّوَادِ كُوْرَةً كُوْرَةً فَتَسْأَلُهُمْ عَنْ عُمَّالِهِمْ وَتَنْظُرَ فِي سِيْرَتِهِمْ۔"

ترجمہ: "تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر کر گورنرز کی تحقیقات کرو اور اُن کے طریقے پر نظر رکھو۔"

گورنرز کے اسراف اور مالیات میں اُن کی بدعنوانیوں کی حضرت علیؓ سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے۔ کچھ دنوں کے بعد سیدنا علیؓ نے سختی کے ساتھ ان سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو مصقلہ نے کہا "اللہ کی قسم! یہ تو ایک ایک دانے کا تقاضا کرتے ہیں....." اِس باز پرس سے آپؓ کے قریبی رشتہ دار بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے چچا زاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کے گورنر نے بیت المال سے ایک بہت بڑی رقم لی۔ سیدنا علیؓ نے باز پرس کی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا؛ لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔

## 7- خلاصہ بحث

احتساب کسی بھی معاشرے اور حکومت کے لیے بہت ضروری امر ہے۔ احتساب ذاتی حیثیت میں بھی ہے اور حکومتی حوالے سے بھی۔ مسلمان حکمران جہاں عوام کے سامنے جواب دہ ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہیں۔ جیسا کہ ارشاداتِ الٰہیہ اور ارشادات رسول ﷺ سے واضح ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

> ''خبردار! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب سے بڑا حکمران ہے وہ بھی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔'' (صحیح مسلم)

سیرت طیبہ ﷺ خلفائے راشدین کے ادوار سے واضح ہے کہ احتساب کی ضرورت کو ہر سطح پر نہ صرف محسوس کیا گیا بلکہ عملاً ہر ایک کا احتساب ہوا، خود نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ کو دورانِ خطبہ روک دیا گیا کہ پہلے آپؓ یہ بتائیں ہر ایک کو ایک ایک چادر ملی تھی اور آپؓ کے لیے بھی ایک ہی چادر تھی ایک چادر سے آپ کا لباس مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے دوسری چادر اپنے بیٹے سے لی ہے۔ ہاں احتساب میں یہ شرط ہے کہ وہ سب کے لیے یکساں (Across the board) ہو۔ اس میں کسی کو سیاسی انتقام کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ افسوس! پاکستان میں اس حوالے سے کوئی مثبت روایت پیدا نہیں ہوسکی۔ لیکن مثبت روایت کے بغیر پاکستان کی ترقی بھی پھر خواب نظر آتی ہے۔ بقول فیض احمد فیض:

ہر اِک اولوالامر کو صدا دو کہ اپنی فردِ عمل کو سنبھالے
اُٹھے گا جب جمعِ سرفروشاں پڑیں گے دارو رسن کے لالے
کوئی نہ ہو گا کہ جو بچا لے جزا سزا سب یہیں پہ ہو گی
یہیں سے اُٹھے گا شورِ محشر یہیں پہ روزِ حساب ہو گا

# اسلامی ضابطۂ حیات

- اسلام کا معاشرتی نظام
- اسلام کا سیاسی نظام
- اسلام کا معاشی نظام
- اسلام کا عدالتی نظام
- اسلام کا اخلاقی نظام
- اسلام کا انتظامی نظام
- اجماع اور اجتہاد کے اُصول وضوابط

# اسلام کا معاشرتی نظام

1- جدید معاشرے کے استحکام کا انحصار اسلامی اُصولوں کی روشنی میں خاندانی نظام کی مضبوطی پر ہے، بحث کیجیے۔
(2015ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- معاشرہ اور ملت کا تعلق
3- معاشرہ اور قومی ترقی
4- معاشرہ اور روابط کی اہمیت
5- معاشرہ اور اسلام کا مزاج
6- معاشرہ میں فرد کی جداگانہ حیثیت
7- معاشرہ اور عبادات کی اہمیت
8- اسلامی نظامِ معاشرت کی بنیادیں
9- اسلام کے معاشرتی ادارے
10- اسلامی معاشرہ کے لیے اقدامات
11- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

آر۔ ٹی۔ شیفر معاشرہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مخصوص علاقہ میں رہائش پذیر افراد کا بڑا مجموعہ جو خود مختار ہوں اور مشترکہ ثقافت رکھتے ہوں، معاشرہ کہلاتا ہے۔''

سیموئیل کوئینگ کے نزدیک:

''معاشرہ افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو مشترکہ روایات، اقدار، رسم ورواج اور طرزِ زندگی اختیار کیے ہوئے ہوں۔''

انسان ایک معاشرتی حیوان ہے یا یوں کہیے کہ ہمیشہ سے مدنی الطبع (شہری زندگی پسند کرنے والا) ہے اور اپنی فطرت میں جماعتی زندگی کا محتاج ہے۔ بغیر اجتماعیت کے اس کی زندگی ناممکن ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر موت تک معاشرے کا محتاج ہے۔ اس کا جسم، عقل اور خلق جیسے اہم عطیات بھی ''خالق کائنات'' جماعتی زندگی ہی کے لیے عطا فرماتا ہے۔ دُنیا میں آتے ہی وہ ایک خاندان میں آنکھیں کھولتا ہے۔ اپنی پرورش کے لیے دوسرے لوگوں (ماں، باپ، بھائی بہن یا رشتہ داروں) کا محتاج ہوتا ہے۔ پھر ہوش سنبھالتے ہی اس کو ایک سوسائٹی سے، ایک برادری سے، ایک بستی سے، ایک قوم سے، ایک نظام، ایک تمدن اور نظامِ معیشت وسیاست سے واسطہ پیش آتا ہے۔ نیز ''فرد'' یا ''انسان'' اپنی ہر متعلقہ شے مثلاً خوراک، لباس، مکان اور زندگی کے دوسرے ہر شعبے میں جماعت کا ''دست نگر'' ہے۔ اور اگر اس سے وہ تمام چیزیں حذف کردی جائیں جو جماعت کی بدولت اس کو حاصل ہوتی ہیں تو پھر اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہتا اور اس کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے اعمال، اغراض، اور عادات کی جماعتی زندگی کے بغیر کوئی قیمت نہیں ہے۔ تھوڑے سے غور وفکر سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہر فرد یا انسان دوسروں کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور ان سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اس لیے اس کو فطری طور پر مدنی الطبع تسلیم کر لینا بے دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ جماعت کا وجود افرادِ جماعت پر موقوف ہے اور افرادِ جماعت میں سے ہر فرد کا نفع ونقصان جماعت کے نفع ونقصان پر اثر انداز ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے سہارے قائم ہیں۔ چھوٹی جماعت خاندان اور کنبہ ہے جو والدین، اولاد اور قریبی اعزہ سے بنتی ہے اور جن میں باہمی اعتماد اور خدمت گزاری کا معاملہ رہتا ہے۔ اس کی حیثیت بالکل انسانی جسم کی طرح ہے کہ اگر ایک عضو کو نقصان پہنچتا ہے تو تمام اعضا تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً ایک لڑکا بُرا ہو جائے تو وہ سارے کنبہ کو سعادت وخوش بختی سے محروم کر دیتا ہے یا اگر باپ شرابی یا جواری ہو تو اس کی یہ خصلتِ بد پورے کنبے کی معاشرت کو تنگ اور گھر کے پورے مالی وانتظامی نظام اور ماحول کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ پھر کنبے سے بڑی جماعتوں میں بھی صورت حال مختلف نہیں ہے۔ مثلاً ''مدرسہ'' جہاں طلبا، مدرسین اور عملہ ایک ''جسم واحد'' ہیں۔ ان میں ہر شخص اپنے شخصی عمل سے مدرسے کی عظمت وپستی کا باعث بن سکتا ہے۔

## 2- معاشرہ اور ملت کا تعلق

''ملت'' جو جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے اور دین کے رشتے سے انسانوں میں اخوت عام کے تعلق کو استوار کرتی ہے، اس کی وحدتِ اجتماعی تو اس قدر دور رس ہے کہ اگر حقیقی وحدت اسی کو کہا جائے تو بجا ہے۔ جس طرح جسم کو اس کا کوئی عضو فائدہ یا نقصان پہنچاتا ہے اسی طرح قوم اور امت کو بھی اپنے افراد سے نفع ونقصان حاصل ہوتا ہے۔ طلبا، مدرسین، تاجر، کاشت کار، صنعت کار، کارپینٹر وغیرہ سب قوم کے اجزا ہیں جو اس کا جسم سنوارتے اور بناتے ہیں اور اس کے نفع ونقصان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ اثر انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کے مختلف درجات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔

## 3- معاشرہ اور قومی ترقی

قوم کی ترقی کا پیمانہ اس کے افراد کے مجموعۂ اعمال کے اعتبار سے ہی ہوتا ہے۔ ''تمام عالم انسانی'' جنس، رنگ روپ، بول چال اور مذہب کے اختلاف کے باوجود ایک ہی جسم ''انسانیت'' کے افراد و اعضا ہیں۔ اسی لیے ہر قوم دوسری اقوام پر اثر ڈالتی ہے اور صنعت و حرفت، تجارت، معارف اور علوم و اخلاق میں ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہتی ہے۔ اقوام کے درمیان عادات کا طبعی اختلاف ان کے درمیان محبت پیدا کرنے سے رکاوٹ نہیں ہے۔ جس طرح ایک کنبے کے افراد میں مرد و عورت کا نرم اور سخت ہونا ان کی یکتائی اور ان کے جسم کے واحد ہونے کے منافی نہیں ہے۔

## 4- معاشرہ اور روابط کی اہمیت

معاشرے کے یہ بے شمار روابط ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے جوڑے ہوئے ہیں۔ ان ہی کی درستی پر، ایک ایک انسان کی، ایک ایک معاشرے کی اور مجموعی طور پر تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا انحصار ہے۔ اور وہ صرف خدا ہی ہے جو انسانوں کو ان روابط کے لیے صحیح اور منصفانہ اور پائیدار اُصول اور حدود بتاتا ہے۔ جہاں انسان اس کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خود مختار بنا اور اس نے بزعم خود انصاف کرنا چاہا تو پھر نہ تو کوئی مستقل اُصول باقی رہتا ہے اور نہ انصاف و سچائی۔ اس لیے کہ خدا کی رہنمائی سے محروم ہو جانے کے بعد نفسانی خواہش اور ناقص علم و تجربہ کے سوا کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہتی جس کی طرف انسان رہنمائی کے لیے رجوع کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس سوسائٹی کا نظام لادینیت یا مذہب سے انحراف کے اُصولوں پر قائم ہوتا ہے، اس کے اُصول غیر مستقل ہوتے ہیں اور روز بنتے یا ٹوٹتے رہتے ہیں۔ انسانی تعلقات کے ایک ایک گوشے میں ظلم، ناانصافی، بے ایمانی اور آپس کی بے اعتمادی پیدا ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ تمام انسانی معاملات میں انفرادی، طبقاتی، قومی اور نسلی خود غرضیاں اور انتشار رونما ہو جاتا ہے اور دو انسانوں کے تعلق سے لے کر قوموں کے تعلق تک کوئی رابطہ ایسا نہیں رہتا جس میں کجی نہ آ جاتی ہو۔

## 5- معاشرہ اور اسلام کا مزاج

اسلام اپنا ایک مضبوط نظام معاشرت رکھتا ہے جس کے اُصول مستقل ہیں، جس کا پورا مزاج عدل و انصاف سے مرکب ہے اور جس کے تمام اجزا باہم جڑے ہوئے ہیں۔ یہ نظام ایسا جامع ہے کہ زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں آ جاتی ہیں۔ یہ انسان کے ضمیر اور اس کے معاملاتِ زندگی دونوں پر محیط ہے اور اپنی ہدایات اور قانون سازی میں دین اور دُنیا دونوں پر حاوی ہے۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے اس لیے اسلام جہاں جماعتی اور معاشرتی اصلاح کرتا ہے وہیں فرد کو بھی نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اس کی اصلاح معاشرے کا سدھار ہے۔ اس لیے اس کی نظر میں فرد اور سماج دونوں کی اصلاح و تربیت یکساں اہمیت رکھتی ہے۔

## 6- معاشرہ میں فرد کی جداگانہ حیثیت

اسلام ہر فرد کی جداگانہ شخصیت کا قائل ہے۔ وہ انسان کو محض نظام اجتماعی کا ایک بے جان اور معطل پرزہ نہیں سمجھتا بلکہ اسے معاشرے کا انتہائی اہم جزو اور دراصل ''تاریخ ساز'' قرار دیتا ہے۔ وہ ایک طرف تو اس میں یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار اور اپنی پوری زندگی کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ خدا کے سامنے ہر فرد کی ذمہ داری انفرادی ہے۔ اس طرح خود معاشرے میں بھی ہر فرد کی شخصیت کے تحفظ اور نشوونما اور ارتقا کا پورا پورا موقع ہونا چاہیے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (حم السجدہ: 46)

ترجمہ: ''جس نے اچھا عمل کیا تو اُس نے اپنے لیے اچھا عمل کیا اور جس نے برا عمل کیا اُس کی سزا بھی خود بھگتے گا۔''

ترجمہ: ''جس کسی نے نیک کام کیا تو اپنے لیے کیا اور جس کسی نے برائی کی تو خود اس کے آگے آئے گی۔'' (.......)

ایک حدیث میں انسان کی زندگی کو اس طرح ذمہ دار بنایا گیا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہٖ (بخاری)

ترجمہ: ''تم میں سب گلہ بان (ذمہ دار اور نگران) ہیں اور ہر ایک گلہ بان سے اس کے گلہ (ذمہ داری) کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

اس احساس ذمہ داری پیدا کرنے کے بعد دوسری طرف ضرورت اس امر کی ہے کہ بندے کا ایمان اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور آخرت پر برابر تازہ کیا جاتا رہے۔ اس سلسلے میں علم دین سے واقفیت سب سے اہم ہے۔ چنانچہ اسلام حصولِ علم کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ حضور ﷺ کو تو یہ دعا مستقل طور پر سکھائی گئی:

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝ (طٰہٰ: 144)

ترجمہ: ''اور کہیے (دعا کیجیے) کہ پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔)''

طلب العلم فریضۃ علٰی کُلّ مسلم (ابن ماجہ)

ترجمہ: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

چنانچہ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ دین کا اتنا علم کہ اسلام کیا ہے اور اس کے بنیادی معاملات کیا ہیں، فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔ پھر علم دین کے ساتھ ساتھ اس علم کا حصول بھی واجب ہے جو زندگی کے قیام اور تمدن کے فروغ کے لیے ضروری ہے۔ گویا اسلام ایک فرد کو ایسے خطوط پر چلانا چاہتا ہے جس پر اس کے استحکام اور عملی زندگی کی تعمیر کا انحصار ہے۔ علم دین کا ایک بڑا مقصد عملی زندگی کی اصلاح ہے۔ اس لیے اسلام ہر فرد میں جذبۂ عملی بیدار کرتا ہے اور سعی وجدوجہد کی اہمیت اس کے ذہن پر نقش کرتا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم: 39)

ترجمہ: ''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''جو کوشش کرے گا اس کو اس کی کوشش کا پھل ملے گا اور ہر کوشش کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ملتا ہے۔'' ایک حدیث میں ارشاد ہے ''کوشش کرو، اس لیے کہ اللہ نے تم پر کوشش فرض کی ہے۔'' جذبۂ عمل کو بیدار کر کے اسلام فرد میں احساس بھی پیدا کرتا ہے کہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ اچھے اعمال کرے، کیوں کہ وہ ایمان جس کے نتیجے میں اچھے اعمال (اعمال صالحہ) رونما نہ ہوں اس بیج کی طرح ہے جو بار آور نہ ہو سکے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''ایمان، دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور اعضا سے عمل کا نام ہے'' اور ''اللہ ایمان کو بغیر عمل اور عمل کو بغیر ایمان قبول نہیں کرتا۔'' گویا ایمان وعمل لازم وملزوم ہیں۔

## 7- معاشرہ اور عبادات کی اہمیت

فرد کی اصلاح کا ایک مؤثر ترین ذریعہ اور اس کی تربیت کا ایک مستقل نظام اسلامی عبادات ہیں۔اس کا اسلام نے ایک مفصل پروگرام دیا ہے جس میں کسی کمی بیشی کی ضرورت نہیں کیوں کہ افراط وتفریط سے بچانا بھی اسلام کا ایک خاصہ ہے۔ اس کے نزدیک فرد کو صرف دُنیا کا ہو کر نہیں رہ جانا چاہیے یعنی دُنیا داری اور دُنیا سے اجتناب، دونوں سے بچنا ضروری ہے۔ اس لیے اعتدال کی راہ سب سے بہتر ہے۔ حضور ﷺ کے الفاظ ہیں ''ہر ایک کام میں اوسط درجہ (اعتدال کی راہ) بہتر ہے۔'' اسلام ہر فرد میں میانہ روی کی صفت دیکھنا چاہتا ہے۔ پھر اسلام کی نظر میں چوں کہ امت مسلمہ کی حیثیت ''اُمت وسط'' اور ''خیر اُمت'' کی ہے اس لیے وہ ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ اقامتِ دین کی جدوجہد کرے۔ اور اپنی زندگی کو دُنیا کمانے کے بجائے دین کو قائم کرنے کے لیے وقف کردے اور اس راہ میں جس قربانی کی بھی ضرورت پڑے اسے پیش کرنے سے بالکل دریغ نہ کرے۔ قرآنِ مجید میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ دین کی دعوت اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ہونی چاہیے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ: 41)

ترجمہ: ''گھروں سے نکلو اور چل پڑو خواہ تم ہلکے ہو یا بھاری ہو، اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے کوشش کرو (جہاد) کرو۔''

یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ دین اسلام کے قیام سے دُنیا میں بھی فلاح حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ اسلام میں اعتدال اور زندگی کی ضروریات کی پوری رعایت موجود ہے۔

## 8- اسلامی نظامِ معاشرت کی بنیادیں

### (ا) مساوات

اسلامی معاشرے کی سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ سب انسان ایک نسل سے ہیں یعنی پوری انسانیت آدم کی اولاد ہے۔ رنگ، زبان، نسل، قبیلہ، برادری، ملک اور قوم کی فطری تقسیم باہمی تعارف کے لیے ہے لیکن ان اختلافات کی وجہ سے تعصب یا تفریق یا امتیاز اور اونچ نیچ پیدا کرنا غلط ہے، کیوں کہ اسلام مساواتِ انسانی اور وحدتِ انسانی کی بنیاد پر اپنے تمام معاشرتی تعلقات استوار کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

(الحجرات: 13)

ترجمہ: ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو، تم میں سب سے زیادہ باعزت اور فضیلت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔''

ایک دوسری جگہ پر ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء: 1)

ترجمہ: ''لوگو! اپنے رب سے ڈرو، وہ رب جس نے تم کو اکیلی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر دیا، پھر ان دونوں کی نسل سے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد دُنیا میں پھیلا دی۔''

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور بے شک تمھارا باپ ایک ہے۔ ہاں! عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سفید کو سیاہ پر اور سیاہ کو سفید پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر (بجز) تقویٰ کے'' (کہ وہی وجہ امتیاز ہے)۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگو! تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔''

نظریہ توحید صرف نظام کائنات میں وحدت اور ایک رب ہی کا تصور پیش نہیں کرتا بلکہ وحدتِ انسان کا تصور بھی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ شان وحدت کی حامل یہ کائنات ایک ہی ارادے کا فیض ہے۔ انسان اِسی کائنات کا ایک جزو ہے جو دوسرے اجزا سے مربوط ہے۔ فرداً فرداً نظام کائنات سے ہم آہنگ و مربوط ہونے کا لازمی تقاضا ہے کہ افرادِ انسانی باہم بھی اکٹھے رہیں۔ اس بنا پر اسلام وحدت انسانیت کے نظریے کا قائل ہے کہ اِس وحدت کے اگر اجزا مختلف ہیں تو یہ بھی اتفاق واتحاد ہی کی خاطر اور متفرق ہیں تو اسی لیے کہ مجتمع ہوسکیں۔ مختلف راہیں اختیار کر کے ایک دوسرے سے تعاون سب کی منزلِ مقصود ہے۔ غرض انسان بحیثیت ایک نوع بھی وحدت ہے اور بحیثیت فرد بھی۔

اسلام کے اس تصور انسانیت کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ تمام انسان صاحب شرف ہیں اور سب کا سلسلہ ایک ہی ماں باپ پر ختم ہوتا ہے۔ اس لیے نہ تو یہ جائز ہے کہ کسی کو ہدف تعریض بنایا جائے، نہ کسی قسم کا نسلی، وطنی اور لسانی امتیاز کوئی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر قسم کی عصبیت (Prejudice) خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ ہاں آدمی کو بزرگی صرف اس وجہ سے حاصل ہوگی کہ اس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں اور وہ خدا ترسی میں دوسروں سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

## (۲) اخوت

اخوت کا معنی تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ دین کا رشتہ تمام مسلمانوں کو ایک وحدت میں جوڑ دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات:10)

ترجمہ: ''وہ لوگ جو مومن (اللہ پر ایمان رکھنے والے) ہیں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (ال عمران: 103)

ترجمہ: ''سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔''

ایک حدیث میں ہے ''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے دیوار (یا بنیاد) کہ ہر جزو (اینٹ) دوسرے جزو کو تقویت پہنچاتا ہے۔'' ''تو اللہ پر ایمان رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا کہ جیسے بدن (کا) ایک عضو مریض ہو جائے تو سارے اعضا بخار اور درد و کرب کے ساتھ شب بیداری میں اس کے شریک (مبتلا) ہو جاتے ہیں۔''

اس طرح ایک عقیدے اور ایک اخلاقی ضابطے کو تسلیم کرنے والے اسلامی معاشرہ تعمیر کرتے ہیں جس میں انسان اور انسان کے ملنے کی بنیاد ہی یہ عقیدہ و ضابطہ ہوتی ہے۔ جو انھیں تسلیم کرے تو وہ خواہ کسی نسل، کسی ملک، کسی رنگ، کسی وطن کا ہو، اُس معاشرے میں شامل ہوگا جس میں سب کے حقوق اور معاشرتی مرتبے یکساں ہوں گے۔ یہ معاشرہ جغرافیائی سرحدوں کو توڑ کر روئے زمین کے تمام خطوں پر پھیل سکتا ہے اور اس کی بنیاد پر ایک عالم گیر برادری قائم ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اس عقیدے اور ضابطے کو نہ مانیں، یہ معاشرہ انھیں اپنے دائرے میں نہیں لیتا مگر انسانی برادری کا تعلق ان کے ساتھ قائم کرنے اور انسانیت کے حقوق انھیں دینے میں اسے کوئی تکلیف نہیں۔ ان کا علیحدہ معاشرہ بن جاتا ہے۔

## (۳) رشتۂ نکاح

عورت اور مرد معاشرت کے دوستون ہیں۔ دونوں کی اپنی اپنی شخصیت ہے اور دونوں معاشرہ کے معمار ہیں۔ عورتوں اور مردوں میں قانونی مساوات ہے۔ اور دونوں کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق و ذمہ داریاں ہیں اور خاندان کے نظام میں مرد کی حیثیت قوام (Manager) اور نگران کی ہے۔ عورت اور مرد کا عام رشتہ بھائی اور بہن کا رشتہ ہے، اور وہ ایک دوسرے کے لیے اس طرح حرام ہیں جس طرح سگے بھائی بہن۔ لیکن نکاح وہ طریقہ (یا معاہدہ) ہے جس سے یہ ایک دوسرے کے شریکِ زندگی ہو سکتے ہیں۔ اور یہی وہ جائز اور صحت مند رشتہ ہے جس کے ذریعے یہ ایک دوسرے کے لیے حلال ہو سکتے ہیں۔ اس رشتے سے خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔

## (۴) خیر خواہانہ فضا

معاشرے کی عام فضا خیر خواہی، تعاون، امداد، اشتراکِ عمل، ایثار اور بھائی چارہ کی ہونی چاہیے۔ لوگ جب آپس میں ملیں تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں۔ ہر شخص اپنے بھائی کے لیے وہی چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔ ظلم، غیبت، چغل خوری، کینہ پروری، سوءظن، دھوکا دہی، بُرا نام رکھنے، رشک، حسد، بغض، الزام تراشی، بے حرمتی و بے عزتی کرنے اور بے جا حرف گیری وغیرہ سے سب پرہیز کریں۔ نیکیوں میں ایک دوسرے سے تعاون کریں بلکہ سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور برائیوں سے ایک دوسرے کو روکیں۔ چنانچہ قرآن کا حکم ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ (المائدہ: 2)

ترجمہ: ''بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور ظلم اور گناہوں کی باتوں میں ہرگز باہمی امداد و تعاون نہ کرو۔''

جب کہ سورۂ قصص میں ارشاد ہوا ہے:

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ (القصص: 77)

ترجمہ: ''لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے اور زمین میں طالب فساد نہ ہو۔''

سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ (الحجرات: 11)

ترجمہ: ''مومنو! کوئی قوم کسی کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں، عورتوں کا مذاق اڑائیں، ممکن ہے وہ ان سے اچھی ہوں اور (اپنے مومن بھائی کو) عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔''

آگے ارشاد ہوا کہ:

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ (الحجرات: 12)

ترجمہ: ''اور ایک دوسرے کے راز نہ تلاش کرو اور کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔''

اسی طرح حدیث میں ہے کہ "الدّین النصیحة" (دین تو خیر خواہی کا نام ہے)۔ "مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں" (نقصان نہ اُٹھائیں)۔ مسلمان کبھی طعنہ دینے والا، بکنے والا نہیں ہوسکتا"، وغیرہ۔ گویا اسلام معاشرے کی عام فضا کو نیکیوں سے بھر دینا چاہتا ہے۔ اس کی نظر میں زندگی تعاون اور ہمدردی کا نام ہے۔

### (۵) افرادِ خاندان کی ذِمّہ داری اور باہمی تعلق

اسلام اجتماعی ذمہ داری کا تصور بھی پیدا کرتا ہے اور پورے معاشرے میں یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ وہ نیکیوں کو قائم کرنے والا اور برائیوں کو روکنے والا ہو۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق "وہ مسلمان جو لوگوں میں گھل مل کر رہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا رہے، اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے (الگ تھلگ گھل مل کر نہ رہے) اور ان کی اذیتوں پر صبر نہ کرے"۔ "تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم سے ہر ایک شخص سے اس کے زیرِ نگیں لوگوں سے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پس امام حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پُرس کی جائے گی اور ہر شخص اپنے اہل و عیال کا حاکم ہے اور اس سے اس کی رعیّت (عوام) سے متعلق دریافت کیا جائے گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیّت سے متعلق باز پرس ہوگی۔" ان عمومی ہدایات کے بعد اسلام نے انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کا ایک مکمل نظام بھی دیا ہے جس میں بھائی بھائی کے حقوق، اہل خانہ کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، اہلِ محلہ کے حقوق نیز غیر مسلموں اور عام انسانوں کے حقوق، حتیٰ کے جانوروں اور درختوں کے حقوق تک کو واضح اور متعین کر دیا گیا ہے تاکہ انسان محض جذبات کی رو میں بہہ کر ناانصافی کا مرتکب نہ ہو اور معاشرہ صحت مند بنیادوں پر قائم رہے اور ارتقائی مدارج طے کرتا رہے۔ اسلامی نظام معاشرت کی ان بنیادوں کو سمجھ لینے کے بعد مختصراً یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا اُصول اور طریقے ہیں جو اسلام نے معاشرے میں اتحاد پیدا کرنے اور انسانی اجتماع کی مختلف صورتوں کو ترقی دینے کے لیے مقرر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام نے کچھ مستقل ادارے قائم کیے ہیں، جن کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

## 9- اسلام کے معاشرتی ادارے

### (ا) خاندان

یہ انسانی معاشرت کا اوّلین اور بنیادی ادارہ ہے، اس لیے اسلام کے معاشرتی نظام میں خاندان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خاندان کی بنیاد ایک مرد اور عورت کی باہمی رفاقت سے وجود میں آتی ہے اور ان ہی دو انسانوں سے مل کر بننے والا چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی معاشرتی زندگی کی سب سے پہلی کڑی ہے۔ اسلام کے نزدیک مرد اور عورت کی یہ مستقل رفاقت ایک کھلے ہوئے مستحکم معاہدے (نکاح) کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔ یہ نکاح ایک ایسا باحرمت رشتہ ہے جو دونوں کی مرضی سے اور پورے اعلان کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ نکاح کے بغیر مرد و عورت کا تعلق بدترین معصیت ہے۔ نکاح سے مرد و عورت اپنے اپنے اوپر بھاری ذمہ داریاں عائد کر لیتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ان کے پابند ہو جاتے ہیں۔ اس رشتے کی وجہ سے جو ایک چھوٹی سی وحدت بنتی ہے، مرد اس کا نگران اور ناظمِ اعلیٰ ہوتا ہے اور اس حیثیت سے وہ اپنے اہل و عیال کی دنیوی ضرورتوں اور اُخروی فلاح دونوں کا خیال رکھنے والا ہے جس کے لیے وہ جواب دہ ہے۔ بیوی اس کے زیرِ ہدایت گھر کا نظم و نسق چلاتی ہے اور اس حیثیت سے اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ نہ صرف گھر کے اندرونی نظم و نسق کو سنبھالے بلکہ شوہر کی حقیقی رفاقت کرے اور اپنی عفت کو پوری طرح محفوظ رکھے۔

عورت اور مرد کے اس ملاپ سے ایک نئی نسل وجود میں آتی ہے۔ اس سے رشتے، کنبے اور برادری کے دوسرے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور بالآخر یہی رشتے پھیلتے پھیلتے ایک معاشرے تک جا پہنچتے ہیں۔ نیز خاندان ہی وہ ادارہ ہے جس میں ایک نسل اپنے بعد آنے والی نسل کو انسانی تمدن (Civilization) کی وسیع خدمات سنبھالنے کے لیے نہایت محبت، ایثار، دل سوزی اور خیر خواہی کے ساتھ تیار کرتی ہے۔ گویا یہ ادارہ وہ تربیت گاہ ہے جہاں سے اسلام اچھے انسان تیار کرنا چاہتا ہے اور اخلاق حسنہ کی ابتدائی تربیت اسی مقام پر دیتا ہے تاکہ شروع ہی سے بچے میں اسلام کا احترام پیدا ہو اور اس کی سیرت اسلامی سانچے میں ڈھل جائے۔

## (۲) قرابت

خاندان کے بعد رشتہ داری کی سرحد ہے جس کا دائرہ کافی وسیع ہوتا ہے۔ جو لوگ ماں اور باپ کے تعلق سے یا بھائی بہنوں کے تعلق سے یا سسرالی تعلق سے ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوں، اسلام ان سب کو ایک دوسرے کا ہم درد، مددگار اور غم گسار دیکھنا چاہتا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ رشتہ داروں سے نیک سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور حدیث میں صلۂ رحمی کی بار بار تاکید کی گئی ہے اور اسے بڑی نیکی شمار کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں ہے کہ اسلام کے خلاف یا ناجائز کاموں میں تعاون کیا جائے اور رشتے یا قبیلے کی عصبیت یا بے جا طرف داری سے کام لیا جائے۔ خون کے رشتوں کو اسلام نے قائم رکھا ہے اور وراثت کے قانون کے ذریعے انھیں ایک مستقل مقام دے کر صحت مند و فطری احساسات کو دوام عطا کیا ہے۔

## (۳) محلہ

رشتہ داری (قرابت) کے بعد ہمسائیگی ہے۔ قرآن کی رو سے ہمسایوں کی تین قسمیں ہیں: ایک رشتہ دار ہمسایہ، دوسرا اجنبی ہمسایہ اور تیسرا عارضی ہمسایہ، جس کے پاس بیٹھنے یا ساتھ چلنے کا آدمی کو اتفاق ہو۔ یہ سب اسلامی احکام کی رو سے رفاقت، ہم دردی اور نیک سلوک کے مستحق ہیں۔ اس باب میں نبی کریم ﷺ کے بہت سے ارشادات ہیں، مثلاً ''مجھے ہمسایہ کے حقوق کی اتنی تاکید کی گئی کہ میں خیال کرنے لگا کہ شاید اب اسے (بھی) وراثت میں حصہ دار بنا دیا جائے گا''۔ ''وہ شخص ایمان نہیں رکھتا جو خود پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا رہ جائے۔'' غرض اسلام ان سب لوگوں کو جو ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں آپس میں ہم درد، مددگار اور شریک رنج و راحت دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ان کے درمیان ایسے تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے کہ وہ سب ایک دوسرے پر بھروسا کر سکیں، اور ایک دوسرے کے پہلو میں اپنی جان و مال اور آبرو کو محفوظ سمجھیں۔ ایسی معاشرت میں ایک دیوار بیچ رہنے والے باہم کوئی دلچسپی، کوئی ہم دردی اور کوئی اعتماد نہ رکھتے ہوں، اسلام کو مطلوب نہیں، وہ ہر محلے کو معاشرے کا ایک فعال اور مؤثر جزو مانتا ہے۔

## (۴) مسجد

معاشرتی تعلقات کو استوار کرنے کے لیے مسجد کی حیثیت ایک مستقل ادارے کی سی ہے اور اسلام کا معاشی پروگرام مسجد ہی کے ذریعے زیادہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مساجد کی صحیح تنظیم کو بڑی اہمیت حاصل ہے تاکہ مطلوبہ نتائج پوری طرح حاصل ہو سکیں۔

## (۵) احترام روایات

مسلم معاشرہ کی روایات صحیحہ (عرف) کا احترام اور ان کا استحکام بھی معاشرتی پالیسی کا ایک جزو ہے کیوں کہ اس کے ذریعے مسلم معاشرہ کبھی بھی اپنی ماضی سے نہیں کٹتا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ روایات میں تبدیلی نہیں ہوتی، زندگی کے ہمہ گیر تقاضوں کی بنا پر ان میں تبدیلی ضرور ہوتی ہے لیکن یہ تبدیلی مستقل اور خاموش ارتقا کے ذریعے ہوتی ہے، کسی ہیجانی اور غیر معمولی بغاوت یا ماضی سے انقطاع کے ذریعے نہیں۔

### (۶) نظامِ تعلیم

معاشرے کے سدھار، اس میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور اپنے نظامِ زندگی کو نئی نسلوں کی طرف منتقل کرنے میں نظام تعلیم بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور اسلامی معاشرت کا ایک بہت بڑا ستون ہے۔

### (۷) حدود و تعزیرات

معاشرے کی اصلاح کے تمام ذرائع اختیار کرنے کے بعد حدود و تعزیرات کا بھی ایک مکمل نظام رکھا گیا ہے جن کے ذریعہ معاشرے کو ان افراد سے محفوظ کیا جاتا ہے جو تعلیمی، ترغیبی اور اخلاقی ذریعہ سے اصلاح نہ قبول کریں اور معاشرے کے قانون کی خلاف ورزی کریں۔ ایسے لوگوں کو اسلام قرار واقعی سزا دیتا ہے تاکہ معاشرہ ان کی فتنہ انگیزیوں سے امن میں رہے اور اس میں فساد رونما نہ ہونے پائے۔ نیز سماجی جرائم کا انسداد کیا۔ گو کہ ایک اسلامی معاشرے میں یہ جرائم غیر معمولی طور پر بہت کم ہوں گے اس لیے ان سزاؤں کا نفاذ بھی شاذ و نادر ہی ہوگا لیکن بہر حال قانون کی گرفت اسلام میں ناقابلِ شکست ہے۔ اسلام کی نظر میں قانون سے بالاتر کوئی نہیں ہوتا۔ امیر و غریب اور خواص و عوام کا یہی کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اونچے سے اونچا شخص حتیٰ کہ حکمرانِ وقت بھی قانون کا اسی طرح محکوم ہے جس طرح ایک بے کس فقیر۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو خدا کی قسم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔" (بخاری) (اخلاق اور فلسفہ اخلاق مولانا حفظ الرحمٰن)

## 10- اسلامی معاشرہ کے لیے اقدامات

معاشرہ کو اسلامی بنانے کے لیے چند ضروری اقدامات درج ذیل ہیں:

### (۱) عدل و مساوات

عدل و مساوات کسی معاشرہ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی معاشرہ میں کالے اور گورے میں تفریق نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔"

بقول اقبال:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

### (۲) اخوت

دوسری اہم چیز اخوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ

ترجمہ: "بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اس آیت کی تشریح نبی اکرم ﷺ نے یوں فرمائی:

ترجمہ: "مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظالم کے حوالے کرتا ہے۔"

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اسلامی معاشرے کی مثال ایک جسم سے دی ہے۔

''تو مومنوں کو دیکھے گا کہ وہ آپس میں رحم کرنے، آپس میں محبت کرنے اور آپس میں مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہوتے ہیں کہ جب اس میں سے کسی عضو کو بھی شکایت ہو جائے تو سارا جسم اس کی خاطر شب بیداری اور بخار کو دعوت دیتا ہے۔''

## (۳) ایثار و قربانی

معاشرہ کو اسلامی بنانے کے لیے ایثار و قربانی کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو مدینہ کے انصار نے مہاجرین کے لیے بے شمار قربانیاں دیں یہاں تک کہ اگر کسی انصاری کی ایک سے زائد بیویاں تھیں تو اس نے ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کے نکاح میں دینا بھی گوارا کر لیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مہاجرین نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ اسلامی معاشرہ کی یہی وہ تصویر ہے جو قرآن حکیم نے سورۃ الحشر کی آیت 9 ان الفاظ میں پیش کی:

ترجمہ: ''اور وہ اختیار کرتے ہیں (وہ انھیں ترجیح دیتے ہیں) اپنی جانوں پر خواہ (خود) انھیں تنگی (ضرورت) ہو۔''

ایسا معاشرہ ملت کی فلاح و بہبود کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

## (۴) سادگی و پاکیزگی

سادگی اور پاکیزگی بھی ایک اہم جزو ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''بے شک فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں۔''

اسی طرح پاکیزگی خیالات، جسم، لباس اور کمائی کے تمام ذرائع کو محیط ہے۔ آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَان (حدیث)

ترجمہ: ''طہارت ایمان کا حصہ ہے''

اس بارے میں رزق حلال پر زور دیا گیا ہے۔ جس کی تاکید قرآن و حدیث میں ہے۔

## (۵) اخلاق

اسلامی معاشرے کا اخلاق دیگر نظام ہائے اخلاق سے بالکل جداگانہ اور ممتاز ہے۔ اس میں اخلاقِ حسنہ کو اختیار کرنے اور برے اخلاق کو ترک کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلامی نظام اخلاق جامع، کامل اور ہمہ گیر ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد تکمیل اخلاق ہے۔ بقول اقبال:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر<br>
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

## (۶) عالمگیریت

اسلامی معاشرہ قوم و ملک کی حدود و قیود سے آشنا نہیں بلکہ یہ عالم گیر برادری (Pan Islamism) کا علم بردار ہے۔ جو شخص بھی اسلامی عقائد اور اعمال رکھتا ہو، وہ اس برادری کا رکن ہے خواہ کسی ملک، قوم، رنگ، نسل، زبان، طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

### (۷) منفرد معاشرت

عالم گیریت کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ اسلامی معاشرہ اپنا تشخص نہیں رکھتا بلکہ اس کا ایک خاص رنگ ڈھنگ ہوتا ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز رکھتا ہے۔ اس کا کھانا پینا، اٹھنا، بیٹھنا، گفتگو اور لباس وغیرہ سب ایک الگ انداز رکھتے ہیں۔ جن سے ہر دیکھنے والا شخص مسلمان کو پہچان جاتا ہے۔

### (۸) اصلاحی اور انقلابی معاشرہ

اسلامی معاشرہ ایک اصلاحی اور انقلابی معاشرہ ہے جس کا مطالبہ یہ ہے کہ اس میں اخلاق، معاشرت اور دین کو غلبہ حاصل ہو اور اسے تمام دُنیا میں رائج کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی معاشرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل ہوتا رہتا ہے۔

### (۹) فرد اور جماعت میں توازن

معاشرہ کو اسلامی بنانے کے لیے فرد اور جماعت لازم و ملزوم ہیں۔ فرد معاشرے کے بغیر کچھ نہیں اور معاشرہ فرد کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اسلام نے ان دونوں کے درمیان ایک انتہائی معتدل اور متوازن ربط قائم کیا ہے جس کی مثال دُنیا کا کوئی دوسرا معاشرہ نہیں پیش کر سکتا۔ باقی تمام نظام فرد اور معاشرے کے بارے میں افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ بعض نے فرد کی آزادی ختم کر کے معاشرے کا اس قدر غلام بنا دیا ہے کہ فرد کا دم گھٹ جاتا ہے اور وہ بولنے کی جسارت بھی نہیں کر سکتا۔

### (۱۰) اتحاد و تنظیم

اسلامی معاشرت کی بنیاد اتحاد و تنظیم ہے جس میں علیحدگی و انتشار کی گنجائش نہیں۔ حکم الٰہی ہے۔ ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ''۔ اسلامی عبادات **اعتصام بحبل اللہ** یعنی اتحاد و تنظیم کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں جو اسلامی معاشرہ میں نظم وضبط، اتحاد و اتفاق، استحکام اور یک جہتی پیدا کرتی ہے اور افراد معاشرہ کو ایک سیسہ پلائی دیوار بنا دیتی ہے۔

### (۱۱) تحمل و رواداری

اسلامی معاشرہ کی ایک اہم خصوصیت تحمل اور رواداری ہے۔ اسلامی معاشرہ میں ہر مذہب و ملت، کے لوگوں کو اپنے مسلک اور عقیدہ کے مطابق عبادت کی اجازت ہے، کسی پر کوئی جبر اور زبردستی نہیں۔

### (۱۲) تعاون و اشتراک

اسلامی معاشرہ تعاون و اشتراک کا اعلیٰ نمونہ رہا ہے جہاں افراد نیکی اور بھلائی میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور گناہ اور ظلم سے روکتے ہیں۔

''(اسلامی معاشرہ کے) افراد نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور گناہ و ظلم میں تعاون نہیں کرتے۔''

اس طرح اسلامی معاشرہ کے افراد یک جان ہو کر ظلم، استحصال، برائی اور آزمائش کی گھڑی میں ایک دوسرے کے ہم درد اور غم خوار ہوتے ہیں۔

ے اُخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

## (۱۳) روحانیت ومادیت کا امتزاج

اسلامی معاشرہ روحانیت ومادیت کا جامع ہے۔اسلام میں عبادت کا مفہوم پوری معاشرتی زندگی پر محیط ہے۔پھر اس میں روحانی پہلو بھی شامل ہے اور مادی پہلو بھی۔اسلام ترک دُنیا کی شدت سے مخالفت کرتا ہے۔فرمان نبوی ﷺ ہے:

**لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَام**

ترجمہ: ''اسلام میں ترک دُنیا نہیں۔''

## (۱۴) اعتدال پسندی

اسلام اعتدال اور میانہ روی کا دین ہے۔ہر شعبہ زندگی میں **خیر الامور اوسطھا** (معاملات میں میانہ روی سب سے اہم چیز ہے) اس کا Motto ہے۔اس نے تمام جملہ امور عبادات، معاشرتی رسوم، رہائش ولباس، خوشی وغمی میں اعتدال اور میانہ روی کو پیش نظر رکھا ہے۔ہر قسم کی افراط و تفریط سے منع کیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''اعتدال نبوت کا حصہ ہے۔''

## (۱۵) عفت وحیا

اسلامی معاشرہ ایک باحیا و پاکیزہ معاشرہ ہوتا ہے۔اس میں عفت وحیا پر زور دیا جاتا ہے۔دُنیا کا کوئی معاشرہ بھی زیادہ دیر تک عفت وحیا کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔اسلامی معاشرہ کی بنیاد عفت وحیا ہے۔پاک دامنی اور پاکیزگی کا احیا اس کا اصل مقصود ہے۔آنحضور ﷺ نے فرمایا: **اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيْمَانِ** یعنی شرم وحیا جزو ایمان ہے۔

## 11- خلاصۂ بحث

اسلام میں معاشرہ کی اصلاح اتنی ہی ضروری ہے جتنی خود فرد کی اصلاح۔اس کے برعکس جدید مغربی تحریکات کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ محض خارج میں تبدیلی کر کے نظامِ زندگی میں انقلاب لانا چاہتی ہیں۔انھوں نے فرد کو نظر انداز کیا۔نتیجتاً ان کا اصلاحی پروگرام کامیاب نہ ہوسکا۔دوسری طرف مشرق کے مذہبی نظاموں نے نہ صرف فرد کی اصلاح کی اور اس کی روح کو جلا بخشنے کے پروگرام بنائے لیکن اجتماعی زندگی کی درستی کو نظر انداز کیا، نتائج کے اعتبار سے یہ نظام بھی ناکام رہے۔جب کہ اسلام دونوں کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔عمومی طور پر اسلام ایک ایسے معاشرے کا طالب ہے جو ہمہ گیر، مصنوعی اختلافات سے پاک، تعصبات سے جدا، نسل، رنگ، وطن اور زبان کی حد بندیوں اور جغرافیائی سرحدوں سے ایک طرف، مساوات، اجتماعی عدل وانصاف اور ایک عالمگیر برادری کی بنیاد پر قائم ہو۔نیز اُصولی اور اخلاقی معاشرہ ہو جس کے افراد میں باہم ہمدردی اور انسانیت کا رشتہ ہو۔

سوال 2A

# (الف) اسلام کا سیاسی نظام

1- معاصر نظم و نسق اور سیاسی نظام کے درمیان اسلام اپنا جداگانہ نظم و نسق اور سیاسی نظام رکھتا ہے۔ بحث کریں۔ (2005ء)

2- ملت اسلامیہ دُنیا کی آبادی کی پانچواں حصہ ہے، قدرتی وسائل سے مالا مال ہے پھر بھی سیاسی استحکام مفقود ہے۔ سیاسی استحکام کے لیے کون سے اقدامات ضروری ہیں۔ (2009ء)

3- آج کے عالمی سیاسی نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی معاشرے میں نفاذ شریعت کیوں کر اور کیسے ممکن ہے۔ (2010ء)

4- خلافت راشدہ کی طرز حکمرانی کی روشنی میں اسلام کے سیاسی نظام کی نمایاں خوبیاں بیان کریں۔ (2016ء)

5- خلفائے راشدین کا انتخاب کیسے عمل میں آیا؟ اُن کی حکومت کو کس حد تک جمہوری قرار دیا جا سکتا ہے؟ (2017ء)

6- اسلام کے سیاسی نظام کے مختلف پہلوؤں میں تجاویز دیجیے کہ پاکستانی سیاست کی اصلاح کیوں کر ممکن ہے؟ (2019ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- اقتدار اعلیٰ کا تصور
3- انسان اللہ تعالیٰ کا نائب
4- قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی کی ممانعت
5- مجلس مشاورت
6- خلیفہ کے انتخاب میں ووٹ کی اہلیت
7- اسلام کا تصور امر بالمعروف و نہی عن المنکر
8- مذہبی آزادی اور سماجی انصاف
9- ایثار
10- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اسلام کا سیاسی نظام شورائیت پر مبنی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:"اے حبیبﷺ! معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کیجیے۔"اسلامی سیاسی نظام میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اِنسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام اپنے ڈھانچے (سٹرکچر) میں خلافت پر مبنی ہے۔ اُصولوں کے اعتبار سے چار اہم اُصول ہیں جو چاروں خلفا کی خوبیوں کو جمع کیا جائے تو حاصل ہوتے ہیں۔ جن کی طرف علامہ اقبال نے اپنے اِس شعر میں اشارہ کیا ہے:

سبق پھر پڑھ، صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

جہاں تک مغربی جمہوریت کا تعلق ہے تو یہ اسلام کے نظامِ خلافت کے اُصولوں میں کہیں اسلامی نظام سے مطابقت کی حامل ہے اور کہیں یہ دونوں نظاموں میں تضاد ہے۔ مغربی جمہوریت میں اقتدار کا سرچشمہ عوام ہے جب کہ اسلامی خلافت میں اقتدار کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مغربی جمہوری نظام میں پارلیمنٹ کوئی بھی قانون سازی کرسکتی ہے جب کہ اسلامی کے سیاسی نظام میں پارلیمنٹ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کرسکتی۔ پاکستان ایک جمہوری ریاست نہیں بلکہ اسلامی جمہوری ریاست ہے۔ جس میں حکمران جہاں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں وہاں پر عوام کے سامنے بھی جواب دہ ہیں۔ضرورت اِس امر کی ہے کہ پاکستان میں سیاسی نظام کو مزید ریاستِ مدینہ کے اُصولوں کے مطابق بنایا جائے۔

## 2- اقتدارِ اعلیٰ کا تصور

اسلام کے سیاسی نظام میں حقیقی اقتدار"اللہ تعالیٰ" کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مالک وخالق ہے، وہی سجدے کے لائق ہے اور تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ جیسے چاہے حکم دے سکتا ہے اور اُس سے بہتر کسی کا حکم کیسے ہوسکتا ہے؟ اس حوالے سے اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا (المائدہ:50)
ترجمہ: "اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کرے۔"

"اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے" یہ تصور مغربی جمہوریت کے اُس تصور کی نفی کرتا ہے کہ جس میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کے پاس ہے۔ مغربی جمہوریت میں حکمران عوام کے سامنے جوابدہ ہیں جب کہ اسلامی جمہوریت میں حکمران عوام کے سامنے بھی اور اِس سے بڑھ کے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ مغربی جمہوریت میں عوام ریاست کے اداروں کے سامنے تو جوابدہ ہے'اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں۔ جب کہ اسلام کے سیاسی نظام میں عوام اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہے اور ریاستی اداروں کے سامنے بھی۔ مغرب میں اقتدارِ اعلیٰ کے جدید تصور کو سولہویں صدی کے فرانسیسی مفکر"ژین بودین" (Jean Bodin) نے پروان چڑھایا، جب وہ فرانس کے بادشاہ کا اقتدار جاگیرداروں پر ثابت اور نافذ کرنا چاہتا تھا۔ اقتدارِ اعلیٰ کے فلسفہ کی مزید تشریح، امریکہ کے اعلان آزادی (1776ء) اور پھر انقلاب فرانس (1789ء) کے بعد فرانسیسی آئین (1791ء) کے ذریعے حاصل ہوئی۔ اس کے خواص مستقل طور پر یہ طے کردیے گئے، جو آج تک ہر صورت میں مانے اور منوائے جاتے ہیں۔ اِس حوالے سے درج ذیل حوالہ اہم ہے:

Sovereignty is one, indivisible, unalienable and imprescriptible it belongs to the nation no group can attribute sovereignty to itself nor can an individual arrogate it to himself .

''اقتدار اعلیٰ یکتا ہوتا ہے، نا قابل تقسیم، نا قابل انتقال اور اٹل۔ یہ قوم کی ملکیت ہے، کوئی فرد، اس کو اپنے نام کرسکتا ہے نہ کوئی گروہ اسے اپنے ساتھ منسوب کرسکتا ہے۔''

جمہوری طرز عمل کے اس پہلو کا فکری پس منظر یہ تصور ہے کہ انسان خود ہی معیار خیر وشر ہے۔ یعنی یہ کہ وہ خود یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ جائز اور ناجائز کیا ہے؟ یہ تصور دراصل، قدیم یونان کے سوفسطائی فلاسفہ نے پیش کیا تھا کہ 'آدمی ہر چیز کا پیمانہ ہے، چیزوں کی اصل وہی ہوتی ہے جیسی وہ کسی انسان کی نظر میں ہوتی ہیں'۔

Things are for each man what they seem to each man...Man is the measure of all things

[Greek Political Theory,(London,1967)]

سولہویں صدی عیسوی میں، جب یونانی افکار کا مغرب میں احیا ہوا تو یہی فلسفہ، یورپی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا روحِ رواں بنا۔ نشاۃ ثانیہ کا مرکزی نقطہ 'انسانیت پسندی' یا 'انسانیت پرستی' Humanism تھا۔ جس سے اس سوچ نے فروغ پایا کہ انسان کو اپنے بنیادی فیصلے خود کرنے کا اختیار حاصل ہونا چاہیے اس سلسلہ میں پوپ یا بادشاہ کا کوئی کردار تسلیم نہیں۔ اس فلسفے نے کائنات میں انسان کے وجود اور اس کے مقام کا نئے سرے سے تعین کیا اور کائنات کی حقیقتوں سے، اس کے رشتوں کی تشریح ازسرنو کی گئی۔ اس کہانی کا خلاصہ ''ایڈورڈ میکیسینی'' (Edward Mchesney) نے یوں بیان کیا ہے:

"For the renaissance, on the other hand, man is more important than God, and man's relations to his fellows more important than his soul's relation to the deity." [Edward McCheseny, Masters of Political Thought, London,1947]

''نشاۃ ثانیہ کے سائے میں، انسان خدا کے مقابلے میں زیادہ اہم قرار پایا اور آدمی کے اپنے ہم جنسوں سے تعلقات زیادہ اہم ہو گئے بہ نسبت اُس کے، خدا کے ساتھ روحانی تعلق کے۔''

## 3- انسان اللہ تعالیٰ کا نائب

انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام میں اِس کے لیے جو اصطلاح استعمال ہوتی ہے وہ ''خلیفہ'' کی ہے۔ قرآن مجید میں تخلیق آدم کا بیان تفصیل سے آیا ہے۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرۃ:30)

ترجمہ: ''اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔''

درج بالا آیت کے سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں پر پہلے انسان کی بعثت کا بیان ہے وہاں پر اُس کے مقام کا تعین بھی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں سید مودودی رقم طراز ہیں:

''خلیفہ: وہ جو کسی کی ملک میں اس کے تفویض کردہ اختیارات اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا، بلکہ اصل کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے، بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے منشا کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا، بلکہ اس کا کام مالک کے منشا کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مالک سمجھ بیٹھے اور تفویض کردہ اختیارات کو من مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے، یا اصل مالک کے سوا کسی اور کو مالک تسلیم کرکے اس کے منشا کی پیروی اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے، تو یہ سب غداری اور بغاوت کے افعال ہوں گے۔'' (مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج1، ص62، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

خلیفہ اور خلافت کا مندرجہ بالا مفہوم اس حدیث سے بھی ماخوذ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا: ''بنی اسرائیل کی سیادت انبیا کرتے تھے۔'' یہ مفہوم ان قرآنی آیات سے بھی مطابقت رکھتا ہے جن میں بعض انبیا کی خلافت (زمین میں ریاستی حاکمیت) کا باقاعدہ ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں خاص طور سے قابل ذکر داؤد علیہ السلام کی خلافت سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے داؤد! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے پس آپ لوگوں کے درمیان سچائی کا فیصلہ کیجیے اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے''

خلافت بمعنی نیابت الٰہی کے اولین مصداق انبیائے کرام ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت، امامت اور اپنی نیابت کے لیے منتخب کیا۔ قرآن مجید کے اعلان کے مطابق سلسلۂ نبوت نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ جہاں تک اہلِ ایمان کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ انھیں اقتدار عطا کرتا رہے گا۔ جب کہ مغربی جمہوریت میں ریاست کا سربراہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ وہ عوام کا نمائندہ کہلاتا ہے۔ جدید جمہوری نظام میں اِس حیثیت کے لیے صدر یا وزیر اعظم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

## 4- قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی کی ممانعت

اسلامی سیاسی نظام میں کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے خلاف منظور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ایسے نظام کے پاس اسلامی سیاسی نظام کہلانے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ جدید جمہوری نظام نے دستور سازی کا اختیار عوامی نمائندگان پر مشتمل پارلیمنٹ کو دیا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کی خواہشات اور مفادات کی مطابقت میں ہو...... دستور، عوامی فلاح و بہبود، معاشی وسماجی انصاف اور امن و امان، بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہو، تاکہ عوام کے اقتدار اعلیٰ کا عملی اظہار ہو سکے اور وہ مقصد پورا ہو، جس کے لیے عوام اپنی حکومت منتخب کرتے ہیں۔ جدید مغربی جمہوریت دیگر سیاسی روایات کی طرح، آئین ودستور کے لحاظ سے بھی اپنی تاریخ کو یونان وروما سے ماخوذ مانتی ہے۔ ارسطو نے چوتھی صدی قبل مسیح میں غالباً پہلی دفعہ، عام قوانین اور ریاست کے آئین ودستور کا فرق واضح کیا۔ اس کے مطابق آئین، ریاست کے مختلف اداروں کی تنظیم اور ان کے باہمی ربط کے قواعد اور دائرہ کردار کے اُصول کا مجموعہ ہوتا ہے۔

## 5- مجلس مشاورت

اسلام کے سیاسی نظام کی ایک خصوصیت مجلس مشاورت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران:159)

ترجمہ: ''اور اپنے کاموں میں ان سے مشاورت کر لیا کریں۔''

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> ''قرآنِ کریم نے قدیم بادشاہوں کے ذکر میں ایسے ادارے یا مجلس کو 'ملاء قوم' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ایران کی قدیم سلطنت میں اس کا نام مجلس بزرگان (Elder Council) اور یونان میں ''مجلس پنج صد'' کے نام سے اس کے وجود کا ثبوت ملتا ہے اور آج کل کے دور میں یہی ادارہ پارلیمنٹ (Parliament) کہلاتا ہے۔ (یہ لفظ لاطینی کے لفظ parliamentum سے ماخوذ ہے)۔ پارلیمنٹ دراصل عوامی ایوان نمائندگان ہوتا ہے، جس کا ارتقا بارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا۔ آج کل اس ادارے کے ممبران، بذریعہ انتخابات Election عوامی اکثریتی رائے Vote کی بنیاد پر منتخب ہوتے ہیں۔'' (جدید سیاسی افکار کا تجزیہ، ص37)

ڈاکٹر حمید اللہ اسلام کے نظام میں مشاورت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مشاورت کی اہمیت اور افادیت پر جتنی بھی بات کی جائے کم ہے۔ قرآن مجید میں (3:159,27:32,42:38,47:21) مسلمانوں کو بار بار حکم دیا گیا ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے مشاورت کرو چاہے سرکاری معاملہ ہو یا نجی۔ رسول اکرم ﷺ کا معمول بھی اس قرآنی حکم کی تائید کرتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کی شکل میں ملنے والی رہنمائی کے باوجود کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل صحابہ کرامؓ اور حلیف قبائل کے نمائندوں سے مشاورت کرتے تھے اور خلفائے راشدین بھی مشاورتی اداروں کے پرجوش حامی تھے۔ اس حوالے سے بھی قرآن کوئی حتمی یا فوری طریقہ تجویز نہیں کرتا۔ یعنی منتخب ادارے کے ارکان کی تعداد، دورانیہ اور طریق انتخاب وغیرہ کے معاملات ہر دور اور ملک کے قائدین کی صواب دید پر چھوڑ دیے گئے جو چیز اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ حکمران کے معاونین نمائندہ شخصیات ہوں جنھیں ان لوگوں کا اعتماد حاصل ہو، جن کی وہ نمائندگی کرتے ہیں اور اعلیٰ کردار کے مالک ہوں۔'' (اسلام کیا ہے؟ ص167)

اسلامی سیاسی نظام میں بھی مغربی جمہوریت کی طرح ریاست کے معاملات میں لوگوں کی شراکت کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، لیکن ان میں دو بڑے فرق ہیں۔ اوّل یہ کہ اسلامی نظام حکومت میں پارلیمان کی مکمل خود مختاری کا کوئی تصور نہیں، کیونکہ یہاں پارلیمان یا شوریٰ اللہ تعالیٰ کی حکومت یا فرمانِ الٰہی کے تابع ہے۔ مغربی پارلیمانی جمہوریت میں منتخب نمائندوں کو معاشرے سے متعلق جملہ امور و مسائل پر بحث کرنے اور فیصلہ کرنے کا مکمل حق اور اختیار حاصل ہے، حتیٰ کہ ان اساسی اقدار کے بارے میں بھی جو صدیوں سے منظور شدہ ہیں، انھیں بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اِسی اُصول کے تحت بعض مغربی پارلیمانوں نے ہم جنسی کے غیر فطری عمل کو جسے معاشرے میں ناقابل قبول تصور کیا جاتا تھا' اب منتخب پارلیمان کے منظور شدہ قانون کے تحت اسے قانونی تحفظ فراہم کر دیا گیا ہے اور اسے ایک عام معاشرتی قدر قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی معاشرے میں فرمان الٰہی کے ذریعے پہلے سے اقدار قائم، مروّج اور طے شدہ ہیں اور کسی منتخب نمائندے یا حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ رائے شماری یا اکثریتی ووٹ کے ذریعے ان میں ترمیم و تنسیخ کر سکیں۔ اقبال کے ذیل کے اشعار اسلامی نظریے کی اِس روح کو ظاہر کرتے ہیں:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

''بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، حقیقی حکمران وہی ہے باقی دُنیاوی بادشاہ آزر (ابراہیم علیہ السلام کا چچا جو کہ بت پرست تھا) کے خودساختہ بنائے ہوئے بت ہیں۔''

## 6- خلیفہ کے انتخاب میں ووٹ کی اہلیت

ایک اور بڑا فرق انتخابی اداروں اور منتخب نمائندگان، دونوں کی شرائط کار کے بارے میں ہے۔ اسلامی سیاسی نظام میں ووٹ دینے کا اہل کون ہوگا؟ مغربی جمہوری نظام میں ووٹ دینے کا اہل وہ ہے جو بالغ ہے جب کہ اسلامی سیاسی نظام میں ووٹر کا صائب الرائے (صحیح رائے رکھنے والا) ہونا ضروری ہے۔ اُس کے لیے معلومات عامہ اور تعلیم از بس ضروری ہے۔ لہٰذا رائے دہندہ جو انتخابی عمل میں حصہ لے گا اُس کی ذہنی استعداد لازمی اور بنیادی بات ہے اور یہ اسلامی جمہوریت کا اہم جزو ہے۔ جمہوری افراد کا طرز عمل جو بغیر کسی تعلیمی پس منظر، ذہنی و عقلی معیار کے بجائے محض عمر پر مبنی ہو (یعنی بالغ رائے دہی پر) اقبال کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار میں صاف لفظوں میں اُنھوں نے اِس کی صراحت کردی ہے:

ع جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

(جمہوریت۔ ''ضرب کلیم)

ع گریز از طرزِ جمہوری، غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

(''پیام مشرق'' صفحہ 135)



''اس جمہوری نظام سے گریز کریں کیونکہ یہ غلامی میں پختہ کرتا ہے' دوسو گدھے مل کر بھی ایک انسان کی فکر کو نہیں پہنچ سکتے۔''

مغربی جمہوریت کے بارے میں اقبال کا یہ واضح اختلاف جو اوپر کے اشعار میں بیان ہوا ہے' زیادہ تر انھیں دو اعتراضات پر مبنی ہے۔ حقیقت، میں اقبال ایک خلیفہ یا ملوک (بادشاہ) کے بجائے ''مجلس کبیر'' (پارلیمنٹ جو اسلام کے اُصولوں کے مطابق ہو) کے جامع فیصلوں سے متفق نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے واضح طور پر اس کا اظہار اپنے خطبات ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں کیا ہے:

> ''اس سلسلے میں سب سے پہلے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منصب خلافت کیا کسی فردِ واحد کا حق ہے؟ ترکوں کا اجتہاد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے تو اس منصب کو افراد کی جماعت یا کسی منتخب شدہ مجلس کے سپرد ہی کیا جا سکتا ہے۔ اب جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان اور مصر کے علما نے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ اپنی ذاتی حیثیت سے البتہ میرا خیال ہے کہ ترکوں کا یہ نقطۂ نظر سرتا سر درست ہے، اتنا درست کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ ایک تو جمہوری طرز حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ ثانیاً اگر ان قوتوں کا بھی لحاظ رکھ لیا جائے جو اس وقت عالم اسلام میں کام کر رہی ہیں تو یہ طرز حکومت اور بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔''

## 7- اسلام کا تصور امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسلامی سیاسی نظام میں حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ چار چیزوں کو نافذ کریں۔ ۱۔ نماز کا قیام، ۲۔ زکوٰۃ کا قیام، ۳۔ نیکی کا حکم، ۴۔ برائی کی ممانعت۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج:۴۱)

ترجمہ: ''اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجامِ کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

اس حوالے سے سید مودودیؒ رقم طراز ہیں:

> ''یعنی اللہ کے مددگار اور اس کی تائید ونصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دُنیا میں انھیں حکومت وفرماں فروائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق وفجور اور کبر وغرور کے بجائے اِقامت صلوٰۃ ہو، اُن کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوٰۃ میں صَرف ہو ان کی حکومت نیکی کو دبانے کے بجائے اُسے فروغ دینے کی خدمت انجام دے، اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کے دبانے

میں استعمال ہو۔ اس ایک فقرے میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ کوئی سمجھنا چاہے تو اسی ایک فقرے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کس چیز کا نام ہے۔''

جہاں تک مغربی جمہوری نظام کا تعلق ہے تو انھیں ان میں سے کسی چیز سے سروکار نہیں۔

## 8- مذہبی آزادی اور سماجی انصاف

رسول اللہ ﷺ نے وحی پر مبنی اسلام کے عادلانہ نظام کو مدینہ کے پہلے معاشرے میں 622ء میں میثاقِ مدینہ کے ذریعے نافذ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال یثرب میں امن وسلامتی کو یقینی بنانے اور وہاں کے باشندوں کے معاملات کو منظم کرنے کے لیے اہم ترین اقدامات فرمائے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں اوس اور خزرج، مہاجرین اور غیر مسلم قبائل عرب رسول اللہ ﷺ کی سیاسی قیادت کے تحت متحد ہو گئے۔ اس صورت حال میں یہود مدینہ وہ واحد گروہ تھا جو اس اجتماعی نظام سے باہر تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی اس اجتماعی نظام میں شمولیت کی دعوت دی تو ان کے لیے اپنی بقا اور سلامتی کی خاطر اس سے انکار کرنا ممکن نہ رہا۔ اس طرح انصار (اوس وخزرج)، مہاجرین (بنوامیہ و بنوہاشم)، عرب قبائل اور یہود (بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع) سمیت مدنی معاشرہ کی مختلف اکائیاں میثاق مدینہ پر متفق ہو گئے اور یہ میثاق نئی قائم شدہ ریاست کا دستور بن گیا۔

علمائے پاکستان کی ایک متفقہ دستاویز ''پیغامِ پاکستان'' میں اس دستور کو یوں بیان کیا گیا ہے:

> ''اس دستور کی رُو سے ریاست کے باشندوں کو سماجی سطح پر برابری کے حقوق دیے گئے، دفاعی سلامتی کو یقینی بنایا گیا اور مذہبی آزادی اور شخصی معاملات کو اپنے اپنے عقائد کے مطابق طے کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ اس کے لیے مناسب ماحول بھی فراہم کر دیا گیا۔ میثاق مدینہ قوانین کے حوالے سے وہ پہلی دستاویز ہے جو تحریر کی گئی۔ اس دستور کی 52 دفعات ہیں اور یہ قانونی زبان کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ یہ دستور نہ صرف مسلمانوں کے تحفظ کا باعث بنا بلکہ اس سے غیر مسلموں کو بھی برابر کے حقوق ملے؛ مثلاً یہودیوں میں بنوقینقاع، جو کہ سنار تھے، سب سے معزز سمجھے جاتے تھے، جب کہ بنوقریظہ چونکہ پیشے کے اعتبار سے چمار تھے، کم تر اور حقیر سمجھے جاتے تھے اور ان کی دیت بنوقینقاع اور بنونضیر کے یہود کی نسبت آدھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ناانصافی کو منسوخ فرمایا اور بنوقریظہ کی دیت کو دوسرے یہودیوں کی دیت کے برابر قرار دیا۔'' (پیغامِ پاکستان، ص5-6)

## 9- ایثار

اسلام کے سیاسی نظام کی ایک خصوصیت ایثار ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے موقع پر انصار مدینہ نے جس ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا، اس کی مثال دُنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ اسلام میں اس کا مطلب دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا ہے یعنی اپنے حقوق دوسروں کی خاطر چھوڑ دینا۔ اسلام میں ایثار و قربانی، اخلاق و نیکی کی اعلیٰ ترین خوبیوں میں سے ایک ہے۔ غزوۂ یرموک میں تین جاں بلب صحابہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ نہایت مشہور ہے۔ جس کے پاس بھی پانی لایا جاتا وہ پینے سے انکار کر کے اسے دوسرے صحابی کو بھیج دیتا۔ اس طرح تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو ترجیح دیتے دیتے زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے اور قرآن مجید کی اِس آیت کی عملی تصویر بن گئے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: 29)

ترجمہ: ''آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں۔''

## 10- خلاصۂ بحث

اسلام کے سیاسی نظام کی درج بالا خصوصیات کو جب پاکستانی ریاست میں نافذ کرنے کے حوالے سے کوشش کی جاتی ہے تو تین طرح کے نقطۂ نظر سامنے آتے ہیں۔ایک نقطۂ نظر سیکولر طبقات کا ہے، جو قرارداد مقاصد سے لے کر اب تک نفاذ اسلام کے لیے ہونے والے تمام اقدامات کو رد کرتا ہے اور ریاست میں مذہب کے اختیار کی کلی نفی کرتا ہے۔دوسرا نقطۂ نظر متشدد گروہوں کا ہے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کے لیے پر امن دستوری اور آئینی جدوجہد ناکام ہو چکی ہے اور اب ہتھیار اٹھائے بغیر اس ملک میں نفاذ شریعت کی کوئی عملی صورت باقی نہیں رہی۔ جب کہ تیسرا نقطہ غالب دینی جماعتوں کا ہے جو اس نظام میں رہتے ہوئے ملک میں نفاذ اسلام کی جدوجہد کو لازم قرار دیتے ہیں اور ملک کے جمہوری نظام کو تسلیم کرتے ہیں۔کسی بھی معاشرے میں آراء کا اختلاف ایک حسن ہوتا ہے مگر اپنی رائے کو بزور قوت مسلط کرنا معاشرے میں تصادم کو پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں مخالف کے نقطۂ نظر کو برداشت کرنے اور تحمل کے ساتھ مکالمہ کرنے کی قوت ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ باہمی روابط، مکالمہ کا فروغ اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام اس ریاست میں پائے جانے والے ابہامات اور امتیازات کو ختم کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

# (ب) خلفائے راشدین کا انتخاب جمہوری یا غیر جمہوری؟

-1 خلفائے راشدین کا انتخاب کیسے عمل میں آیا؟ اُن کی حکومت کو کس حد تک جمہوری قرار دیا جاسکتا ہے؟ (2017ء)

## اہم نکات

-1 تعارف
-2 جمہوریت کی اقسام
-3 خلفائے راشدین کے انتخاب کا طریقہ کار
-4 انتخاب خلافت میں شوریٰ کی اہمیت
-5 خلاصہ بحث

## 1- تعارف

جمہوریت کے لیے انگریزی زبان میں "Democracy" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اس سے مراد ایسا نظامِ حکومت ہے جس میں عوام کی طرف سے منتخب کیے گیے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔اگر جمہوری حکومت عوام کے مفاد کے خلاف کام کر رہی ہو تو عوام کو حق حاصل ہے کہ وہ اس حکومت کے خلاف احتجاج کریں اور اپنے مفاد کے حق میں کام کروائیں لیکن اگر جمہوری حکومت پھر بھی عوام کے مفاد کے خلاف کام کرے تو عوام ووٹ کے ذریعے اگلے الیکشن میں اس پارٹی کو مسترد کر دیتے ہیں۔جہاں تک خلفائے راشدین کی حکومت کا تعلق ہے کہ وہ کس حد تک جمہوری ہے؟ تو اس حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ اسلام کا سیاسی نظام شورائی ہے، جو موجودہ جمہوریت کے قریب ہے، ہاں کچھ حوالوں سے اختلاف بھی ہے۔ذیل میں جمہورت کی اقسام کے بعد خلفائے راشدین کے انتخاب کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

## 2- جمہوریت کی اقسام

اس وقت دُنیا میں دو معروف جمہوری سیاسی نظام چل رہے ہیں:

- **صدارتی نظام:** صدارتی طرزِ حکومت میں صدر ملک کا انتظام و انصرام سنبھالتا ہے اور وہ اختیاراتِ کلی کا مالک ہوتا ہے۔یہ امریکہ، ایران، افغانستان اور روس سمیت بہت سارے ممالک میں فعال ہے۔
- **پارلیمانی نظام:** پارلیمانی طرزِ حکومت میں وزیرِ اعظم ملک چلاتا ہے لیکن یہ پارلیمنٹ کے تابع ہوتا ہے اور اس کی منشا کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا۔یہ پاکستان، برطانیہ، بھارت، بنگلہ دیش اور اٹلی میں ہے۔مثلاً صدر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ فوج کو مخالف ملک پر حملہ کرنے کے احکامات جاری کر سکتا ہے لیکن وزیرِ اعظم پارلیمنٹ کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا اور وہ پارلیمنٹ کو اعتماد میں لینے کا پابند ہے لہٰذا ہر ملک اپنے لیے علیحدہ آئین اور قانون رکھتا ہے اور تمام صدور اور وزرائے اعظم کے پاس ایک جیسے اختیار نہیں۔ان دو جمہوری نظاموں کے علاوہ کچھ اور بھی غیر معروف جمہوری نظام ہیں جن میں ایک مثال جرمنی کے چانسلری نظام کی بھی ہے جو جرمنی کے علاوہ کسی اور ملک میں نافذ نہیں ہے۔

## 3- خلفائے راشدین کے انتخاب کا طریقہ کار

اسلامی سیاسی نظام کی بنیاد حضور اکرم ﷺ کے اقوال و افعال پر ہے جس میں ملک کی سب سے بڑی اتھارٹی امیر ہوتا ہے جسے امیر المومنین یا خلیفہ کہا جاتا ہے۔اسلامی سیاسی نظام میں چار خلفائے راشدین کو حضور اکرم ﷺ کے بعد بڑا مقام حاصل ہے۔جنھوں نے اسلامی سیاسی نظام کو قرآن و سنت کے مطابق نافذ کیا اور جہاں قرآن و سنت سے دلیل نہیں ملی، وہاں اجتہاد سے فیصلہ کیا۔خلیفہ کے چناؤ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے چند اُصولی باتیں ارشاد فرما دیں اور باقی مسلمانوں کے اجتہاد پر چھوڑ دیا۔حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد پہلے خلیفہ کے چناؤ کا مرحلہ آیا تو مسئلہ پیدا ہوا کہ مہاجرین اور انصار میں سے کس کو خلیفہ منتخب کیا جائے۔سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک مشاورت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات دُنیاوی میں ہی معتبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کے بعد خلیفہ نامزد کر دیا جس پر لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، جس میں مدینہ کے تمام لوگ شامل تھے۔

## 4- انتخاب خلافت میں شوریٰ کی اہمیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہ تھے جنھوں نے شوریٰ کو ادارے کے طور پر متعارف کروایا۔اس سے پہلے حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں صرف معتبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد کوئی کام کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کو دو طریقوں پر قائم۔ (1۔شوریٰ خاص، 2۔شوریٰ عام...... شوریٰ خاص جن معتبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی، اُن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وغیرہ تھے جب کہ ''شوریٰ عام'' مدینہ کے عام لوگوں پر مشتمل تھی جن سے بعض معاملات میں مشاورت کی جاتی تھی۔

○ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی ایسا بڑا نام نہ تھا جو انتظامی امور میں ان اصحاب کے پائے کا ہو لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتظامی معاملات میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شوریٰ خاص میں موجود تقریباً تمام ارکان انتظامی معاملات میں اعلیٰ درجے کی مہارت کے حامل تھے خاص طور پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے عظیم منتظم جن میں سے کسی ایک کا اگلے خلیفہ کے لیے انتخاب مشکل تھا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جانشینی کے معاملے پر جو اختلاف پیدا ہوا وہ اس حقیقت کا غماز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی واضح وصیت نہیں چھوڑی تھی۔ اس موقع پر بعض افراد کی رائے تھی کہ یہاں اقتدار بھی وراثت کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو ہی منتقل ہونا چاہیے اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور عم زاد (اور داماد) حضرت علیؓ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین وراث اور جانشین ہو سکتے تھے۔ تاہم بعض حضرات کی رائے تھی کہ عبوری طور پر کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین چن لیا جائے مگر اس گروپ میں یہ اختلاف تھا کہ امیدوار کون ہو، لیکن صحابہؓ کی اکثریت (نامزدگی کے بجائے) الیکشن کے حق میں تھی۔ نظام حکومت کے لیے وراثتی بادشاہت اور جمہوریت کے درمیان راستہ تلاش کیا گیا یعنی خلیفہ ہوگا تو منتخب مگر وہ تاحیات حکمران ہوگا۔ اس طرح حکمران کے انتخاب میں جمہوری طرز ہی اپنایا گیا مگر اس کا دورانیہ ملوکیت سے مشابہ تھا۔۔۔۔۔ خلافت کے آغاز سے ہی ایسے لوگ سامنے آگئے جو خلیفہ سے اختلاف رکھتے تھے بلکہ بعد میں بعض حریف بن کر ابھرے اور اس راستے میں وقتاً فوقتاً مسلمانوں نے ایک دوسرے کا خون بھی بہایا اسی دوران عنان اقتدار پر ملوکیت کا غلبہ ہو گیا اور بنو امیہ قصر خلافت میں داخل ہو گئے۔ جن کے اقتدار کا خاتمہ کر کے عباسی برسر اقتدار آگئے۔ تاہم عباسیوں کو سپین جیسے دور دراز صوبے کا خراج وصول کرنے کا اعزاز حاصل نہ ہو سکا۔ جہاں (امویوں کی نسل سے) خود مختار مسلم حکمران عملاً خاندانی بادشاہت کا نظام اپنائے ہوئے تھے مگر انھیں ''خلیفہ'' کا لقب اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور یہ کہیں دو صدیوں بعد ہوا کہ مسلم دُنیا میں کئی ''خلافتیں'' ہوگئیں۔ اس طرح بغداد، قرطبہ (سپین) اور مصر (فاطمی حکمران) میں بیک وقت الگ الگ خلافتیں قائم ہوگئیں یعنی یہاں کے حکمرانوں نے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا۔'' (''اسلام کیا ہے؟''، ص 161-162)

وہ مزید لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں بعض مشاہدات خود ہی ایک تاریخ بیان کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت تیس سال قائم رہے گی اور اس کے بعد ایک ظالمانہ بادشاہت آجائے گی (نہایہ، از ابن اثیر، ترمذی ابوداؤد)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اور فرمان بھی منسوب کیا جاتا ہے کہ خلافت کا حق قریش کا ہے، تاہم اس فرمان کا حوالہ دستیاب نہیں۔ مگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہو سکی کہ حکمرانوں کا تعلق لازمی طور پر قریش سے ہونا چاہیے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ہجرت کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ کی بنیاد رکھی تو مختلف مواقع پر کم از کم 25 بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم دار الحکومت سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عدم موجودگی بعض اوقات جنگی مہمات پر روانگی کے باعث تھی اور متعدد بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم امن کی کوششوں (مثلاً مختلف قبائل سے معاہدے کرنے یا پھر عمرہ اور حج وغیرہ) کے سلسلے میں بھی مدینہ سے باہر گئے۔ ان مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیر موجودگی میں کسی نہ کسی کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، مگر یہ نہیں تھا کہ ہر بار ایک ہی شخصیت کا انتخاب کیا جاتا تھا بلکہ مختلف اوقات میں مختلف افراد کو یہ ذمہ داری سپرد کی گئی جن میں انصار، قریش، بنو کنانہ اور دوسرے قبائل کے لوگ بھی

شامل تھے اور ایک بار نابینا (ابن مکتوم) کو بھی اس منصب پر فائز فرمایا۔ اور یہ موقع حج الوداع کا تھی، جب آپ ﷺ اپنے پہلے اور آخری حج پر مکہ تشریف لے گئے اور اس کے لیے صرف تین ماہ بعد آپ ﷺ کو اپنے رب کا بلاوا آ گیا۔'' (اسلام کیا ہے؟، ص163)

- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل شوریٰ بنائی تا کہ وہ جس شخص کو منتخب کر لے اسے خلیفہ تسلیم کر لیا جائے۔ اگر شوریٰ کے ارکان میں اختلاف ہو جائے تو اکثریت کے لحاظ سے فیصلہ کیا جائے۔ اس کے باوجود بھی کوئی فرد اپنے خلیفہ بننے کے اصرار پر ڈٹا رہے تو شوریٰ کو اختیار ہے کہ اسے قتل کر دے۔ یہ شوریٰ ان چھ اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مشتمل تھی۔

1- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ     2- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

3- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ     4- حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

5- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ     6- حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ

شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معتبر کوئی شخصیت نہ تھی اور آپ رضی اللہ عنہ نظامی معاملات اور زہد و تقویٰ میں سب سے بڑھ کر تھے لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کو بیعت عام کے ذریعے منتخب کر لیا گیا۔

## 5- خلاصہ بحث

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ خلفائے راشدین کا انتخاب کس حد تک جمہوری تھا یا غیر جمہوری؟ اُس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں حکومت یا خلیفہ کا انتخاب اجتماعی شعور کے ذریعے سے عمل میں آتا ہے جدید مغربی سیاسی نظام میں اجتماعی شعور کے لیے جمہوریت کا لفظ استعمال ہوتا ہے جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں اجتماعی شعور کے لیے شورایت (Consultation) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اصل کے اعتبار سے دونوں نظام ایک ہی جگہ پر کھڑے ہیں۔ دونوں نظاموں کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں پر حکمرانی، قیصر و کسریٰ کے طریقہ کار کے مطابق ہوگی کہ جس میں ایک بادشاہ فوت ہوتا ہے تو اُس کا بیٹا بادشاہ بن جاتا ہے۔ وہ بیٹا فوت ہوتا ہے تو اُس کا بیٹا بادشاہ بن جاتا ہے۔ یا حاکمیت اجتماعی شعور کے ذریعے سے وجود میں آئے گی۔ مغرب میں اجتماعی شعور (Collective wisdom) کا اظہار ووٹنگ کے ذریعے سے پارلیمنٹ کی سطح پر ہوتا ہے جب کہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بنائی گئی کمیٹی بھی اِسی طرح کی ایک قانونی پارلیمنٹ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہاں! آج کی پارلیمنٹ اور اسلام کے شورائی نظام کی پارلیمنٹ میں فرق یہ ہے کہ یہاں پر ہر شخص ووٹ دے سکتا ہے جب کہ اسلام میں ووٹ دینے کا حق اصحاب رائے یا اہل حل وعقد کو ہے۔ ہم یہ بات بڑی حد تک کہہ سکتے ہیں کہ خلفائے راشدین کا انتخاب اُس وقت کے موجود سیاسی نظاموں میں بہترین شورائی یا جمہوری نظام کے ذریعے ہوا۔

# (ج) پاکستانی سیاست کی اِصلاح کے امکانات

1- اسلام کے سیاسی نظام کے مختلف پہلوؤں میں تجاویز دیجیے کہ پاکستانی سیاست کی اِصلاح کیوں کر ممکن ہے؟ (2019ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- پارلیمنٹ کے لیے ایمان دار لوگوں کا انتخاب
3- قانون کی بالادستی
4- قانونی مساوات
5- اسلامی نظامِ عدل کا نفاذ
6- جمہوری کلچر کا فروغ
7- کرپشن سے نجات
8- انتقام اور تشدد کی سیاست کا خاتمہ
9- اظہارِ رائے میں احتیاط
10- اسلامی شورائی سسٹم کا نفاذ
11- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اسلام کا سیاسی نظام چند خوبیوں کا حامل ہے۔ جن میں قانون کی بالادستی، کرپشن کا خاتمہ، آزادی اظہارِ رائے، اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ، امن عامہ کا قیام، مذہبی آزدی، ایمان دار لوگوں کا انتخاب، سود کا خاتمہ، آمریت کا خاتمہ، قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی، طلب اقتدار کی ممانعت، سچ کا فروغ اور جھوٹ کی نفی اہم ترین خصوصیات ہیں۔ اِنہی خصوصیات کی روشنی میں جب نظام کو نافذ کیا جائے گا تو پاکستانی سیاست کی بھی اِصلاح ہو جائے گی۔ ذیل میں اِن خصوصیات کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے:

## 2- پارلیمنٹ کے لیے ایمان دار لوگوں کا انتخاب

آج پاکستان جن نازک حالات سے گزر رہا ہے اِس وقت سب سے ضروری کام یہ ہے کہ ایمان دار اور اہل لوگ پارلیمنٹ کے لیے منتخب ہوں۔ جمہوری حکومتوں کو پنپنے کا موقع اِس لیے نہیں ملتا کہ جمہوریت میں نااہل اور بددیانت لوگ منتخب ہو جاتے ہیں۔

## 3- قانون کی بالادستی

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ جب ہم پاکستان کا مغرب سے موازنہ کرتے ہیں تو سوائے شرمندگی کے کچھ نظر نہیں آتا۔ جب تک قانون کی حکمرانی قائم نہ ہوگی تب تک پاکستان ترقی کے راز کو نہیں پاسکتا اور نہ ہی سیاست کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مفہوم ہے ”کوئی بھی نظام کفر پر تو قائم رہ سکتا ہے لیکن ظلم پر نہیں۔“ جن ممالک میں قانون کی حکمرانی نہیں وہاں پر ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمارا سیاسی انتشار اِسی ظلم کی وجہ سے ہے۔

## 4- قانونی مساوات

مشہور محاورہ ہے ”قانون کی نظر میں شاہ وگدا سب برابر ہیں“۔ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ امیر تو قانون خرید لیتے ہیں لیکن غریبوں کے لیے جیلیں اور تھانے کچہریاں مقدر بن جاتی ہیں۔ مہذب معاشروں میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ خلافت راشدہ کے دور میں کئی بار مسلمان خلفا کو قاضی کے سامنے پیش ہونے کا کہا گیا جس پر خلفا بلا چون چرا پیش ہو جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی درخشندہ مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب اُن کے دور میں گورنر مصر کے بیٹے نے ایک غلام کو مارا اور وہ غلام خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں فریاد کے لیے پہنچا تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے نہ صرف گورنر کے بیٹے کو قانون کے مطابق سزا دی بلکہ تاریخی فقرہ کہا کہ ”اِن کی ماؤں نے اِنھیں آزاد جنا تھا تم نے کب سے اِن کو غلام بنا لیا۔“

## 5- اسلامی نظامِ عدل کا نفاذ

پاکستانی سیاست کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ فوری انصاف کا نظام قائم ہو۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ دس دس سال تک عوام کو مقدمات میں اُلجھایا جاتا ہے۔ جن ممالک میں اسلامی نظامِ عدل قائم ہے وہاں سیاسی اِستحکام ہے۔ سعودی عرب کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ قاتل کو مقدمہ کی تفتیش میں مجرم ثابت ہونے کے بعد فوری طور پر قتل کر دیا جاتا ہے اور چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں پر کرائم ریٹ باقی دُنیا سے کہیں کم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ”عدل کرو یہ تقوی کے قریب ہے“ (المائدہ:8)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ○ (النحل:90)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

## 6- جمہوری کلچر کا فروغ

سیاست کی اِصلاح کے لیے جمہوری کلچر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ صرف جمہوری پارٹی بنا لینے سے تبدیلی نہیں آتی۔ تبدیلی کے لیے پارٹی کے اندر مشاورت اور جمہوریت کا پورا نظام موجود ہونا بھی ضروری ہے۔

## 7- کرپشن سے نجات

سیاست کی اِصلاح کے لیے کرپشن کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ پاکستان میں کرپشن کا بول بالا ہے۔ اگر پاکستانی حکمرانوں کے محلات یا مغربی ممالک کے بینکوں میں اُن کے اکاؤنٹس دیکھے جائیں تو حیرت کا جہاں کھلتا ہے۔ اگر پاکستان کو کرپشن کی لعنت سے پاک کر دیا جائے تو عوام کی حالت بہتر ہوگی اور سیاسی اِستحکام آئے گا۔

## 8- انتقام اور تشدد کی سیاست کا خاتمہ

سیاست میں اِصلاح کے امکانات اُس وقت ختم ہو جاتے ہیں جب سیاست میں تشدد اور انتقام کا دروازہ کھلتا ہے۔ کربلا سے لے کر آج تک اسلامی تاریخ اِس حوالے سے بھری پڑی ہے۔ افسوس اِس بات کا ہے کہ جدید جمہوری دور سے بھی ہمارے حکمرانوں نے سبق نہیں سیکھا۔

## 9- اِظہارِ رائے میں احتیاط

سیاست کی اِصلاح کے لیے اظہارِ رائے میں احتیاط بھی بہت ضروری ہے۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی سے سیاست دانوں کا وقار مجروح ہوتا ہے۔ میڈیا نے سیاست دانوں کو عوام کے سامنے بے وقعت بنا دیا ہے اور سیاست دانوں نے خود بھی اِس حوالے سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

## 10- اسلامی شورائی سسٹم کا نفاذ

اسلامی شورائی سسٹم کے نفاذ سے بھی سیاست کے احوال میں بہتری آسکتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ:38)

ترجمہ: ''اور وہ آپس کے معاملات میں مشاورت کرتے ہیں۔''

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران:159)

ترجمہ: ''اور آپ (ﷺ) اِن سے مشورہ کیجیے۔''

## 11- خلاصۂ بحث

درج بالا بحث سے واضح ہے کہ سیاست کی اصلاح کے لیے قانون کی بالادستی، کرپشن سے نجات اور اظہارِ رائے میں احتیاط کس قدر اہم مطالبات ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ سیاسی جماعتیں اپنے اندر بنیادی سطح پر جمہوری کلچر کو فروغ دیں، الزامات سے ایک دوسرے کو بچائیں۔ دیانت دار اور اہل لیڈر کو پارٹی کا سربراہ بنائیں۔ مشاورت کو اسلام کے اُصولوں کے مطابق بطور اُصول سیاسی جماعت میں نافذ کریں۔

# (د) اسلامی معاشرے میں نفاذِ شریعت کی ضرورت

-1 آج کے عالمی سیاسی نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامی معاشرے میں نفاذِ شریعت کیوں کر اور کیسے ممکن ہے۔ (2010ء)

## اہم نکات

-1 تعارف
-2 نفاذِ شریعت کیا ہے؟
-3 نفاذِ شریعت کی اہمیت وفرضیت
-4 نفاذِ شریعت کے حوالے سے علمائے کرام کے متفقہ نکات
-5 خلاصہ بحث

## 1- تعارف

شریعت کا لفظ ''شرع'' سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ''سیدھا راستہ'' کے ہیں۔ اِصطلاح میں ''شریعت ایسے راستے، مذہب یا قانون کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہدایات کے مطابق ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اپنی کتابوں اور صحائف کے ذریعے ہدایت سے نوازا اور انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو من وعن اُسی طرح لوگوں تک پہنچایا جس طرح وہ اُن پر نازل کیے گئے۔ جو احکاماتِ الٰہیہ انبیا ورسل نے لوگوں تک پہنچائے، وہ احکامات اپنے پہنچانے والے نبی یا رسول سے منسوب ہو کر شرع یا شریعت کہلاتے ہیں۔ مثلاً شریعت ابراہیمی علیہ السلام۔ اِسی طرح عرفِ عام میں شریعت، شرعِ محمدی کو کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا یا عمل کر کے دکھایا، وہی قانون بنا اور دین اسلام کا طریقہ ٹھہرا۔

## 2- نفاذِ شریعت کیا ہے؟

نفاذِ شریعت سے مراد ایک اسلامی ریاست میں نافذ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے قانون یا شریعت کو اُس کی اصل رُوح کے مطابق نافذ کرنا ہے یعنی نفاذِ شریعت میں اسلام کے تمام نظام ہائے حیات، معیشت، معاشرت، سیاست اور عدل وانصاف الغرض پورے دین کا اُسی طرح نفاذ شامل ہے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین کے دور میں نافذ العمل تھا۔

## 3- نفاذِ شریعت کی اہمیت وفرضیت

یہ ایمان والوں کی خصوصیت بلکہ اُن پر لازم ہے کہ جب بھی اُنھیں اقتدار ملتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر نماز، زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ایمان والوں کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر ہم اُنھیں زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں اچھائی کا حکم دیں اور بُرائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے لیے ہے۔'' (الحج: 41)

ترجمہ: ''اور تمھارے اندر ایک ایسی جماعت رہے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کام کرنے کا حکم دیتی رہے اور بُرائی سے منع کرتی رہے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔'' (آل عمران: 104)

ترجمہ: ''اور جو کچھ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے رُک جاؤ۔'' (الحشر: 7)

ترجمہ: ''(اللہ) ہی ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔'' (التوبہ: 33)

ترجمہ: ''اور میں نے جن وانس کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔'' (الذاریات: 56)

یہ تمام آیات نفاذِ شریعت کی اہمیت وفرضیت کو بیان کرتی ہیں۔

## 4- نفاذِ شریعت کے حوالے سے علمائے کرام کے متفقہ نکات

### (ا) نفاذِ شریعت بذریعہ پُرامن جدوجہد

یہ کہ پاکستان میں شریعت کا نفاذ پُرامن جدوجہد کے ذریعے ہونا چاہیے کیونکہ یہی اسلامی تعلیمات اور دستورِ پاکستان کا مشترکہ تقاضا ہے اور عملاً بھی اِس کے امکانات موجود ہیں نیز شریعت کا نفاذ سارے دینی مکاتبِ فکر کی طرف سے منظور شدہ متفقہ راہنما اُصولوں کے مطابق ہونا چاہیے (یہ 15 نکات اِس قرارداد کا حصہ ہیں) اور کسی گروہ یا جماعت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی کا اسلام سارے معاشرے پر قوت سے ٹھونس دے۔

## (۲) دستوری اصلاحات

○ دستورِ پاکستان کے قابلِ نفاذ حصے میں بہ صراحت (وضاحت کے ساتھ) یہ لکھا جائے کہ قرآن وسنت مسلمانوں کا سپریم لاء ہے اور اِس تصریح سے متصادم قوانین کو منسوخ کر دیا جائے۔ یہ دستوری انتظام بھی کیا جائے کہ عدلیہ کی طرف سے دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو اور دستور کی کسی بھی شق اور مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کے کسی بھی فیصلے کو کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی صورت میں اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا جا سکے نیز اِن دستوری دفعات کو دستور میں بنیادی اور نا قابلِ تنسیخ دفعات قرار دیا جائے۔ آئین توڑنے سے متعلق دفعہ 6A اور عوامی نمائندوں کی اہلیت سے متعلق دفعات 62,63 کو مؤثر اور اُن پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔ کسی بھی ریاستی یا حکومتی عہدہ دار کی قانون سے بالاتر حیثیت اور استثنا پر مبنی دستوری شقوں کا خاتمہ کیا جائے۔

○ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ کے جج صاحبان کو دیگر اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کی طرح باقاعدہ جج کی حیثیت دی جائے اور ان کے سٹیٹس اور شرائط تقرری و ملازمت کو دوسری اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کے سٹیٹس اور شرائط تقرری و ملازمت کے برابر لایا جائے۔ بعض قوانین کو وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار سے مستثنیٰ قرار دینے کے فیصلوں پر نظر ثانی کی جائے اور وفاقی شرعی عدالت کو ملک کے کسی بھی قانون پر نظر ثانی کا اختیار دیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپیلٹ بنچ کو آئینی طور پر پابند کیا جائے کہ وہ مناسب وقت (Time Frame) کے اندر شریعت پٹیشنوں اور شریعت اپیلوں کا فیصلہ کر دیں۔ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی طرح صوبائی، ضلعی اور تحصیل سطح کی عدالتوں میں بھی علما ججوں کا تقرر کیا جائے اور آئین میں جہاں قرآن وسنت کے بالاتر قانون ہونے کا ذکر ہے وہاں نبی کریم ﷺ کے شارع ہونے کا ذکر بھی کیا جائے۔ حکومت اسلامی نظریاتی کونسل میں تمام مکاتبِ فکر کے جید علما کو بطور رُکن نامزد کرے۔ ہر مکتبہ فکر اپنا نمائندہ اپنے حلقوں سے مشاورت کے بعد تجویز کرے۔ نفاذِ شریعت کے حوالے سے جن نکات پر ارکان کی اکثریت کا اتفاق ہو جائے، حکومت چھ ماہ کے اندر اُسے قانون بنا کر پاس کرنے کی پابند ہو۔

## (۳) موجودہ اسلامی قوانین پر مؤثر عمل درآمد

پاکستان کے قانونی ڈھانچے میں پہلے سے موجود اسلامی قوانین پر مؤثر طریقے سے عمل درآمد کیا جائے اور اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے ساتھ ساتھ مؤثر اِصلاحی کوششیں بھی جائیں۔

## (۴) بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی

اسلامی اُصول واقدار کے مطابق عوام کو بنیادی ضروریات وسہولیاتِ زندگی مثلاً روٹی، کپڑا، مکان، علاج معالجہ اور تعلیم فراہم کرنے، غربت و جہالت کے خاتمے اور عوامی مشکلات ومصائب دُور کرنے اور پاکستانی عوام کو دُنیا میں عزت اور وقار کی زندگی گزارنے کے قابل بنانے کو اوّلین ریاستی ترجیح بنایا جائے۔

## (۵) سیاسی اِصلاحات

موجودہ سیاسی نظام کی اسلامی تعلیمات کے مطابق اِصلاح کی جائے مثلاً نمائندگی میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی حوصلہ شکنی اور غریب اور متوسط طبقے کی حوصلہ افزائی کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کیے جائیں۔ نمائندگی کے لیے شرعی شہادت کی اہلیت کو لازمی شرط قرار دیا جائے۔ متناسب نمائندگی (Proportional Representation) کا طریقہ اپنایا جائے۔ علاقائی، نسلی، لسانی اور مسلکی تعصبات کی بنیاد پر قائم ہونے والی سیاسی جماعتوں پر پابندی لگائی جائے اور قومی یک جہتی کے فروغ کے لیے مناسب پالیسیاں اور ادارے بنائے جائیں۔

## (۶) نظامِ تعلیم کی اِصلاح

تعلیمی نظام کی اسلامی تناظر میں اِصلاح کے لیے قومی تعلیمی پالیسی اور نصابات کو اسلامی اور قومی سوچ کے فروغ کے لیے تشکیل دیا جائے جس سے یکساں نظامِ تعلیم کی حوصلہ افزائی اور طبقاتی نظامِ تعلیم کا خاتمہ ہو۔ اساتذہ کی نظریاتی تربیت کی جائے اور تعلیمی اداروں کا ماحول بہتر بنایا جائے۔ مخلوط تعلیم ختم کی جائے اور مغربی لباس کی پابندی اور اُمورِ تعلیم میں مغرب کی اندھی نقالی کی روش ختم کی جائے۔ تعلیم کا معیار بلند کیا جائے۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو قومی نصاب اپنانے کا پابند بنانے اور اُن کی نگرانی کا مؤثر نظام وضع کرنے کے لیے قانون سازی کی جائے۔ تعمیرِ سیرت اور کردار سازی کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ تعلیم سے ثنویت کا خاتمہ کیا جائے۔ دینی مدارس کے نظام کو مزید مؤثر و مفید بنانے اور اُسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں تاکہ بین المسالک ہم آہنگی کو فروغ ملے اور فرقہ واریت میں کمی واقع ہو۔ دینی مدارس کی ڈگریوں کو تسلیم کیا جائے۔ تعلیم کے لیے وافر فنڈز مہیا کیے جائیں۔ ملک میں کم از کم میٹرک تک لازمی مفت تعلیم رائج کی جائے اور چائلڈ لیبر کا خاتمہ کیا جائے۔

## (۷) ذرائع ابلاغ کی اِصلاح

ذرائع ابلاغ کی اِصلاح کی جائے۔ اسلامی تناظر میں نئی ثقافتی پالیسی وضع کی جائے جس میں فحاشی و عریانی کو فروغ دینے والے مغربی و بھارتی ملحدانہ فکر و تہذیب کے اثرات و رُجحانات کو رد کر دیا جائے۔ صحافیوں کے لیے ضابطۂ اخلاق تیار کیا جائے اور اُن کی نظریاتی تربیت کی جائے۔ پرائیویٹ چینلز اور کیبل آپریٹرز کی مؤثر نگرانی کی جائے۔ اسلام اور پاکستان کے نظریاتی تشخص کے خلاف پروگراموں پر پابندی عائد کی جائے۔ تعمیری انداز میں عوام کے اخلاق سدھارنے اور اُنھیں اسلامی تعلیمات پر عمل کی ترغیب دینے والے پروگرام پیش کیے جائیں۔

## (۸) معیشت

پاکستان کی معیشت کو مضبوط بنانے اور افلاس اور مہنگائی کے خاتمہ کے لیے ٹھوس عملی اقدامات کیے جائیں جیسے جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ رُجحانات کی حوصلہ شکنی کرنا، زراعت کے شعبے میں ضروری اصلاحات کو اوّلین حکومتی ترجیح بنانا، تقسیمِ دولت کے نظام کو منصفانہ بنانا اور اُس کا بہاؤ امیروں سے غریبوں کی طرف موڑنا، بیرونی قرضوں اور درآمدات کی حوصلہ شکنی کرنا اور زرِمبادلہ کے ذخائر بڑھانے کے لیے مؤثر منصوبہ بندی کرنا، معاشی خود کفالت کے لیے جدوجہد کرنا اور عالمی معاشی اداروں کی گرفت سے معیشت کو نکالنا، سود اور اسراف پر پابندی جب کہ سادگی کو رواج دینا۔ ٹیکسز اور محاصل کے نظام کو مؤثر بنایا جائے اور بینکوں کو پابند کیا جائے کہ وہ بڑے قرضوں کے اجرا کے ساتھ ساتھ مائیکرو کریڈٹ کا بھی اجرا کریں تاکہ غریب اور ضرورت مند لوگ اِن بلاسود قرضوں کے ذریعے اپنی معاشی حالت بہتر کر سکیں نیز قرضوں کو بطور سیاسی رشوت دینے پر قانونی پابندی عائد کی جائے۔ زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور تقسیم کے نظام کو بہتر بنایا جائے۔ دستورِ پاکستان کے آرٹیکل 38 میں درج عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے متعلقہ اُمور کی تکمیل کے لیے حکومت خود اور نجی شعبے کے اشتراک سے فوری طور پر اور ٹھوس اقدامات کرے۔ لوٹ مار سے حاصل کردہ اور بیرونِ ملک بینکوں میں جمع خطیر رقوم کی وطن واپسی کو یقینی بنایا جائے۔

## (۹) عدلیہ

عدلیہ کی بالفعل آزادی کو یقینی بنایا جائے اور اُسے انتظامیہ سے الگ کیا جائے۔ اسلامی تناظر میں نظامِ عدل کی اِصلاح کے لیے قانون کی تعلیم، ججوں، وکیلوں، پولیس اور جیل سٹاف کے کردار کو اسلامی اُصولوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں۔

## (۱۰) خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی کو متوازن بنایا جائے۔ تمام عالمی طاقتوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھے جائیں اور اپنی قومی خودمختاری کا تحفظ کیا جائے۔ اپنے ایٹمی اثاثوں کے تحفظ پر کوئی سمجھوتا نہ کیا جائے۔ مسلمانانِ عالم کے رشتۂ اُخوت واتحاد کو قوی تر کرنے کے لیے اسلامی تعاون کی تنظیم (او آئی سی) کو فعال بنانے میں پاکستان اپنا کردار ادا کرے۔

## (۱۱) افواجِ پاکستان

افواج میں رُوحِ جہاد پیدا کرنے کے لیے سپاہیوں اور افسروں کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جائے۔ بنیادی فوجی تربیت ہر مسلم نوجوان کے لیے لازم ہونی چاہیے۔ فوجی افسروں کی اِس غرض سے خصوصی تربیت کی جائے کہ اُن کا فرض ملک کا دفاع ہے نہ کہ حکومت چلانا۔ بیوروکریسی کی تربیت بھی اسلامی تناظر میں ہونی چاہیے تاکہ اُن کے ذہنوں میں راسخ ہوجائے کہ وہ عوام کے خادم ہیں حکمران نہیں۔

## (۱۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے ایک آزاد اور طاقت ور ریاستی ادارہ قائم کیا جائے جو ملک میں اسلامی معروفات اور نیکیوں کے فروغ اور منکرات وبرائیوں کے خاتمے کے لیے کام کرے اور معاشرے میں ایسا ماحول پیدا کرے جس میں نیکی پر عمل آسان اور برائی پر عمل مشکل ہوجائے اور دستور کے آرٹیکل 31 میں جن اُمور کا ذکر کیا گیا ہے اُن پر مؤثر عمل درآمد ہوسکے۔ دفاعِ اسلام خصوصاً اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کے ازالے اور مسلمانوں وغیر مسلموں تک مؤثر انداز میں دین پہنچانے کے لیے بھی حکومت پاکستان فنڈز مختص کرے۔

## 5- خلاصۂ بحث

نفاذِ شریعت کا قیام ایک مسلمان معاشرے کی دینی اور اخلاقی ضرورت ہے۔ اِس کے لیے دو راستے ہیں: ایک راستہ دہشت گردی کا ہے اور دوسرا راستہ پُرامن طریقے سے اپنے مطالبات منوانے کا ہے۔ دہشت گردی، تشدد اور بدامنی کے راستے سے منزل مزید دُور ہوسکتی ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اِس راستے کے تمام مسافر پُرامن جمہوری جدوجہد کا راستہ اختیار کریں۔

سوال 3A

# (الف) اسلام کا معاشی نظام

1- اسلام کے معاشی قوانین کی وضاحت اجتماعی عدل کی روشنی میں بیان کیجیے۔ (CSS 2012)

2- اسلام کا معاشی نظام ہی انسانیت کی معاشی مشکلات کا حل ہے۔ بحث کریں۔ (2020)

## اہم نکات

1- تعارف

2- اسلام کے معاشی نظام کے رہنما اُصول

3- دورِ جدید میں معاشی اُصولوں کے نفاذ کی صورت

4- معاشی نظام کے نفاذ کا دیگر نظاموں سے تعلق

5- اسلام کے معاشی نظام کی خوبیاں

6- اسلامی نظامِ معیشت کا معاصر نظاموں سے تقابلی جائزہ

7- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

دین اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں کامل راہنمائی فراہم کی ہے۔تجارت اور خرید وفروخت کے تمام اُصولوں کو بھی شریعت میں بیان کیا گیا ہے۔اسلام کے معاشی نظام کے راہنما اُصولوں میں چند اُصول نمایاں ہیں۔جن میں حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، دولت کمانے کا یکساں حق، حلال ذرائع کا استعمال، حرام ذرائع کی ممانعت، سود، ذخیرہ اندوزی، رشوت، پبلک پراپرٹی پر قبضہ، چوری کا مال اور اسراف وتبذیر کی ممانعت کی گئی۔اسلام کا معاشی نظام زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ پر قائم ہے۔اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور جو ہم نے اُن کو رزق دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' اسلام کا معاشی نظام منصفانہ تقسیم دولت، جامع معاشی تصورات، افراط وتفریط سے پاک اور انسانیت کی حقیقی فلاح کا ضامن ہے۔اسلام کا معاشی نظام نہ صرف انسان کے معاشی مسئلے کو حل کرتا ہے بلکہ اِس کے ساتھ انسان کی فکری آزادی کو بھی فروغ دیتا ہے۔اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت پر مبنی نظام کے خلاف ایک معتدل اور متوازن نظام ہے۔ضرورت اِس امر کی ہے کہ اسلامی معاشی نظام کو عملاً کسی ایک سرزمین پر نافذ کیا جائے تا کہ دُنیا اُس کے صحیح نتائج سے بہرامندہ ہو سکے۔

## 2- اسلام کے اقتصادی نظام کے رہنما اُصول

انسان کی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لیے اسلام کا تجویز کردہ نظام اِنتہائی مستحکم بنیادوں پر قائم ہے جو درج ذیل ہیں:

### (۱) حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لیے

اِس کائنات میں جو کچھ ہے اُس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔جیسا کہ اُس کا ارشاد ہے:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (البقرۃ: 284)

ترجمہ: ''اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

### (۲) انسان اِس زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (الانعام: 165)

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں نائب بنایا ہے۔''

### (۳) دولت کمانے کا یکساں حق

اسلام کے اقتصادی نظام میں یہ بھی بنیادی اُصول ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں روزی کمانے کا یکساں حق ہے۔کوئی کسی پر اس حوالے سے جبر نہیں کرسکتا۔قرآن مجید کی سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تمھارے فائدے کے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا۔'' (البقرۃ:29)

### (۴) رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت

اسلام انسانوں کے اندر درجاتِ رزق میں تفاوت (برتری) کو تسلیم کرتا ہے اِس لیے کہ ہر انسان اپنی کوشش سے دوسرے پر سبقت حاصل کر سکتا ہے۔اِس حوالے سے واضح ارشاد ہے:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ○ (النجم:39)

ترجمہ: ''انسان کے لیے صرف وہی ہے جو اُس نے کوشش کی۔''

سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا:

اُنْظُرْ كَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ○ (بنی اسرائیل:21)

ترجمہ: ''دیکھو! ہم نے بعض کو بعض پر کیسے فضیلت دی۔''

## (۵) حلال ذرائع کا استعمال

اسلام کے اقتصادی نظام کا یہ بہت اہم اُصول ہے کہ دولت کمانے میں کوئی حرام ذریعہ استعمال نہ ہو کیونکہ شریعت میں حرام کمائی کی قطعی ممانعت ہے۔ اِس لیے چوری، رشوت، بت تراشی، ذخیرہ اندوزی، عصمت فروشی، جوا، سود اور نشہ آور اشیا کا بیچنا اور اِس جیسے دولت کمانے کے غلط ذرائع کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرۃ:168)

ترجمہ: ''اے لوگو! زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔''

## (۶) انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

ایک اہم اُصول اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:3)

ترجمہ: ''اور جو ہم نے اُن کو رزق دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

## (۷) حرام ذرائع کی ممانعت

اِس سے زیادہ سخت بات اور کیا ہوگی کہ حرام ذرائع سے کمائی ہوئی دولت سے صدقہ بھی نہیں دیا جاسکتا۔ حرام ذرائع میں سے چند بڑے ذرائع کے حوالے سے ارشاداتِ الٰہیہ درج ذیل ہیں:

### (i) سود کی ممانعت

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (آل عمران:130)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! سود دوگنا چوگنا کر کے نہ کھاؤ۔''

### (ii) ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (التوبہ:34)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اُسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُنھیں دردناک عذاب کی وعید سناؤ۔''

### (iii) باطل طریقے سے مال کھانا (رشوت)

سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الخ (البقرۃ: 188)

ترجمہ: ''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔''

### (iv) پبلک پراپرٹی پر قبضہ

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران: 161)

ترجمہ: ''اور جو کوئی خیانت (پبلک کے مال پر قبضہ) کرے وہ اپنے خیانت کیے ہوئے مال سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا۔''

### (v) چوری کا مال

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ: 38)

ترجمہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

### (vi) فحش تصاویر شائع کر کے مال کمانا

اِس حوالے سے سورۃ نور میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (النور: 19)

ترجمہ: ''بلاشبہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحاشی کی اشاعت ہو اُن کے لیے دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

### (vii) اسراف و تبذیر کی ممانعت

بے جا خرچ کرنا یا بہت زیادہ کنجوسی کرنا دو اِنتہائیں ہیں۔ اسلام اِن دونوں کی نفی کرتا اور میانہ روی کا درس دیتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے:

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف: 30)

ترجمہ: ''کھاؤ، پیو اور حد سے نہ بڑھو۔''

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل: 26)

ترجمہ: ''اور بے جا خرچ نہ کرو۔''

### (viii) گردش دولت کا فروغ

اسلام کے اقتصادی نظام کا ایک اہم اُصول یہ بھی ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ رہے بلکہ گردش کرتی رہے۔ جیسا سورۃ الحشر میں ارشاد ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ (الحشر: 7)

ترجمہ: ''ایسا نہ ہو کہ دولت تمھارے مال داروں کے درمیان گردش کرتی رہے۔''

## 3- دورِ جدید میں اِقتصادی اُصولوں کے نفاذ کی صورت

جہاں تک اِن اُصولوں کے نفاذ کا تعلق ہے تو یہ واضح ہے کہ اگر ارادہ پختہ ہو تو راستہ ضرور نکل آتا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل نے اِس حوالے سے کافی کام کیا ہے۔ علما نے اپنے طور پر بھی اِن اُصولوں کے عملی نفاذ کے لیے روشن راستوں کی طرف رہنمائی کی ہے۔ جہاں تک پہلے اُصول کا تعلق ہے کہ ملکیتِ حقیقی اللہ رب العزت کے لیے ہے اور انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے تو اِس اُصول کا تعلق معاشرتی نفاذ سے زیادہ انفرادی و شخصی ہے یعنی ایک شخص کو اسلامی طرزِ معیشت میں دین کے اخلاقی نظام کی پابندی کرنا ہے کیونکہ انسان مالک ارض وسما کا نمائندہ ہے اور یہ اُس پر لازم ہے کہ وہ مالک کی رضا اور خواہش پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ من پسند لوگوں کو ہی کاروبار کے لیے Level-playing Field مہیا نہ کرے بلکہ تمام افرادِ معاشرہ کے لیے یکساں سہولیات فراہم کرے۔ اِس کے علاوہ ایک فرد کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ دولت پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جائے بلکہ اُس میں دیگر افرادِ معاشرہ کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرے۔ حلال ذرائع کے فروغ اور حرام ذرائع کو روکنے کے لیے کسی فلسفے اور منطق کی ضرورت نہیں بلکہ قانون میں یہ چیزیں موجود ہیں۔ اگر اخلاص کے ساتھ تمام ذخیرہ اندوزوں، شراب بیچنے والوں، چوری کرنے والوں اور ڈکیتوں کے خلاف کارروائی کی جائے اور یہ سب کے خلاف یکساں (Across the board) ہو تو یقیناً معاشی انقلاب آسکتا ہے۔

## 4- معاشی نظام کے نفاذ کا دیگر نظاموں سے تعلق

نفاذِ اسلام کی کوشش میں یہ غلطی عموماً ہوتی ہے کہ اسلامی نظام کے ہر پہلو کو ایک الگ نظام کے طور پر نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو نا کام ہو جاتی ہے جب کہ اسلام کا معاشی نظام، عظیم اسلامی نظام کا ایک پہلو ہے جسے دیگر سیاسی، معاشرتی، قانونی اور اخلاقی نظاموں کے ساتھ بیک وقت نافذ کرنا ہوگا ورنہ یہ اپنا اثر کھودے گا۔ اِس حوالے سے سید ابوالاعلیٰ مودودی رقم طراز ہیں:

> ''سوال یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک معاشی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی نظام کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ جواب یہ ہے کہ بالکل ویسا ہی تعلق ہے جیسا جڑ سے تنے کا اور تنے سے شاخوں کا اور شاخوں سے پتوں کا ہوتا ہے۔ ایک ہی نظام ہے جو خدا کی توحید اور رسولوں کی رسالت پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ اِسی سے اخلاقی نظام بنتا ہے۔ اِسی سے عبادات کا نظام بنتا ہے جس کو آپ مذہبی نظام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اِسی سے معاشرتی نظام نکلتا ہے۔ اِسی سے معاشی نظام نکلتا ہے۔ اِسی سے سیاسی نظام نکلتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ اگر آپ خدا اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہیں تو آپ کو لامحالہ وہی اخلاقی اُصول اختیار کرنے پڑیں گے جو اسلام نے سکھائے ہیں اور وہی سیاسی اُصول اختیار کرنے پڑیں گے جو اسلام نے آپ کو دیے ہیں۔ اِسی کے اُصولوں پر آپ کو اپنی معاشرت کی تشکیل کرنی ہوگی اور اِسی کے اُصولوں پر اپنی معیشت کا سارا کاروبار چلانا ہوگا۔ جس عقیدے کی بنا پر آپ نماز پڑھتے ہیں اُسی عقیدے کی بنا پر آپ کو تجارت کرنی پڑے گی۔ جس دین کا ضابطہ آپ کے روزے اور حج کو منضبط کرتا ہے اُسی دین کے ضابطے کی پابندی آپ کو اپنی عدالت میں بھی کرنی ہوگی اور اپنی منڈی میں بھی۔ اسلام میں مذہبی نظام، سیاسی نظام، معاشی نظام اور معاشرتی نظام الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی نظام کے مختلف شعبے اور اجزا ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ بھی ہیں اور ایک دوسرے سے طاقت بھی حاصل کرتے ہیں۔ اگر توحید و رسالت اور آخرت کا عقیدہ موجود نہ ہو اور اِس سے پیدا ہونے والے اخلاق موجود نہ ہوں تو اسلام کا معاشی نظام کبھی قائم نہیں ہوسکتا اور قائم کیا بھی جائے تو چل نہیں سکتا۔ اِسی طرح اسلام کا سیاسی نظام بھی نہ قائم ہوسکتا ہے نہ چل سکتا ہے کیونکہ اسلام جو سیاسی نظام دیتا ہے اُس کی بنا ہی اِس عقیدے پر رکھی گئی ہے کہ خدا حاکم اعلیٰ ہے، رسول ﷺ اُس کا نمائندہ ہے، قرآن اُس کا واجب الاطاعت فرمان ہے اور ہم کو آخر کار اپنے اعمال کی جواب دہی خدا کے سامنے کرنی ہے۔ پس یہ خیال کرنا ہی سرے سے غلط ہے کہ اسلام میں کوئی سیاسی یا

معاشی نظام مذہبی اور اخلاقی نظام سے الگ اور بے تعلق بھی ہوسکتا ہے۔ جو شخص اسلام کو جانتا ہو اور جان کر اُسے مانتا ہو وہ کبھی اِس بات کا تصور تک نہیں کرسکتا کہ مسلمان ہوتے ہوئے اُس کی سیاست اور معیشت یا اُس کی زندگی کا کوئی شعبہ اُس کے مذہب سے جُدا ہوسکتا ہے یا سیاست و معیشت اور عدالت و قانون میں اسلام سے آزاد ہوکر یا اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام اختیار کر کے، صرف ''مذہبی'' اُمور میں اِس کی پیروی کرنے کا نام بھی اسلامی زندگی ہے۔'' (معاشیاتِ اسلام، ص 162-163)

## 5- اسلام کے اقتصادی نظام کی خوبیاں

جیسا کہ درج بالا اقتباس سے واضح ہے کہ اسلام کا اقتصادی نظام تنہا کوئی بڑے نتائج پیدا نہیں کرسکتا جب تک دیگر نظاموں کے ساتھ اِسے مربوط نہ کیا جائے۔ اگر اسلام کے اقتصادی نظام کو دیگر نظاموں کے ساتھ ملا کر نافذ کیا جائے تو اِس میں جو نمایاں خوبیاں نظر آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

### (۱) انسانیت کی حقیقی فلاح کا ضامن نظام

اسلام کے علاوہ دُنیا کے دیگر نظام ہائے معیشت صرف مادی جب کہ اسلامی نظامِ معیشت دین و دُنیا دونوں کے مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ دیگر نظاموں میں مادی ضروریات جب کہ اسلامی نظام میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں مادی کے ساتھ ساتھ رُوحانی ضروریات بھی پوری کرنا مقصود ہے۔ اِس طرح اِن سے نہ صرف جسمانی بلکہ رُوحانی تسکین بھی حاصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص جو کچھ اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے وہ اُس کی جبلی فطرت کا حصہ ہے مگر ایک مسلمان کے لیے یہی عمومی عمل ثواب کا باعث بھی ہے۔

### (۲) جامع معاشی تصورات کا حامل نظام

اسلامی نظامِ معیشت میں سرمایہ دارانہ نظام کی طرح دولت نہ تو چند ہاتھوں میں جمع ہوجاتی ہے اور نہ ہی کمیونزم کی طرح پھیل جاتی ہے جس میں انسان کسی چیز کا مالک نہیں رہتا اور اُس کی فطری خواہشات کا قلع قمع ہوجاتا ہے بلکہ اسلام ایک ایسا جامع نظام ہے جس میں نہ تو دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے اور نہ ہی وہ اشتراکیت کی طرح خالی ہاتھ ہوجاتا ہے۔

### (۳) فقر و فاقہ سے نجات کا نظام

فقر و فاقہ سے حقیقی معنوں میں نجات، اسلام جیسے نظام سے ہی ہوسکتی ہے جس میں اِستحصال کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِس حوالے سے بہت خوب صورت ارشادِ رسول ﷺ موجود ہے:

كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا (الحدیث)

ترجمہ: ''قریب ہے کہ غربت کفر تک پہنچا دے۔''

### (۴) افراط و تفریط سے پاک نظام

اسلام نہ تو بخل کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی فضول خرچی کی بلکہ اِن دونوں کے درمیان رہنے کی تاکید کرتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ایک اہم اُصول بیان ہوا:

خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا (الحدیث)

ترجمہ: ''اُمور میں درمیانہ راستہ اختیار کرنے میں بھلائی ہے۔''

### (۵) منصفانہ تقسیم دولت کا نظام

دیگر نظاموں میں منصفانہ تقسیم دولت کا نظام اسلام کی طرح ادارہ جاتی شکل میں موجود نہیں۔ جیسے ہمارے ہاں وراثت کا نظام، بیت المال اور اوقاف کا نظام، زکوٰۃ وانفاق کا نظام۔ اِن سب سے بڑھ کر حلال وحرام کے ضوابط ہمارے ہاں قانونی شکل میں موجود ہیں۔

### (۶) کاروبار کرنے میں آزادی فراہم کرنے والا نظام

اشتراکی نظام میں کاروبار کرنے پر بہت سی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں جب کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں کاروبار کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق حرام ذرائع کے سوا کوئی بھی ذریعہ اختیار کرسکتا ہے۔

### (۷) عدل ومساوات کا حامل نظام

اسلامی نظامِ معیشت میں امیر وغریب کے درمیان ایک خوب صورت توازن قائم کیا گیا ہے جس کے تحت دولت کمانے میں سب برابر ہیں اور اُمرا پر یہ لازم کیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ دیگر صدقات واجبہ بھی ادا کریں۔ یہاں عدل سے مراد توازن ہے۔

### (۸) گردشِ دولت کا حامل نظام

اسلام کی خوبی یہ ہے کہ یہ گردشِ دولت کی نہ صرف حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اِس کا حکم بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ (البقرہ:195)

ترجمہ: ''اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔''

### (۹) صدقاتِ واجبہ کا حامل نظام

اسلام کے اندر درج ذیل صدقات فرض ہیں:

#### (i) زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا اہم رُکن ہے جو ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اِن کے برابر مالیت ہو تو ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (دیگر تفصیل زکوٰۃ کے جواب میں دیکھ لی جائے)

#### (ii) عشر

زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے، اُس پر عشر فرض ہے۔ وہ کھیتی جس کو پانی قیمتاً دیا گیا ہے اُس میں بیسواں حصہ یعنی 5 فیصد جب کہ وہ کھیتی جو بارش سے سیراب ہوئی اُس میں دسواں حصہ یعنی 10 فیصد لاگو ہوگا۔

#### (iii) وراثت

کسی بھی شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اُس کے ترکے میں سے اُس کے تمام ورثا کو شرعی قوانین کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔

زکوٰۃ، عشر اور وراثت کے حوالے سے جتنی تفصیلات اور خصوصیات اسلامی نظامِ معیشت میں ہیں وہ کسی اور نظام میں نظر نہیں آتیں۔

## 6- اسلامی نظامِ معیشت کا معاصر نظاموں سے تقابلی جائزہ

اِس حوالے سے پروفیسر عبدالحمید ڈار رقم طراز ہیں:

''اسلام کے تجویز کردہ معاشی نظام اور عہدِ حاضر کے دیگر معاشی نظاموں مثلاً سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) اور اشتراکی نظامِ معیشت (Communism) میں اُصولی اور بنیادی فرق یہ ہے کہ درج بالا نظاموں میں انسان کے معاشی مسئلہ کو انسانی زندگی کے مجموعی چوکھٹے (فریم ورک) سے الگ کر کے اُس کا مطالعہ وتجزیہ کیا جاتا ہے اور اُسے حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اِس کے برعکس اسلام انسان کے معاشی مسائل کا انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مجموعی تناظر میں مطالعہ کرتا ہے اور اِس کے حل کی ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جو نہ صرف درپیش معاشی مسئلہ کو حسن وخوبی سے حل کرنے والی ہوں بلکہ اِن سے اجتماعی زندگی کے کسی بھی پہلو پر بُرے اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں۔ اِس بات کو ایک مثال سے یوں واضح کیا جاتا ہے کہ مروجہ معاشی نظاموں میں آبادی میں اضافے سے پیدا ہونے والے مسائل حل کرنے کے لیے بالعموم خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں کو اپنانے پر زور دیا جاتا ہے اور اِس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اِن طریقوں کے اختیار کرنے سے بے حیائی وبدکاری کو فروغ ملتا ہے، اِس کے ساتھ ساتھ کیمونزم میں تاجروں کے وجود کو ختم کر کے تمام پیداواری وسائل کو حکومت کی تحویل میں لے لیا جاتا ہے۔ اِس طرح کثیر تعداد میں سرمایہ داروں کی جگہ ملک میں ایک ہی بڑا سرمایہ دار رہ جاتا ہے اور چونکہ سیاسی اقتدار واختیار بھی اُسی کے پاس ہوتا ہے اِس لیے سیاسی اور معاشی قوت کے ایک جگہ مرکوز ہو جانے سے فرد کی حریتِ فکر اور آزادیٔ عمل بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ سرمادارانہ نظام میں بھی یہی ہوتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے دُنیا کے چند امیروں کے پاس دُنیا کی آدھی دولت موجود ہے۔'' (اسلامی معاشیات: ص111-112)

## 7- خلاصۂ بحث

اسلامی نظریۂ حیات میں انسان کی حریتِ فکر اور آزادیٔ ضمیر کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ اِس کی موجودگی میں ہی انسان خلافت الٰہی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں انسان کے معاشی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ایسی تدابیر اختیار کی گئی ہیں جو معاشی ضروریات کی تسکین کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی حریتِ فکر اور فطری آزادی کو بھی فروغ دینے والی ہیں۔ اشتراکی نظامِ معیشت کے برعکس اسلام نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے البتہ اِس کے مضر پہلوؤں سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اِس کے حصول اور استعمال پر ضروری پابندیاں عائد کر دیتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس زکوٰۃ اور عشر کا ایسا جامع نظام دیتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہ جاتی بلکہ امیر اور غریب میں فرق کم سے کم رہ جاتا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اسلامی نظام کو نافذ کیا جائے جس میں دولت حلال طریقے سے کمائی جا سکتی ہے اور حلال جگہ پر ہی خرچ کی جا سکتی ہے۔ جب دولت سے حرام کے نقصانات ختم ہو جاتے ہیں تو معاشرہ اور ملک ویسے ہی توازن پر آ جاتے ہیں۔

# (ب) قرآن اور سنت میں سود کی حرمت

**1- اسلامی نقطۂ نظر سے حلال پر تفصیلی بحث کریں اور وضاحت کریں کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ناجائز ذرائع کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے۔ (CSS-2011)**

## اہم نکات

1- تعارف

2- سود کی تعریف اور اقسام

3- سود کی حرمت کے متعلق چند مزید احادیث مبارکہ

4- تجارت کے حلال اور سود کے حرام ہونے کی توجیہ

5- کیا سودی معیشت کے بغیر دُنیا میں خوش حالی آسکتی ہے؟

6- سودی معیشت کی اخلاقی اور معاشرتی قباحتیں

7- سودی نظامِ معیشت کی معاشی قباحتیں

8- سود کے متبادل، اسلامی نظامِ معیشت

9- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

بندوں کے درمیان باہمی طور پر جو معاشی تعلقات مطلوب ہیں اُن کی علامت زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حقوق کا اعتراف یہاں تک کرتا ہے کہ وہ خود اپنی کمائی کا ایک حصہ نکال کر اپنے بھائی کو دیتا ہے۔ جو دین حقوق شناسی کا ایسا ماحول بنانا چاہتا ہو وہ سود کے زر پرستانہ طریقہ کو کسی طرح قبول نہیں کرسکتا۔ ایسے معاشرہ میں باہمی لین دین تجارت کے اُصول پر ہوتا ہے، نہ کہ سود کے اُصول پر۔ تجارت میں بھی آدمی نفع لیتا ہے۔ مگر تجارت کا جو نفع ہے وہ آدمی کی محنت اور اُس کے خطرات مول لینے کی قیمت ہوتا ہے۔ جب کہ سود کا نفع محض خودغرضی اور زراندوزی کا نتیجہ ہے۔ سود کا کاروبار کرنے والا اپنی دولت دوسرے کو اِس لیے دیتا ہے کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی دولت کو مزید بڑھائے۔ وہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اُس کا سرمایہ یقینی شرح سے بڑھ رہا ہے۔ مگر اِس عمل کے دوران وہ خود اپنے اندر جو انسان تیار کرتا ہے وہ ایک خودغرض اور دُنیا پرست انسان ہے۔ اس کے برعکس جو آدمی اپنی کمائی میں سے صدقہ کرتا ہے، جو دوسروں کی ضرورت مندی کو اپنے لیے تجارت کا سودا نہیں بناتا۔ سود اسلام میں حرام ہے، اس کی حرمت کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ اعلان جنگ کیا۔''
(البقرہ:279-278)

## 2- سود کی تعریف اور اقسام

سود کی تعریف Interest is the price of capital یعنی ''زر کے استعمال پر معاوضہ سود ہے۔'' اِس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) ربوٰ النسیئۃ

(ب) ربوٰ الفضل

### (۱) ربوٰ النسیئہ

یہ وہ سود ہے جس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے، جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے:

**اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا** (البقرۃ:275)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔''

اِس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو قرض دے اور اُس قرض کے استعمال کے عوض اصل رقم سے زائد طلب کرے اور اِس زائد رقم لینے کو شرط کے ساتھ متعین کرے۔ اِس کی حرمت کا بیان سورۃ آل عمران میں ہے:

**يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً** (آل عمران:130)

ترجمہ: اے ایمان والو! دو گنا اور چار گنا کر کے سود نہ کھاؤ۔

### (۲) ربوٰ الفضل

ربوٰ الفضل سے مراد سود کی وہ قسم ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں اور امام نسائی نے سنن نسائی میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے چھ چیزوں کے بارے میں صراحت فرمائی کہ اُن کا لین دین برابر اور ہاتھوں ہاتھ (دست بدست) کیا جائے۔ وہ چھ چیزیں درج ذیل ہیں:

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| -1 | سونے کے بدلے سونا | -2 | چاندی کے بدلے چاندی | -3 | گندم کے بدلے گندم |
| -4 | جو کے بدلے جو | -5 | کھجور کے بدلے کھجور | -6 | نمک کے بدلے نمک |

حدیث پاک کو مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے شخص کو دو کلو گھٹیا کھجوریں دے اور مطالبہ کرے کہ آپ مجھے اِس کے بدلے میں ایک کلو عمدہ کھجوریں دیں تو یہ جائز نہیں بلکہ وہ اپنی گھٹیا کھجوروں کو مارکیٹ میں بیچے اور اُن پیسوں سے عمدہ کھجوریں خریدے۔ دونوں اشیا کے تبادلے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں ایک ہی قسم اور مالیت رکھتی ہوں۔

## -3 سود کی حرمت کے متعلق چند مزید احادیث مبارکہ

(۱) حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اپنے آپ کو اُن گناہوں سے بچاؤ جن کی مغفرت نہیں ہوگی۔ مالِ غنیمت میں خیانت کرنے سے، سو جس نے خیانت کی وہ قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا اور سود کھانے سے، سو جس نے سود کھایا وہ قیامت کے دن مخبوط الحواس (پاگل) کی طرح اُٹھے گا۔'' (طبرانی)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس رات مجھے معراج کرائی گئی مجھے ایک ایسی قوم کے پاس سے گزارا گیا جن کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح تھے۔ اُن کے پیٹوں میں باہر سے سانپ دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے پوچھا! اے جبرائیل! یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا یہ لوگ سود کھانے والے ہیں۔'' (سنن ابن ماجہ)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سود کے ستر گناہ ہیں اور اِن میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔'' (ابن ماجہ)

(۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس قوم میں زنا اور سود کی کثرت ہو جاتی ہے اُس قوم پر اللہ کا عذاب جائز ہو جاتا ہے۔'' (امام جلال الدین سیوطی، الدر المنثور: ج:1، ص:367)

## -3 تجارت کے حلال اور سود کے حرام ہونے کی توجیہ

- تجارت میں فروخت کنندہ خریدار سے خواہ کتنا ہی منافع وصول کر لے بہر حال صرف ایک ہی مرتبہ لیتا ہے لیکن سودی معاملہ میں رقم دینے والا مسلسل اپنے مال پر منافع وصول کرتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اُس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔
- تجارت میں شے اور اُس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے جب کہ سودی معاملہ میں قرض لینے والا قرض لے کر اُسے استعمال کرتا ہے اور پھر یہ قرض سود کے اضافہ کے ساتھ واپس کرتا ہے۔
- تجارت میں انسان اپنی محنت اور ذہانت صرف کر کے اُس کا فائدہ حاصل کرتا ہے مگر سودی کاروبار میں محض زائد از ضرورت مال دے کر فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یعنی سودی کاروبار ایسا شراکتی کاروبار ہے جس میں ایک فریق محض قرض دے کر ایک مقررہ اور مشروط منافع کا شریک بن جاتا ہے۔ (عبد الحمید، اسلامی معاشیات: ص:295,294)

## -4 کیا سودی معیشت کے بغیر دُنیا میں خوش حالی آ سکتی ہے؟

اِس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہوگا کہ دُنیا میں سودی معیشت کے بجائے اسلامی نظامِ معیشت سے حقیقی خوش حالی آ سکتی ہے۔ یہ بات

ثابت ہے کہ اسلامی نظامِ معیشت ہی سودی نظامِ معیشت کا متبادل ہے۔ مسلم سکالرز نے اِس حوالے سے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ یہاں سب سے پہلے سودی نظامِ معیشت کی چند قباحتیں درج کی جاتی ہیں جو عالمی خوش حالی میں حقیقی رُکاوٹ ہیں۔ اس کے بعد سود کے متبادل، اسلامی نظامِ معیشت کے بارے میں درج کیا جائے گا۔

## 5- سودی معیشت کی اخلاقی اور معاشرتی قباحتیں

سودی معیشت کی اخلاقی اور معاشرتی قباحتیں درج ذیل ہیں:

### (ا) خودغرضی اور تنگ دلی

سودی نظامِ معیشت میں انسان صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اپنے فائدے کے سوا اُسے کسی چیز سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اُس کے عمل سے یا اُس کی فیکٹری کی پروڈکشن سے اگر ہزاروں افراد کی صحت تباہ ہوتی ہے، ماحول برباد ہوتا ہے یا موسمی تغیرات رُونما ہوتے ہیں، اُسے اِن سے کوئی لگاؤ نہیں بلکہ اُسے صرف اور صرف پیسہ کمانے سے دل چسپی ہے۔ اِس نظام کی وجہ سے انسان بندۂ خدا نہیں رہتا بلکہ بندۂ زر اور بندۂ نفس بن جاتا ہے۔ اعلیٰ اخلاقی اُصول اُس کے لیے برائے نام اور دین و مذہب سے اُس کی عقیدت محض دکھاوا ہو جاتی ہے۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ ہمارے ہاں اِس نظام کی بدولت بہت سے نماز روزہ کے پابند اشخاص کاروباری بددیانتی میں اپنی اِنتہا پر ہیں۔ سودی نظامِ معیشت میں معاشرہ اجتماعی طور پر کبھی اعلیٰ اخلاقی اُصولوں کی پاس داری نہیں کر سکتا جس کی ایک مثال یہ ہے کہ مغرب نے تمام اخلاقی اُصولوں سے یہ کہہ کر جان چھڑا لی کہ یہ ''ابدی اور لافانی نہیں'' اور اُن کے مطابق یہ اُصول وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو سکتے ہیں اور یہ ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے جب کہ دینِ اسلام کا تقاضا اِس لحاظ سے مختلف ہے۔ دین اخلاقی اُصولوں پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت کا حقیقی مقصد انہی اخلاقی اُصولوں کی تعلیم دینا ہے۔ اِس حوالے سے ارشادِ رسول ﷺ یوں ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (الحدیث)

ترجمہ: ''میں اُستاد بنا کر بھیجا گیا ہوں تا کہ تمھارے اخلاق کی تکمیل کروں۔''

آج معاشرے میں اِس حد تک ابتری نظر آ رہی ہے کہ معاشی کیا ہمارا گھریلو نظام بھی اِس خودغرضی اور تنگ دلی کے شکنجے میں آ چکا ہے۔ شوہر جہیز نہ لانے پر بیوی کے چہرے پر تیزاب پھینک رہا ہے، بیٹا ماں اور باپ کا قاتل ہے اور بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ اِس کی وجہ دُنیا کا لالچ اور حرص و ہوس نہیں تو اور کیا ہے؟ سودی نظامِ معیشت انسانوں کو لالچی اور خودغرض بناتا ہے جس کے تحت فیکٹریاں پروڈکشن کرتی ہیں، اشتہاری کمپنیاں (Advertising Agencies) اِس پروڈکشن کو بیچنے کے لیے خواتین کی دیوہیکل تصاویر مختلف مقامات پر نصب کر کے اُس پروڈکٹ کو خریدنے کے لیے ایک کشش پیدا کرتی ہیں جو شروع میں تو ایک کشش لیکن بعد میں ضرورت بن جاتی ہے۔ نتیجتاً لالچ اور خودغرضی کے جذبات اِس حد تک پیدا ہوتے ہیں کہ انسان اپنی اس خودساختہ ضرورت کے لیے اہم ترین رشتوں کو قتل کرنے تک سے باز نہیں آتا۔ چوری، ڈکیتی اور اغوا برائے تاوان کی وارداتیں عام ہونے لگتی ہیں۔ خودغرضی اور کشش کے منفی جذبات انسان کی رُوح کو اِس حد تک برباد کر دیتے ہیں کہ اُس کے لیے کسی کا مال، عزت اور حرمت دو ٹکوں سے زیادہ اہم نہیں ہوتی۔ وہ دس روپے کی خاطر بھی قتل کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر انسان ''احسن تقویم'' کے بجائے ''اسفل السافلین'' کے درجے میں چلا جاتا ہے۔ اسلام اِس کے مقابلے میں ایسا نظام دیتا ہے جو خودغرضی کے بجائے ''خود فروشی''، یعنی اپنے آپ کو قربان کرنے کا جذبہ بیدار کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو ختم کرنے کا خوب صورت اظہار دیتا ہے۔ اِسی لیے دین میں تزکیۂ نفس کی بہت اہمیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى (الاعلیٰ: 14)

ترجمہ: ''تحقیق وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔''

سورۃ آل عمران میں بعثت رسول ﷺ کے مقاصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ (آل عمران: 164)

ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُنھی میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا جو اُن پر اِس (اللہ) کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور اُن (کے دلوں) کو پاک کرتا اور اُنھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ کہ اِس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔''

### (۲) رزق حلال سے بے زاری

سودی نظامِ معیشت کی ایک اور اخلاقی قباحت یہ ہے کہ اِس سے حاصل ہونے والی دولت ''حرام'' ہے۔ مسلسل حرام کھانے کی وجہ سے انسان کے اندر حلال کمانے کا جذبہ نہ صرف مفقود ہو جاتا ہے بلکہ ایک وقت کے بعد حلال ذرائع سے روزی کمانے سے بھی نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو نہ صرف ایک فرد کے لیے بلکہ پورے معاشرے کے لیے زہر قاتل ہے۔

### (۳) سستی اور کاہلی کا پیدا ہونا

چونکہ سودی نظام میں روپیہ، روپے کو کماتا ہے اور محنت کا عنصر درمیان سے غائب ہوتا ہے، اِس کی وجہ سے طبیعت کے اندر سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔

### (۴) بغض و حسد کا جنم لینا

سودی نظامِ معیشت میں دولت چند ہاتھوں میں غیر فطری طریقے سے مرتکز ہوتی ہے جس کی وجہ سے دیگر افرادِ معاشرہ میں بغض و حسد کے منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف جرائم کا سبب بنتے ہیں۔

## 6- سودی نظامِ معیشت کی معاشی قباحتیں

سودی نظام اخلاقی اور معاشرتی قباحتوں کے ساتھ بہت ساری معاشی قباحتیں بھی لاتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

### (۱) ارتکازِ دولت (Accummulation of wealth)

اِس نظام سے دولت چند بڑے سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے جو کل آبادی کا 5 سے 10 فیصد تک ہوتے ہیں۔ یہ سودی نظام کی خرابی کی ایک مثال ہے کہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی کا سالانہ بجٹ 10 غریب ملکوں کے کل سالانہ GDP کے برابر ہوتا ہے۔

### (۲) بے روزگاری اور افراطِ زر

دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ جانے کی وجہ سے بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوتا ہے اور اِس کے ساتھ ساتھ کساد بازاری اور افراطِ زر (Inflation) جیسے مسائل جنم لیتے ہیں۔

### (۳) مختلف اشیا کی قیمتوں میں اضافہ

سود کی وجہ سے کسی چیز کی قیمت اصل سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً ایک مل مالک سود پر قرضہ حاصل کر کے فیکٹری لگاتا ہے اور جب پروڈکشن شروع ہوتی ہے تو نہ صرف اپنی پروڈکشن کی اصل قیمت وصول کرلے گا بلکہ پیداواری لاگت میں اِس قرضے کا سود بھی شامل کرے گا۔ نیتجتاً قیمت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ اسلام اِس کے برعکس قرضِ حسنہ کو فروغ دیتا ہے۔

## 7- سود کے متبادل، اسلامی نظامِ معیشت

سود کے متبادل، اسلام کا نظامِ معیشت درج ذیل بنیادوں پر قائم ہے:

### (۱) مضاربت و مشارکت

مشارکت و مضاربت کا اسلامی نظامِ تجارت سود کا صحیح متبادل ہے۔ اِس حوالے سے مفتی تقی عثمانی رقم طراز ہیں:

''سود کا صحیح اسلامی متبادل مشارکت اور مضاربت کا طریقہ ہے جو سود سے بدرجہا اچھے نتائج کا حامل ہے۔ یہ تمویل کا نہایت مثالی عادلانہ، منصفانہ طریقہ ہے جس کے تقسیم دولت پر بہت اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اِس سے بینکنگ کا یہ تصور بھی ختم ہوسکتا ہے کہ بینک کاروبار کے عمل سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہوئے صرف سرمایہ فراہم کرنے کے لیے واسطہ بنتا ہے۔ مشارکت اور مضاربت کا نظام جاری ہونے کی صورت میں بینک کا نام خواہ بینک ہی رہے لیکن بینک کی یہ حیثیت ختم ہوجائے گی۔ اب بینک کا باقاعدہ کاروبار میں عمل دخل ہوگا۔''

مشارکت اور مضاربت میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے کہ مشارکت میں شرکا سرمائے میں بھی حصہ دار ہوتے ہیں اور عمل میں بھی حصہ دار ہوسکتے ہیں۔ اگر کوئی عملاً کاروبار میں دخل نہ دے تو یہ الگ بات ہے اور مضاربت میں رَبُّ المال (سرمایہ فراہم کرنے والا) کا سرمایہ ہوتا ہے اور مضارب عمل کرتا ہے۔ رَبُّ المال کی عمل میں شرکت نہیں ہوتی۔

اب یہاں مشارکت اور مضاربت کے چند بنیادی اُصول بیان کیے جاتے ہیں۔ مشارکت اور مضاربت کا معاملہ کرتے ہوئے اُن کی رعایت ضروری ہوگی۔

- سرمائے کے تناسب سے نفع مقرر کرنا شرعاً جائز نہیں۔ نفع مقرر کرنے کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ جو نفع حقیقت میں ہوگا اس کا فیصد حصہ مقرر کیا جائے۔
- نفع کا جو تناسب بھی چاہیں باہمی رضامندی سے طے کرسکتے ہیں مثلاً کسی کا سرمایہ چالیس فیصد ہو اور اُس کے لیے ساٹھ فیصد نفع کی شرط لگائی جائے اور دوسرے کا سرمایہ ساٹھ فیصد ہو اور اُس کے لیے چالیس فیصد نفع کی شرط لگائی جائے۔ یہ جائز ہے۔ نفع کی تقسیم بقدر سرمایہ ضروری نہیں۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مختلف شرکا کے لیے نفع کی مختلف شرحیں طے کی جاسکتی ہیں جس کو آج کل کی اِصطلاح میں ''وزن'' (Weightage) دینا کہتے ہیں۔ مختلف شرکا کو مختلف وزن دیا جاسکتا ہے البتہ جس شریک نے کام نہ کرنے کی شرط لگائی ہو، اُس کا نفع، اُس کے سرمائے کے تناسب سے زائد نہیں ہوسکتا۔
- ''نفع میں تو مختلف شرکا کو مختلف وزن (Weightage) دیا جاسکتا ہے لیکن نقصان میں اِس طرح کرنا جائز نہیں۔ نقصان بہر حال بقدر سرمایہ ہوگا۔'' (تقی عثمانی، مفتی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص 137، ادارۃ المعارف کراچی، اگست 2001ء)

### (۲) اجارہ (Leasing)

اجارہ کا مطلب یہ ہے کہ موجر (Lessor) اس مشینری وغیرہ کا مالک و ذمہ دار ہے جو وہ اجارے پر دے رہا ہے مگر آج کل Lessor نقصان

کی صورت میں ذمہ دار نہیں بلکہ اِس میں مستاجر (Lessee) ذمہ دار ہوتا ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ چند دیگر خرابیاں بھی مروجہ اجارہ میں پائی جاتی ہیں جن کو دُور کر دیا جائے تو یہ بھی سود کے متبادل موزوں تجارت ہے۔ (موجر کا معنی: وہ شخص جو کوئی چیز لیز پر دے رہا ہے) (مُستاجر کا معنی: وہ شخص جو کوئی چیز لیز پر حاصل کر رہا ہے)۔

## (۳) مرابحہ مؤجلہ

''جب کوئی شخص بینک سے قرضہ لینے کے لیے آئے تو بینک اُس سے پوچھے کہ کس چیز کو حاصل کرنے کے لیے رقم درکار ہے؟ بینک اُس کو رقم دینے کے بجائے وہ چیز خرید کر نفع کے طور پر اُدھار بیچ دیتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کیونکہ فقہا کے نزدیک اُدھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کرنا جائز ہے۔'' (تلخیص نفس مصدر، ص14)

## (۴) بیع معجّل

اقساط (Install ments) پر مال بیچنا ''بیع معجّل'' کہلاتا ہے۔

## (۵) اسلام کا نظامِ وقف

کوئی شخص اپنی ساری جائداد یا جائداد کا کچھ حصہ وقف (Donate) کر دیتا ہے جس سے اُس کے بعد لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

## (۶) اسلام کا نظامِ عاقلہ

قبیلے کے افراد مل کر یا ایک ادارے میں کام کرنے والے ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم ایک اجتماعی فنڈ میں جمع کرواتے رہیں۔ نقصان کی صورت میں اُس سے رقم خرچ کر لی جائے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن بھی ہے۔ اِس کی کچھ صورتیں عہد نبوی ﷺ میں بھی موجود تھیں۔ اِس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''اِس طرح ہجرت کے بعد ریاست مدینہ قائم ہوئی جس کے آئین میں یہ نظام معاقل کے نام سے مذکور ہے۔ اِس کا طریقہ کار اِس طرح تھا: اگر کوئی فرد دشمن کے پاس جنگی قیدی بن جاتا تھا تو اُسے چھڑوانے کے لیے وسائل کی ضرورت ہوتی تھی۔ اِس طرح جسمانی گزند اور قابل مواخذہ قتل کے بدلے میں معاوضہ اور دیت کی ادائیگی کے لیے رقم درکار ہوتی جو اکثر اوقات ملوث شخص، قیدی یا مجرم کے وسائل سے زیادہ ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے سے تعاون کی بنیاد پر ''بیمہ'' کا ایک نظام قائم کیا۔ اِس نظام میں ایک قبیلے کے ارکان اپنے مرکزی خزانے پر انحصار کرتے تھے جس میں ہر فرد اپنے وسائل کے مطابق حصہ ڈالتا تھا تاہم اگر کسی قبیلے کے وسائل ناکافی ہوتے تو ہمسایہ یا تعلق دار قبیلہ اُس کی مدد کرنے کا ذمہ دار تھا۔ اِس نظام میں مہاجرین، انصار، حبشی یا عرب کے دوسرے علاقوں سے آ کر مدینہ آباد ہونے والوں کو ایک نئے سماجی نظام میں پرو دیا گیا، جس کے مطابق مہاجرین اپنی سابقہ روایت کے مطابق آپس میں دیت کی ادائیگی کریں گے اور انصار کے تمام قبائل اپنی سابقہ حالت کے مطابق باہم دیت دیں گے اور اُن کا ہر گروہ معروف طریقے سے اہل ایمان کے درمیان انصاف کے ساتھ اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرے گا۔'' (اسلام کیا ہے؟، ص207)

## (۷) اسلام کا قرضِ حسنہ کا نظام

قرآن مجید اور احادیث میں اِس کی بہت اہمیت بیان ہوئی ہے کہ کسی کی ضرورت کے لیے اُسے بغیر سود کے قرض فراہم کیا جائے۔ اسلام میں معاشی نظام کے اخلاقی پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں:

''اسلامی معاشی نظام کے اخلاقی پہلو کی کچھ وضاحت کی ضرورت ہے تاکہ اِس کو بہتر طریقے سے سمجھا جا سکے۔ دوسروں سے خیرات مانگنے کو اسلام میں ناپسند کیا گیا ہے۔ اور اِس کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ ایسا کرنا روزِ قیامت اُن کے لیے شرم اور عار کا باعث ہوگا مگر اِس کے ساتھ ساتھ محتاجوں کی مدد کو پہنچنے والوں کے لیے بے پایاں تحسین کی گئی ہے اور اُن لوگوں کو بہترین انسانوں میں شمار کیا گیا ہے جو دوسروں کے لیے قربانی دیتے اور اپنے پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں۔ اِس طرح طمع، لالچ اور فضول خرچی کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔'' (ایضاً، ص198)

## (۸) اسلام کا نظامِ تکافل (Insurance)

تکافل کا مطلب کفالت عامہ ہے جس میں غریب اور مجبور لوگوں کی مدد افرادِ معاشرہ ایک سسٹم کے تحت مل کر کرتے ہیں۔

## (۹) بیت المال (The House of Wealth)

بیت المال کا لغوی مطلب (The House of Wealth) ہے لیکن اِصطلاحی معنوں میں ''اسلامی ریاست کا خزانہ'' ہے جس میں زکوٰۃ، صدقات جمع ہوتے ہیں اور غربا پر نہایت ایمان داری سے خرچ کیے جاتے ہیں۔ اِس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں:

''مقروضوں کے قرض ادا کرنے'' کے درجہ کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ ادوارِ اولیٰ میں سیلاب، زلزلہ اور دوسری آفاتِ ارضی و سماوی کے متاثرین کی بھی مدد اِس مد سے کی جاتی ہے اور اِس میں غریبوں کا حوالہ نہیں دیا گیا کیونکہ اُن کا ذکر پہلے آ چکا ہے بلکہ مالی طور پر خوشحال لوگ بھی شامل تھے جو مخصوص حالات کا نشانہ بن جاتے تھے۔ خلیفہ حضرت عمرؓ نے سرکاری خزانے سے ایک خصوصی فنڈ قائم کیا تھا جس سے عارضی ضرورت مندوں کو مناسب ضمانت کے عوض سود سے پاک قرضے فراہم کیے جاتے تھے، کیونکہ اسلام میں سود کی ممانعت کے بعد سود سے پاک قرضے فراہم کرنا ایک طرح سے حکومت کی ہی ذمہ داری بن چکا تھا۔ خلیفہؓ بھی اپنی ذاتی ضرورت کے لیے اِس فنڈ سے استفادہ کرتے تھے۔ خلیفہ حضرت عمرؓ ہی کے دور میں سرکاری خزانے سے تاجروں کو مخصوص مدت کے لیے قرضے دیے جاتے تھے اور پھر ریاست شرحِ منافع سے ایک حصہ وصول کرتی تھی تاہم یہ حصہ داری نقصان میں بھی ہوتی تھی۔ اِس مد سے ایک اور مقصد پر بھی رقم خرچ کی جاتی تھی جو ایک طرح کا ''سماجی بیمہ'' تھا۔ بعض اوقات سہواً کوئی شخص ارتکابِ قتل کا جرم کر بیٹھتا مگر غربت کے باعث خون بہا ادا کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوتا تو ریاست اُس کی مدد کو پہنچتی۔'' (اسلام کیا ہے، ص205)

سود کے متبادل کے طور پر چند اہم چیزیں درج کر دی گئی ہیں۔ اگر اخلاص اور درست نیت ہو تو اِس کا اطلاق نہایت آسان ہے۔ دین کے اندر سب کچھ موجود ہے مگر بدقسمتی سے ہم نفس پرستی کا شکار ہیں۔

## 8- خلاصۂ بحث

سود عصرِ حاضر میں کم ہونے کے بجائے بڑھتا جا رہا ہے۔ دولت چند ہاتھوں میں جمع ہو رہی ہے۔ سود کے اخلاقی نقصانات، جن میں خود غرضی اور لالچ ہے، اُن میں بھی دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان اپنے قرضوں میں سے ایک بڑا حصہ صرف سود کی مد میں ادا کر رہا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ عالمی مالیاتی نظام جو بنکنگ، انشورنس کمپنیز اور سٹاک مارکیٹ پر قائم ہے میں اسلام کے مطابق بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ جس سے استحصال کم ہو۔

سوال 4

# اسلام کا عدالتی نظام

## اہم نکات

1- تعارف

2- عہدِ مصطفوی ﷺ کا عدالتی نظام

3- خلفائے راشدین کے تحت عدالتی نظام

(الف) عہدِ صدیقی کا عدالتی نظام

(ب) عہدِ فاروقی کا عدالتی نظام

4- اسلام کے عدالتی نظام کی خصوصیات

5- اسلامی عدالتی نظام کے طریقہ کار کی خوبیاں

6- اسلامی عدالتی نظام کا سٹرکچر

7- قاضیوں کی اہلیت، اوصاف اور قانونی ماخذ

8- اسلامی عدالتی نظام میں ''وکالت'' کی حیثیت

9- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اسلام نے دُنیا کے سامنے خوب صورت عدالتی نظام متعارف کرایا۔ یقیناً اِس عدالتی نظام کی بنیاد نبی کریم ﷺ نے فراہم کی، جو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور نبی ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے بڑے قانون دان تھے۔ آپ ﷺ کی یہ حیثیت دین میں واضح ہے۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے جو آپ ﷺ کے ہی تربیت یافتہ تھے نے اِس نظام کو وسعت دی۔ اِسلام کا عدالتی نظام اُس دور میں سب سے بہتر، قابلِ عمل اور نتیجہ خیز تھا اور اب بھی اُسی طرح قابلِ عمل ہے۔ جس میں انصاف، بلالحاظِ مرتبہ، نسل اور علاقہ کے، ہر ایک کو مہیا کیا جاتا تھا۔ ایک عام آدمی بھی گورنر، خلیفہ یا جج کے خلاف درخواست دے سکتا تھا۔ تفتیش کا پورا نظام تھا۔ عدالت کی کارروائی پر کوئی اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ ملزم کو صفائی کا پورا موقع دیا جاتا۔ گواہیوں کا مؤثر نظام تھا۔ قانون کی نظر میں شاہ و گدا سب برابر تھے۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہنے والے بن جاؤ، اللہ کے لیے گواہی دینے والے، اگرچہ وہ گواہی خود تمھارے خلاف یا تمھارے ماں باپ اور قرابت داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔'' (النساء: 135) اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یوں ارشاد فرمایا: ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان عدل کروں۔'' (الشوریٰ: 15) نبی کریم ﷺ کو اِس نظام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبے کی طرح اِسلام کے عدالتی نظام میں بھی مرکزیت صرف اور صرف ذاتِ رسالتِ مآب ﷺ کو ہے جو اِسلامی عدالتی نظام کا سرچشمہ ہیں۔

## 2- عہدِ مصطفوی ﷺ کا عدالتی نظام

ماہرینِ قانون، انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کو نظامِ عدالت کی پختگی، غیر جانب داری اور فراہمی انصاف کے لیے بنیادی اُصول قرار دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ انتظامیہ (Executive)، عدلیہ (Judiciary) اور مقننہ (Legislation) کے سربراہ تھے، مگر یہ حقیقت بھی ثابت شدہ ہے کہ آپ ﷺ کا نظام، اُمت کی اجتماعی رائے، شوریٰ کے اُصول اور جمہوری اقدار پر مبنی تھا۔ اِن تمام مناصب کے باوجود آپ ﷺ نے انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کے اُصول کی اہمیت واضح فرمائی۔ اپنے ساتھ مدینہ میں حضرت عمرؓ کو عدلیہ کا سربراہ مقرر کر کے آپ ﷺ نے اِس عدالتی اُصول کو عملی شکل دی۔ صوبوں میں قضا (Judiciary) کا نظام قائم کیا اور قاضی مقرر کیے۔ یمن میں حضرت علیؓ صوبائی عدلیہ کے سربراہ تھے۔ حضرت معاذؓ، حضرت ابوموسیٰؓ الاشعری، حضرت عمروؓ بن حزم اپنے اپنے علاقہ کے قاضی تھے۔ اسلام کے حاکمیت اعلیٰ کے تصور کی تین جہتیں ہیں:

1- حقیقی حاکمیت (الوہیت) (Ultimate Sovereignty)
2- نیابتی حاکمیت (رسالت) (Manifestative Sovereignty)
3- خلافت (امارت) (Vicegerency)

اِس تصور کی بنیاد اور اساس درج ذیل آیت کریمہ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

(النساء: 59)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہل حق) صاحبان امر کی پھر اگر کسی مسئلے میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلے کے لیے) اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹاؤ۔''

اِس آیت میں اطاعت الٰہی سے مراد حقیقی حاکمیت، اطاعت رسول ﷺ سے مراد نیابتی حاکمیت، جب کہ اطاعت ''اولی الامر'' سے مراد خلافت وامارت کی اطاعت ہے۔ ''حاکمیت اعلیٰ'' ایک نظریہ اور عقیدہ ہے۔ اِسے اُس وقت تک آئینی اور دستوری حیثیت حاصل نہیں ہوسکتی جس وقت تک اِس کی اطاعت اور پیروی کے لیے معاشرے میں اِس کے ظہور کی کوئی عملی صورت نہ ہو، کیونکہ پیروی عوام کرتے ہیں، جب تک پیروی کرنے کے لیے انسانی سطح پر حاکمیت کا کوئی مقرر اور معین نمونہ اور محسوس عملی پیکر سامنے نہ ہو جس کے حکم کو ایک عمل کے نمونے میں دیکھ کر انسان عادتاً پیروی کر سکے، اُس وقت تک حاکمیت ایک ماورائی تصور اور فلسفہ رہتا ہے، جو آئینی اور دستوری حیثیت حاصل نہیں کرسکتا۔ ریاست چونکہ حاکم اور محکوم دو طبقوں کے ملنے سے وجود میں آتی ہے اور جب محکوم طبقہ انسانوں پر مشتمل ہے تو سیاسی، آئینی اور دستوری اعتبار سے ضروری ہے کہ اسلامی ریاست میں حاکم کا درجہ بھی انسان کو حاصل ہوتا کہ محکوم علیہ (عوام) اُس کو دیکھ کر اور اُس کے اوامر ونواہی کو سن کر اُن پر عمل کر سکے۔ لہٰذا انسانی معاشرے میں جو ہستی اِس درجہ پر فائز ہے وہ ہستی نبی آخرالزماں ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو بھی حاکم ہی کہیں گے، کیونکہ حاکمیت اعلیٰ کا ظہور آپ ﷺ کے پیکر نبوت کے ذریعے سے ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ کے اوامر ونواہی (Dos and Don'ts) حاکم حقیقی ہی کے اوامر ونواہی، اور آپ ﷺ کی اطاعت ومعصیت، حاکم حقیقی ہی کی اطاعت ومعصیت شمار ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر ونواہی کے ظہور کے لیے آپ ﷺ کی ہستی کا انتخاب کیا ہے اور اپنے اوامر ونواہی کی ادائیگی کے لیے معیار اور بہترین نمونہ آپ ﷺ کے عمل کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

ترجمہ: ''بے شک تمھارے لیے رسول اللہ (ﷺ) کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

قرآن وسنت میں آپ کی حاکمیت کی دو حیثیتیں بیان کی گئی ہیں:

1- تشریحی حاکمیت (Explanatory Soverignty)

2- تشریعی حاکمیت (Law giving Soverignty)

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (الاعراف:157)

ترجمہ: ''جو انھیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور اِن کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور اِن پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔''

اسلام کے عدالتی نظام کا آغاز نبی کریم ﷺ سے ہوتا ہے لیکن پہلے دو خلفا کے دور میں اس میں فتوحات کی وجہ سے کافی وسعت آئی۔ ذیل میں اِس کی چند اہم خصوصیات کے بعد اِس کی ترقی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

## 3- خلفائے راشدین کے تحت عدالتی نظام

نبی کریم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے اُنہی خطوط پر عدالتی نظام کو ترقی دی جن خطوط پر نبی کریم ﷺ نے اُن کی تربیت کی تھی۔ ذیل میں پہلے دو خلفا کے دور کو بطورِ مثال پیش کیا جاتا ہے:

### (ا) عہدِ صدیقی کا عدالتی نظام

جب حضرت ابوبکرؓ نے حکومت سنبھالی تو پورا عرب ریاست مدینہ میں شامل ہو چکا تھا۔ ارتداد کی جنگیں جو آپؓ کی حکومت کی اِبتدا میں شروع

ہوئی تھیں ٹھنڈی پڑ چکی تھیں۔ عراق اور شام کے بڑے حصے فتح کے بعد اسلامی ریاست میں شامل ہو چکے تھے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے وہی عدالتی نظام قائم رکھا جو اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج پایا تھا۔ اُنھوں نے خود دارالخلافہ میں بطورِ سربراہ ریاست اپنا منصب سنبھالا اور اکثر و بیشتر اُنھیں صوبائی اور ضلعی گورنروں اور ججوں کو برقرار رکھا جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ آپؓ انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی کے اُصول پر پوری طرح سے باخبر تھے۔ اِس کی اہمیت اور افادیت سے آگاہ تھے۔ جلیل القدر صحابہ کرام بھی اِس اُصول کی عدالتی ضرورت کو خوب سمجھتے تھے۔ جماعت صحابہ نے عدالتی نظام کے اِس اہم اور مرکزی اُصول کو حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جس طرح نافذ کیا اِس کی تفصیل یہ ہے: حضرت ابوبکرؓ دینی اور سیاسی طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں دیے ہوئے دستور کے پابند تھے۔ حضرت ابوبکرؓ صحابہؓ رسول ﷺ میں پہلے فرد تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر سیاسی اقتدار حاصل کرتے ہی قرآنی دستوری دفعات پر عمل کیا۔ قرآنی دستور کی بنیادی اہمیت کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ نے اِس کی پابندی کا اعلان عوام کے سامنے اپنے پہلے خطبہ میں حکومت کی بنیادی حکمت عملی کے طور پر کیا:

> ''اے لوگو! مجھے تم پر اختیار دیا گیا ہے حالانکہ میں تم میں سے بہترین انسان نہیں ہوں۔ اگر میں حق پر رہوں تو میری حمایت کرنا اور اگر میں غلطی پر ہوں تو مجھے حق کی راہ پر لگانا۔ حق، وفاداری ہے اور جھوٹ، بغاوت اور غداری ہے۔ تم میں سے جو کمزور ہیں وہ میرے نزدیک اُس وقت تک طاقت ور ہوں گے جب تک میں اُن کا حق اُنھیں دلاؤں اور طاقت ور میرے نزدیک کمزور ہوں گے جب تک میں اُن سے اُن کا حق نہ چھین لوں۔ اگر کوئی قوم راہِ خدا میں جہاد چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اُسے ذلت میں مبتلا کرے گا۔ کسی قوم میں وسیع پیمانہ پر بُرائی پھیلنے پر اللہ تعالیٰ اُن پر عذاب نازل کرتا ہے، میری اطاعت کرو اُس وقت تک جب تک میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اللہ یا اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر کوئی اطاعت واجب نہیں۔''

### (i) دستور رسول ﷺ کی پابندی کا اعلان

یہ رسول اللہ ﷺ کے دیے ہوئے دستور کی پابندی کا واشگاف اعلان ہے۔ دستور کی یہ شق ''میری اطاعت کرو اُس وقت تک جب تک میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں اللہ اور اِس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں'' قرآن کی درج ذیل آیت سے مطابقت رکھتی ہے:

أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔

ترجمہ: ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔''

### (ii) خطبہ صدیقی سے دستوری نتائج

حضرت ابوبکرؓ کا یہ خطبہ کئی دستوری دفعات کا حامل ہے۔ سب سے پہلے آرٹیکل میں آپؓ نے ثابت کیا کہ اسلام میں انتقال اقتدار کا طریقہ یہ ہے کہ اُمت مسلمہ اختیارِ حکمرانی اپنے آزادانہ انتخاب کے ذریعے اپنے میں سے اہل ترین شخص کے سپرد کرے۔ کیونکہ اختیارِ حکمرانی اللہ نے پوری اُمت مسلمہ کو تفویض کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اُمت کی رضا حاصل کیے بغیر اقتدار پر قابض ہو جائے تو وہ غاصب ہے۔ اختیارِ حکمرانی پوری اُمت کی امانت ہے جسے وہ سپرد کرے وہ آئینی طور پر جائز حکمران ہے، غاصبانہ قبضہ کرنے والا غاصب اور امانت میں خیانت کرنے والا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دوسری شق (Article) میں فرمایا کہ اختیارِ حکمرانی حکمران کے پاس امانت ہے۔ یہ امانت اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر حکمران اِس اطاعت سے انحراف کرے تو اُمت جو اختیارِ حکمرانی کی مالک ہے، اُسے اختیار ہے کہ حکمران کو سیدھا کرے۔ حکمران کو سیدھا کرنے کی دفعہ کے تحت مسلمانوں کو اختیار حاصل ہوا کہ وہ قانون سازی کریں جو حکمران کو آئین کا پابند رکھے اور اگر وہ انحراف کرے تو آئینی اور قانونی نظام کے تحت اِس کے خلاف کارروائی کی جا سکے۔ حکمران سے وفاداری کا عہد اُس وقت تک قابلِ عمل ہے جب تک حکمران آئین کے تابع ہے۔ اگر وہ آئین سے غداری

کرے تو اُس کے ساتھ اطاعت کا عہد خود بخود ختم ہو گیا۔ غدار حکمران کی اطاعت اور حمایت بذاتِ خود غداری ہے۔ قوی ظالم کی سرکوبی اور ضعیف مظلوم کی حمایت اسلامی عدلیہ کا نمایاں ترین پہلو ہے جس پر اِسے بجا طور پر فخر ہے۔ ضعیف مظلوم کی حمایت جلد، سستے اور صحیح انصاف سے ہی ممکن ہے۔ خلافت راشدہ کا نظام عدالت اِنھیں اُصولوں پر قائم تھا۔

### (iii) دستور کا نفاذ

سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی خلافت میں اُن دستوری اُصولوں کے مطابق حکومت کی جن کا اُنھوں نے خود اعلان کیا تھا۔ ایک جلیل القدر تابعی حضرت محمدؒ بن سیرین حضرت ابوبکرؓ کے خطبہ کی حکمت عملی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد سے اب تک ابوبکرؓ سے زیادہ بارُعب کوئی دوسرا شخص نہیں پایا گیا اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ سے زیادہ رُعب والا کوئی نہیں پایا گیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا جس کا حل اُنھیں قرآن میں نہ ملتا یا سنت رسول ﷺ میں بھی نہ ملتا تو وہ فرماتے میں اپنے اجتہاد پر عمل کروں گا۔ اگر یہ درست ہو تو اس کو اللہ کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ اگر یہ غلط ہو تو یہ میری طرف سے تصور ہوگا۔ اور میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔

### (iv) دستور میں ترمیم کا مطالبہ اور آپؓ کا فیصلہ

اسلامی ریاست کا اوّلین فرض قرآن میں دیے گئے مندرجہ ذیل دستوری ضابطہ کا نفاذ ہے:

**اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ**

ترجمہ: ''یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم اُن کو دُنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں، نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔''

مندرجہ بالا ضابطہ میں زکوٰۃ کا نظام (**اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ**) اسلامی ریاست کی بنیادی حکمت عملی کے طور پر بیان ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کی حکومت سنبھالنے کے بعد ایک مقدمہ، قرآن کے دستوری ضابطہ ''زکوٰۃ'' کی ترمیم کا آپؓ کے سامنے پیش ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ریاست مدینہ کے سربراہ عدلیہ کی حیثیت سے مقدمہ کی سماعت کی۔ منکرین زکوٰۃ نے جو دلائل پیش کیے تھے اُن میں سے ہر ایک کا جواب دیا اور اُسے رد کیا۔ منکرین زکوٰۃ کا آیت ''**خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً**'' (آپ ﷺ اِن کے مالوں سے زکوٰۃ لیجیے) پر اعتماد اور اُن کی وضاحت کہ صرف رسول اللہ ﷺ ہی زکوٰۃ وصول کرنے کے مجاز تھے، کیونکہ حکم الٰہی کا خطاب آپ ﷺ سے تھا اور آپ ﷺ کے انتقال کے بعد حکم ساقط اور ناقابل عمل ہو گیا ہے، احمقانہ بات تھی۔ پورا قرآن رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ اُمت میں سے کوئی بھی اِس وحی میں شریک نہ تھا، البتہ تمام مسلمانوں پر پورے قرآن کی پابندی لازم تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا فیصلہ اِن الفاظ میں سنایا:

> ''خدا کی قسم! اگر وہ اُونٹ کی ایک رسی بھی دینے سے انکار کریں گے جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے۔ تو میں اُسے روک لینے پر اُن کے خلاف اعلان جنگ کروں گا۔ زکوٰۃ مال میں ایک حق ہے۔ خدا کی قسم! میں اُن کے خلاف اعلان جنگ کروں گا جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے۔''

## (۲) عہدِ فاروقی کا عدالتی نظام

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ اسلام کے دوسرے خلیفہ مقرر ہوئے۔ قرآنی دفعات اور سنت رسول ﷺ سے وفاداری، حضرت عمرؓ کی حکومت کی بنیادی پالیسی تھی۔ اپنے مختلف فرامین، اعلانات اور اقرار ناموں میں آپؓ نے قرآن و سنت کی بنیادی اہمیت پر زور دیا۔ آپؓ نے اِس

ضمن میں اپنے فوجی کمانڈاروں، صوبوں کے گورنروں اور ججوں کے تقرر ناموں میں ایک شق شامل کی۔ آپؓ نے اپنے فوجی افسروں کو تحریری ہدایات بھیجیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کریں۔ مشہور ترین اور معروف عدالتی منشور جو آپؓ نے ایک گورنر اور صوبائی عدالت کے سربراہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بھیجا اُس میں درج ذیل شق شامل ہے:

''خوب فہم و فراست سے کام لو، اُس مسئلہ کے بارے میں جس میں تمھیں اللہ کی کتاب اور سنتِ رسول ﷺ واضح طور پر نہ پہنچی ہو۔''

اپنے صوبائی گورنروں اور ججوں کے فرائض اور ذمہ داریوں پر بحث کرتے ہوئے ایک مرتبہ آپؓ نے فرمایا:

''اے اللہ! صوبائی گورنروں کے تقرر میں تو میرا گواہ ہے۔ بے شک میں نے انھیں لوگوں کو دینی تعلیم دینے، سنت رسول اللہ ﷺ سکھانے، ان کے درمیان انصاف کرنے، مالِ غنیمت تقسیم کرنے اور جو مشکل مسائل اِن کو درپیش ہوں اُن میں مجھ سے رُجوع کرنے کے لیے بھیجا ہے۔''

تاریخ میں متعدد مقدمات درج ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جونہی رسول اللہ ﷺ کی کسی مستند حدیث کا حوالہ دیا جاتا جو مسئلہ سے متعلق ہوتی تو حضرت عمرؓ اُس کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کر دیتے۔ فتح عراق کے موقع پر آپؓ کو مجوسیوں کا مقدمہ درپیش تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ مجوسیوں کو اہلِ کتاب میں شمار کیا جائے یا نہیں۔ آپؓ نے یہ مسئلہ مدینہ کی شوریٰ کی ایک مجلس کے سامنے یوں رکھا: ''میں نہیں جانتا کہ مجوسیوں سے کیا سلوک کروں؟'' عبدالرحمٰن بن عوف جو شوریٰ کے رُکن تھے اُنھیں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث یاد آئی جو اُنھوں نے یوں بیان کی:

''میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِن کے ساتھ اُسی طرح سلوک کرو جس طرح تم اہل کتاب کے ساتھ کرتے ہو، حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان تسلیم کیا اور اُسی کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کر دیا۔''

## 4- اسلام کے عدالتی نظام کی خصوصیات

### (ا) قانون کی حکمرانی

عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ خلفائے راشدین کے تحت عدلیہ اور انتظامیہ کو ''قانون کی حکمرانی'' کی اعلیٰ مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ لوگوں پر کسی فرد کی آمرانہ رائے کی نہیں بلکہ قانون کی حکمرانی تھی۔ قانون میں غیر جانب داری کے اُصول قائم تھے اور بلا لحاظ مرتبہ، دولت یا سرکاری منصب ہر ایک پر قانون کا اطلاق ہوتا تھا۔ اسلامی قانون کے بنیادی اُصول اور قواعد و کلیات پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مرتب کر دیے گئے تھے اور جو مقدمات فیصلہ کے لیے عدالت میں لائے جاتے اُن پر اطلاق کے ضابطے بھی وضع کیے جا چکے تھے۔ خلیفۂ اول نے اپنے نظام حکمرانی سے ثابت کر دیا تھا کہ لوگوں کو عدل و انصاف کی فراہمی کی ضمانت حاصل ہے۔ گو عدالتیں اُن کی زندگی، عزت و آبرو اور مال کی حفاظت کے لیے ہیں اور جج جو انصاف کے محافظ تھے بغیر کسی دباؤ کے اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ ریاست کی طرف سے شہریوں کے حقوق میں کوئی مداخلت نہ کی جاتی تھی۔ کوئی بھی مثال ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جہاں انتظامیہ نے عدلیہ کے فرائض میں مداخلت کی ہو۔ کوئی مظلوم خواہ وہ مسلمان ہوتا یا غیر مسلم اپنے تنازعے طے کرانے کے لیے عدالتوں سے رُجوع کر سکتا تھا۔ تاریخ نویسوں نے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں جن میں گورنروں اور انتظامیہ کے سربراہوں پر ججوں نے مقدمات چلائے تھے، جب کہ شکایت کرنے والے غیر مسلم تھے۔ نبی کریم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین جو عدل و انصاف کے پیکر تھے۔ اُنھوں نے مرکز خلافت سمیت تمام صوبوں اور ان کے اضلاع میں باقاعدہ عدالتی نظام قائم کیا۔

### (۲) تمام اُمور پر انصاف کی برتری

عدلِ مصطفوی ﷺ، صدیقیؓ، فاروقیؓ، عثمانیؓ اور عدلِ حیدریؓ کو عدل و انصاف کی دُنیا میں لازوال شہرت حاصل ہے۔ عدل کی فراہمی میں

خلفائے راشدین نے شاہ وگدا، امیر وغریب، آقا وغلام، بڑے چھوٹے، اپنے بیگانے، عربی وعجمی اور مسلم وغیر مسلم کی تمیز ختم کردی۔ کوئی شخص نظریاتی، سیاسی اور سماجی طور پر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو انصاف سے بالا نہیں۔ صرف اُنہی لوگوں کو عدلیہ کے عہدے دیے جاسکتے ہیں جو بے داغ کردار کے حامل ہوں۔ اگر کسی جج پر کوئی الزام عائد ہو تو الزام کی پوری پوری تحقیقات ہونا چاہییں۔ کسی ہنگامی حالت کو جواز بنا کر انصاف کے تقاضوں کو پس پشت نہیں ڈالا جاسکتا۔ یہ ضروری ہے کیونکہ صرف بے داغ کردار اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل افراد ہی مشکل میں پھنسی ہوئی قوم کی صحیح رہنمائی کرسکتے ہیں۔

### (۳) بلا خوف انصاف

خلفائے راشدین ایک منظم عدلیہ قائم کرنے اور اُس کے کامیاب انتظام میں بھی اِس لیے کامیاب ہوئے کہ وہ ہمیشہ خود کو قانون کا تابع تصور کرتے۔ ایک بار ایک بدو نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ یمنی کپڑے کی چادر سے بُنی ہوئی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ جو چادر حضرت عمرؓ کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حصہ میں ملی تھی۔ ایک چادر حضرت عمرؓ کے ناپ کی قمیص کے لیے ناکافی تھی۔ بدو نے حضرت عمرؓ کو عوام کے سامنے تقریر کے دوران روک دیا اور یہ جاننا چاہا کہ حضرت عمرؓ کے لیے اپنے حصہ کی ایک چادر میں سے اپنے ناپ کی قمیص پہننا کیوں کر ممکن ہوا؟ حضرت عمرؓ نے اپنا خطبہ روک دیا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا ''بدو کے سوال کا جواب دیں۔'' ابن عمرؓ نے بتایا کہ حضرت عمرؓ کے حصہ کی چادر اُن کی قمیص بنانے کے لیے کافی نہ تھی اِس لیے اُس نے اپنے حصہ کی چادر بھی اُنھیں دے دی، اِس طرح اُن کی قمیص مکمل ہوگئی تھی۔ اِس پر بدو مطمئن ہوگیا تھا اور خلیفہ کو تقریر جاری رکھنے دی۔

#### (i) حج کے دوران مکہ میں سالانہ عدالت عامہ

حضرت عمرؓ دورانِ حج مکہ میں ایک باقاعدہ سالانہ عدالت عامہ قائم کرتے۔ معروف مؤرخ طبری لکھتے ہیں کہ ''ہر سال خلیفہ خود حج میں شریک ہوتے۔ سوائے پہلے سال کے جب کہ آپؓ نے اپنی جگہ عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا۔ وہ حج کے موقع پر عدالت لگاتے۔ آپؓ نے اپنے گورنروں کو حکم دیا کہ ہر سال حج پر حاضر ہوں۔ آپؓ اپنی عدالت کعبہ کے قریب لگاتے۔ لوگوں کو کسی بھی گورنر یا جابر کے خلاف شکایت پیش کرنے کی دعوت دیتے۔ اُن موقعوں پر چھوٹی چھوٹی شکایات بھی پیش کی جاتیں اور موقع پر ہی اُن کا ازالہ کردیا جاتا۔ ایک مرتبہ آپؓ نے حج کے دوران جلسۂ عام بلایا اور لوگوں کو مخاطب کیا:

> ''اے لوگو! میں نے تم پر اپنے گورنر اِس لیے مقرر نہیں کیے کہ وہ تمھیں طمانچے لگائیں، تمھاری عزت پر دھبا لگائیں اور تمھارے اموال خود برد کریں۔ میں نے اُنھیں اِس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ تمھیں تمھارے رب کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم دیں۔ پس اگر اِن میں سے کوئی اِس سے تجاوز کرے تو مظلوم زیادتی کی شکایت مجھ سے کرے تاکہ میں اِس کی شکایت کا ازالہ کرسکوں۔''

اِس موقع پر عمروؓ بن عاص برہم ہوگئے اور بولے: ''اے امیر المومنینؓ! آپؓ کیا خیال کرتے ہیں کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی گورنر مقرر کردیا گیا ہو اور وہ اُن میں سے کسی کو سزا دے تو کیا آپؓ اُس کی شکایت کی بھی تلافی کریں گے۔'' حضرت عمرؓ نے جواب دیا ''ہاں! یقیناً میں اُس کی تلافی کروں گا، کیونکہ میں رسول اللہ ﷺ کو خود اپنے خلاف بدلہ دیتے دیکھا ہے۔'' اُس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور بولا آپؓ کے گورنر نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔'' حضرت عمرؓ نے حکم دیا ''کیا تم گورنر کو سو کوڑے لگاؤ گے؟ آؤ کوڑے لگاؤ۔'' عمرو بن العاص کھڑے ہوگئے اور بولے ''اے امیر المومنین! اگر آپؓ اپنے گورنروں کے خلاف یہ دروازہ کھول دیں گے تو اُن کے لیے مشکل ہوجائے گی۔ یہ ایک نظیر بن جائے گی جس پر آپؓ کے بعد بھی عمل ہوگا۔'' حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ ''میں کیوں بدلہ نہ دلاؤں جب کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود اپنے خلاف بدلہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔''

#### (ii) گورنروں اور ججوں کو ہدایات

رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں حضرت عمرؓ نے گورنروں اور ججوں کو متعدد ہدایات دیں۔ آپؓ اُنھیں تقرر نامے جاری کرتے جن کی توثیق

ایک کمیٹی کرتی تھی۔ آپؓ کی یہ ہدایت تھی کہ سرکاری گورنرز اپنے اپنے صوبوں کے صدر مقام پہنچنے پر شہریوں کے مجمع عام میں اپنے تقرر کا خط پڑھ کر سنائیں تاکہ وہ اُن کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جائیں۔ اِس کے بعد اگر کوئی اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کی کوشش کرتا یا لوگوں پر ظلم وستم کرتا تو وہ اُسے روکتے تھے اور اگر گورنر نہ رُکتا تو وہ خلیفہ سے اُس کی شکایت کر سکتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے عمال کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا:

''ہوشیار رہو! میں نے تمھیں جابر وظالم بنا کر مقرر نہیں کیا۔ میں نے تمھیں اللہ سے ڈرنے والا تو مقرر کیا ہے تاکہ تم مسلمانوں کے حقوق محفوظ رکھواور ادا کرو۔ اُنھیں ظالمانہ طریقے سے سزا نہ دو کہیں وہ بزدل نہ ہو جائیں۔ اُن کی زیادہ تعریف نہ کرو کہیں وہ مغالطہ میں نہ پڑ جائیں۔ اُن پر اپنے دروازے مت بند کرو کہیں وہ غریبوں کے حقوق غصب نہ کرنے لگیں۔''

یہ سب احتیاطی تدابیر تھیں تاکہ ظلم اور جبر کو روکا جاسکے اور غیر جانب دار انصاف صحیح طور پر اور آزادی سے فراہم ہو سکے۔ تصور یہ تھا کہ عمال ریاست کے عطا کردہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال نہ کریں۔ گورنروں اور قاضیوں کی روانگی پر آپؓ خود اُن کے ہمراہ چلتے اور اُنھیں یہ ہدایت کرتے:

''اپنے اختیارات سے پہچانو۔ میں نے تمھیں مسلمانوں کے سروں پر اُن کا خون بہانے کے لیے مقرر نہیں کیا اور نہ اُن کی عزتوں کی بے حرمتی کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ میں نے تمھیں صرف اِس لیے مقرر کیا ہے کہ نماز قائم کرو، اُن کے درمیان غنائم تقسیم کرو، ایمان داری سے اُن میں انصاف کرو۔'' پھر آپؓ انھیں حکم دیتے: ''تم ترکی گھوڑے پر سواری نہیں کرو گے، تم قیمتی کپڑے نہیں پہنو گے، نہ باریک پسا ہوا آٹا کھاؤ گے، تم اپنے دروازہ پر پہرہ دار مقرر نہیں کرو گے اور تم ضرورت مندوں کے لیے اپنا دروازہ کھلا رکھو گے۔''

## (۴) گواہی اور تفتیش پر مبنی نظام

اسلام کا عدالتی نظام ہر اعتبار سے کامل اور مکمل نظام ہے۔ گواہی اور تفتیش کسی بھی عدالتی نظام میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِس حوالے سے عہد صدیقی کا ایک واقعہ بطورِ مثال پیش کیا جاتا ہے۔ دو آدمیوں نے اسلام قبول کیا اُن کے پاس حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے امن نامہ بھی تھا۔ اُنھیں قتل کر دیا گیا۔ فوجی حکام اُس کا فیصلہ نہ کر سکے کیونکہ شاید یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جو اِس قسم کی مہم کے دوران پیش آیا۔ اس لیے مقدمہ مدینہ میں ''خلیفۃ المسلمین'' کے حضور بھیج دیا گیا۔ پہلی اطلاع کے ساتھ نہ ثبوت موجود تھا اور نہ دلائل اور نہ ہی تفتیش کی معلومات دستیاب تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مقدمہ کے متعلق جملہ معلومات کا جائزہ لیا۔ مقدمہ کی پوری تفصیلات سننے اور اُس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد آپؓ نے فرمایا:

''اِن لوگوں کو ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو دشمنانِ اسلام کے علاقہ میں قیام کریں۔ آپ نے بہر حال مقتولین کا خون بہا ادا کر دیا اور اُن کے بال بچوں کی نگہداشت کے لیے حکم بھیج دیا۔''

اِس سے ثابت ہوا کہ فیصلے جلد بازی میں نہیں کیے جاتے تھے۔ گواہی اور تفتیشی معلومات کی بنیاد پر ہی فیصلے ہوتے تھے۔

# 5- اسلامی عدالتی نظام کے طریقہ کار کی خوبیاں

اسلام کے عدالتی نظام کے طریقہ کار کی خوبیاں درج ذیل ہیں:

(i) ایک عام آدمی بھی اپنے صوبہ کے گورنر کے خلاف درخواست دائر کر سکتا تھا اور اپنی شکایات کا ازالہ کروا سکتا تھا۔

(ii) مدینہ کی عدالت کے دروازے خلافت کے تمام شہریوں کے لیے کھلے تھے، جہاں بے وقت اور بغیر خرچ انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔

(iii) شکایت موصول ہونے پر اُس کے مندرجات کی تفتیش کی جاتی اور اُنھیں جانچا پرکھا جاتا تھا۔ مقدمہ کی بظاہر شہادت کی بنا پر فرد جرم تیار کی جاتی۔

(iv) اگر جرم کسی فوجی یا سول افسر سے سرزد ہوا ہوتا تو اُسے اُس کے عہدے سے معزول کر دیا جاتا تھا، تاکہ وہ عدالت کی کارروائی پر نہ تو اثر انداز ہو سکے اور نہ دباؤ ڈال سکے۔

(v) ملزم کو اپنی صفائی کا پورا پورا موقع دیا جاتا تھا تا کہ وہ اپنے خلاف عائد کردہ الزامات کی صفائی پیش کرے۔

(vi) حالات اور واقعات جو ملزم اپنے بیان میں پیش کرتا، اُن کو مناسب اہمیت دی جاتی اور کارروائی کے دوران اُنھیں پیش نظر رکھا جاتا۔ گواہوں پر جرح کے دوران بھی اُن پر نظر رہتی۔

(vii) شکایت کنندہ اور گواہ اصل حالات بیان کرنے اور عدالت کو حقیقت حال دریافت کرنے میں مدد دینے کے لیے آزاد تھے۔

(viii) جرح کے دوران شکایت کنندہ اور گواہ تمام سوالوں کے جواب دینے اور جن حالات میں جرم سرزد ہوا تھا اُن کی تفصیل بتانے کے پابند تھے۔

(ix) شہادت لینے اور فیصلہ دینے میں قرآنی قانون کو اعلیٰ ترین مقام حاصل تھا۔ اگر شکایت کنندہ اور گواہ قرآنی قانون شہادت پر پورے نہ اُترتے تو اُنھیں جھوٹے گواہ ہونے کی قرآنی سزا دی جاتی اور ملزم کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ اِس سلسلہ میں عدالت میں علیحدہ مقدمہ درج کرائے۔

## 6- اسلامی عدالتی نظام کا سٹرکچر

ذیل میں اسلامی عدالتی نظام کا سٹرکچر ملاحظہ کریں۔

### (ا) عدالت عالیہ مرافعہ (سپریم کورٹ)

اسلامی ریاست کی سب سے بڑی عدالت ''عدالت عالیہ مرافعہ'' تھی۔ اِس عدالت کا قاضی ''قاضی القضاۃ'' کہلاتا تھا۔ خلفاء راشدین خود اِس منصب پر فائز تھے۔ اس حوالے سے ایک سوال یہ ہے کہ اگر اعلیٰ عدالت ایک فیصلہ کر دے تو کیا ذیلی عدالت اس کے خلاف فیصلہ دے سکتی ہے، تو ذیل میں اِس حوالے سے ایک مقدمہ درج کیا جاتا ہے جو اِس مسئلے پر واضح روشنی فراہم کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے ایک فوج تیار کی۔ آپ ﷺ نے اِس فوج کو حضرت اُسامہؓ بن زید کی کمان میں دیا۔ فوج کی روانگی سے قبل رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے۔ اِس کے بعد کچھ صحابہ نے محسوس کیا کہ موجودہ حالات میں اس مہم پر عمل کرنا عقل مندی نہیں۔ فیصلہ خلیفہ اوّل کے سامنے پیش کیا گیا۔ دلائل سننے کے بعد خلیفہ اوّل نے اپنا فیصلہ اِن الفاظ میں سنا دیا:

''اگر کتے اور بھیڑیئے مجھے گھسیٹ لے جائیں تو بھی میں وہ فیصلہ واپس نہیں لوں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔''

مقدمہ کی مندرجہ بالا کارروائی عدل کے درج ذیل بنیادی اُصول ظاہر کرتی ہے جو حضرت ابوبکرؓ نے مقرر کیے:

- آپؓ نے یہ بنیادی اُصول قائم کیا کہ جس مقدمہ کا فیصلہ کوئی اعلیٰ عدالت کر دے اُس پر چھوٹی عدالت کو نظر ثانی کا اختیار نہیں۔ چونکہ حضرت اُسامہؓ کو بھیجنے کا فیصلہ نبی کریم ﷺ کا تھا اِس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اِس فیصلے کو تبدیل نہیں کیا۔
- عدالت کے فیصلہ کے بعد انتظامیہ کے پاس کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، سوائے اِس کے کہ وہ ہر قیمت پر اُسے نافذ کرے، خواہ حکومت کو اُس کے نفاذ کے وقت کتنے ہی مخالف حالات کا سامنا ہو۔

### (۲) صوبائی عدالت عالیہ (ہائی کورٹ)

یہ عدالت صوبہ کی سب سے بڑی عدالت ہوتی ہے۔ مختلف صحابہ کرامؓ مختلف صوبوں کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اِس حوالے سے عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی کے سٹرکچر کو چند مقدمات کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے۔

(i) حضرت ابوبکرؓ کے تحت صوبائی عدالتیں

حضرت ابوبکرؓ نے صوبوں میں وہی عدالتی نظام قائم رکھا جو رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا۔ گورنروں اور ججوں کو پورے انتظامی اور عدالتی اختیارات حاصل تھے۔ اگر خلیفہ کے علم میں آتا کہ کوئی غلط فیصلہ ماتحت عدالت نے کیا ہے تو وہ اُس مقدمہ کو اپنی عدالت میں منتقل کرنے کا حکم دیتے یا متعلقہ عدالت کو اپنی ہدایات کے مطابق مقدمہ کی سماعت کرنے کو کہتے۔ حضرت ابوبکرؓ کے تحت صوبائی عدلیہ کے طریق عمل کی وضاحت کے لیے درج ذیل دو مقدمے اہم ہیں۔

(الف) مہاجر بن اُمیہ صنعا کے قاضی تھے۔ دو گانے والیاں اُن کی عدالت میں لائی گئیں۔ ایک رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے کی مجرم تھی۔ ظاہری شہادت سے ثابت تھا کہ ملزمہ نے جرم کیا ہے۔ باقاعدہ سماعت کے بعد جرم ثابت ہو گیا تھا۔ جج نے سزا کا حکم سنا دیا اور اُس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے اور سامنے کے دانت اُکھاڑ دینے کا حکم دیا۔ بعد میں اِس فیصلہ کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کو دی گئی۔ آپؓ نے ضلعی جج کو مندرجہ ذیل مشورہ ارسال کیا:

"تم نے اُن عورتوں کے متعلق جو فیصلہ دیا ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گالی والے گانے گائے تھے میرے علم میں آچکا ہے۔ اگر تم اُس فیصلے کا حکم نہ دے چکے ہوتے تو میں تمھیں اُن کے قتل کا حکم دیتا، کیوں کہ پیغمبروں کی شان میں گستاخی کی سزا عام نہیں یعنی اگر کوئی مسلمان ایسا جرم کرے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور اگر یہ اُمت کے کسی ایسے فرد سے سرزد ہوا ہو جسے مسلمانوں کی پناہ حاصل ہو تو وہ باغی اور غدار قرار پاتا ہے۔"

اس فیصلے سے چند آئینی اور عدالتی نکات سامنے آئے:

(i) قاضی کے سامنے ایسا مقدمہ پیش ہوا جس پر کوئی واضح قانون موجود نہ تھا۔ قاضی نے اپنے اجتہاد سے کام لے کر فیصلہ کر دیا۔ جسے اعلیٰ عدالت نے برقرار رکھا۔

(ii) صوبائی قاضی کا فیصلہ اعلیٰ عدالت کے سامنے پیش ہوا۔

(iii) نئے درپیش حالات کے تحت قانون سازی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

(iv) پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے مرکزی حکومت نے قانون سازی کی۔

(v) گستاخِ رسول ﷺ کی سزا موت مقرر ہوئی۔

(vi) اگر مسلمان گستاخیٔ رسالت کا مرتکب ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو جاتا ہے اُسے سزائے موت دی جائے گی۔

(vii) اگر معاہد (وہ غیر مسلم جس کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کا وعدہ اسلامی حکومت نے کیا ہے) گستاخی رسالت کا مرتکب ہو تو وہ عہد شکن ہو کر غداری کا مرتکب ہوتا ہے اِس لیے سزائے موت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

یہ فیصلہ اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ "رول آف لا (قانون کی حکمرانی)" اُس عہد کے نظامِ حکومت اور نظامِ عدالت کی بنیاد تھی۔

(ب) یمن کے ایک شخص پر چوری کا الزام لگا، تفتیش کرنے اور شہادت پر غور کرنے کے بعد متعلقہ ضلع کے جج نے حکم دیا کہ اُس کا ایک ہاتھ اور ایک پیر کاٹ دیا جائے۔ ملزم نے یمنی جج کے فیصلے کے خلاف مدینہ میں خلیفۃ المسلمین کے حضور اپیل دائر کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مُستَغِیث (مدد طلب کرنے والے) کو عدالت میں طلب کیا، اُس کا بیان سنا اور فیصلہ محفوظ رکھا، جس کا اعلان بعد میں ہونا تھا۔ مقدمہ آپؓ کے سامنے زیر تجویز تھا اور وہ شخص مدینہ میں مقیم تھا۔ رات کو اُس شخص نے ایسی جگہ نماز ادا کرنا شروع کی کہ اُسے دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا "اِس

کا چوری کی بات سے کیا تعلق ہوسکتا ہے (ایسا نیک آدمی کیوں کر چوری کرسکتا ہے)۔''بعد میں حضرت ابوبکرؓ کی بیوی حضرت اسما بن عمیس کے زیورات چوری ہوگئے۔ تحقیق اور تفتیش کی گئی۔ وہ آدمی بھی تلاش کرنے والوں کے گروہ میں شامل ہوگیا۔ وہ اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔''اللہ! جس آدمی کو اِس نیک گھر والوں نے پناہ دی ہے اُسے حفاظت میں رکھنا۔''تفتیش کے نتیجہ میں زیورات ایک سنار کے پاس پائے گئے۔ سنار پر مقدمہ چلایا گیا۔ اُس نے بیان دیا کہ ہاتھ کٹا آدمی زیورات اُس کے پاس لایا تھا اور اُس کے ہاتھ فروخت کیے تھے۔ ملزم پر مقدمہ چلایا گیا۔ مقدمہ کے دوران اُس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اقبال جرم کیا۔ اِس چوری نے اُس شخص کے کردار پر روشنی ڈالی اور اُس کی پہلی شکایت جو حضرت ابوبکرؓ کے پاس زیر غور تھی اُس کا بھی تصفیہ ہوگیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ سنادیا جس کے مطابق چور کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔

### (ii) حضرت عمرؓ کے تحت صوبائی عدالتیں

حضرت عمرؓ نے مرکزی عدلیہ کے اِستحکام کے بعد ججوں کے ایسے ہی تقرر اپنی خلافت کے صوبائی دارالحکومتوں میں بھی کیے۔ یہ صوبائی جج خودمختار تھے اور صرف مرکزی عدلیہ کے ماتحت تھے۔ وہ صوبائی گورنروں کے بجائے براہِ راست مرکزی عدلیہ کے ماتحت فرائض انجام دیتے تھے۔ خلافت کے زیرتحت کچھ علاقوں میں انصاف مہیا کرنے سے متعلق کچھ بے ترتیبی ظاہر ہوئی تھی۔ بزرگ اصحاب رسول ﷺ جو اُن مقامات پر سرکاری کام کے بجائے ذاتی حیثیت میں گئے ہوئے تھے اُن سے مقامی لوگ اپنے جھگڑوں میں مشورہ لیتے۔ اِس طرح یہ اصحابؓ عملاً عدالتیں بن گئے تھے جن کو حکومت نے مقرر نہیں کیا تھا۔ پس ایک طرف اُن سے اور دوسری طرف سرکاری طور پر مقرر ججوں سے متضاد (Contradictory) فیصلے صادر ہوئے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ نے ایک حکم جاری کیا کہ جس میں ایسے اقدام سے منع کیا گیا اور لوگوں کو مطلع کیا گیا کہ انصاف کرنا صرف ریاست کا کام ہے۔ اِس طرح بہت اہم اصحابؓ مثلاً عبداللہؓ بن مسعود کو بھی ان معاملات میں جو اُن کے پاس لائے جاتے فیصلہ کرنے سے باز رکھا گیا۔ مندرجہ بالا حکم سے عدلیہ اور زیادہ واضح شکل میں نمودار ہوئی اور صوبائی نظامِ عدالت مستحکم ہوا۔ مندرجہ ذیل اہم جج تھے جن کا تقرر حضرت عمرؓ نے مختلف صوبوں میں کیا تھا:

ابو قرۃ کو کوفہ کا پہلا جج مقرر کیا گیا تھا۔ اُن کے بعد قاضی شریح بن حارث آئے۔ وہ ایک ممتاز اور ذہین قاضی تھے۔ گو وہ صحابی رسول ﷺ نہ تھے، پھر بھی حضرت عمرؓ نے کوفہ جیسے اہم صوبہ کی عدلیہ کی ذمہ داری اُنھیں سونپی۔ عبادہ بن صامت فلسطین کے قاضی تھے۔ وہ اُن پانچ صحابہ میں سے تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا قرآن حفظ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ اُن کے تقویٰ، علم اور عدالتی معاملوں میں عمیق نظری کے باعث اُن کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ابودرداؓ ایک بڑے اور ذی عزت صحابی رسول ﷺ شام کے قاضی مقرر کیے گئے تھے۔ صحابہ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ صوبائی عدالتیں فراہمی انصاف میں آزاد اور خودمختار تھیں۔ انتظامی اُمور میں وہ صوبے کے گورنر سے مدد لیتیں۔

### (iii) عدالت فوق العادۃ (سپیشل ٹربونل)

یہ عدالت خاص حالات میں خاص معاملات کے متعلق قائم ہوتی تھی۔ رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں اِس قسم کی عدالتوں کی مثالیں موجود ہیں۔

### (iv) صیغۂ افتاء (Judgment Department)

خلفائے راشدین نے جہاں جھگڑوں کو نبٹانے کے لیے عدالتی نظام قائم کیا، وہاں پر شرعی مسائل کی رہنمائی کے لیے محکمہ افتاء بھی قائم کیا۔ اس میں مقتدر صحابہ کو علمائے دین کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ اُن کے سوا اور کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا۔

## 7- قاضیوں کی اہلیت، اوصاف اور قانونی ماخذ

### (ا) قاضی کی اہلیت

نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے مقرر کردہ قاضی، علم و فضل، تقویٰ اور اسلامی فقہ کی تفہیم میں بلند ترین درجہ پر فائز ہوتے تھے۔ ایسے جج مقرر کیے جاتے جو عالی نسب اور اعلیٰ مرتبہ کے حامل ہوتے، تاکہ کسی سے مرعوب نہ ہوں، دولت مند ہوں تاکہ رشوت کی جانب راغب نہ ہوں۔ اُن کو خطیر تنخواہ دی جاتی جب کہ اُن کو تجارت وغیرہ کرنے کی اجازت نہ تھی۔

### (۲) قاضی کے اوصاف

اسلام کے نظام عدالت میں قاضی کو چند بنیادی خصوصیات اور اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔ ذیل میں اُن کو درج کیا جاتا ہے:

(i) قاضی عدالت کے فرائض اِس یقین کامل کے ساتھ انجام دے کر خدا اُسے دیکھ رہا ہے اور وہ خدا کے حضور جواب دہ ہے۔

(ii) عدالت کا کام وقار کے ساتھ کرنا چاہیے۔

(iii) فریقین میں برابر کا معاملہ کرے۔ کسی ایک فریق کو کسی رنگ میں بھی دوسرے فریق پر فوقیت نہ دے۔

(iv) قاضی کو غربا اور باہر سے آنے والے لوگوں کے مقدمات کی سماعت پہلے کرنی چاہیے تاکہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں

(v) مقدمات کے فیصلے تنہائی میں نہ کرے۔ اِس سے بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(vi) تحفے قبول نہ کرے کیونکہ یہ معنوی رشوت ہے۔

(vii) قاضی کو غصہ کے عالم میں عدالت میں کام نہیں کرنا چاہیے۔

(viii) عورتوں اور مردوں کی سماعت الگ الگ ہونی چاہیے۔

(ix) فریقین کو قاضی کے سامنے بیٹھنا چاہیے۔

(x) قاضی فریقین میں سے کسی ایک کو گھر یا تنہائی میں ملنے یا گفتگو کرنے کی اجازت نہ دے تاکہ شبہات جنم نہ لے سکیں۔

(xi) قاضی صرف ظاہری حالت کے مطابق فیصلہ دے۔

(xii) عدالت میں رویہ نرم رکھنا چاہیے لیکن اُصول ترک نہ کیے جائیں۔

(xiii) مدعی (دعویٰ کرنے والا) اور مدعی علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا ہے یعنی ملزم) دونوں کے بیانات پوری توجہ کے ساتھ سن کر فیصلہ کرنا چاہیے اور فیصلے سے پہلے بار بار سوچنا چاہیے۔

(xiv) قاضی مقدمہ کی پیشی اور شہادتیں گزارنے کے لیے ایک تاریخ مقرر کر دے۔

(xv) قاضی گواہ سے دریافت کرے کہ کیا وہ گواہی دینا چاہتا ہے کہ نہیں اور قاضی کسی گواہ پر کسی قسم کا اثر نہ ڈالے۔

(xvi) قاضی ہمیشہ عدل پر قائم رہے۔ کسی حالت میں بھی اُس کا پاؤں نہ ڈگمگائے۔

(xvii) قاضی کو شک وشبہ کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ بصورت دیگر مقدمہ کسی دوسری عدالت میں بھیج دے تاکہ بے انصافی نہ ہو۔

(xviii) قاضی جانب داری اور اقرباء پروری سے کام نہ لے۔

(xix) قاضی کو جب تک گواہوں کی صحت کے بارے میں حتمی یقین نہ ہو جائے، اُس وقت تک سزا نہ سنائے بلکہ توقف کرے اور مزید تحقیق کرے۔

(xx) تمام فیصلے اسلامی شریعت کے مطابق ہوں تبھی وہ معتبر ہوں گے۔

## (۳) قاضی کے قانونی ماخذ

قاضی کے قانونی ماخذ کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں:

''قانون سازی کے بنیادی اُصول تو قرآنِ مجید میں دیے ہوئے تھے۔ سب سے بنیادی اُصول تھا ''باہم مشورے سے حکومت چلانا۔'' خود رسول اللہ ﷺ کو بھی حکم دیا گیا تھا ''وشاورھم فی الامر'' لوگوں سے حکومت کے معاملات میں مشورہ کرو۔ حضرت عمرؓ نے اپنی حیات میں اس دستوری دفعہ پر عمل کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے قرآنی اُصولوں پر مبنی مشاورتی جمہوری قانون سازی کا ادارہ قائم کیا۔''

مندرجہ بالا طریق کار کی وضاحت کے لیے ایک مسئلے کی قانون سازی کا حوالہ دیا جاتا ہے...... عراق کی فتح پر ایک بڑا زرخیز علاقہ مسلم افواج کے قبضہ میں آیا۔ فوج کے افسران خصوصاً مہاجرین کی خواہش تھی کہ زمین فوج کے درمیان تقسیم کر دی جائے۔ حضرت عمرؓ اِس نظریہ سے متفق نہ تھے۔ آپؓ زمین کو ریاست کی ملکیت رکھنا چاہتے تھے اور فوج کے افسر اور سپاہیوں کو ایک مقررہ شرح سے ادائیگی کرنا چاہتے تھے۔ اِس مسئلہ پر شوریٰ کے مختلف اجلاسوں میں بحث و تمحیص ہوئی۔ آخر کار یہ طے پایا کہ مسئلہ انصار کے زُعما پر مشتمل ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے، جو خاص طور پر اِس غرض سے تشکیل دی جائے۔ دونوں فریقوں نے اپنے اپنے نظریے کمیٹی کے سامنے پیش کیے۔ حضرت عمرؓ کا بیان جیسا کہ ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں روایت کیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''تم نے اِن لوگوں کے دلائل سن لیے ہیں۔ شاید یہ سوچتے ہیں کہ میں انھیں اِن کے حقوق سے محروم کرنا چاہتا ہوں، میں نے منقولہ مالِ غنیمت ان میں تقسیم کر دیا ہے۔ تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ زمین اور کاشت کار ایک مشترکہ وقف کی حیثیت میں ریاست کے کنٹرول میں رہیں۔ کاشت کار زمین پر ایک مقررہ رقم کا خراج ادا کریں اور فی کس کے حساب سے جزیہ دیں۔ خراج اور جزیہ مسلمانوں کے لیے ایک مستقل ذریعہ آمدنی بن جائے۔ فوج، بچے اور آئندہ نسلیں اِس مشترکہ وقف سے مستفید ہوں، ہمیں اپنی سرحدوں کی نگرانی کے لیے ایک مستقل فوج رکھنے کی ضرورت ہے۔ مختلف مفتوحہ علاقوں میں چھاؤنیاں قائم کرنا ہیں۔ اگر زمین اور کاشت کار اِن لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے تو پھر اِن منصوبوں پر خرچ کے لیے رقم کہاں سے آئے گی۔''

اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ نے مخالفین کے نظریات کا رد بھی کیا اور بعض آیاتِ قرآنی کے مطالب جو وہ پیش کر رہے تھے اُن کا بھی جواب دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جزیرہ نما عرب کے حدود میں عدالتی نظام قائم کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے تحت عراق اور شام کے کچھ علاقے بھی فتح کر لیے گئے تھے اور اُن کی عدلیہ کے دائرہ اختیار میں آ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی عدلیہ کی حدود پورے عراق، ایران، شام، فلسطین اور مصر کی فتح کے بعد ان میں پھیلا دی تھیں۔ جب فتوحات کا زور تھا اور امن و امان قائم ہوا تو حضرت عمرؓ کو مفتوحہ علاقوں میں رومیوں اور ایرانیوں کے قائم کردہ دو بڑے نظام ہائے قانون و عدل کا سامنا کرنا پڑا۔ اُنھیں مختلف النسل، علاقائی اور مذہبی گروہوں سے بھی سابقہ پڑا۔ یہ ایک بڑا چیلنج تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے قبول کیا اور انتہائی کامیابی سے اِس پر قابو پایا۔ آپؓ نے اُس عدالتی نظام کو وسعت دی اور اُس کی تفصیلات مرتب کیں جو اُنھیں اپنے پیشروؤں سے ملا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کا کہنا ہے:

''اسلامی قانون نے اُصولی اور عملی طور پر حضرت عمرؓ کے تحت اِتنی وسعت اختیار کی کہ بعد کے بیشتر فقہا خصوصاً چاروں فقہی مکاتب فکر کے

بانیوں نے آپؐ کے فیصلوں، اُصولوں اور طریق کار کو اپنے مطالع کا اصل موضوع بنایا۔ حضرت عمرؓ کے دور کے عدالتی فیصلوں نے بڑی حد تک اسلامی قانونی نظام کی ترقی میں حصہ لیا، کیونکہ عدالتی اُصولوں اور نظریوں کے لیے وہ ایک معتبر بنیاد فراہم کرتے ہیں۔''

## 8- اسلامی عدالتی نظام میں ''وکالت'' کی حیثیت

اسلام میں وکالت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کا اندازہ عہدِ فاروقیؓ میں قتل کے ایک مقدمے سے کیا جاسکتا ہے۔ قتل کا ایک مقدمہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں بھیجا گیا تاکہ فیصلہ کردیں۔ سماعت کے بعد ملزم کو قتل کا مجرم قرار دے دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کا اعلان کردیا۔ جس میں قاتل کو سزائے موت دے دی گئی تھی۔ فیصلہ کے اعلان پر مقتول کے ورثاء میں سے ایک نے اعلان کیا کہ اُس نے قاتل کو معاف کردیا ہے اور دعویٰ میں اپنے حصہ سے دست بردار ہوگیا ہے۔ حضرت عمرؓ بہرحال اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔ ایک قانونی ماہر اور فقیہہ عبداللہ بن مسعودؓ اُس وقت عدالت میں موجود تھے۔ عدالت کی اجازت سے اُنھوں نے اپنی رائے یوں ظاہر کی:

> ''تمام ورثاء قتل کے خلاف اپنا حق رکھتے ہیں۔ اگر ایک اپنے حق سے دست بردار ہوجائے اور دوسرے نہ ہوں تو سب کے اتفاق رائے کے بغیر فیصلہ نافذ نہیں ہوسکتا۔'' اُن کی رائے سن کر حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا کہ زیرِ غور مقدمہ کا فیصلہ کس طرح ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا ''قاتل، ورثاء کو خون بہا ادا کریں اور جس نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے اُس کا حصہ اُسے عطا کریں۔'' حضرت عمرؓ نے اُن کی رائے قبول کرلی۔ اِس کے مطابق حکم دے دیا اور پہلا فیصلہ واپس لے لیا۔

- مندرجہ بالا مقدمہ قتل کی کارروائی ظاہر کرتی ہے اسلامی عدلیہ کے سربراہ حضرت عمر بن الخطاب نے ایک ماہرِ قانون کو عدالت کے رُوبرو اپنی رائے دینے کی اجازت دی۔ ماہرِ قانون نے اپنی آزادرائے کے مطابق قانون کی تشریح کی اور اپنی رائے ظاہر کی۔ عدالت نے اُس کی رائے قبول کرلی۔ کیا اِس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ مستند ماہرِ قانون (ایڈووکیٹ) عدالت ہائے انصاف میں پیش ہونے اور عدالت کے سامنے مقدمہ کے قانونی نکات کی وضاحت اپنے نظریہ کے مطابق کرنے میں عدالت کی مدد کرنے کے مجاز ہیں؟ خلافت راشدہ میں ایسے بہت سے مقدمات کا ذکر موجود ہے جن میں قاضی نے ماہرین قانون وفقہ سے ماہرانہ رائے طلب کی اور مقدمات کے مختلف پہلو اُن ماہرین کی رائے سے اُجاگر ہوئے۔ اگر موجودہ وکالت کے پیشے میں مناسب تبدیلیاں کردی جائیں تو وکالت کا ادارہ مفید نتائج برآمد کرسکتا ہے۔

## 9- خلاصۂ بحث

رسول اللہ ﷺ نے ایک بہت ہی منظم اور مربوط عدالتی نظام قائم کیا تھا۔ آپ ﷺ مدینہ کی عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس تھے۔ آپ ﷺ نے اُن صوبوں میں جو مدینہ کی مرکزی حکومت کے دائرہ اختیار میں آگئے تھے صوبائی اور ضلعی جج مقرر فرمائے۔ حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے جانشین کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور اُنھوں نے حکومت اُسی طرح چلائی جیسی رسول اللہ ﷺ کے تحت پائی تھی۔ جو فیصلے اُوپر بیان ہوئے ہیں: جیسے آئین اسلام میں ترمیم کرنے کا مسئلہ اور ایک اعلیٰ عدالت کے فیصلہ پر ادنیٰ عدالت کی نظر ثانی کا مقدمہ ظاہر کرتے ہیں کہ کس نوعیت کے مقدمات خلفائے راشدین کے سامنے پیش آئے۔ عام طور پر اُن کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کو پیش آنے والے دستوری مسائل سے تھا۔ اُن کا تعلق قرآن کے ساتھ ساتھ دوسرے منبع قانون کی حیثیت سے سنت رسول اللہ ﷺ کے تعین کا تھا۔ خلفائے راشدین نے بحیثیت خلیفہ وہ پیچیدہ نوعیت کے مقدمے بھی سنے جو فوجی کمانڈاروں، صوبائی اور ضلعی ججوں کے دائرہ اختیار سے باہر تھے۔ اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا عدالتی نظام نہ صرف اُس وقت کے مسلمانوں کے لیے قابلِ عمل تھا بلکہ آج کی جدید دُنیا کے لیے بھی وہ اُصول اُتنے ہی قابلِ عمل ہیں جتنے کہ عہدِ نبوت ﷺ اور عہدِ صحابہؓ میں تھے۔

سوال 5

# اسلام کا اخلاقی نظام

1- آزاد مغربی ثقافت کی یلغار کی وجہ سے آج ہمارے معاشرہ میں انحطاط نمایاں ہے۔ مذکورہ انحطاط کس حد تک ہمارے نوجوانوں کو متاثر کر رہا ہے؟ اِس اخلاقی انحطاط پذیری کا راستہ کیسے روکا جائے۔ (2005ء)

2- آج کی سائنسی و تکنیکی ترقی کے باوجود معاشرہ اخلاقی تنزلی اور ذہنی انتشار کا شکار ہو رہا ہے۔ اِن حالات میں مذہب کی اہمیت و افادیت پر مدلل انداز سے اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔ (2007ء)

3- اسلام کن اخلاقی اقدار کی تعلیم دیتا ہے؟ کیا مغربی اخلاقی نظام کو دیکھتے ہوئے کوئی تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں؟ (2008ء)

4- اسلام میں اخلاقی اقدار کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مغربی فلسفۂ اخلاقیات کے ساتھ مختصر سا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔ (2010ء)

5- اسلامی تعلیمات کی رُو سے ایمان اور اخلاقیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اِس کے باوجود اسلامی معاشرے میں اخلاقی بگاڑ موجود ہے۔ بحث کریں۔ (2010ء)

6- اسلامی تہذیب کی اہم خصوصیت کے طور پر اسلام کے نظامِ اخلاق پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔ (2019ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- خلافت راشدہ اور اخلاقی اُصولوں کی اہمیت
3- اچھے اخلاق کا فروغ
4- بُرے اخلاق کی ممانعت
5- اسلامی اخلاقی نظام اور مغربی اخلاقی نظام کا موازنہ
6- اسلامی معاشرے میں اخلاقی بگاڑ کی وجوہات
7- سائنس اور اخلاقیات
8- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

اسلام کی بنیاد اِس عقیدے پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص انسانوں پر وحی نازل کی گئی۔ یہ انسان پیغمبر تھے جو خدا کے پیغام کو بندوں تک پہنچانے کا وسیلہ بنے۔ اِس لیے اسلام کے قوانین اور نظامِ اخلاقیات حتیٰ کہ اِس کے تمام عقائد کی بنیاد خدائی احکامات پر ہے۔ یہ ممکن ہے کہ بیشتر صورتوں میں انسانی دانش بھی اِس نتیجے پر پہنچے مگر اُصولی طور پر اِس کے پیغامِ الٰہی ہونے کو اسلام میں فیصلہ کن اہمیت حاصل ہے۔ اخلاق، خلق کی جمع ہے۔ بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''خلق انسان کی اُس کیفیت کا نام ہے جو اُس کے اوصاف کو اپنی طرف مائل کرے۔'' دین کی بنیاد اخلاقی اُصولوں پر قائم ہے جو تمام انبیا علیہم السلام کی دعوت میں مشترک قدر کی حیثیت سے شامل رہے۔ اخلاقیات کو نہ صرف اسلام بلکہ تمام مذاہب میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کی یہ ممتاز خوبی ہے کہ اُس نے معاشرے میں اخلاقی اُصولوں کو عملاً رائج کیا۔

## 2- خلافت راشدہ اور اخلاقی اُصولوں کی اہمیت

خلافت راشدہ کی بنیاد بھی چار اخلاقی اُصولوں پر ہے جن کا ماخذ حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے۔ اِس طرح چار رول ماڈل وجود میں آئے جن میں سے ہر ایک بلند اخلاقی مرتبے پر فائز تھا۔ اُن کا ایک ایک اخلاقی وصف اُن کی پہچان بن گیا۔ وہ چار اخلاقی اوصاف اور اُن سے منسلک شخصیات درج ذیل ہیں:

| | | | |
|---|---|---|---|
| صداقت | صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صورت میں | عدالت | عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صورت میں |
| حیا | عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی صورت میں | شجاعت | علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی صورت میں |

علامہ اقبال نے بھی اِسی طرح کا تجزیہ کرتے ہوئے اِن اخلاقی اُصولوں کی اہمیت کو شاعری کی زبان میں یوں بیان کیا:

؎ سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

## 3- اچھے اخلاق کا فروغ

رسول اللہ ﷺ کے ایک فرمان کے مطابق اسلام کے نزدیک زندگی گزارنے کا اُسلوب اِس طرح ہے:

''ایک دن حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ اپنے عمومی رویہ میں جن اُصولوں کی پاس داری کرتے ہیں وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علم میری دولت، معقولیت میرے مذہب کی بنیاد، محبت میری اصل، تمنا میری سواری، اللہ کا ذکر میرا دوست، اعتماد میرا خزانہ، (اُمت کے لیے) فکرمندی میری ساتھی، حکمت میرا ہتھیار، صبر میرا لبادہ (چوغہ)، قناعت میرا مالِ غنیمت، اعتدال میرا فخر، لہو ولعب سے اعلانِ بریت میرا پیشہ، دیانت داری میری غذا، سچائی میری سفارش، اِطاعت میری کفالت، جدوجہد میری عادت اور میرے دل کی خوشی میری میری نماز ہے۔'' (الشفاء، قاضی عیاض مالکی)

اسلامی اخلاقیات کا آغاز اللہ کے سوا کسی اور کی پوجا سے بریت کے اعلان سے ہوتا ہے، چاہے یہ پوجا اپنے نفس (انا پرستی) کی ہو یا ہمارے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی اشیا کی (بت، اوہام پرستی وغیرہ) اِس کے علاوہ اُن تمام عقائد اور رویوں کو چھوڑ دینے سے جو انسان کو درجہ انسانیت سے گرا دیتے ہیں (کفر، ناانصافی وغیرہ) اسلام میں نسل، رنگ، زبان، جائے پیدائش کی بنیاد پر تمام امتیازات کا خاتمہ کر دیا گیا اور برتری کی بنیاد اخلاق (پرہیزگاری) کو قرار دیا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔'' (الحجرات:13)

ذیل میں چند اخلاق حسنہ کو بیان کیا جاتا ہے:

### (۱) صداقت

سچ بولنا ایک اہم اخلاقی اُصول ہے۔ اِس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ○ (التوبہ: 119)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''

### (۲) عدالت

اگر دیکھا جائے تو دین کی بنیاد اور کائنات کے توازن میں جو مرکزی عمل کارفرما ہے وہ عدل ہے۔ اگر کائنات کا توازن ختم ہو جائے تو قیامت وقوع پذیر ہو جائے گی۔ اِسی طرح جس معاشرے میں عدل ختم ہو جاتا ہے وہاں راہ زنی، ڈکیتی اور بدکاری کی قیامت برپا ہو جاتی ہے۔ اِس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ:8)

ترجمہ: ''اور عدل کرو یہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔''

### (۳) حیا

حیا اسلام کا ایک اہم اخلاقی اُصول ہے۔ معاشرتی اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو جس معاشرے میں حیا باقی نہیں رہتی وہاں پر تمام رشتے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں ہے کہ آپ ﷺ ایک کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

### (۴) شجاعت

شجاعت ایک اہم اخلاقی قدر ہے جو انسان کے اندر خودی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اِس کے علاوہ ضمیر کی طاقت بھی اِسی صفت کی مرہون منت ہے۔ اس کائنات کے اندر سب سے زیادہ کمال درجے میں یہ صفت نبی اکرم ﷺ میں پائی جاتی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔

كَانَ اَشْجَعَ النَّاسِ (حدیث)

ترجمہ: ''آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔''

### (۵) صبر

صبر اخلاقِ حسنہ میں سے ایک اہم وصف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صابرین کا اجر بے حساب رکھا ہے۔ سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے کہ ہر مصیبت پر صبر کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ (لقمان: 17)

ترجمہ: ''اور جو مصیبت پیش آئے اُس پر صبر کر۔''

## (۶) خشوع

خشوع کا مطلب عاجزی اور انکساری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خشوع کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ اِس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ O (المومنون: 2)

ترجمہ: ''ایمان والے وہ ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع (عاجزی) کرتے ہیں۔''

## (۷) عفت وعصمت

عفت وعصمت کا مطلب خود کو ہر بُرائی سے محفوظ رکھنا اور شیطان کے ہر طرح کے وسوسے سے بچتے رہنا ہے۔ قرآن مجید میں مومنوں کو یہ صفت اختیار کرنے کا یوں حکم دیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ... الخ (الاحزاب: 59)

ترجمہ: ''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں کو فرمایئے کہ وہ اپنے اُوپر چادروں کا پلو لے لیا کریں۔''

## (۸) توکل

توکل کا مطلب اپنے اُمور میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا ہے۔ اِس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (الاحزاب: 3)

ترجمہ: ''اور اللہ پر توکل کرو۔''

## (۹) عہد کی پاس داری

عہد کی پاس داری اِنتہائی ضروری ہے۔ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کئی صدیوں تک اِس دُنیا کی امامت کے منصب پر فائز کیے رکھا مگر اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی پاس داری نہیں کی۔ اِس وجہ سے اُنھیں اِس منصب سے معزول کر دیا گیا اور امامت کا منصب بنو اسماعیل کو سونپا گیا اور ہمیں بھی یہی حکم ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی پاس داری کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ (الاسراء: 34)

ترجمہ: ''اور عہد کی پاس داری کرو۔''

## (۱۰) ناپ تول میں دیانت

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی سزا اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کی ہے:

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ (المطففین: 1)

ترجمہ: ''بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے''

### (۱۱) والدین کے ساتھ حسن سلوک

قرآن و حدیث میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا (بنی اسرائیل: 23)

ترجمہ: ''اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''

## 4- برے اخلاق کی ممانعت

اخلاقیات کے سلبی پہلو کا مطلب وہ ''بُرے اخلاق'' ہیں جن کو اختیار کرنے کی ممانعت ہے۔ اِس حوالے سے چند بُرے اخلاق اور اِن کے متعلق ارشادات ربانی دیے جا رہے ہیں۔

### (۱) غیبت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَغۡتَبۡ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا (الحجرات: 12)

ترجمہ: ''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔''

### (۲) بدگمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ الخ (الحجرات: 12)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔''

### (۳) غرور و تکبر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ (لقمٰن: 18)

ترجمہ: ''بے شک اللہ متکبر، اترا کر چلنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔''

### (۴) حسب نسب پر تکبر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ (الحجرات: 13)

ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

### (۵) طعن و تشنیع

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَلْمِزُوٓا اَنْفُسَكُمْ (الحجرات:11)

ترجمہ: ''اور آپس میں طعن و تشنیع و عیب جوئی نہ کرو۔''

### (٦) خیانت

سورۃ انفال میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو اللہ اور اُس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔'' (الانفال:27)

## 5- اسلامی اخلاقی نظام اور مغربی اخلاقی نظام کا موازنہ

### اسلامی اخلاقی نظام

(i) اُصول ازلی و ابدی۔

(ii) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا نظام۔

(iii) عمل نہ کرنے پر آخرت میں سزا ہوگی۔

(iv) اسلامی اخلاقی اقدار پر عمل کرنے کا ہر مسلمان دینی طور پر پابند ہے۔

(v) اسلام میں اخلاقی اُصول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ازلی اور ابدی (Forever) ہیں۔ ہمیشہ سے ہیں اور اِسی طرح رہیں گے۔ اگر سچ ایک اچھا اخلاقی اُصول اور قدر ہے تو یہ ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

### مغربی اخلاقی نظام

(i)- اُصول تبدیل ہو سکتے ہیں۔

(ii)- ریاست اور جدید فلسفہ پر بنیاد ہے۔

(iii)- سزا و جزا کا تصور نہیں۔

(iv)- مذہب ہر آدمی کا ذاتی معاملہ ہے لہٰذا کوئی مذہبی پابندی نہیں۔

مغرب کے جدید فلسفہ کے مطابق اخلاقی اُصول تبدیل ہو سکتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے نہیں۔ اگر آج انسان مل کر فیصلہ کریں کہ سچ، بُری قدر یا بُرا اِخلاقی اُصول ہے اور جھوٹ اچھی قدر اور اچھا اخلاقی اُصول ہے تو یہ بات درست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے مرد سے مرد کی شادی کو اور عورت سے عورت کی شادی کو جائز قرار دے دیا۔ اِس سے پہلے یہ اخلاقی اُصول تھا کہ شادی مرد اور عورت کے درمیان تو جائز ہے مرد کی مرد کے ساتھ اور عورت کی عورت کے ساتھ جائز نہیں۔ لیکن اُنھوں نے جدید فلسفۂ اخلاقیات کی روشنی میں Homosexuality اور Lesbians کو قانونی جواز فراہم کر دیا ہے۔ اُن کے نزدیک یہ اُن کا اجتماعی شعور (Collective wisdom) ہے جس سے اخلاقی اُصول تبدیل ہو سکتے ہیں۔

## 6- اسلامی معاشرے میں اخلاقی بگاڑ کی وجوہات

اسلامی معاشرے میں اخلاقی بگاڑ کی وجوہات درج ذیل ہیں:

- ملکی سطح پر پھیلتی ہو کرپشن۔
- نفس اور خواہش کو معبود بنالینا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان:43)

ترجمہ: ''(اے حبیب ﷺ!) کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیا۔''

- انٹرنیٹ اور دیگر جدید ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال۔
- قرآن وسنت کی تعلیمات سے دُوری۔
- نظامِ تعلیم میں اخلاقی اُصولوں کی عملی تربیت کا فقدان۔
- خانقاہی نظام کی تباہی۔
- قوم کے رہنماؤں کے قول وفعل میں تضاد۔

## 7- سائنس اور اخلاقیات

سائنسی ترقی جس قدر بھی ہو وہ صرف اور صرف انفارمیشن بڑھانے کا ذریعہ ہے۔ سائنس جس قدر بھی ترقی کر جائے انسانوں کی اخلاقی تربیت انسان ہی کر سکتے ہیں۔ یہ مشینوں کے بس کی بات نہیں جب کہ قرآن وسنت کی اہمیت اِس حوالے سے اور بڑھ جاتی ہے کہ اِن کے بغیر انسانی تربیت ہو ہی نہیں سکتی۔

## 8- خلاصۂ بحث

آج مسلمان اگر اپنی عظمت رفتہ کو بحال کرنا چاہتے ہیں اور دُنیا کو نیو ورلڈ آرڈر دینا چاہتے ہیں تو اخلاقی اُصولوں کو ادارہ جاتی (Institutional) شکل دینا ہوگی۔ امریکہ اور یورپ کی ترقی، سائنس وٹیکنالوجی جیسے ثانوی عوامل کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کی ترقی کا راز اخلاقی اُصولوں میں سے چند کی پاس داری ہے۔ مغرب خانگی مسائل اور اُمت مسلمہ سیاسی مسائل کا شکار ہے۔ اگر دُنیا میں آج مشہور ہو جائے کہ امریکہ کا تاجر بددیانت ہے تو پوری دُنیا سے اِس کے سودے (Agreements) منسوخ ہو جائیں اور ترقی کی ساری عمارت اچانک گر جائے گی۔ اِس لیے کہ ترقی کی اصل اخلاقی اُصول ہیں۔ اخلاقی اُصول دو طرح سے ہیں:

1- دُنیا میں حکمرانی کے لیے اخلاقی اُصول

2- خاندان کے نظم کے لیے اخلاقی اُصول

امریکہ اور یورپ جن اخلاقی اُصولوں کی پاس داری کر رہے ہیں وہ نظامِ مملکت سے متعلق ہیں اِس لیے وہ دُنیا کو ڈکٹیٹ کر رہے ہیں۔ خاندانی نظم کے حوالے سے چونکہ وہ بھی اخلاقی اُصولوں کی پاس داری نہیں کر رہے اِس حوالے سے وہ انحطاط کا شکار ہیں اور ہم اِس میں قدرے بہتر ہیں۔ نظامِ مملکت میں ہم اخلاقی اُصولوں کی خلاف ورزی (Violation) کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ہم تنزلی کا شکار ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ معاشی اور حکومتی سطح پر اخلاقی اقدار کو فروغ دیا جائے اور عملاً اچھے اخلاق کو نافذ کیا جائے۔

# اسلام کا اِنتظامی نظام

## اہم نکات

1- تعارف
2- مرکزی نظامِ حکومت
3- صوبائی نظام
4- نظام مالیہ
5- ذرائع آمدن
6- عدالتی نظام
7- احتسابی نظام
8- خلافت راشدہ کا فوجی نظام
9- رفاہ عامہ کا نظام
10- اسلامی سلطنت کا ذِمّیوں سے سلوک
11- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

عہدِ خلافت راشدہ 11 تا 41ھ تیس سالہ دور پر محیط ہے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سید عثمان غنیؓ، سید علی المرتضیٰؓ اور حسن بن علیؓ پانچ خلفا، خلفائے راشدین کہلاتے ہیں۔ ان کے بعد آنے والے خلفا نام کے اعتبار سے تو خلفا ہو سکتے ہیں مگر حقیقتاً وہ خلفائے راشدین کا حصہ نہیں۔ خلافت راشدہ کے نظامِ حکومت کے نمایاں خدوخال دیے جاتے ہیں:

## 2- مرکزی نظامِ حکومت

اسلامی مملکت کا دارالخلافہ مدینہ تھا جو خلیفۂ اسلام کا مسکن تھا۔ مرکزی نظام کا خاکہ کچھ اِس طرح تھا:

### (۱) خلیفہ

حضرت ابوبکرؓ کو خلیفۃ الرسول ﷺ کہا جاتا تھا۔ جب کہ حضرت عمر فاروقؓ اور بعد میں آنے والے خلفا کو امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا۔ امیر المومنین کو وسیع اِنتظامی، فوجی اور عدالتی اختیارات حاصل تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کے قوانین اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے نفاذ اور اُس پر عمل درآمد کے صرف نگران تھے۔ نہ وہ اپنی طرف سے کوئی قانون نافذ کر سکتے تھے اور نہ اُن حدود سے آگے بڑھ سکتے تھے جو قرآن مجید نے قائم کی ہیں۔

### (۲) مجلس شوریٰ

جلیل القدر صحابہ کرامؓ پر مشتمل ''مجلس شوریٰ'' خلیفہ کی مدد کے لیے موجود تھی۔ گو خلیفہ شوریٰ کے مشوروں کا پابند نہ تھا لیکن عام طور پر اُس کے مشوروں پر عمل کیا جاتا تھا۔ یہ شوریٰ، خلیفہ پر کڑی نظر رکھتی اور اُسے سیدھی راہ پر رکھنے کا فریضہ سرانجام دیتی تھی۔

### (۳) مرکزی بیت المال

باقاعدہ بیت المال کی بنیاد عمر فاروقؓ نے رکھی۔ ایک معزز صحابی عبداللہؓ بن اَرقم اِس کے امین تھے۔ اُن کے ماتحت باقاعدہ معاون عملہ مقرر تھا۔ آمدن و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا اور اُس کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔

### (۴) عدالت

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مقدمات کے فیصلوں کے لیے قاضی مقرر کیے۔ مکہ کے قاضی عمر فاروقؓ تھے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے پورے ملک میں عدالتی نظام قائم کیا۔ ہر صوبے میں قاضی مقرر کیے۔ مکہ کے قاضی زیدؓ بن ثابت تھے۔

### (۵) کاتب

مرکز میں کاتب بھی ہوتا تھا جو مرکزی حکومت کے اُمور کا ریکارڈ رکھتا تھا۔ خلیفہ کی طرف سے خط کتابت کرنا اُس کے فرائض میں شامل تھا۔ خلیفہ کی مہر اُسی کے پاس ہوتی تھی۔ حضرت عثمانؓ اور زیدؓ بن ثابت خلیفۂ اول کے کاتب تھے۔

## 3- صوبائی نظام

خلیفۂ اول نے ملکی نظام میں بہتری کے لیے پورے ملک کو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ مدینہ، مکہ، طائف، صنعا، خالان، زبید، نجران، حضر موت، بحرین، عمان، دومۃ الجندل، جرش اور عراق علیحدہ علیحدہ صوبے تھے جب کہ شام بھی چار حصوں میں منقسم تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں شام کو ایک ہی

صوبہ بنادیا گیا جب کہ نئے مفتوحہ علاقوں میں مزید کئی صوبے بنائے گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی مملکت کے صوبوں کی تعداد تیرہ تھی۔ مدینہ، مکہ، یمن، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، فلسطین، مصر صعید، مصر زریں، خراسان، آذربائیجان اور فارس۔

### (۱) عامل

ہر صوبے کا ایک سربراہ تھا جسے عامل کہتے تھے۔ تقرری کے وقت اُس کی جائداد کی فہرست بنائی جاتی اور واپسی پر پڑتال کی جاتی تھی۔ عامل کو اُس کے اختیارات کی فہرست دی جاتی تھی۔ عامل کو دیانت، تقویٰ اور عوام سے نیک سلوک کی تاکید کی جاتی تھی۔

### (۲) قاضی

ہر صوبے میں قاضی مقرر کیا جاتا تھا۔ وہ صوبائی عدلیہ کا سربراہ ہوتا۔ قاضی علوم فقہ کے ماہر، فہم اور نکتہ شناس ہوتے تھے۔ یہ لوگ علمی فضیلت میں بلند پایہ ہوتے تھے۔ اِن کی معقول تنخواہیں دی جاتی تھیں۔

### (۳) کاتب

ہر صوبے کا ایک کاتب یعنی میر منشی ہوتا تھا جو صوبے کی اہم خبروں اور واقعات کی اطلاع خلیفہ کو بھیجتا تھا۔

### (۴) کاتب دیوان

صوبے کی فوج کا سربراہ ہوتا تھا۔ عام طور پر صوبے کا والی فوج کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔

### (۵) صاحب الشُّرط

صوبائی پولیس کا سربراہ تھا۔ امن وامان کا قیام اور مجرموں کی سزاؤں پر عمل درآمد اُس کی ذمہ داری تھی۔

### (۶) صاحب الخراج

صوبے کے محکمہ ریونیو کا انچارج ہوتا تھا۔ وہ حکومت کی طرف سے نافذ کردہ ٹیکس وصول کرنے کا ذمہ دار تھا۔

### (۷) صاحب بیت المال

صوبائی بیت المال کا سربراہ اور امین تھا۔

## 4- نظام مالیہ

خلفائے راشدین نے مالی نظم ونسق کا مکمل نظام قائم کیا۔ اِس کے تحت درج ذیل شعبے تھے:

### (۱) بیت المال

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے افسر بیت المال ابوعبیدہؓ بن الجراح تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے مدینہ میں ایک مرکزی بیت المال قائم کیا۔ عبداللہ بن ارقمؓ اس کے امین تھے۔ آپؓ نے صوبائی صدر مقامات میں بھی بیت المال قائم کیے اور اُن کے لیے مضبوط عمارات تعمیر کرائیں۔ صوبوں کے مصارف سے بچنے والی آمدن مرکزی بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی۔

### (۲) محکمہ مال گزاری

حضرت عمرِ فاروقؓ نے مفتوحہ زمینیں اُن کے اصل مالکوں کے پاس رہنے دیں۔ مال گزاری کی تشخیص کے سلسلے میں ذِمّیوں کے مشورے اور رضامندی کو مدنظر رکھا گیا۔ مال گزاری کی وصولی میں کسی پر قطعاً زیادتی نہ کی جاتی تھی۔ زمین کی آبادکاری کے لیے قانون بنایا کہ جو کوئی زمین آباد کرے گا، وہ اُس کی کی ملکیت ہوگی۔

### (۳) آب پاشی

خلیفہ دوم نے زمینوں کی آب پاشی کے لیے بند اور تالاب تعمیر کرائے۔ مقریزی کہتا ہے کہ مصر میں آب پاشی کے کام کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار کارکن تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کئی نہریں کھدوائیں۔ جن میں مصر میں 99 میل لمبی نہر امیر المومنین، بصرہ میں 9 میل لمبی نہر ابوموسیٰ تھی۔ جب کہ نہر معقل بن یسار دجلہ سے بصرہ تک تعمیر کی گئی تھی۔

### (۴) ٹکسال اور سِکّے

حضرت عمرؓ نے ٹکسال قائم کیا جہاں اسلامی سکے ڈھالے جاتے تھے۔ اِس سے پہلے ایرانی اور رومی سکے چلتے تھے۔

## 5- ذرائع آمدن

اُس دور میں حکومت کو مندرجہ ذیل مدات سے آمدنی حاصل ہوتی تھی:

### (۱) خُمس

جنگوں اور مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہونے والے غنائم کا پانچواں (1/5) حصہ ریاست کا ہوتا تھا جب کہ 4/5 حصہ افواج میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

### (۲) زکوٰۃ

ہر صاحب نصاب مسلمان سے اڑھائی فیصد کے حساب سے وصول کی جاتی تھی۔

### (۳) جزیہ

ذمیوں سے اُن کی حفاظت کے عوض 4، 8 اور 10 درہم سالانہ کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، اپاہج، بیمار اور فوجی خدمات دینے والے ذِمّی جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔

### (۴) خراج

غیر مسلموں سے زمین کی پیداوار کا متعینہ حصہ وصول کیا جاتا تھا۔

### (۵) عُشر

مسلمانوں سے زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ وصول کیا جاتا تھا۔

### (۶) صدقات

صدقات و خیرات جو مسلمان اپنی رضامندی سے بیت المال میں جمع کراتے تھے۔

### (۷) عشور

غیر ملکی تاجروں سے سامان تجارت کا 10 فی صد، مقامی ذمی تاجروں سے 5 فی صد اور مسلمان تاجروں سے اڑھائی فیصد سالانہ کے حساب سے وصول کیا جاتا تھا۔

### (۸) فئے

فئے میں وہ مال آتا تھا جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کو حاصل ہوتا تھا۔ اِس کے علاوہ شاہی خاندان کی زمینیں، آتش کدوں اور گرجاؤں کے لیے وقف زمینیں، لاوارث، باغیوں اور مفروروں کی ملکیت زمینیں براہِ راست مرکز کی ملکیت تھیں۔

### (۹) اخراجات

حکومت کے ارکان، حکام، اماموں، مؤذنوں، فوجیوں اور اساتذہ کو تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں، جب کہ صحابہ کرامؓ اور طلبا کو وظائف دیے جاتے۔ سامان حرب خریدا جاتا اور دیگر جنگی اور حکومتی اخراجات کیے جاتے تھے۔ درس گاہوں اور مساجد کی تعمیر اور رفاہِ عامہ کے کاموں پر اخراجات کیے جاتے تھے۔

## 6- عدالتی نظام

خلفائے راشدین عدل و انصاف کے پیکر تھے۔ اُنھوں نے مرکز خلافت سمیت تمام صوبوں اور اُن کے اضلاع میں باقاعدہ عدالتی نظام قائم کیا۔

### (۱) قاضیوں کا تقرر

خلیفہ دوم نے مرکز اور صوبوں میں اور تمام اضلاع میں قاضی مقرر کیے۔ مدینہ منورہ کے قاضی پہلے ابوالدرداءؓ پھر زیدؓ بن ثابت تھے، کوفہ کے عبداللہؓ بن مسعود، اُن کے بعد قاضی شریح تھے۔ بصرہ کے ابوموسیٰ اشعریؓ اور مصر کے قیسؓ بن ابی العاص سہمی تھے۔ قاضیوں کو خطیر تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں۔

### (۲) قانون کی بالادستی

عدل فاروقی اور عدل حیدری کو عدل و انصاف کی دُنیا میں لازوال شہرت حاصل ہے۔ عدل کی فراہمی میں حضرت عمرؓ نے شاہ و گدا، امیر و غریب، آقا و غلام، بڑے چھوٹے، اپنے بے گانے، عربی و عجمی اور مسلم و غیر مسلم کی تمیز ختم کردی۔ جبکہ حضرت علیؓ نے بھی عدل و انصاف کے سلسلے میں لازوال مثالیں قائم کیں۔

### (۳) قاضی کی اہلیت

خلفائے راشدین کے مقرر کردہ قاضی علم و فضل، تقویٰ اور اسلامی فقہ کی تفہیم میں بلند ترین درجہ پر فائز ہوتے تھے۔ ایسے قاضی مقرر کیے جاتے جو عالی نسب اور اعلیٰ مرتبہ کے حامل ہوتے تاکہ کسی سے مرعوب نہ ہوں، دولت مند ہوں تاکہ رشوت کی جانب راغب نہ ہوں۔ اُن کو خطیر تنخواہ دی جاتی جب کہ اُن کو تجارت وغیرہ کرنے کی اجازت نہ تھی۔

### (۴) عدالتی قوانین

اسلامی قانون کا سب سے بڑا ماٰخذ قرآنِ پاک ہے، پھر احادیث مبارکہ ہیں۔ قاضی اِس بات کے پابند تھے کہ وہ قرآنی قوانین کی روشنی میں فیصلے کریں۔ اگر وہاں سے وضاحت نہ مل سکے تو اجتہاد سے کام لیں۔

### (۵) صیغۂ افتاء

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے متنازعہ فیہ مذہبی مسائل کے حل اور تحقیق کے لیے محکمہ افتاء قائم کیا۔ اِس میں مقتدر صحابہ کو علمائے دین کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔ اِن کے سوا اور کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا۔

### (۶) جیل خانے

حضرت عمر فاروقؓ نے جیل خانے بنوائے جہاں قیدیوں کی اِصلاح کے سارے انتظامات موجود تھے۔ مجرموں کو اسلامی قوانین کے مطابق سزائیں دی جاتی تھیں۔ مدعی پر لازم تھا کہ وہ دعویٰ کا ثبوت دے جب کہ ملزم کو صفائی کا پورا حق دیا جاتا تھا۔ کوئی گناہ گار سزا سے نہ بچ سکتا جب کہ کسی بے گناہ کو سزا نہ دی جاسکتی تھی۔

## 7- احتسابی نظام

- خلفائے راشدین عمالِ حکومت کا سخت احتساب کرتے تھے۔ اگر کسی والی کا جرم ثابت ہو جاتا تو بروقت، کڑی سزا دیتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اِس معاملے میں کسی سے رُورعایت نہ کرتے تھے۔ اُنھوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مالک بن نویرہ کے قتل اور مجاعہ بن مرارہ کی بیٹی سے شادی کرنے پر سخت باز پُرس کی۔ خلیفۂ اول نے حضور اکرم ﷺ کے فیصلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض جرائم کی سزائیں مخصوص کر دیں۔ مثلاً شراب نوشی کی سزا چالیس دُرّے مقرر کی۔ اگر کسی جرم کی سزا قرآن وحدیث میں نہ ملتی تو صحابہ کرامؓ سے باہمی مشاورت کے بعد اتفاق رائے سے سزا عائد کی جاتی۔
- حضرت عمرؓ کے دور میں تمام گورنروں کو حج کے موقع پر مکہ مکرمہ بلایا جاتا اور مجمع عام میں اُن کے خلاف شکایات کا ازالہ کیا جاتا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے مصر کے گورنر عمروؓ بن العاص کے خلاف شکایت کی کہ انھوں نے مجھے بلاقصور سو درے مارے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اُس کے ہاتھ میں کوڑا دیتے ہوئے فرمایا ''اپنا بدلہ لے لو۔'' گورنر کو ہر دُرّے کے بدلے دو اشرفیاں دے کر اپنی پیٹھ بچانا پڑی۔ اِسی طرح ایک شخص نے عمروؓ بن العاص کے بیٹے کی شکایت کی کہ اُس نے مجھے بلا خطا کوڑے مارے۔ ساتھ ہی وہ کہتا تھا کہ ''ہم بڑوں کی اولاد ہیں۔'' فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا ''اُٹھو اور اپنا بدلہ لے لو۔'' وہ شخص ابن عمرؓ کو کوڑے مارتا تو حضرت عمرؓ کہتے ''مار مار، بڑوں کی اولاد کو مار۔''
- حضرت سعدؓ بن وقاص نے اپنے گھر کے سامنے ڈیوڑھی تعمیر کرائی تو حضرت عمرؓ کے حکم سے ڈیوڑھی کو آگ لگا دی گئی۔ مصر کے والی عیاض بن غنم کے بارے میں باریک کپڑے پہننے، چھنے آٹے کی روٹی کھانے، ترکی گھوڑے کی سواری کرنے اور ڈیوڑھی تعمیر کرنے کی شکایت موصول ہوئی تو خلیفہ نے محتسب اعلیٰ حضرت محمد مُسلمہؓ کو تحقیقات کے لیے بھیجا۔ الزامات درست ثابت ہونے پر آپؓ نے حضرت عیاضؓ کو کمبل پہنایا اور اُن کے ہاتھ میں ڈنڈا دے کر بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاضؓ بن غنم انکار تو نہ کر سکتے تھے البتہ بار بار کہتے تھے کہ اِس سے تو مر جانا بہتر ہے۔ خالدؓ بن ولید پر ایک شاعر اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دینے کا الزام لگا تو حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے اُنھی کے عمامہ سے اُن کی مشکیں کس دیں اور بھرے مجمع میں صفائی مانگی۔ حضرت خالدؓ نے اپنا جرم تسلیم کر لیا۔ معزول ہو گئے لیکن اُف تک نہ کی۔
- حضرت عثمانؓ نے گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کو شراب نوشی کے جرم میں دُرّے لگوائے۔ حضرت علیؓ نے بھی حضرت عمر فاروقؓ کی طرح لوگوں کی اِصلاح کے لیے وہ درہ ہاتھ میں رکھا۔ بے لاگ احتساب کے سلسلے میں اُنھوں نے اپنے چچازاد عبداللہ بن عباسؓ کا بھی لحاظ نہ کیا۔

## 8- خلافت راشدہ کا فوجی نظام

عہدِ رسالت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اِس میں قدرے اِصلاح کی۔ حضرت عمرؓ نے ولیدؓ بن ہشام کے مشورے سے پہلی مرتبہ 15ھ میں فوج کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا۔ اُس کا نام دیوان تھا۔ اُنہی کا رائج کردہ نظام بعد کے خلفا کے دور میں بھی نافذ رہا۔

### (۱) صاحب دیوان

فوجی محکمہ کا افسرِ اعلیٰ تھا۔ فوج کی بھرتی، فوجیوں کا ریکارڈ رکھنا اور اُن کو تنخواہیں اور وظائف دینا اُس کے فرائض میں شامل تھا۔

### (۲) فوجی تنظیم

فوج کے مختلف دستے ہوتے تھے۔ پیدل، سوار، تیرانداز، قاری، مترجم، خطیب، طبیب، جراح، محتسب، قاضی اور پرچہ نویس ہوتے تھے۔

### (۳) تنخواہیں اور مراعات

حضرت ابوبکرؓ کے دور میں فوج کو وظائف دیے جانے لگے جب کہ مالِ غنیمت کا 4/5 حصہ بھی فوج میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ سوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ ملتا تھا۔ عمر فاروقؓ کے دور میں فوج کو باقاعدہ تنخواہ دی جانے لگی جو 200 درہم سے 5000 درہم سالانہ تھی۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں تنخواہ سو سو درہم اور بڑھا دی گئی۔ علاوہ ازیں سپہ سالار کو فتوحات کے عوض نقد انعام بھی دیا جاتا تھا۔

### (۴) فوجی چھاؤنیاں

خلیفہ اوّل کے دور میں عارضی فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں۔ جب کہ عمر فاروقؓ کے دور میں مستقل چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں۔ جنھیں جُند کہا جاتا تھا۔ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، دمشق، حمص، اردن اور فسطاط وغیرہ بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں نئے مفتوحہ علاقوں میں مزید چھاؤنیاں تعمیر کی گئیں۔

### (۵) فوج کے لیے سہولتیں

خلفائے راشدین کے دور میں فوج کو طعام کے علاوہ لباس بھی ملنے لگا۔ حضرت عمرؓ کے دور میں جو فوجی گھوڑا اور اسلحہ نہ خرید سکتے تھے، اُنھیں حکومت مہیا کرتی تھی۔ کسی فوجی کو گھر سے دُور رہنے پر مجبور نہ کیا جاتا۔ چار ماہ بعد لازمی رُخصت دی جاتی جب کہ اتفاقیہ رُخصت بھی دی جاتی۔ فوجی کے اہل و عیال کی ضروریات پوری کی جاتیں اور شہداء کے اہلِ خانہ کی کفالت کی جاتی تھی۔

### (۶) جنگی گھوڑے اور چراگاہیں

چھاؤنیوں میں ہر وقت جنگی گھوڑے اور اُونٹ موجود رہتے۔ اُن کی ران پر "جیش فی سبیل اللہ" کے الفاظ داغے جاتے۔ گھوڑوں اور اُونٹوں کے لیے سرکاری چراگاہیں مخصوص کی گئیں۔ جابجا گھوڑوں کے اصطبل بنائے گئے جہاں جنگی گھوڑے ضروری ساز و سامان کے ساتھ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے چراگاہوں کے قریب چشمے بھی جاری کرائے۔

### (۷) فوجی مشقیں

خلفائے راشدین فوج کو جدید فنونِ حرب اور اسلحہ سے آراستہ کرتے تھے۔ سپاہیوں کو شہسواری، شمشیر زنی، تیراندازی، نیزہ بازی اور ننگے پاؤں دوڑنے کی مشقیں کرائی جاتی تھیں۔ اُنھیں جفاکشی کا سبق دیا جاتا اور تاکید کی جاتی کہ ننگے پاؤں چلیں، نرم کپڑے نہ پہنیں۔ رکاب کے سہارے گھوڑے پر سوار نہ ہوں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں اور حماموں میں نہ نہائیں۔

### (۸) اعلیٰ کمانڈروں کا تقرر
خلفائے راشدین اعلیٰ ترین سپہ سالاروں کا تقرر کرتے تھے۔ اِس لحاظ سے بالخصوص حضرت عمرؓ کا ہر انتخاب لاجواب تھا۔

### (۹) رسد اور کمک کا مربوط نظام
فوج کے لیے خلفائے راشدین کا رسد، کمک اور دشمن کی جاسوسی کا نظام بڑا موٴثر اور مربوط تھا۔ چھاؤنیوں میں رسد کے وافر ذخائر موجود اور جنگی گھوڑے مع ضروری ساز و سامان تیار رہتے تھے۔ ابن سعد کی رو سے ہر سال تیس ہزار نئی فوج تیار ہوتی تھی۔ ابن طبری کے بقول کوفہ کی چھاؤنی میں چالیس ہزار فوج ہر دم تیار رہتی تھی۔ مدینہ سے یکے بعد دیگرے لشکر تیار کر کے بھیجے جاتے تھے۔ مدینہ میں ہر قسم کا اسلحہ تیار ہوتا اور بروقت میدان جنگ میں پہنچایا جاتا تھا۔

### (۱۰) جاسوسی کا موٴثر نظام
خلفائے راشدین کے عہد میں دشمن کی جاسوسی کا نظام بڑا موٴثر تھا۔ عراق و شام میں آباد عرب، مسلمانوں کے لیے خبر رسانی اور جاسوسی کا کام کرتے تھے۔ اردن اور فلسطین میں یہودیوں کا فرقہ سامریہ بالخصوص جاسوسی کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ اُنھیں نہ صرف جزیہ معاف تھا بلکہ اُنھیں با قاعدہ مشاہرہ بھی ملتا تھا۔

### (۱۱) مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق
سپہ سالار مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق اور امن و امان کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ یہاں چھاؤنیاں قائم کی جاتیں۔ سرحدی علاقے میں شامی و عراقی عربوں کو آباد کیا جاتا۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں حضرت معاویہؓ نے انطاکیہ سے طرطوس تک فوجی نو آبادیاں قائم کیں۔ ہر ضلع میں ایک عامل، ایک فوجی دستہ، قاضی اور محصل متعین کیے جاتے۔ مفتوحین سے عادلانہ اور منصفانہ سلوک کیا جاتا۔ جزیہ و خراج کی وصولی میں نرمی سے کام لیا جاتا۔ اُنھیں انتظام و انصرام میں شرکت کا موقع دیا جاتا۔ اِس سے مفتوحہ علاقے پر مسلمانوں کی گرفت مضبوط ہو جاتی اور بغاوت کا احتمال نہ رہتا۔

### (۱۲) بحری فوج
حضرت عمر فاروقؓ بڑے محتاط حکمران تھے۔ اِس لیے اُنھوں نے حضرت معاویہؓ کو بحری جنگ کی اجازت نہ دی۔ اسلامی بحریہ کا قیام حضرت عثمانؓ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی اجازت سے پہلا بحری بیڑا تیار کیا۔ اِسی کی مدد سے جزیرہ قبرص (Cyprus) پر قبضہ کیا گیا۔ حضرت معاویہؓ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے چند برسوں میں ہی اسلامی بحریہ کو اِس قدر ترقی دی کہ یہ دُنیا کا سب سے طاقت ور بحری بیڑا بن گیا۔ اِس کے قیام سے بحرِ روم پر مسلمانوں کا تسلط قائم ہو گیا۔ عبداللہ بن قیس حارثی بحری فوج کے پہلے امیر البحر مقرر ہوئے۔

### (۱۳) سن ہجری کا اجرا
حضرت عمر فاروقؓ نے تمام مروجہ سنین کو یکسر ختم کر کے حضرت علیؓ کے رائے کے مطابق سن ہجری کا اجرا کیا جس کی نسبت حضور ﷺ کی ہجرت مدینہ سے ہے۔

## 9- رفاہ عامہ کا نظام
(i) خلفائے راشدین نے حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ رفاہِ عامہ کے بہت سے کام بھی انجام دیے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں متعدد نئے شہر آباد ہوئے جن میں فسطاط، کوفہ اور بصرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپؓ نے بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کی سہولت کے لیے مسافر خانے تعمیر کرائے۔ ذرائع آمد و رفت کو بہتر بنانے کی غرض سے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر کا بھی خاص اہتمام کیا۔

(ii) حضرت عمرِ فاروقؓ نے 17 ہجری میں مکہ سے مدینہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کروائے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ آپؓ نے پرانے رومی اور یونانی سکوں کی اصلاح کی اور نیا درہم جاری کیا۔ آپؓ نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کے لیے ایک قانون نافذ کیا کہ کوئی عربی النسل مرد یا عورت کو غلام نہیں بنایا جاسکتا۔ نیز اگر لونڈی سے اولاد ہو جائے تو وہ لونڈی آزاد تصور کی جائے گی۔

(iii) آپؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بکثرت مساجد تعمیر کروائیں۔ شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ کوفہ میں ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مساجد تعمیر کروائیں۔ روضۃ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے چار ہزار مساجد تعمیر کروائیں اور اُن میں تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کیے۔

(iv) حضرت عثمانؓ کے دور میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے سڑکیں، پل اور مہمان خانے تعمیر کیے گئے۔ کوفہ میں حضرت عقیلؓ اور حضرت ہبارؓ کے مکانات خرید کر وسیع مہمان خانہ تعمیر کرایا۔ مدینہ بئر السائب کے نام سے میٹھے پانی کا کنواں کھدوایا۔ آپؓ نے مدینہ منورہ کو سیلاب سے بچانے کے لیے مہروز نامی بند تعمیر کرایا۔

(v) حضرت ابوبکرؓ نے وظائف کی تقسیم میں مساوات کا اُصول اپنایا تھا لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اِس سلسلے میں سبقت فی الاسلام اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت کو فضیلت کا معیار قرار دیتے ہوئے درجہ بندی کر دی۔ غلاموں کو بھی اپنے آقا کے برابر وظیفہ ملتا تھا۔

(vi) حرمین کی توسیع کی گئی کیونکہ حرمِ کعبہ کی عمارت بہت تنگ تھی۔ 17 ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے اِس کی توسیع کروائی اور اِس کے گرد دیوار بنوا کر اِسے عام آبادی سے الگ کیا۔ آپؓ نے بیت اللہ پر قباطی کا غلاف چڑھایا جو عمدہ مصری کپڑا ہوتا تھا۔ عمرِ فاروقؓ کے دورِ خلافت میں مسجد نبوی ﷺ کی بھی توسیع کی گئی۔ آپؓ نے ازواجِ مطہراتؓ کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی ﷺ سے متصل جتنے مکانات تھے سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے 29ھ میں دس ماہ کی مدت میں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع اور تزئین و آرائش کو بڑے اہتمام سے مکمل کرایا۔ آپؓ نے مسجد کی لمبائی میں 20 گز اور چوڑائی میں تیس گز کا اضافہ کیا۔

## 10- اسلامی سلطنت کا ذمیوں سے سلوک

اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا کو ذمی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اِن کے درج ذیل حقوق متعین کر دیے تھے:

### (۱) جزیہ اور خراج کا نفاذ

اسلامی حکومت نے ذمیوں کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے آسان شرح سے اُن پر جزیہ عائد کیا۔ جو 4، 8 اور 10 درہم سالانہ تھا۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، اپاہج، مفلس اور فوجی خدمات سرانجام دینے والے ذمیوں کو جزیہ معاف تھا۔ مفتوحہ ممالک کی زمینیں تمام حقوق کے ساتھ ذمیوں کے قبضے میں رہنے دی گئیں حتیٰ کہ مسلمانوں کے لیے یہ زمینیں خریدنا ممنوع قرار پایا۔ اِس کے بدلے اُن سے خراج وصول کیا جاتا تھا جو عام طور پر پیداوار کا نصف حصہ ہوتا تھا۔

### (۲) رواداری

غیر مسلموں سے رواداری اور فراخ دلی کا سلوک کیا گیا۔ اُنھیں نہ تہ تیغ کیا گیا نہ اُنھیں غلام بنایا گیا اور نہ اُن کے شہروں، بستیوں اور کھیتوں کو ویران کیا گیا۔

### (۳) ذمیوں سے معاہدے

حضرت ابوبکرؓ کے دور میں شام، عراق اور حیرہ میں ذمیوں سے کیے گئے معاہدے مسلمانوں کی غیر معمولی رواداری کا مظہر ہیں۔ حیرہ کے 7000 باشندوں میں سے ایک ہزار جزیہ سے کلی طور پر مستثنیٰ قرار پائے۔ باقی پر صرف دس درہم سالانہ کے حساب سے جزیہ عائد کیا گیا۔ شام میں جب نازک فوجی صورت حال کے پیش نظر کچھ علاقے چھوڑنا پڑے تو حضرت ابوعبیدہؓ نے وصول شدہ جزیہ ذمیوں کو واپس کر دیا۔

## (۴) معاہدہ بیت المقدس

حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے ساتھ جو معاہدہ بیت المقدس کیا، وہ مسلمانوں کی رواداری اور غیر مسلموں کو عطا کیے گئے حقوق کی زندہ مثال ہے۔ اِس معاہدے کے سنہری اور قابل تقلید الفاظ حسب ذیل ہیں۔ 16ھ میں بیت المقدس کے متعلق جو عہد نامہ عیسائیوں سے ہوا یہاں اُس کا ترجمہ بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:

> ''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے ایلیاء (بیت المقدس) کے لوگوں کو دی۔ یہ امان اُن کی جان و مال، گرجا، صلیب، تن درست، بیمار اور اُن کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، نہ اُن کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے گی اور نہ وہ مسمار کیے جائیں گے۔ نہ اُن کو نہ اُن کے احاطے کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ اُن کے صلیبوں اور اُن کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں اُن پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ اُن میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیاء میں اُن کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیاء والوں پر فرض ہے کہ وہ دوسرے شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں۔ اُن یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اُس کی جان اور مال کی اُس وقت تک حفاظت کی جائے گی جب تک وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور اُن میں سے جو ایلیاء ہی میں سکونت اختیار کرنا چاہے، اُس کے لیے بھی امن ہے۔ اُس کو ایلیاء والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا۔ ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے، وہ بھی، اُن کے گرجے اور صلیب مامون ہیں تا آنکہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائے۔ اِس تحریر پر اللہ اس کے رسول ﷺ، خلفا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقرر جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اِس پر خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیانؓ گواہ ہیں۔''

## (۵) مکمل مذہبی آزادی

مسلمانوں نے قبول اسلام کے لیے ذمیوں پر کوئی جبر نہ کیا۔ اُنھیں اپنے عقیدہ پر عمل پیرا ہونے اور عبادت کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ اُن کی عبادت گاہوں کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا۔ اُن کے تقدس کا پورا خیال کیا گیا۔ اُن کے مذہبی پیشواؤں کی عزت و تکریم میں کوئی کمی نہ آنے دی گئی۔

## (۶) جان و مال کا احترام

خلفائے راشدین کے دور میں ذمیوں کو مسلمانوں کے برابر حقوق دیے گئے۔ اُن کی جانیں اور جائدادیں محترم اور محفوظ قرار دی گئیں۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو اُس سے قصاص لیا جاتا۔ ایک مرتبہ شام میں اسلامی فوج نے ایک ذمی کی فصل پامال کر دی۔ حضرت عمرؓ نے اُسے دس ہزار درہم معاوضہ ادا کیا۔

## (۷) جزیہ کی وصولی میں نرمی

جزیہ اور خراج کی وصولی کے سلسلے میں ذمیوں پر سختی نہ کی جاتی بلکہ نرم رویہ اختیار کیا جاتا۔ خلفا اپنے عاملوں سے اِس بارے میں حلف لیتے نیز مفتوحہ علاقوں سے ذمیوں کے وفد بلا کر اُن سے تحقیق کی جاتی کہ اُن پر سختی تو نہیں کی گئی۔

## (۸) مساوات اور قانونی تحفظ

اسلامی ریاست میں ذمیوں کو عدل و انصاف کے سلسلے میں مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے۔ اُن سے مساوی سلوک روا رکھا گیا۔ قانون کی نظر میں مسلمان، ذمی اور خراجی سب برابر تھے۔

### (۹) پرسنل لاز

ذمیوں کے مذہبی اور ذاتی نزاعات کے مقدمات (نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ) کا فیصلہ اسلامی شریعت کے بجائے اُن کے اپنے مذہبی قوانین اور رسم و رواج کے مطابق کیا جاتا تھا۔ اِس مقصد کے لیے اُنھیں تمام تر عدالتی سہولت حاصل تھی۔

### (۱۰) سرکاری ملازمت اور مشاہرے

عہد خلافت راشدہ میں ذمیوں پر سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھلے تھے۔ مفتوحہ علاقوں میں مالیات کا انتظام و انصرام اُنہی کے ہاتھوں میں تھا۔ اِس کے عوض اُنھیں معقول مشاہرے ملتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے فوجی خدمات سرانجام دینے، جاسوسی کا کام کرنے اور پل و راستے بنانے والوں کو بھی مشاہرے ملتے تھے۔

### (۱۱) نادار ذمیوں کی بیت المال سے مدد

اپاہج اور مفلس ہو جانے والے ذمیوں کو نہ صرف جزیہ معاف کر دیا جاتا بلکہ بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

### (۱۲) جائز پابندیاں

ذمیوں پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ وہ بھی مسلم اکثریت کے حقوق کا خیال رکھیں گے۔ وہ مسلمانوں کی مجلس میں صلیب، شراب اور سور نہیں لائیں گے۔ مساجد کے سامنے صلیب کا جلوس لے کر نہیں آئیں گے اور نہ نماز کے اوقات میں ناقوس بجائیں گے۔

### (۱۳) ظلم و بیگار سے نجات

اسلامی فتوحات سے قبل ایران، روم اور مصر میں سرکاری مذہب اور مسلک سے اختلاف رکھنے والوں پر زندگی اجیرن بنا دی گئی تھی۔ اُنھیں غلام بنا لیا جاتا، اُن سے بیگار لی جاتی تھی، اُن پر بیسیوں قسم کے ٹیکس نافذ تھے اور جاگیرداروں نے کسانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ مسلمانوں نے اُنھیں غلامی اور جاگیرداروں کے استحصال سے نجات دلا کر باعزت مقام عطا کیا۔

### (۱۴) ذمیوں پر اسلام کے اثرات

عہد خلافتِ راشدہ میں لاا کرہ فی الدّین (دین میں کوئی جبر نہیں) کے اُصول پر سختی سے عمل کیا گیا۔ کسی ایک غیر مسلم کو بھی تبدیلی مذہب پر مجبور نہ کیا گیا۔ بلکہ وہ خود ہی کثیر تعداد میں، مسلمانوں کے حسن و سلوک اور اسلام کے سنہری اُصولوں سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ چودہ صدیوں کے بعد آج بھی اُس عہد کے مفتوحہ ممالک میں غیر مسلموں کی تعداد برائے نام ہے۔ علامہ نے اِسی حوالے سے کہا تھا:

ے سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

### 11- خلاصۂ بحث

اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ خلفائے راشدین نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی واضح تعلیمات کی روشنی میں جو نظام قائم کیا، وہ بہت مثالی تھا۔ اُن اُصولوں کو اگر آج کے جمہوری نظام میں نامزد کر دیا جائے تو بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

# اِجماع اور اِجتہاد کے اُصول وضوابط

## (الف) اِجماع قرآن وسنت کی روشنی میں

-1 اِجماع سے کیا مراد ہے؟ اِس کی مختلف اِقسام کی وضاحت کریں۔ نیز قرآن وسنت کی روشنی میں اِس کی اہمیت واضح کریں۔(2017ء)

### اہم نکات

-1 تعارف
-2 اِجماع کی لغوی تعریف
-3 اِصطلاحی معنی
-4 حجیت اِجماع کے دلائل
(الف) قرآن مجید اور حجیت اِجماع
(ب) احادیث نبویہ ﷺ اور حجیت اِجماع
(ج) عقل عام اور حجیت اِجماع
-5 اِجماع کی تاریخ
-6 اِجماع کی اِقسام
-7 صحابہ کرامؓ اور چار مشہور فقہا کے اجماع کی حیثیت
-8 اِجماع کی سند
-9 خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

ماہرین اُصول فقہ نے مآخذ شریعت کو جن چار اقسام میں تقسیم کیا ہے اُن میں سے قرآن وسنت کا تعلق وحی الٰہی سے جب کہ دیگر دو اقسام ''اجماع اور قیاس'' کا تعلق قرآن وسنت کی روشنی میں مجتہدین کے انفرادی اور اجتماعی ''اجتہاد اور قیاس'' سے ہے۔ پہلے دونوں مآخذ پائیدار اُصولوں پر قائم ہیں جب کہ باقی دونوں میں انسانوں کے اتفاق اور قیاس وفکر کو پورا پورا دخل ہے اس لیے اِن کی حیثیت پہلے دونوں مآخذ کی طرح اٹل اور ناقابل تبدیل نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ میں احکام ومسائل کے استخراج (Deduction) واجتہاد کے لیے جو مآخذ پیش نظر رہتے ہیں اُن میں قرآن وسنت کے بعد سب سے اہم ترین مآخذ اور شرعی دلیل اجماع ہے۔

## 2- اِجماع کی لغوی تعریف

''اِجماع'' کے لغوی معنی اشیا کو اکٹھا کرنے اور باہم ملانے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں ''جمع ایک شے کو دوسری شے کے قریب لاکر اُنھیں باہم ملانے کا نام ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ ''میں نے اُسے ملایا تو وہ مل گیا۔''

قرآن کریم میں یہ لفظ کئی جگہ اپنے اِسی لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (القیامۃ: 9)

ترجمہ: ''اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے۔''

## 3- اِصطلاحی معنی

لفظ اِجماع کے اِصطلاحی معنی اِسی لغوی معنی کے قریب قریب ہیں۔ اِصطلاحی معنوں میں کسی زمانے کے مجتہدین کا کسی فیصلے پر جمع (متفق) ہو جانے کا عمل اِجماع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اُصولِ فقہ کی اِصطلاح میں اِس سے مراد اتفاقِ خاص ہے یعنی اُمت محمدیہ ﷺ کے صاحب اِجتہاد علما کسی زمانے میں کسی شرعی مسئلے پر اتفاق کر لیں۔

فخر الاسلام بزدویؒ نے اِس کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے: ''اِجماع اس اُمت کے اہل اجتہاد لوگوں کے کسی زمانے میں کسی معاملے پر باہم اتفاق کر لینے سے عبارت ہے۔'' امام غزالیؒ نے اِس کی زیادہ جامع تعریف کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ہم اِس سے حضرت محمد ﷺ کی اُمت کا خاص طور پر کسی دینی معاملے پر اتفاق مراد لیتے ہیں۔''

اس جگہ امام غزالیؒ نے ''دینی معاملے'' کا اضافہ کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ اِجماع سے مراد کسی دینی معاملے میں تمام اُمت کا اشتراک ہے۔ اگرچہ یہاں مجتہدین کے بجائے اُمت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر اِس سے مراد اہل اِجتہاد کا اتفاق ہی ہے۔

## 4- حجیت اِجماع کے دلائل

علمانے اِجماع کی حجیت پر تین طرح کے دلائل پیش کیے ہیں:

### (ا) قرآن مجید اور حجیت اِجماع

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ کو اِجماع کے جواز کی دلیل میں پیش کیا جاتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (الخ) (البقرۃ: 143)

ترجمہ: ''اور اِسی طرح ہم نے تم کو ایسی جماعت بنا دیا جو ہر پہلو سے اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلے میں گواہ ہو اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (الخ) (آل عمران: 110)

ترجمہ: "تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اِن دونوں آیات مبارکہ میں اُمت محمدیہ ﷺ کی باقی اُمم پر فضیلت کو ایسے اُسلوب سے پیش کیا گیا ہے جس سے اُمت محمدیہ ﷺ کے اِجماع واتفاق کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ جب اشرف ترین امت کسی معاملے پر باہم اتفاق کرے گی تو اِن آیات مبارکہ کی روشنی میں یہ اشرف اور افضل ترین اُمت کا اِجماع واتفاق ہے لہٰذا شریعت اسلامی میں اِس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

اِسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: 103)

ترجمہ: "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو۔"

اِسی طرح سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: 10)

ترجمہ: "اور جس بات میں تم باہم اختلاف کرو تو اُس کا فیصلہ اللہ کے ہی ذمہ ہے۔"

مندرجہ بالا دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی مسئلے پر امت محمدیہ ﷺ کے (اہل) لوگ متفق ہوں گے، وہ اتفاق برحق رہے گا۔

## (۲) احادیث نبویہ ﷺ اور حجیت اجماع

قرآن حکیم کی طرح احادیث مبارکہ سے بھی اُمت کے اجماع کا اثبات ہوتا ہے۔ چند احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں:

(i) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من فارق الجماعة شبرا فمات ميتة جاهلية۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: "جس شخص نے (مسلمانوں) کی جماعت کو ایک بالشت بھر بھی چھوڑا، پھر وہ مرگیا تو اُس کی موت جاہلیت والی موت ہوگی۔"

اِس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے جُدائی کو پسند نہیں کیا گیا اور ایسے کرنے والے شخص کی موت کو جاہلیت والی موت قرار دیا گیا ہے۔

(ii) ایک اور حدیث میں نبی رحمت ﷺ نے لزومِ جماعت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: "جو شخص اس اُمت میں تفرقہ ڈالنا چاہے جب کہ ساری اُمت اکٹھی ہو تو اُس شخص کو قتل کردو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔"

گویا مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونا اِتنا بڑا جرم ہے کہ اُس پر قتل کی سزا دی جاسکتی ہے۔

(iii) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ کا ایک ارشاد مبارک نقل کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے، جو شخص الگ ہوا وہ جہنم میں الگ ہو کر جا پڑے گا۔"

یہ حدیث اِس مضمون پر نص قطعی ہے کہ اُمت کا کسی معاملے پر اتفاق غلط نہیں ہوسکتا۔ اِن کے باہمی اتفاق میں اللہ تعالیٰ کی رضا ضرور شامل ہوتی ہے۔

(iv) حضرت انسؓ نے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک میری اُمت گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوسکتی۔ جب تم کسی مسئلے میں اختلاف دیکھو تو واضح اکثریت کا اِتباع کرو۔"

یہ حدیث سابقہ حدیث کی توثیق کرتی ہے۔ مطلب یہی ہے کہ اُمت کے بڑے قافلے کے ساتھ سفر کرنا چاہیے، تنہا نہیں۔

### (۳) عقلِ عام اور حجیت اجماع

اِجماع کے جواز اور اِس کی اہمیت پر قرآن وسنت کی نصوص کے ساتھ ساتھ عقلی اِستدلال بھی پیش کیا جاتا ہے جو امام شافعیؒ کے بقول اِس طرح ہے:

''ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی مسئلے میں کوئی سنت (حدیث) ہو تو یہ کچھ صحابہؓ سے تو مخفی رہ سکتی ہے مگر اُن کی اکثریت سے نہیں۔ ہمیں یہ بات بھی معلوم ہے صحابہ کرامؓ کی اکثریت نبی اکرم ﷺ سے منقول سنت کے خلاف یا کسی خطا (غلطی) پر اکٹھا نہیں ہو سکتی، اگر اللہ نے چاہا۔''



## 5- اِجماع کی تاریخ



اِجماع کی تاریخ میں تین واضح ادوار نظر آتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

### (ا) دورِ اوّل



اِجماع کی تاریخ میں پہلا دور صحابہ کرامؓ کا ہے۔ صحابہ کرامؓ اپنے سامنے آنے والے تمام ایسے مسائل و معاملات کے حل کے لیے کہ جن کا صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں ذکر نہیں ملتا تھا، اِجتہاد سے کام لیتے تھے۔ یہ سلسلہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت سے شروع ہوا اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں عروج پر جا پہنچا۔ حضرت عمر فاروقؓ خاص طور پر اِس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ صحابہ کرامؓ کو جمع کریں اور اُن سے مشارت اور تبادلہ خیال کریں تاکہ وہ زیرِ نظر معاملے میں کسی نتیجے تک پہنچ جائیں۔ اِس کے بعد آپؓ حکم نافذ فرما دیتے تھے۔ اگر صحابہ کرامؓ میں اِختلاف ہوتا تو حضرت عمرؓ متعلقہ معاملے پر مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھتے اور فقہاء صحابہؓ کے مشورہ سے کسی خاص فیصلے تک پہنچ جاتے۔ اِس طرح آپ اِجماع سے ایسی رائے حاصل کر لیتے تھے جو قوی ہوتی تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے بہت سارے مسائل میں جن کے متعلق صحابہ کرامؓ ہم رائے نہ تھے، اُن کی متفقہ رائے حاصل کی۔ مثلاً چور کی سزا سے متعلق امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے چور سے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا تو وہ ایک رائے پر اکٹھے ہو گئے۔ غسلِ جنابت سے متعلق صحابہ کرامؓ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تمام مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور اُن سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف آراء سے نوازا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''تم لوگ اہلِ بدر ہو، جب تمھارے درمیان اختلاف رائے ہے تو جو لوگ تمھارے بعد ہوں گے، اُن میں تو یہ اختلاف اور زیادہ ہوگا۔'' چنانچہ آپ کی ہدایت پر اُمہات المومنینؓ سے مسئلہ دریافت کیا گیا جو رسول اللہ ﷺ کی نجی زندگی سے پوری طرح واقف وآگاہ تھیں۔ اُن کی رائے پر فیصلہ کیا گیا کہ محض مباشرت سے غسل جنابت ضروری ہو جاتا ہے۔

ایک موقع پر نمازِ جنازہ کی تکبیرات سے متعلق اِختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور چار تکبیروں پر تمام صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ مبارک میں جن باتوں سے متعلق اتفاق رائے ہوا اُن میں دادی کے لیے ترکے کا چھٹا حصہ ملنا نیز یہ کہ وہ ترکے کی تنہا مالک بھی ہو سکتی ہے اور اِس حصے میں زیادہ عورتیں بھی حصہ دار ہو سکتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اِس بات پر بھی اِجماع کیا کہ عورت اور اُس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مسلم مرد کے ساتھ نکاح باطل ہے۔ الغرض، صحابہ کرامؓ کے مُجمَع علیہ (Agreed upon) معاملات بہت زیادہ ہیں۔

### (۲) دورِ ثانی

اِجماع کی تاریخ کا دوسرا دور مجتہدین کا ہے جس زمانے میں ائمہ مجتہدین نے اِجتہادی کام انجام دیا۔ اِس عہد میں دانستہ طور پر باہمی اتفاق رائے یا اِجماع کی کوشش نہیں ہوئی۔ ہر ایک امام نے اپنے اپنے اُصولوں کی روشنی میں اِجتہاد سے کام لیا البتہ یہ ضرور تھا کہ ہر امام اپنے اپنے علاقے کے اجماعات کو اہمیت دیتا تھا۔ مثلاً امام مالکؒ (179ھ) اہلِ مدینہ کے اِجماع کو سب پر مقدم رکھتے تھے اور امام ابو حنیفہؒ (م 150ھ) اہل کوفہ کے مجمع علیہ مسائل کو۔

### (۳) دورِ ثالث

بعد کے ادوار میں عہدِ صحابہؓ کے اجتہادات کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ تمام مجتہدین صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کا خصوصی مطالعہ کرتے تھے اور ہر مجتہد اِس کوشش میں ہوتا تھا کہ صحابہ کرامؓ کے اِجماع سے باہر قدم نہ رکھے بلکہ اِختلاف کی صورت میں بھی وہ حضرات صحابہؓ کے اقوال سے باہر نہ جائے۔

## 6- اِجماع کی اقسام

### اِجماع کی تقسیم بہ اعتبار انعقاد

اجماع کی بہ اعتبار انعقاد حسب ذیل صورتیں ہیں:

(الف) اِجماع صریح (ب) اِجماع سکوتی (ج) اِجماع اُصولی

### (۱) اجماع صریح

اِس سے مراد یہ ہے کہ ایک مسئلے پر تمام فقہا اور مجتہدین ہم رائے ہوں اور اِس رائے کے قبول کرنے کی باقاعدہ صراحت کریں۔ امام شافعیؒ نے اِسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اور تم یا کوئی اور شخص اہلِ علم میں سے یہ نہ کہے کہ یہ بات مجمع علیہ ہے جب تک تم جس عالم سے بھی ملے ہو اُس نے یہی بات نہ کہی ہو۔''

اِجماع کی یہی صورت تمام ائمہ کرام اور مجتہدین کے نزدیک حجت ہے خواہ اُن کا مسلک یہ ہو کہ ہر زمانے کا اِجماع یا یہ کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے کا اِجماع حجت ہے۔ جب مطلق اِجماع کا ذکر آئے تو اِس سے یہی مراد لی جاتی ہے۔

### (۲) اِجماع سکوتی

اگر کسی زمانے کے کچھ مجتہدین نے صراحت کے ساتھ کسی بات پر اِجماع کا اِظہار کیا ہو اور باقی لوگ جو اُس وقت وہاں موجود ہوں اُنھوں نے اُس پر سکوت اختیار کر لیا یعنی نہ اُس کی حمایت کی اور نہ مخالفت، تو ایسا ''اِجماع'' سکوتی کہلاتا ہے۔

### (۳) اِجماع اُصولی

اِجماع کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص زمانے (خصوصاً عہدِ صحابہؓ) میں مجتہدین کسی فقہی مسئلے میں مختلف رائے رکھتے ہوں۔ اِس صورت میں اُس زمانہ کے بعد آنے والے کسی مجتہد کے لیے یہ مناسب اور موزوں نہیں کہ وہ اُن سب کی رائے سے مخالف رائے قائم کرے بشرطیکہ وہاں مسئلہ میں اِختلاف کے باوجود کسی اُصول پر سب کا اِجماع ہو۔

## 7- صحابہ کرامؓ اور چار مشہور فقہا کے اِجماع کی حیثیت

### (۱) صحابہ کرامؓ کا قولی اِجماع

صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ پر زبانی اتفاق کر لیں تو اُس کا ماننا لازم ہوتا ہے۔ اِس قولی اِجماع کو ''اِجماع صریح'' بھی کہتے ہیں۔

### (۲) صحابہ کرامؓ کا سکوتی اِجماع

صحابہ کرامؓ میں سے بعض اِجتہاد کر کے کسی معاملے پر اتفاق کر لیں جب کہ دیگر لوگ اُس اِجماع پر خاموش رہیں تو صحابہؓ کا یہ اِجماع ''سکوتی اِجماع'' کہلاتا ہے۔ فقہی اعتبار سے اِس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

### (۳) چار مشہور فقہا کا اِجماع

چار مشہور فقہا یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا کسی مسئلے پر متفق ہونا فقہی اِعتبار سے "خبر واحد" کے درجے میں ہوتا ہے۔
("خبر واحد" ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس میں نیچے سے لے کر اُوپر تک ایک ہی راوی ہوتا ہے۔)

## 8- اِجماع کی سند

اِجماع کے لیے کسی دلیل (اساس، اصل) کی موجودگی کی ضرورت ہے یا نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مطلق قانون سازی (Absolute legislation) کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے، کسی اور فرد یا افراد کو نہیں، لہٰذا اِجماع کے لیے کسی سند یا بنیاد کا ہونا ضروری ہے۔ نامور مصری استاذ اور محقق محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

> "اِجماع کے لیے کسی سند کا ہونا ضروری ہے اس لیے کہ اِجماع کرنے والے لوگ خود قانون سازی نہیں کر سکتے، جیسا کہ بعض مستشرقین کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی ﷺ، جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آتی ہے، کے لیے ثابت ہے اس لیے اِجماع کے لیے کسی ایسی سند (دلیل) کا ہونا ضروری ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ وہ سند فقہ اسلامی کے اُصولِ عامہ میں سے ہونی چاہیے۔ صحابہ کرامؓ اُن مسائل میں جن میں اُنھوں نے باہم اِجماع کیا ہے کسی سند (دلیل) کو تلاش کرتے تھے تا کہ اُس پر اپنی رائے کو مبنی کر سکیں۔ چنانچہ دادی کی میراث کے معاملہ میں اُنھوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت (خبر واحد) پر اعتماد کیا۔ محارم کو نکاح میں جمع کرنے کے مسئلے میں اُنھوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو بنیاد بنایا۔"

اِس بات پر تمام علما متفق ہیں کہ اِجماع کی سند قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ دونوں میں سے کوئی ایک شے ہو سکتی ہے جیسا کہ مندرجہ بالا مسائل میں سنت نبوی ﷺ کو اساس قرار دیا گیا ہے۔ لیکن کیا ایسے اِجماع کی پابندی ضروری ہوگی جس کی اساس محض قیاس یا مصلحت پر ہو؟ اِس بارے میں تین مسالک ہیں:

### (۱) عدم جواز

پہلا مسلک یہ ہے کہ اِجماع کے لیے کسی قیاس یا اِجتہاد کو سند بنانا درست نہیں ہے۔ قیاس کی وجوہ مختلف ہوتی ہے اور ایک ہی مسئلے میں دو اماموں کا قیاس دو مختلف طریقوں پر ہوتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں اِجماع درست نہ ہوگا۔

### (۲) جواز

دوسرا موقف یہ ہے کہ قیاس اپنی تمام انواع کے ساتھ اِجماع کے لیے سند ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ ایک حجت شرعیہ ہے۔ چونکہ قیاس فی نفسہٖ حجت ہے اس لیے جب کوئی اِجماع کسی قیاس پر مبنی ہوگا تو یہ ایسا اِجماع ہوگا جو کسی شرعی دلیل پر مبنی ہے۔

### (۳) تیسرا مسلک

اِس مسلک کے مطابق اگر قیاس ایسا ہو جس کی علت (وجہ) منصوص علیہ اور اِتنی واضح ہو کہ اُس کو تلاش کرنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت نہ ہو تو اُس قیاس کی بنا پر اِجماع کا وقوع درست ہے۔ اگر اِس کی علت اِتنی مخفی ہو کہ بغیر غور وفکر کے واضح نہ ہوتی ہو تو اُس پر اِجماع کی بنیاد رکھنا درست نہ ہوگا۔

## 9- خلاصۂ بحث

ماخذ شریعت میں اِجماع تیسرے نمبر پر اہم ترین ماخذ ہے۔ اہلسنت کے ہاں اِجماع حجت ہے۔ اسلامی تاریخ میں بہت اہم فیصلے اِجماع کے ذریعے سے منعقد ہوئے، یہاں تک کہ خلفائے راشدین کی خلافت کا انعقاد بھی اِجماع کے ذریعے سے ہوا۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ پاکستان میں مجتہد علما کی ریاستی سطح پر ذمہ داری مقرر کی جائے کہ وہ Consensus کے ساتھ مسائل شریعہ میں پاکستانی مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔

# (ب) اِجتہاد قرآن وسنت کی روشنی میں

1- اِجتہاد کی تعریف کرتے ہوئے فقہ اسلامی کی روشنی میں اِس کی عصری اہمیت واضح کریں۔ (2018ء)

## اہم نکات

1- تعارف
2- اِجتہاد کا لغوی معنی
3- قرآن مجید سے اِجتہاد کا ثبوت
4- سنت نبوی ﷺ سے اِجتہاد کا ثبوت
5- عبادات اور معاملات میں اِجتہاد
6- مجتہد کی اِقسام
7- مجتہد کے لیے شرائط
8- اِجتہادی اداروں کے قیام کے لیے اقدامات
9- اِجتہاد چھوڑنے کے نقصانات
10- دورِ جدید کی ریاست کو اسلامی بنانے میں اِجتہاد اور اِجماع کا کردار
11- کیا ایک پڑھے لکھے مسلمان کو اِجتہاد کا حق حاصل ہے؟
12- خلاصۂ بحث

## 1- تعارف

مسلمان یہ جانتے ہیں کہ اُن کا دین تا قیامت باقی رہے گا کیونکہ اِس میں کسی بھی دور کے انسانوں کو پیش آنے والی ہر ضرورت کے سلسلے میں مکمل رہنمائی موجود ہے یعنی قرآن وسنت میں ہر مرض کی دوا پائی جاتی ہے۔ایسی ہی ایک دوا اِجتہاد ہے جو قرآن وسنت کے اُصولوں سے شرعی حکم نکالنے کا نام ہے۔ظاہر ہے ہر اِنسان اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔اِس کام کی انجام دہی کے لیے اعلیٰ درجے کی علمی صلاحیت درکار ہوگی کیونکہ ''قرآن'' ازل سے ابد تک نازل ہونے والی وحی الٰہی کا خلاصہ ہے اور سنت مطہرہ (وہ ہدایت جو عملاً نبی کریم ﷺ سے اُمت تک منتقل ہوئی ہے)۔اہل عقل سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری نبوت کے ذریعہ فکر وضمیر میں فیصلہ کن تبدیلی پیدا کی اور انسانی زندگی کی تاریخ میں نیا صفحہ کھولا۔اِسی لیے کتاب وسنت کی سمجھ اہل علم اور پرہیز گار لوگوں ہی کا حق ہے۔درحقیقت کتاب وسنت کا ماہر ہی ایسے اُصول نکال سکتا ہے جن سے تمام انسانوں کی بھلائی ہو اور ٹھوس اسلامی احکام سے زندگی کے نئے مسائل کا سامنا کیا جا سکے۔عظیم فقیہ شیخ محمد شلوت لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کے دُنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد آپ ﷺ کے صحابہؓ کو زیادہ وسیع زندگی سے دو چار ہونا پڑا۔تو جب اُنھیں نئے معاملات کا سامنا ہوتا تھا تو وہ قرآن کی طرف رُجوع کرتے تھے۔اگر اُس میں حکم نہیں پاتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کی روایات اور فیصلے ڈھونڈتے تھے۔وہاں بھی حکم نہ ملتا تو شریعت کی رُوح اور مقاصد اور عام قواعد کی روشنی میں حل تلاش کرتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور ہائے خلافت میں مروج طریقہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول روایات کی شدید جستجو کی جاتی تھی۔پھر دار الخلافہ (Capital) میں موجود گہری نگاہ اور شریعت کی رُوح سمجھنے والے جید صحابہؓ سے مشورہ کیا جاتا تھا۔اگر وہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تھے تو اُسے نافذ کر دیا جاتا تھا۔اِس طرح آپ ﷺ کے بعد نئے معاملات میں مشاورت سے رائے حاصل کرنا ایک نیا طریق کار بن گیا کیونکہ قرآن کریم نے خود شوریٰ کا اُصول بیان کیا تھا: ''**وامرھم شوریٰ بینھم**'' (وہ اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے ہیں۔)

## 2- اِجتہاد کا لغوی معنی

کسی کام پر پوری طاقت صرف کرنے اور اُس پر اِنتہائی مشقت اُٹھانے پر طبیعت کو مجبور کرنا اِجتہاد کہلاتا ہے۔(مفردات القرآن)

### اِصطلاحی تعریف

(i) امام غزالیؒ اِجتہاد کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:

''مجتہد کا شرعی احکام کے علم کی تلاش میں اپنی کوشش کرنا۔''

(ii) علامہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں:

''اِجتہاد اُس کوشش کے لیے مخصوص ہے جو شرعی احکام سے متعلق علم حاصل کرنے میں کی جاتی ہے۔''

اِن تعریفات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اِجتہاد قرآن وسنت میں کامل غور وفکر کر کے اُس کی روشنی میں مسائل حل کرنے اور قرآنِ مجید اور سنت رسول ﷺ کے سمندر سے موتی چن کر ایک مالا میں پرونے کا نام ہے۔اِجتہاد کے حوالے سے ایک موضوع یہ بھی زیر بحث ہے کہ آیا انبیا اجتہاد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا رسول اللہ ﷺ کا اِجتہاد اتباعِ وحی کے خلاف تو نہیں؟ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اور دیگر انبیا کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔امام شافعیؒ نے ''الرسالہ'' میں اِس پر دلیل قائم کی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تدبر کرنے کا حکم دیا ہے اور اِس سلسلے میں مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں اِسی طرح نبی اکرم ﷺ کو بھی تدبر کرنے کا

حکم دیا ہے بلکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سب سے زیادہ غور وفکر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی '' یعنی ''صرف وہ وحی ہے جو اُن کی طرف کی جاتی ہے'' سے مراد قرآن مجید ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو اِجتہادِ شرعی کی اجازت دی گئی ہے۔ اور واقعات میں اِس کی بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں جیسے نضر بن حارث کو قتل کرانا وغیرہ۔'' (تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، ج3، ص47)

## 3- قرآن مجید سے اِجتہاد کا ثبوت

اِجتہاد کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی احکام شرع پر غور کرنے اور اِختلافی مسائل پر اصل کی طرف رُجوع کرنے کو واجب کہا ہے۔ قرآن مجید کی سورہ التوبہ میں ارشاد ربانی ہے:

فَلَوۡلَا نَفَرَ مِنۡ کُلِّ فِرۡقَۃٍ مِّنۡھُمۡ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوۡا فِی الدِّیۡنِ (التوبۃ: 122)

ترجمہ: ''پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ مومنوں کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آتی جو دین میں فہم وبصیرت پیدا کرتی۔''

آگے چل کر اِجتہاد کے حق میں اللہ تعالیٰ سورۃ العنکبوت میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت: 69)

ترجمہ: ''اور جنھوں نے ہمارے راستے میں جدوجہد کی ہم اُنھیں اپنا راستہ دکھادیں گے۔''

مولانا تقی امینی ''قرآن مجید سے اِجتہاد کا ثبوت'' میں لکھتے ہیں:

''مسجد حرام میں دُوری کی صورت میں جب کہ وہ نظر کے سامنے نہ ہو اُس کی طرف رُخ اِجتہاد (ظن وتخمین) ہی کی بنا پر ہوتا ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں جب یہ حکم مسلم ہے تو زندگی ومعاشرے کے دیگر مسائل میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔''

اِس سلسلے میں مولانا تقی امینی اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں:

فَوَلِّ وَجۡھَکَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَیۡثُ مَا کُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡھَکُمۡ شَطۡرَہٗ (البقرۃ: 150)

ترجمہ: ''اور جس جگہ بھی آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیجیے اور جہاں بھی تم رہو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کرو۔''

## 4- سنت نبوی ﷺ سے اِجتہاد کا ثبوت

آپ ﷺ کے اقوال اور افعال سے بھی اِجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔

### مثال 1

جب آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو اُن سے پوچھا ''اے معاذؓ! فیصلہ کس طرح کرو گے؟'' حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا ''اے نبی ﷺ! جب میرے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا تو میں سب سے پہلے اس کو ''کتاب اللہ'' سے حل کرنے کی کوشش کروں گا اور اگر اِس مسئلے کا حل قرآن مجید سے نہ نکلتا ہو تو میں ''حدیث'' کی طرف رُجوع کروں گا اور اگر اِس کا حل حدیث سے بھی نہ ملتا ہو تو پھر اِس کے بعد میں اپنی رائے سے اِجتہاد کروں گا اور اِس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتوں گا۔'' آپ ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

## مثال 2

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ارشاد فرمایا:

''جب تم قرآن مجید میں کوئی حکم پاؤ تو اُس کے مطابق فیصلہ کرو اور جب کوئی حکم تم قرآن اور سنت میں نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ جن صحابہؓ کو دُور دراز علاقوں میں ذمہ دار بنا کر بھیجتے تھے اُنھیں کتاب و سنت میں کسی معاملہ کے بارے میں حکم نہ پانے کی صورت میں اِجتہاد کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ ہماری تہذیبی تاریخ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت سے متعلق اِجتہاد سرکاری و اجتماعی انداز میں شروع ہوا اور وہ اِس طرح کہ مملکت کا سربراہ اہلِ علم اہل وفقہ میں سے ممتاز لوگوں کو چن لیتا تھا۔ جب کسی معاملہ میں غور وخوض کے بعد یہ لوگ کسی فیصلہ تک پہنچتے تھے تو اُس پر حکومت اور اُمت عمل کرنے لگ جاتی۔ آج دُنیا کے بڑے ممالک اپنے سیاسی نظام کی بنیاد اِسی اجتماعی اِجتہاد یا بالفاظ دیگر شورائیت پر رکھتے ہیں۔

## 5- عبادات اور معاملات میں اجتہاد

ہمارے یہاں اِجتہاد کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اِس میں عبادات و معاملات سے لے کر قومی و بین الاقوامی اُمور سب شامل ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ مطلقہ عورت کے نفقہ و رہائش پر بھی مجتہدانہ غور و فکر کرتے تھے اور مفتوحہ علاقوں سے حاصل شدہ مالِ غنیمت کی مجاہدین میں تقسیم کے لیے بھی یہی طریقہ اختیار فرماتے تھے۔

## 6- مجتہد کی اقسام

### (۱) مجتہد فی الشرع

اِسے ''مجتہد مستقل'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کسی خاص فقہی مذہب کا بانی ہوتا ہے اور اپنے مقرر کردہ اُصول وقواعد پر دلائل شرعیہ سے مسائل کے احکام کا استنباط (Deduction) کرتا ہے۔ وہ اُصول و فروع میں کسی دوسرے کی تقلید نہیں کرتا۔ مثلاً حنفی مذہب کے بانی امام ابوحنیفہؒ (م 150ھ)، مالکی مذہب کے بانی امام مالکؒ (م 179ھ)، شافعی مذہب کے بانی امام شافعیؒ (م 204ھ)، حنبلی مذہب کے بانی امام احمد بن حنبلؒ (م 241ھ) اور جعفری مذہب کے امام جعفر صادقؒ (م 148ھ) شامل ہیں۔

### (۲) مجتہد فی المذہب

ایسا مجتہد کسی مذہب کا بانی نہیں ہوتا بلکہ اپنے امام کے وضع کردہ اُصول وقواعد پر مسائل کا حل تلاش کرتا ہے۔ اُصول وقواعد میں اُس کا اپنے امام سے اِختلاف نہیں ہوتا البتہ فروعی مسائل میں وہ کسی کا مقلد نہیں ہوتا بلکہ ذاتی اِجتہاد سے فروعی مسائل کو حل کرتا ہے۔ مثلاً حنفی مذہب میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ (م 182ھ) اور امام محمدؒ (م 189ھ)، مالکی مذہب میں امام ابن عبدالبرؒ (م 182ھ) جب کہ شافعی مذہب میں امام مزنیؒ وغیرہ۔

### (۳) مجتہد فی المسائل

ایسا مجتہد صرف اُن فروعی مسائل میں اپنے اِجتہاد سے کام لیتا ہے جن میں اُس کے امام سے کوئی روایت نہ ملتی ہو۔ وہ اُصول وفروع میں اپنے مذہب کے امام کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ صاحب مذہب کے مقرر کردہ اُصول وقواعد کے مطابق نئے مسائل کا استنباط کرتا ہے۔ مثلاً حنفی مذہب میں امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ وغیرہ۔

### (۴) مجتہد مقیّد

اِسے صاحب تخریج بھی کہتے ہیں۔ یہ اپنے امام کے اُصول وآراء کا پابند ہوتا ہے۔ اِس میں اجتہاد والی صلاحیت نہیں ہوتی البتہ وہ اپنے مذہب کے اُصول، احکام کی حقیقت ومنشا اوراُن کے دلائل کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ مجتہد مقیّد کا کام مجمل قول کی تفصیل کرنا اور ایک سے زیادہ جہتیں رکھنے والے قول کا تعین کرنا ہوتا ہے۔ اِس طبقہ میں حنفی مذہب کے فقہا میں امام جصاصؒ وغیرہ شامل ہیں۔

اِن چار اقسام کے افراد کا تعلق مجتہدین سے ہے البتہ علامہ ابن کمال پاشاؒ نے تین قسمیں مزید بیان کی ہیں۔ جو یہ ہیں:

### (i) اصحاب ترجیح

اِن فقہا کا کام یہ ہے کہ دلائل کی روشنی میں بتائیں کہ ان کے امام کی مختلف روایات میں سے کون سی روایت افضل اور کون سی مفضول ہے۔ حنفی مذہب میں علامہ قدوریؒ اصحاب ترجیح میں شامل ہیں۔

### (ii) اصحاب تمیز

یہ فقہا قوی وضعیف اور ظاہر و نادر روایات کے فرق کو اچھی طرح سمجھ کر اُنھیں ممتاز کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔

### (iii) مقلدین محض

یہ وہ لوگ ہیں جن میں مندرجہ بالا اُمور میں سے کسی کی صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ یہ جہاں اور جیسے کوئی قول پاتے ہیں، اُسے نقل کر لیتے ہیں جیسے اندھیری رات میں لکڑیاں چننے والا جو پاتا ہے، سمیٹ لیتا ہے۔

قرآن وسنت میں غور وفکر کرنے والے ائمہ ومجتہدین کی درجہ بدرجہ صلاحیت اور اُن کی دینی علوم میں کوشش کی وجہ سے عالم اسلام کے ہاں اِن کے مقام کے واضح ہو جانے کے بعد اِجتہاد کی شرائط اور اِقسام کا جاننا بھی ضروری ہے۔

## 7- مجتہد کے لیے شرائط

### (۱) قرآن مجید کا علم

مجتہد کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے معارف، اسباب نزول، ناسخ ومنسوخ، قرآت متواترہ، محکم ومتشابہ آیات، قصص اور امثال وغیرہ کی بھرپور معرفت رکھتا ہو۔

### (۲) سنت رسول ﷺ کا علم

مجتہد کے لیے لازم ہے کہ وہ احادیثِ رسول ﷺ کا بھی عالم ہو۔ احادیث کے ناسخ ومنسوخ اور اسبابِ نزول سے بھی واقفیت تامہ رکھتا ہو، احادیث کے متن کے ثبوت اور اُس سے متعلقہ اسماء الرجال (Narrators of the Hadith) کے علم سے بھی کامل آگاہی رکھتا ہو۔

ذیل میں علمائے اُصول، محدثین اور فقہا کے نزدیک 'سنت' کی تعریف دی جا رہی ہے:

### (i) سنت، علمائے اُصول کے نزدیک

علمائے اُصول فقہ نے اسلامی قوانین کے دوسرے بڑے مآخذ کی حیثیت سے سنت کی یہ تعریف بیان کی ہے:

''شرع اسلام میں سنت کے لفظ کا اطلاق اُن تمام اُمور پر ہوگا جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، اِس طرح اُن دلائل پر بھی ہوگا جو نبی کریم ﷺ سے قولاً یا عملاً ثابت ہوئے، لیکن وہ قرآن میں نہیں۔''

**(ii) سنت، محدثین کے نزدیک**

محدثین کے نزدیک سنت کا مفہوم زیادہ عام ہے۔ اُصولیین نبی کریم ﷺ کے صرف اقوال، افعال اور تقاریر کو سنت میں شامل مانتے ہیں۔ اکثر محدثین کے نزدیک آثارِ صحابہؓ اور بعض محدثین کے مطابق آثارِ تابعین بھی سنت کی تعریف میں شامل ہیں۔

**(iii) سنت، فقہا کے نزدیک**

فقہا کے نزدیک سنت کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں کی جاتی ہے:

''ہر وہ چیز جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو لیکن وہ فرائض یا واجبات دین میں سے نہ ہو یعنی ایسا طریقہ جس پر عمل بحیثیت فرض یا واجب نہ کیا جائے۔''

### (۳) اجماع و قیاس کا علم

قرآن وسنت کے بعد مجتہد کے لیے ضروری شرط ہے کہ اُسے اجماع اور قیاس کا بھی بھر پور علم ہو۔ قیاس سے متعلق امام شافعیؒ کا قول ہے ''جو قیاس کو نہیں جانتا، وہ فقیہ نہیں۔''

پس مجتہد کے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے بعد دو اہم مآخذ شریعت، اجماع و قیاس، سے بھی اچھی طرح باخبر ہو اور اُن سے متعلقہ علوم پر بھی کامل دسترس رکھتا ہو۔

### (۴) عربی زبان کا علم

قرآن مجید اور حدیث پاک کی زبان عربی ہے بلکہ خالقِ ارض و سما کے کلام میں عربی مبین ہے۔ چنانچہ عربی زبان کی گرامر، شاعری اور اُسلوب کی ندرت پر کامل دسترس از حد ضروری ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اُسے فصاحت و بلاغت، بیان، بدیع اور معانی کے علوم کا بھی کامل ادراک ہونا چاہیے۔ امام غزالیؒ کے الفاظ میں ''مجتہد کو اِتنا علم ضرور ہونا چاہیے جس سے عربوں کے خطابات اور عربی زبان میں اُن کے طریقوں کو سمجھا جا سکے۔''

## 8- اجتہادی اداروں کے قیام کے لیے اقدامات

اِجتہاد کی ضرورت ہمیشہ سے ہی مسلم رہی ہے اور اِس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں اِس لیے کہ ہر دور میں نت نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں۔ دورِ حاضر میں اِس کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے کیونکہ جدید سائنسی ایجادات نے جہاں بہت سے نئے مسائل پیدا کیے وہیں ٹیسٹ ٹیوب بے بی، انتقالِ خون، بینکنگ میں پیش آمدہ مسائل، اعضا کی پیوند کاری، انشورنس، تصویر کشی اور فن مصوری جیسے دیگر چیلنجز یہ تقاضا کرتے ہیں کہ اِجتہادی اداروں کے قیام کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے جائیں۔ اِس حوالے سے چند تجاویز حسب ذیل ہیں:

### (ا) اسلامی نظریاتی کونسل کی طرز پر دیگر اداروں کا قیام

پاکستان کی نظریاتی شناخت کے لیے علما کے متفقہ بائیس (22) نکات بہت اہم تھے۔ اِس سے قبل قراردادِ مقاصد میں قرآن وسنت کو سپریم لاء کی صورت میں تسلیم کیا گیا اور پھر 1956ء کے آئین میں اسلامی دفعات کو اہمیت دینے کے ساتھ ساتھ 1962ء کے آئین میں کونسل فار اسلامک

آئیڈیالوجی کا ذکر آرٹیکل 199، 203 کے تحت ایک مشاورتی کونسل کی حیثیت سے تھا۔ بعدازاں جب 1973ء کا متفقہ آئین نافذ ہوا تو اُس کے حصہ نہم میں آرٹیکل 227 سے 231 تک اسلامی احکامات کے عنوان سے اسلامی نظریاتی کونسل کا تصور، اُس کی ہیئت ترکیبی، فرائض منصبی اور طریقہ کار سے متعلق شقیں اور احکام درج کیے گئے۔ 24 جولائی 1979ء کو ضیاء الحق حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل کو ہدایت کی کہ وہ پاکستان کے مروجہ نظام کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لے۔ اِس حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا کہ انتخابات کے نظام کا جائزہ، اسلام میں تصورِ سیاست کے وسیع تر تناظر میں لیا جانا چاہیے۔ اِس حوالے سے کونسل نے 79-1978ء میں ایک رپورٹ بھی مرتب کی۔

اسلامی نظریاتی کونسل کا آئینی کردار یہ ہے کہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو اُن کی درخواست پر ایسی سفارشات بھیجے جن پر عمل پیرا ہو کر ایک مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن وسنت کے اُصولوں کے مطابق گزار سکے۔ 1973ء کے آئین میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور اِس کے اراکین بارے ذکر ہے اور اِس کے آرٹیکل 228 میں کونسل کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس کے ارکان کی تعداد کم از کم 8 اور زیادہ سے زیادہ 20 ہوگی۔ صدرِ پاکستان ایسے فرد کو رُکن نامزد کرے گا جس کے بارے میں اُسے علم ہو کہ وہ اسلامی فلسفہ اور قرآن وسنت میں وسیع مطالعہ کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے سیاسی، قانونی اور انتظامی معاملات کو بھی بخوبی سمجھتا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے سے درج بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ بات بہت اہم ہے کہ نہ صرف وفاقی بلکہ صوبائی سطح پر بھی اُس کے ذیلی دفاتر قائم کیے جائیں جو مرکزی کونسل کے تحت کام کریں۔ اِس طرح ہر نئے مسئلہ کو مرکزی کونسل سے پہلے صوبائی کونسلوں میں پیش کیا جاسکے۔

## (۲) تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان اور تمام وفاق ہائے مدارس میں اِجتہادی اداروں کا قیام

نجی شعبہ میں اس وقت پانچ بورڈز کام کر رہے ہیں۔

1۔ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان (بریلوی مکتبہ فکر)
2۔ وفاق المدارس العربیہ (دیوبندی مکتبہ فکر)
3۔ وفاق المدارس السّلفیہ (اہلحدیث مکتبہ فکر)
4۔ رابطۃ المدارس (جماعت اسلامی)
5۔ وفاق المدارس الشیعہ (شیعہ مکتبہ فکر)

اِن تمام بورڈز کی ایک متفقہ تنظیم ہے جس کا نام ''اتحادِ تنظیماتِ مدارس دینیہ'' ہے۔ اِس کے پہلے صدر مولانا سلیم اللہ صاحب اور ناظم اعلیٰ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہیدؒ تھے۔ اِن تمام بورڈز سے انفرادی سطح پر یا مدارس دینیہ کے اِس مشترکہ پلیٹ فارم سے کسی اِجتہادی ادارہ کی نمو ہو سکتی ہے جو ملک و قوم کے لیے بہت مفید ہوگی۔

## (۳) جامعات کے شعبہ ہائے قانون میں موجود سکالرز کا مشترکہ پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر اِجتہادی کام کرنا

اِس وقت پاکستان کی کم وبیش تمام سرکاری اور غیر سرکاری یونیورسٹیز میں قانون کے شعبہ جات موجود ہیں جہاں پر ایسے پروفیسرز جو پاکستانی قانون کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون میں بھی ماہر ہوں، اُنھیں وفاقی حکومت کوئی ایسا مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرے جہاں وہ درپیش جدید مسائل پر اپنی رائے کا کھل کر اِظہار کرسکیں اور اُن کی سفارشات اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیجی جائیں تا کہ کونسل کے ممبران کے سامنے ایک مسئلہ بھرپور وضاحت کے ساتھ آجائے۔

### (۴) تحقیقی اداروں کا قیام

پاکستان میں خالص اِجتہادی نقطۂ نظر سے قائم تحقیقی اِداروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ دیال سنگھ لائبریری میں ایک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم تھا جس نے اِجتہادی حوالے سے اپنے مجلّے ''منہاج'' میں بڑا تحقیقی کام پیش کیا مگر آج وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اِس طرح کے خالص تحقیقی ادارے نجی کے ساتھ ساتھ حکومتی سطح پر بھی قائم ہونے چاہییں۔

## 9- اِجتہاد چھوڑنے کے نقصانات

اگر اجتماعی اِجتہاد کا سلسلہ جاری رہتا تو مسلمان بہت سارے اختلافات سے بچ گئے ہوتے لیکن منصب خلافت وحکومت پر بڑے گھرانوں کے قبضہ وتسلط کے نتیجے میں کم علم وکوتاہ نظر لوگ چھا گئے۔ یہ ایسے لوگ تھے جنھیں نہ قرآن وسنت کی سمجھ تھی اور نہ شورائیت اور استنباط سے کوئی واسطہ تھا۔ کتنی الم ناک بات ہے کہ دیگر قوموں کی سربراہی اُن کے غیر معمولی حد تک کے ذہین وقابل افراد کریں اور آخری رسالت کی علم بردار اُمت کی سربراہی کوتاہ فہم وکم عقل لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ اُمت نہ بانجھ تھی، نہ ہے اور نہ ہوگی۔ اِس میں اہلِ علم وفہم کی قلت کبھی نہ تھی اِس لیے جب بھی حکومتیں ٹھپ ہوئیں تو عوام خود متحرک ہو گئے اور انفرادی اِجتہاد کا سلسلہ چل پڑا۔ اِس میدان کی بڑی شخصیات نے مکاتیب فکر کی بنیاد ڈالی اور لوگ اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے اور باوجودیکہ ائمہ فقہ اور حکمرانوں کے درمیان دُوری رہی بلکہ اکثر ائمہ حکمرانوں کی جانب سے ستائے گئے تاہم وہ اپنے علوم کی اشاعت اور اپنے مکاتب فکر کو پروان چڑھانے میں کامیاب رہے۔

## 10- دورِ جدید کی ریاست کو اسلامی بنانے میں اِجتہاد اور اِجماع کا کردار

دورِ جدید میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جو اِس دور کی اپنی پیداوار ہیں جب کہ شریعت کے اُصول تو ابدی ولافانی ہیں۔ اِن اُصولوں کی روشنی میں درپیش مسائل کا حل ضروری ہے۔ اگر صرف اُسی اجتہاد پر عمل کیا جائے جو قرونِ اولیٰ میں ہو چکا تو شاید دورِ حاضر میں شریعت پر چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُصول کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ ہاں اُصولوں کی روشنی میں جو قوانین وضع کیے جاتے ہیں، اُن میں وقت کے ساتھ ساتھ ضرورت کے مطابق تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اِس حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی رقم طراز ہیں:

> ''ایک مسلمان کے لیے صرف یہی ضروری نہیں کہ وہ نئے پیش آنے والے حالات ومسائل کا جائزہ لے بلکہ مسلمان پر تو شریعت کی طرف سے یہ ذمہ داری بھی عائد ہے کہ وہ اُن پچھلے اِجتہادات پر عمل پیرا ہو اور اُن کا برابر جائزہ لیتا رہے کہ وہ کس حد تک اسلام کے اصل مآخذ قانون...... کتاب وسنت...... سے موافقت رکھتے ہیں۔ یہ جائزہ بھی درحقیقت ایک اِجتہاد ہی ہے۔ دین کو زندہ اور متحرک رکھنے کے لیے یہ جائزہ بہت ضروری ہے۔ جو لوگ اِس جائزہ سے بے پروا ہو جاتے ہیں وہ آہستہ آہستہ تقلید وجمود کا شکار ہو جاتے ہیں اور حیاتِ ایمانی کے اصل سرچشموں کے ساتھ اُن کا تعلق نہایت کمزور ہو جاتا ہے۔'' **(جدید اسلامی ریاست میں قانون سازی، ص60، دارالتذکیر، اردو بازار، مطبوعہ 2005ء)**

درج بالا اقتباس واضح کرتا ہے کہ اِجتہاد کے بغیر صرف جمود ہی طاری ہوتا ہے جس کی وجہ سے اصل سرچشموں (قرآن وسنت) سے تعلق کمزور پڑ جاتا ہے اِس لیے ضروری ہے کہ اِجتہادی اداروں کو فروغ دیا جائے۔ اِس حوالے سے تجاویز دی جا چکی ہیں جن کے تحت تمام اجتہادات اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے لائے جائیں جو مزید بحث وتمحیص کے بعد اُن پر اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جب ایک مسئلہ پر تمام علما وسکالرز کا اتفاق ہو جائے گا تو وہ ایسے اِجماع کے درجہ میں ہوگا جسے کسی علاقے اور زمانے کے علما کرتے آئے ہیں۔ ایران میں پارلیمنٹ سے بالاتر علما کی ایک کونسل قائم ہے جو اِس بات کا جائزہ لیتی ہے کہ کہیں پارلیمنٹ نے کوئی غیر شرعی قانون تو منظور نہیں کر لیا۔ پاکستان میں یہ کام سینیٹ کا ادارہ کر سکتا ہے

بشرطیکہ اُس میں ٹیکنو کریٹس خالصتاً ایسے لوگ لیے جائیں جو دین میں اجتہادی صلاحیت کے حامل ہوں۔ اِس کے ساتھ ساتھ اِن کی تعداد بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ دورِ جدید کی ریاست کو اسلامی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اِجتہاد اور اِجماع کے کردار کو صحیح طور پر سمجھ کر ایسے بااختیار ادارے بنائے جائیں جو اجتماعی مسائل کا حل بغیر کسی بیرونی دباؤ کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نافذ کریں۔

کیا اِجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟

اِجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا اور نہ ہی ہوگا۔

## 11- کیا ایک پڑھے لکھے مسلمان کو اِجتہاد کا حق حاصل ہے؟

نوٹ: اِجتہاد کے لیے جن علوم اور جس طرح کی شخصیت کی ضروری ہے وہ سوال کے شروع میں بیان کر دی گئی ہے۔ مذکورہ شرائط پوری کیے بغیر کسی کو یہ اہم ذمہ داری نہیں دی جانی چاہیے۔ جیسے جو شخص ڈاکٹر نہیں اُسے ہرگز یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ کسی کا آپریشن کرے یا کسی سول انجینئر کو کسی بڑی کمپنی کا فنانس ڈائریکٹر نہیں لگایا جا سکتا تو دینی علوم سے ناواقف کسی ایسے شخص کو یہ حق کیسے دیا جا سکتا ہے جسے فاعل اور مفعول کی بھی پہچان نہ ہو اور جس کے تقویٰ کا یہ عالم ہو کہ خود اُس کے گھر والے اُس کی دیانت پر اعتماد نہ کرتے ہوں؟ بالکل اِسی طرح قرآن میں غور و خوض کر کے وہی شخص صائب رائے دے سکتا ہے جو قرآن کی زبان، ناسخ و منسوخ، اُسلوب، اسبابِ نزول اور محکمات و متشابہات کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم میں بھی ماہر ہو۔

## 12- خلاصۂ بحث

اِجتہاد کی ضرورت جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو تھی، آج کے مسلمانوں کو بھی ہے۔ اِس حوالے سے ذیل کی سفارشات بہت اہم ہیں۔ رائج فقہی مسالک پر نظرِ ثانی کی جائے اور اُن کے احکام کی چھان پھٹک کی جائے۔ یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ کوئی ایک مسلک ہی پورے کا پورا درست ہے اور دوسرے مسالک غلط ہیں۔ چار فقہی مذاہب کے متفقہ مسائل کو علیحدہ کر کے باقی مسائل میں تطبیق کی کوشش کی جائے، کچھ حوالوں سے کام ہو رہا ہے جب کہ بڑے پیمانے پر ابھی ضرورت باقی ہے۔ بقول اقبال:

ے جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

(مٹی اور پتھر سے نئی دُنیا تعمیر نہیں ہوتی بلکہ نئی دُنیا کے مسائل کا حل نئے افکار اور خیالات سے ممکن ہے، جس کا اہم ذریعہ اِجتہاد ہے۔)

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے اِس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، اس میں ہر طرح کی کمی بیشی کو معاف فرمائے، طلبہ سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے اور راقم بھی ہر قاری کے حق میں دعا گو ہے کہ اللہ کریم اُسے ہر طرح کے شر سے محفوظ فرمائے۔ بالخصوص CSS کے طلبہ کو امتحان میں کامیاب فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

# سی ایس ایس

# سابقہ پرچہ جات

# FEDERAL PUBLIC SERVICE COMMISSION
## COMPETITIVE EXAMINATION FOR RECRUITMENT TO POSTS IN BPS-17 UNDER THE FEDERAL GOVERNMENT, 2016

## ISLAMIAT

**PART-II:** Time Allowed: 2 Hours and 30 Minutes　　　　Maximum Marks: 80

**سوال نمبر 2:** تہذیب وتمدن سے کیا مراد ہے؟ اسلامی تہذیب کی خصوصیات بیان کیجئے۔

**سوال نمبر 3:** دین اور مذہب میں کیا فرق ہے؟ انسانی زندگی میں دین کی اہمیت کو دلائل سے واضح کیجئے۔

**سوال نمبر 4:** سیرت طیبہ محمد ﷺ کی روشنی میں عظیم سپہ سالار کی خوبیاں بیان کیجئے۔

**سوال نمبر 5:** نماز کا مفہوم اور اس کی مختلف انواع لکھیئے نیز اس کی روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات بیان کیجئے؟

**سوال نمبر 6:** اسلام میں پبلک ایڈمنسٹریشن پر روشنی ڈالتے ہوئے سرکاری ملازمین کی ذمہ داریوں کی وضاحت کیجئے۔

**سوال نمبر 7:** خلافت راشدہ کی طرز حکمرانی کی روشنی میں اسلام کے سیاسی نظام کی نمایاں خوبیاں بیان کریں۔

**سوال نمبر 8:** عصر حاضر میں امت مسلمہ کو کونسے مسائل درپیش ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اُن کا حل تجویز کیجئے۔

# FEDERAL PUBLIC SERVICE COMMISSION
## COMPETITIVE EXAMINATION FOR RECRUITMENT TO POSTS IN BPS-17 UNDER THE FEDERAL GOVERNMENT, 2017

## ISLAMIAT

**PART-II:** Time Allowed: 2 Hours and 30 Minutes — Maximum Marks: 80

**سوال نمبر 2:** قرآنِ مجید کے بیان کردہ مصارفِ زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟ زکوٰۃ کے سماجی اثرات بیان کرتے ہوئے واضح کریں کہ اِس کی تقسیم سے اسلامی معاشرے میں غربت کو کیسے کم کیا جاسکتا ہے؟

**سوال نمبر 3:** اسلام میں عورتوں کے حقِ وراثت پر ایک تفصیلی شذرہ قلم بند کریں۔

**سوال نمبر 4:** خلفائے راشدین کا انتخاب کیسے عمل میں آیا؟ اُن کی حکومت کو کس حد تک جمہوری قرار دیا جاسکتا ہے؟

**سوال نمبر 5:** واضح کریں کہ کیسے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے مفاہمت کر کے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے عظیم ترین پیغمبرِ امن ہونے کی مثال قائم کی؟

**سوال نمبر 6:** قرآن وسنت کی روشنی میں تزکیۂ نفس کی وضاحت کریں اور معاشرے پر اس کے اثرات کا جائزہ لیں۔

**سوال نمبر 7:** پاکستان میں انتہا پسندی کے اسباب کیا ہیں؟ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کے خاتمے کا حل پیش کریں۔

**سوال نمبر 8:** اجماع سے کیا مراد ہے؟ اس کی مختلف اقسام کی وضاحت کریں۔ نیز قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی اہمیت واضح کریں۔

# حصہ معروضی

1۔ مستحقین زکوۃ کی تعداد کتنی ہے؟

(a) 8 (b) 7 (c) 6 (d) 9

2۔ خلافت راشدہ کی مجموعی مدت؟

(a) 32 (b) 31 (c) 29 (d) 30

3۔ صلاۃ استسقاء کس مقصد کے لیے پڑھی جاتی ہے؟

(a) سورج گرہن (b) چاند گرہن (c) بارش (d) کوئی نہیں

4۔ صلح حدیبیہ تحریر کرنے والے صحابی کا نام ہے؟

(a) حضرت عمرؓ (b) حضرت علیؓ (c) حضرت ابوہریرہؓ (d) حضرت معاذؓ بن جبلؓ

5۔ حج کا لغوی معنی ہے؟

(a) ارادہ کرنا (b) رک جانا (c) بشارت (d) کوئی نہیں

6۔ غزوہ خندق کے موقعے پر نبی کریم ﷺ نے کن نمازوں کو جمع کیا؟

(a) فجر اور ظہر (b) مغرب اور عشاء (c) ظہر اور عصر (d) کوئی نہیں

7۔ جبریل کا لغوی معنی ہے؟

(a) عبداللہ (b) عبدالعزیز (c) عبدالرحمن (d) کوئی نہیں

8۔ غزوہ احزاب کو کہا جاتا ہے؟

(a) غزوہ خندق (b) غزوہ تبوک (c) جنگ موتہ (d) کوئی نہیں

9۔ حضرت عمرؓ نے مارکیٹ انسپکشن کے لیے نامزد کیا؟

(a) شفا بنت عبداللہ (b) کلثوم بنت علی (c) اسماء بنت عمیس (d) کوئی نہیں

10۔ حضرت عمرؓ نے خلیفہ کی نامزدگی کے لیے کمیٹی بنائی جس کے افراد تھے؟

(a) 6 (b) 7 (c) 5 (d) 9

11۔ ''اسلام ایٹ دی کراس روڈ'' کتاب ہے؟

(a) پیر کرم شاہ (b) سید مودودی (c) مفتی محمد حسین نعیمی (d) علامہ محمد اسد

12۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کو کہا جاتا ہے؟

(a) صحیحین (b) صحاح ستہ (c) جامع (d) کوئی نہیں

13۔ امام مالک کو کہا جاتا ہے؟

(a) مجتہد فی المسائل (b) مجتہد فی المذہب (c) مجتہد مطلق (d) کوئی نہیں

14۔ روزے کا مقصد ہے؟

(a) صبر (b) تقویٰ (c) برداشت (d) کوئی نہیں

15۔ حضرت عثمان منتخب کیے گئے؟

(a) حضرت سعد بن ابی وقاص (b) حضرت زبیر (c) حضرت عبدالرحمن بن عوف (d) حضرت طلحہ

16۔ پانچ نمازیں فرض ہوئیں؟

(a) نبوت کے پانچویں سال (b) واقعہ معراج کے موقع پر (c) نبوت کے تیرہویں سال (d) کوئی نہیں

17۔ خطبہ حج الوداع میں افراد کی تعداد تھی؟

(a) ایک لاکھ چوبیس ہزار (b) ایک لاکھ پندرہ ہزار (c) ایک لاکھ اکیس ہزار (d) ایک لاکھ اٹھائیس ہزار

18۔ نظریہ انعطاف نور دیا گیا؟

(a) ابن الہیثم (b) ابن نفیس (c) الخوارزمی (d) کوئی نہیں

19۔ ابوالقاسم زہراوی تھا

(a) فلسفی (b) کیمیادان (c) فزیشن اینڈ سرجن (d) کوئی نہیں

20۔ میثاق المدینہ کی شقیں ہیں؟

(a) بیالیس (b) چوالیس (c) سنتالیس (d) پچاس

## ANSWERS

| 1. | a | 2. | d | 3. | c | 4. | b | 5. | a |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| 6. | c | 7. | a | 8. | a | 9. | a | 10. | a |
| 11. | d | 12. | a | 13. | c | 14. | b | 15. | c |
| 16. | b | 17. | a | 18. | a | 19. | c | 20. | c |

# FEDERAL PUBLIC SERVICE COMMISSION
## COMPETITIVE EXAMINATION FOR RECRUITMENT TO POSTS IN BPS-17 UNDER THE FEDERAL GOVERNMENT, 2018

## ISLAMIAT

**PART-II:** Time Allowed: 2 Hours and 30 Minutes — Maximum Marks: 80

سوال نمبر 2: اجتہاد کی تعریف کرتے ہوئے فقہ اسلامی کی روشنی میں اس کی عصری اہمیت واضح کریں۔

سوال نمبر 3: تزکیہ واحسان سے کیا مراد ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت کرتے ہوئے اس کے انفرادی واجتماعی اثرات بیان کریں۔

سوال نمبر 4: پاکستان میں دہشت گردی کے محرکات کیا ہیں اور معاشرے کو اس سے کیسے نجات دلائی جا سکتی ہے؟

سوال نمبر 5: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں واضح کریں۔

سوال نمبر 6: اسلام کے نظامِ زکوٰۃ اور اس کے رُوحانی، اخلاقی اور معاشرتی اثرات پر ایک تفصیلی شذرہ سپردِ قلم کریں۔

سوال نمبر 7: اسلامی تہذیب کی بنیادی خصوصیات تفصیلاً بیان کریں۔

سوال نمبر 8: نبی کریم ﷺ پیغمبر امن وسلامتی ہیں۔ دلائل سے واضح کریں۔

## حصہ معروضی

1۔ ''صلوۃ الخسوف'' کی نماز ادا کی جاتی ہے؟

(a) بارش کے لیے (b) چاند گرہن کے لیے (c) سورج گرہن کے لیے (d) کوئی بھی نہیں

2۔ غزوہ خندق میں مشرکین کی تعداد کتنی تھی؟

(a) 100 (b) 2500 (c) 10000 (d) 12000

3۔ مصارف زکوٰۃ ہیں:

(a) 8 (b) 9 (c) 7 (d) 5

4۔ ہجرت کے وقت آپ ﷺ کون سی سورت کی تلاوت کر رہے تھے؟

(a) سورۃ یٰسین (b) سورۃ رحمن (c) سورۃ الحجر (d) سورۃ مریم

5۔ مدینہ اور قبا کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟

(a) 4 کلومیٹر (b) 5 کلومیٹر (c) 6 کلومیٹر (d) 7 کلومیٹر

6۔ ''نبی'' کا لغوی معنی کیا ہے؟

(a) وہ شخص جو اچھے طریقے سے برتاؤ کرتا ہے
(b) جو شریعت کے مطابق عمل کرتا ہے
(c) جو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہے
(d) جو اللہ کے ایک ہونے پر یقین رکھتا ہے

7۔ قرآن مجید میں کس صحابی کا نام آیا ہے۔

(a) حضرت معاذؓ (b) حضرت بلالؓ (c) حضرت سعدؓ (d) حضرت زیدؓ

8۔ ''الاتقان فی علوم القرآن'' کس نے لکھی ہے۔

(a) جلال الدین سیوطی (b) الغزالی (c) جلال الدین محلی (d) کوئی نہیں

9۔ قریش میں پہلے کاتب وحی کون تھے؟

(a) حضرت زید بن ثابتؓ
(b) حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ
(c) عبداللہ بن مسعودؓ
(d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ حدیث مشہور کے راویوں کی تعداد ہے؟

(a) 2 (b) 3 (c) 4 (d) 5

11۔ حضرت محمد ﷺ کے تین ہزار سال بعد پیدا ہوئے؟

(a) حضرت ابراہیمؑ (b) حضرت موسیٰؑ (c) حضرت عیسیٰؑ (d) کوئی نہیں

12۔ شاہ ولی اللہ کا حقیقی نام تھا؟

(a) قطب الدین احمد (b) شاہ ابرار الرحمان (c) احمد شاہ (d) کوئی نہیں

13۔ ''خاتم النبیین'' کا لفظ کس سورۃ میں موجود ہے؟

(a) سورۃ البقرہ (b) سورۃ الانعام (c) سورۃ الاحزاب (d) سورۃ یٰسین

14۔ ''تدوین قرآن'' کے حوالے سے کمیٹی کا سربراہ تھا؟

(a) عبدالرحمان بن عوفؓ (b) عبداللہ بن عباسؓ (c) زید بن ثابت (d) کوئی نہیں

15۔ ''نورسی'' کی تحریک کا تعلق کس ملک سے تھا؟

(a) شام (b) ترکی (c) مصر (d) البانیا

16۔ ''فسطاط القرآن'' کس سورۃ کا نام ہے؟

(a) النساء (b) البقرہ (c) انعام (d) الانفال

17۔ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضورﷺ نے کس سے نکاح کیا؟

(a) حضرت حفصہؓ (b) حضرت سودہؓ (c) حضرت صفیہؓ (d) حضرت اُم حبیبہؓ

18۔ ''چکن پاکس'' کا علاج کس نے دریافت کیا؟

(a) الزہراوی (b) ابن سینا (c) ابن زکریا الرازی (d) کوئی نہیں

19۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کا کیا تعلق تھا؟

(a) سسر (b) چچازاد (c) بھائی (d) کوئی نہیں

20۔ حضرت عثمانؓ شہید ہوئے؟

(a) 33ھ (b) 35ھ (c) 36ھ (d) 31ھ

## ANSWERS

| 1. | b | 2. | c | 3. | a | 4. | a | 5. | b |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| 6. | c | 7. | d | 8. | a | 9. | a | 10. | b |
| 11. | a | 12. | a | 13. | c | 14. | c | 15. | b |
| 16. | b | 17. | b | 18. | c | 19. | a | 20. | b |

# FEDERAL PUBLIC SERVICE COMMISSION
## COMPETITIVE EXAMINATION FOR RECRUITMENT TO POSTS IN BPS-17 UNDER THE FEDERAL GOVERNMENT, 2019

## ISLAMIAT

**PART-II:** Time Allowed: 2 Hours and 30 Minutes — Maximum Marks: 80

سوال نمبر 2: توحید کی تعریف کیجئے۔ اس کے معاشرے اور انفرادی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

سوال نمبر 3: میدان جنگ میں ایک سپہ سالار کی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ کے کردار کا جامع خاکہ پیش کیجئے۔

سوال نمبر 4: تحریک حقوقِ نسواں کی موجودہ لہر کے تناظر میں اسلام میں خواتین کے حقوق بیان کیجئے۔

سوال نمبر 5: اسلامی تہذیب کی اہم خصوصیت کے طور پر اسلام کے نظام اخلاق پر تفصیل سے روشنی ڈالئے۔

سوال نمبر 6: اسلام میں حج اور اس کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات پر تفصیلی شذرہ قلم بند کیجئے۔

سوال نمبر 7: کیا انتہا پسندی اسلام کے لیے ایک چیلنج ہے؟ مسلم اُمہ کو درپیش عصری چیلنجز کی روشنی میں بحث کیجئے۔

سوال نمبر 8: اسلام کے سیاسی نظام کے مختلف پہلوؤں کی روشنی میں تجاویز دیجئے کہ پاکستانی سیاست کی اصلاح کیوں کر ممکن ہے؟

## حصہ معروضی

1۔ طلوع فجر کے بعد کونسی نماز ادا کی جاتی ہے؟

(a) ظہر　(b) اشراق　(c) چاشت　(d) کوئی نہیں

2۔ ذوالنورین کس کا لقب ہے؟

(a) حضرت زید بن حارثؓ　(b) حضرت عثمان غنیؓ　(c) طلحہؓ　(d) کوئی نہیں

3۔ بارش کے موقع پر کونسی نماز ادا کی جاتی ہے؟

(a) صلوٰۃ استسقاء　(b) نماز قصر　(c) اشراق　(d) کوئی نہیں

4۔ حضور ﷺ نے کب حج ادا کیا؟

(a) 9ھ　(b) 10ھ　(c) 6ھ　(d) کوئی نہیں

5۔ آپ ﷺ کی پہلی زوجہ کونسی تھی؟

(a) خدیجہؓ　(b) عائشہؓ　(c) سودہؓ　(d) کوئی نہیں

6۔ حج کا خطبہ کس مسجد میں دیا جاتا ہے؟

(a) مسجد خفیف (b) مسجد تقویٰ (c) مسجد قبا (d) مسجد نمرہ

7۔ صحاح ستہ احادیث کی صحیح کتابیں ہیں۔ تعداد کیا ہے؟

(a) 2 (b) 6 (c) 8 (d) کوئی نہیں

8۔ زبور کس پیغمبر پر نازل ہوئی؟

(a) حضرت موسیٰؑ (b) حضرت داودؑ (c) حضرت شعیبؑ (d) کوئی نہیں

9۔ آپ ﷺ نے کس آخری غزوہ میں شرکت کی؟

(a) غزوہ حنین (b) غزوہ خندق (c) غزوہ تبوک (d) کوئی نہیں

10۔ قرآن کا لغوی معنی کیا ہے؟

(a) جس کو بار بار پڑھا جاتا ہے (b) روشنی (c) محفوظ (d) کوئی نہیں

11۔ خلیل اللہ کس پیغمبر کا لقب تھا؟

(a) حضرت ابراہیمؑ (b) حضرت موسیٰؑ (c) حضرت عیسیٰؑ (d) کوئی نہیں

12۔ ارکان اسلام کی تعداد ہے۔

(a) 4 (b) 3 (c) 5 (d) 2

13۔ تہذیب کے لفظ کا معنی ہے۔

(a) تراشنا (b) کامیابی (c) بیج ڈالنا (d) کوئی نہیں

14۔ مصارف زکوٰۃ ہیں۔

(a) 8 (b) 6 (c) 4 (d) 2

15۔ روزہ ہمارے اندر پیدا کرتا ہے۔

(a) تقویٰ (b) صبر (c) شکر (d) کوئی نہیں

16۔ انبیاء پر نازل ہونے والی کتابوں کی تعداد ہے۔

(a) 3 (b) 2 (c) 4 (d) کوئی نہیں

17۔ کس خلیفہ کی خلافت کی مثالیں کثرت سے دی جاتی ہیں۔

(a) حضرت ابوبکرؓ (b) حضرت عثمانؓ (c) حضرت عمرؓ (d) حضرت حسنؓ

18۔ وحی کا لغوی معنیٰ ہے۔

(a) تلاوت کرنا (b) اشارہ کرنا (c) پڑھنا (d) کوئی نہیں

19۔ وہ لوگ جن کا اسلام کا دعویٰ لیکن دل میں کفر ہے۔ کہا جاتا ہے۔

(a) منافقین (b) مشرکین (c) کافرین (d) کوئی نہیں

20۔ قرآن مجید میں ظلم عظیم کسے کہا گیا ہے۔

(a) کفر (b) نفاق (c) بدکاری (d) شرک

# ANSWERS

| 1. | b | 2. | b | 3. | a | 4. | b | 5. | a |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| 6. | d | 7. | b | 8. | b | 9. | c | 10. | a |
| 11. | a | 12. | c | 13. | a | 14. | a | 15. | a |
| 16. | c | 17. | c | 18. | b | 19. | a | 20. | d |

# FEDERAL PUBLIC SERVICE COMMISSION
## COMPETITIVE EXAMINATION FOR RECRUITMENT TO POSTS IN BPS-17 UNDER THE FEDERAL GOVERNMENT, 2020

## ISLAMIAT

**PART-II:** Time Allowed: 2 Hours and 30 Minutes — Maximum Marks: 80

## PART -II

**Note:**
- (i) Part-II is to be attempted on the separate Answer Book.
- (ii) Attempt FOUR questions from PART-II. ALL questions carry EQUAL marks.
- (iii) All the parts (if any) of each Question must be attempted at one place instead of at different places.
- (iv) Candidate must write Q. No. in the Answer Book in accordance with Q. No. in the Q. Paper.
- (v) No Page/Space be left blank between the answers. All the blank pages of Answer Book must be crossed.
- (vi) Extra attempt of any question or any part of the attempted question will not be considered.

سوال نمبر 2: نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں تحمل و برداشت اور عفو و درگزر کو جو مقام حاصل ہے اسکا احاطہ کیجئے۔ (20)

سوال نمبر 3: حضرت علیؓ کی شجاعت اور فقیہانہ تدبر پر ایک جامع شذرہ تحریر کیجئے۔ (20)

سوال نمبر 4: دنیا میں انسانی حقوق کی شعوری بیداری کیلئے ''خطبہ حجۃ الوداع'' اہم اور بنیادی دستاویز ہے۔ بحث کریں۔ (20)

سوال نمبر 5: قرآن وسنت کی روشنی میں جہاد کے اصول وشرائط پر تفصیلی بحث کریں۔ (20)

سوال نمبر 6: میثاق مدینہ کا معاہدہ عمرانی (سوشل کنٹریکٹ) کی حیثیت سے مفصل تجزیہ پیش کریں۔ (20)

سوال نمبر 7: اسلام بلاتمیز رنگ ونسل ومذہب انسانی وقار واحترام کا درس دیتا ہے۔ بحث کریں۔ (20)

سوال نمبر 8: اسلام کا معاشی واقتصادی نظام ہی انسانیت کی معاشی مشکلات کا حل ہے۔ بحث کریں۔ (20)

## حصہ معروضی

1۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، کس سورت میں دو مرتبہ آئی ہے:

(a) آلِ عمران (b) النساء (c) النمل (d) کوئی نہیں

2۔ قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت کس سورۃ میں ہے:

(a) المائدہ (b) الانعام (c) البقرۃ(282) (d) طٰہ

3۔ حروف مقطعات سے کتنی سورتوں کا آغاز ہوتا ہے:

(a) اکیس (b) چوبیس (c) انتیس (d) بتیس

4۔ نبی کریم ﷺ نے کتنے عمرے کیے؟

(a) چار (b) تین (c) دو (d) ایک

5۔ کس مسلمان سائنسدان نے الجبرا پر پہلی کتاب لکھی؟

(a) الخوارزمی (b) جابر بن حیان (c) البیرونی (d) کوئی نہیں

6۔ نبی کریم ﷺ نے کس عمل کو دین کا ستون قرار دیا ہے؟

(a) روزہ (b) نماز (c) جہاد (d) حج

7۔ حضرت بلالؓ کو کس نے آزاد کروایا؟

(a) حضرت ابوبکرؓ (b) حضرت عمرؓ (c) حضرت عثمانؓ (d) حضرت علیؓ

8۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک قرآن مجید کی منسوخ آیات کی تعداد کتنی ہے؟

(a) پانچ (b) سات (c) نو (d) بیس

9۔ فوت شدہ بیٹے کی اولاد ہونے کی صورت میں وراثت میں ماں کا کتنا حصہ ہے؟

(a) 6/1 (b) 4/1 (c) 3/1 (d) 2/1

10۔ انبیاء میں سے مبلغ کا لقب کس نبی کا ہے؟

(a) حضرت شعیبؑ (b) حضرت ابراہیمؑ (c) حضرت موسیٰؑ (d) کوئی نہیں

11۔ ابوسفیان نے اسلام قبول کیا:

(a) صلح حدیبیہ کے موقع پر (b) فتح مکہ کے موقع پر (c) غزوہ حنین کے بعد (d) کوئی نہیں

12۔ مسجدِ قبا کا دوسرا نام کیا ہے؟

(a) مسجدِ ابراہیم (b) مسجدِ تقویٰ (c) مسجدِ نمرہ (d) مسجدِ بلال

13۔ پہلے امیر حج کون تھے؟

(a) حضرت عثمانؓ (b) حضرت علیؓ (c) حضرت ابوبکرؓ (d) حضرت سعدؓ بن عبادہ

14۔ حج کس سن ہجری میں فرض ہوا؟

(a) نو (b) آٹھ (c) سات (d) دو

15۔ اُم المومنین حضرت صفیہؓ قید ہو کر آئیں:

(a) غزوۂ خندق (b) غزوۂ خیبر (c) غزوۂ تبوک (d) کوئی نہیں

16۔ قرآن مجید میں کس پیغمبر کا نام بار بار آیا ہے؟

(a) حضرت موسیٰؑ (b) حضرت ابراہیمؑ (c) حضرت آدمؑ (d) حضرت یوسفؑ

17۔ بنی اسرائیل کس کے بیٹے تھے؟

(a) حضرت یعقوبؑ (b) حضرت اسحاقؑ (c) حضرت اسماعیلؑ (d) حضرت نوحؑ

18۔ حدیث متواترہ میں کم از کم راویوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

19۔ امام دارالہجرت کون تھے؟

(a) حضرت مالک بن انسؒ (b) امام ابوحنیفہؒ (c) امام شافعیؒ (d) امام شعبیؒ

20۔ ارکانِ اسلام میں سب سے اہم رکن کونسا ہے؟

(a) روزہ (b) زکوٰۃ (c) نماز (d) حج

## ANSWERS

| 1. | c | 2. | c | 3. | c | 4. | b | 5. | b |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| 6. | b | 7. | a | 8. | a | 9. | a | 10. | a |
| 11. | b | 12. | b | 13. | c | 14. | a | 15. | b |
| 16. | a | 17. | a | 18. | c | 19. | a | 20. | c |